پائل

5

PDFBOOKSFREE.PK

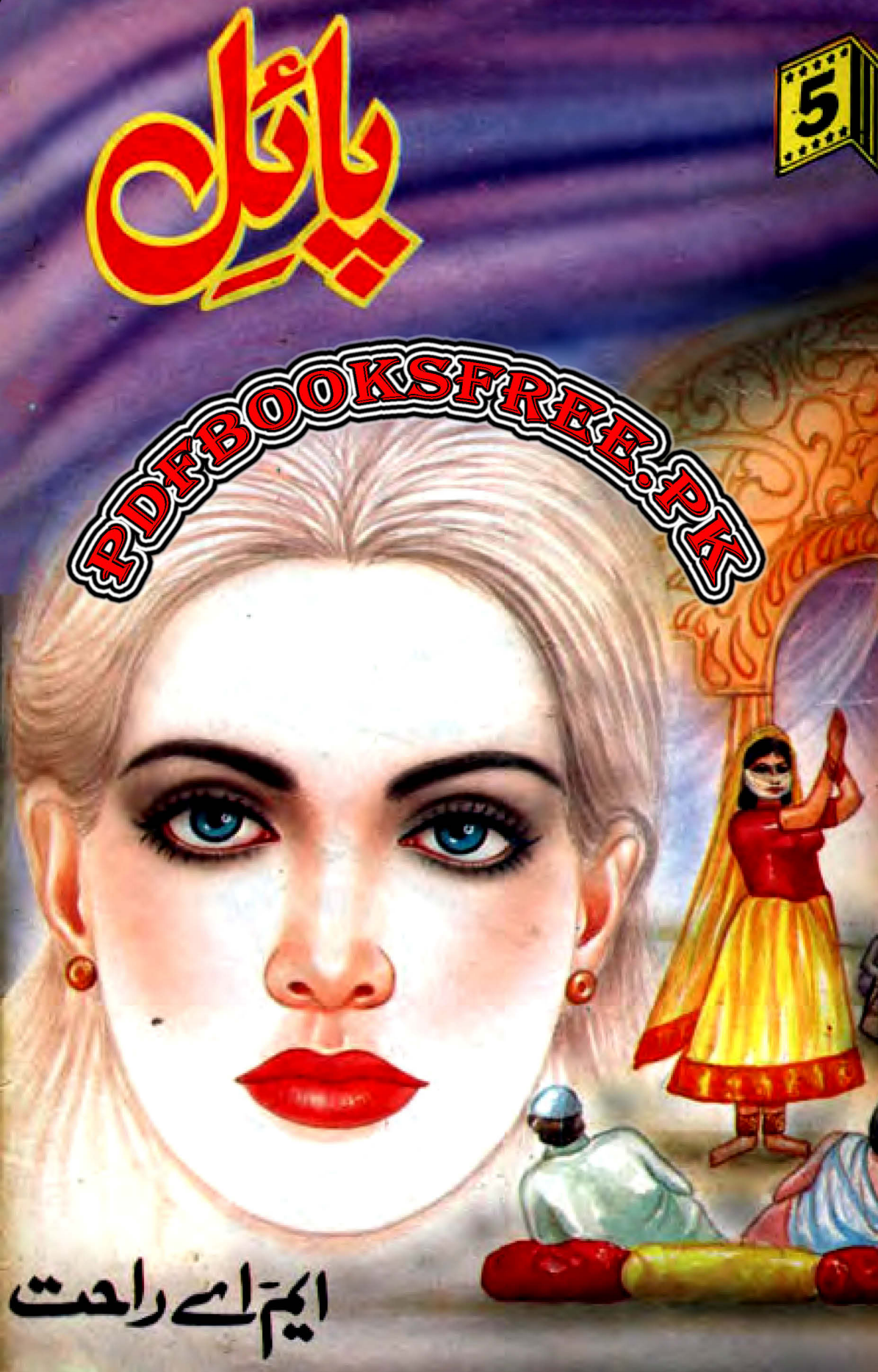

ایم اے راحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTAUL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"خوب بھئی خوب کیا خوشبو اٹھ رہی ہے خیرے کی۔ کیا نیا بنوا کر لائے ہیں فراست میاں؟"

"حضور نواب صاحب وہ جس آپ کا مزاج جانتا ہے۔ بس اس سے کہہ دیا تھا کہ تازہ خمیرہ تیار کر کے دے۔ تازہ تمباکو بھی رکھا ہوا تھا لیکن مجھے علم ہے کہ اگر تمباکو چار دن بھی پرانا ہو جائے تو آپ کو اس میں سے مہک آنے لگتی ہے۔"

"فراست میاں عمر گزر گئی ہماری اور آپ کی ایک ساتھ' جتنا خیال ہمارا آپ نے رکھا ہے کس زبان سے کہیں بہرطور آپ کا شکریہ ادا کرنے کو دل چاہتا ہے کبھی کبھی۔"

"ارے حضور قبلہ نواب صاحب کیسی باتیں کر رہے ہیں میرے تو خون کے ذرّے ذرّے میں آپ کا نمک رچا ہوا ہے۔ میرا فرض ہے بلکہ میں جس طرح بھی بن پڑے آپ کی خدمت گزاری کروں یہ آپ کی بڑائی ہے کہ آپ مجھے اتنا بڑا درجہ دیتے ہیں۔"

"فراست میاں زندگی بھر ہمیشہ گردن تان کر جیئے ہیں لیکن اب یوں لگ رہا ہے جیسے گردن میں خم آگیا ہو۔"

"کیسے حضور کیا ہوا خیر تو ہے۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے یا پھر کوئی اندرونی احساس؟"

"احساس تو خیر بہت سارے ہیں ہمیں لیکن وجہ بھی خاص الخاص ہے۔"

"میں حقیر ہوں اگر خادم کو اس قابل سمجھا ہے کہ دل کی کوئی بات بتائیں تو خدارا دیر نہ کریں آپ کے ان الفاظ نے مجھے مضطرب کر دیا ہے۔"

"فراست میاں ذرا غور کرنا ہے ساری باتیں تفصیل سے تمہیں بتانی پڑیں گی اور تمہیں ان پر غور کر کے ہمیں مشورہ دینا ہے اس وقت ہمارے لیے سب سے قیمتی مشورہ تمہارا ہی ہو گا کسی اور پر بھروسا نہیں کر سکتے۔"

"زہے نصیب اس قابل سمجھا ہے تو احقر کے وجود کا ذرّہ ذرّہ آپ کا احسان مند ہے۔ فرمایئے کیا مشکل درپیش ہے۔"

"فراست میاں' تقریباً" ہماری زندگی کے تمام ہی حالات تمہارے علم میں ہیں جو کچھ ہوا ہے تمہیں پتا ہے' تنگ مزاجی نے بہت سے نقصانات بھی پہنچائے ہیں۔ فائدے تو خیر کیا ہی حاصل ہوتے ہیں اس مزاج سے۔ بعض اوقات ہمیں خود بھی احساس ہوا ہے کہ ہماری اس تنگ مزاجی نے بہت سے اچھے دوست بھی ہم سے چھین لیے ہیں مگر کیا کریں انسان کی ایک عادت بن جاتی ہے تو وہ مجبور ہو جاتا ہے۔"

"مجھے علم ہے حضور آگے فرمایئے۔"

"تمہیں کوثر جہاں کا معاملہ معلوم ہے۔ جس طرح سے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی شادی کی گئی وہ ہماری مرضی کے خلاف تھی اور پھر اسے وحدت علی خاں نے جس طرح ہم سے دور رکھا اس میں ہماری سبکی اور بے عزتی تھی۔ اب تم دیکھو باقی بچوں کے ساتھ ہم نے کون سا برا سلوک کیا۔ میاں سوتیلے بے شک تھے لیکن انسان بھی تھے اور محبت بھی کرنا جانتے تھے۔ ہم سے ہمارا یہ حق چھین لیا گیا تھا' بس ہم سے برداشت نہیں ہو سکا اور ہم نے کوثر جہاں کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا۔"

"جی حضور مجھے معلوم ہے۔"

"مرحوم وحدت علی خاں مر گئے لیکن سچی بات ہے کہ بن بھائیوں کے دلوں میں نفاق ڈال گئے تھے وہ۔"

"اب وہ مر چکے ہیں تو ان کی برائیوں کو نہ اچھالیں تو بہتر ہے' گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"نہیں' نہیں فراست میاں تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی ٹھیک ہے۔ انسان اگر برائیاں کرتا ہے تو اس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ خیر ہم اس وقت یہ نہیں کہہ رہے ہم ایک بہت بڑی مشکل کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"اگر خادم کسی طرح اس کا حل تلاش کر سکا تو یہ اس کی خوش بختی ہو گی۔"

"فراست میاں معاملہ وہیں سے تعلق رکھتا ہے یعنی کوثر جہاں سے۔ نواب کاظم علی خاں کو تو تم جانتے ہی ہو اور تمہیں یہ بھی علم ہو گا کہ نواب کاظم علی خاں سے ہمارے تعلقات کبھی بہتر نہیں رہے اور بھی بہت سی باتیں تمہارے علم میں ہیں۔ ناظم علی خاں کا واقعہ بھی تمہیں معلوم ہو گا کیا کہتے ہو اس بارے میں۔"

"جی حضور جس حد تک بات منظرعام پر آئی تھی مجھے معلوم ہے۔"

"ہاں بہرطور یہ سارا مسئلہ ہوا ہے۔ نجانے کیوں پچھلے دنوں سے کچھ وحشت سی سوار ہے ہم پر' ہمیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے انسانی نقطۂ نگاہ سے وہ اچھا نہیں کیا۔"

"جی۔"

"اور اب ہم اس کا سدباب کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے تمام راستے بند ہو گئے ہیں۔"

"وہ کیسے حضور اعلیٰ۔" فراست میاں نے سوال کیا۔

"اوّل تو پہلی مخالفت بھائیوں ہی کی جانب سے ہوئی تھی انہوں نے کہا تھا کہ جو کچھ گزر گئی اسے گزرنے دیا جائے اور اس کے سلسلے میں کوئی ایسی کوشش نہ کی جائے جو خواہ مخواہ سبکی کا باعث بنے لیکن ہمارا جی نہ مانا۔ وحدت علی خاں کے انتقال میں گئے وہاں کوثر جہاں سے ملاقات ہو گئی تو رام پور چلے گئے۔ رام پور گئے تو وہاں سچی بات یہ ہے کہ دی ہوا' جس کی امید تھی۔ اس دوران ہمارے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آ چکا تھا

"کچھ عرصے پہلے کی بات ہے ہم ایک دن سیر و سیاحت کو نکلے اپنی موٹر میں جا رہے تھے کہ موٹر خراب ہو گئی۔ ایک صاحب نے ہمیں ایک خوبصورت فن میں بیٹھ کر ہمارے گھر چھوڑنے کی دعوت دی۔ بڑے شان و شوکت کے آدمی تھے ہم نے یہ دعوت قبول کر لی۔ اتفاق سے ہم نے تذکرہ کر دیا کہ فن بہت اچھی ہے اور واقعی فن بہت اچھی تھی۔ بس اترے اور فن ہمارے حوالے کر کے چلے گئے۔ نام سردار علی بتایا تھا۔ بھئی بڑے متاثر ہوئے ہم' اس کے بعد پھر ہم نے انہیں گھر پر بھی بلایا کوششیں کیں کہ ان سے تعلقات بڑھائیں۔ لیکن وہ مراد آباد چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ہمیں بڑی حیرت ہوئی معلومات کیں تو کوئی خاص پتا نہ چل سکا۔ بہرطور تاک میں لگے رہے پھر جب وحدت علی خاں کا واقعہ پیش آیا اور ہم وہاں گئے تو وہاں ہماری ملاقات کوثر جہاں وغیرہ سے ہوئی۔ نواب کاظم علی خاں بھی تھے۔ ہم سے اسی بے رخی سے پیش آئے لیکن کوثر جہاں کو دیکھ کر نہ جانے کیسے کیسے خیالات جاگ اٹھے۔ ہمارے ضمیر نے ملامت کی اور ہم نے رام پور کا ایک چکر لگایا وہاں ہمارے ساتھ کاظم علی خاں تو بے رخی سے پیش آئے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اچھی خاصی بے عزتی کروا لی لیکن ہم حالات کے تحت برداشت کر گئے البتہ وہاں ہم نے ایک تصویر لگی دیکھی۔ جانتے ہیں آپ وہ کس کی تصویر تھی۔"

"حضور والا مجھے کیا معلوم' میں تو وہاں نہیں گیا تھا۔"

"وہ تصویر ناظم علی خاں کی تھی۔"

"کاظم علی خاں کے بیٹے۔"

"ہاں' ناظم علی خاں کی تصویر دیکھ کر ہم حیرت سے اچھل پڑے کیونکہ یہ تصویر اصل میں سردار علی کی تھی۔"

"کس کی؟" فراست میاں چونک کر بولے۔

"انہی صاحب کی جنہوں نے ہمیں فن تحفے میں پیش کر دی تھی۔"

"ارے۔" فراست میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں فراست میاں اور اس کے بعد یہ وہاں سے چلے گئے بہرحال اس سلسلے میں ہم نے معلومات حاصل کرنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلے ہمارا دل جانتا ہے۔ بمشکل تمام ہمیں علم ہوا کہ ناظم علی خاں صاحب دلی میں رہتے ہیں اور فراست میاں دلی میں انہوں نے نئی چاوڑی میں اپنا گھر بنایا ہے۔"

"نئی چاوڑی کون سی جگہ ہے؟"

"اوہو آپ کو دلی کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم' دراصل نئی چاوڑی طوائفوں کا محلّہ ہے۔" فراست میاں کا منہ ایک بار پھر حیرت سے کھلا اور بند ہو گیا۔ وہ پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے تھے۔

فاخر علی خاں نے حقے کے کئی گہرے گہرے کش لیے اور اس کے بعد بولے۔

"بہرطور ہم تو طے کر چکے تھے کہ جو کچھ ہم کر چکے ہیں اس کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کیں۔ دلی میں ہمارے ایک بہت دیرینہ دوست رہتے ہیں شیخ توحید۔"

"ہاں ہاں شیخ توحید کو میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ آ بھی چکے ہیں دو تین بار یہاں مراد آباد میں۔"

"بالکل بالکل وہی شیخ توحید۔ کھلنڈرے آدمی ہیں اور پھر ذرا اسی ٹائپ کے ہیں۔ ہم نے نہیں راستے پر لگا دیا اور ان سے کہا کہ ذرا ناظم خاں کے بارے میں تفصیلات معلوم کریں۔ شیخ توحید صاحب نے تفصیلات معلوم کیں لیکن کوئی خاص بات معلوم نہیں کر سکے۔ ناظم خاں بہت سخت مزاج آدمی ہیں پھر مجبور ہو کر ہم خود ہی ناظم خاں کے پاس پہنچ گئے۔"

"اوہو آپ نے واقعی اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

"نہیں میاں جو ظلم ہم بہت سوں پر کر چکے ہیں اس کے مقابلے میں یہ ظلم کچھ نہیں ہے۔ ہم نے تو بہت سوں کو ستایا ہے' کاظم علی خاں بیٹا کھو بیٹھے اور جو کچھ ہوا ہے تمہیں معلوم ہے فراست میاں اس سلسلے میں تم سے کیا کہنا سننا۔"

فراست میاں نے گردن جھکا لی اور پھر آہستہ سے بولے۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"ناظم علی خان کے پاس پہنچ گئے ہم۔ جس طرح انہیں ہمیں دیکھ کر چراغ پا ہونا تھا اسی طرح چراغ پا ہوئے۔ ہم نے ان سے شناسائی کا اظہار کر دیا۔ اصل میں ہم نے انہیں پہلے تو کبھی دیکھا ہی نہیں تھا یہ بات تو تمہیں بھی معلوم ہے بس ہم نے جو معلومات ہمیں حاصل ہوئی تھیں انہی کے سہارے کام لیا تھا اور اس کے ذریعے ہم نے دو قبیح حرکتیں کی تھیں۔ بہرحال ناظم علی خان نے ہم سے نہایت سرد مہری کا رویّہ اختیار کیا۔ جب ہم نے ان سے یہ سوال کیا کہ وہ مراد آباد میں ہمیں سردار علی کی حیثیت سے کیوں ملے تھے تو انہوں نے ایک عجیب و غریب انکشاف کیا۔ فاخر علی خان کی آواز گمبھیر ہو گئی۔ فراست علی خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

فاخر علی کے چہرے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا جیسے کوئی اتنی ہی مشکل بات ہے جس کا ان کی زبان سے نکلنا مشکل ہو رہا ہے۔ چند لمحات اسی طرح خاموش رہے فراست میاں کو دیکھتے رہے۔ پھر بولے۔

"فراست میاں ہمارا تمہارا بچپن کا ساتھ ہے ہمیشہ ایک دوسرے پر اعتماد کیا ہے اور اسی اعتماد کی بنا پر اس وقت ہم نے تم سے ہی رابطہ قائم کیا ہے۔ بات ایسی ہی ہے کہ منہ سے نکالتے ہوئے ایک عجیب سا خوف دامن گیر ہے۔ خدا کرے یہ صرف ناظم خان کے دل کا غبار ہو۔ اس میں کوئی اصلیت کوئی حقیقت

نہ ہو۔" فراست میاں خاموشی سے نواب صاحب کی صورت دیکھتے رہے تھے۔ اپنی بساط سے آگے بڑھ کر نہیں بولنا چاہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی ہی بات ہو جس کا تعلق نواب فاخر علی خاں کے خاندان سے ہو۔ ملازم بہرحال ملازم ہی ہوتا ہے چاہے اس نے پوری زندگی ایک جگہ گھڑے ہو کر کیوں نہ گزار دی ہو۔ نواب فاخر علی خاں نے نگاہیں اٹھا کر فراست علی کا چہرہ دیکھا پھر آہستہ سے بولے۔

"ناظم خاں نے بڑے تیکھے' کٹیلے انداز میں ہم سے کہا کہ ہمارا کیا دھرا ہمارے ہی سامنے آ رہا ہے ہم نے اپنی دلی نفرت کے اظہار کے طور پر معلومات حاصل کر کے بھری محفل میں جو انکشاف کیا تھا۔ آج وہ انکشاف خود ہمارے بارے میں ہو رہا ہے۔ فراست میاں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں اگر یہ سچ نکلا تو سچی بات ہے ہماری عزت تو دو کوڑی کی ہو جائے گی۔"

"حضور میرا پیارا نہ صبر لبریز ہو رہا ہے اگر کوئی ایسی ہی اہم بات ہے جس کا نہ بتانا یا جس کا انکشاف نہ کرنا آپ کے خاندان کے حق میں بہتر ہے تو میں دست بستہ اور عاجزی سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ گناہ گار کو اپنے اس راز میں شامل نہ کیجئے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور زبان سے اس راز کا انکشاف ہوا اور آپ یہ تصور فرمائیں کہ فراست میاں پیٹ کے ہلکے ثابت ہوئے اور انہوں نے اپنی زبان سے کچھ کہہ دیا ہو۔ حضور میں انتہائی عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ اگر ایسی کوئی بات ہے تو مجھے نہ بتایئے۔"

"اگر ہم اب بھی خاموش رہے فراست میاں تو ہمارا سینہ پھٹ جائے گا۔ ہمارے جسم میں اب اتنی قوت نہیں ہے کہ ہم ایسی کسی چیز کو برداشت کر جائیں۔"

"تو پھر اللہ کا نام لے کر بیان فرما دیجئے گا۔ فراست آپ کے قدموں کی خاک ہے اور خاک اڑ کر سر تک کبھی نہیں پہنچے گی۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

"ہمیں آپ پر اعتماد ہے فراست میاں۔" "ناظم خاں صاحب نے کہا۔ "ہمارا کیا دھرا ہمارے سامنے اس شکل میں آئے گا کہ شاہ رخ نے خود ایک طوائف زادی سے رابطہ قائم کیا۔ اس سے راہیں استوار کیں اور خدانخواستہ شاہ رخ کے اس لڑکی کے ملاپ سے ایک بیٹے نے بھی جنم لیا جو بقید حیات ہے اور شاہ رخ کے دماغی توازن کی خرابی اس دباؤ کا نتیجہ ہے بہت جلد یہ سارا کھیل منظرعام پر آ جائے گا۔ فراست میاں یہ ہے وہ راز جس کا انکشاف کرتے ہوئے ہماری روح لرزتی تھی۔ اگر ایسا ہوا ہے تو سوچو ہم کس کیفیت کا شکار ہوں گے۔ ایک طرف تو عزت ملیا میٹ ہو جائے گی۔ لوگ ہماری جانب انگلیاں اٹھا کر ہنسیں گے اور کہیں گے کہ میاں بڑا نجیب الطرفین بنتے تھے۔ اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولو کیا کہتے ہو اپنے بارے میں۔ تمہاری نسل بھی چل پڑی ہے اور وہ بھی ایک طوائف زادی سے۔ دو ٹم یہ کہ شاہ رخ میاں کا اگر یہی مسئلہ ہے تو بھلا ہم کس دل سے یہ برداشت کریں گے کہ وہ ذہنی عدم توازن کا شکار رہ کر پوری زندگی پاگل پن میں گزار دیں۔ فراست میاں ہماری جان سو بار جائے۔ لیکن ہم اپنے بھائی کو اس طرح سے دیوانہ نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نہیں جانتے راتوں کی تنہائیوں میں جب ہم شاہ رخ کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اماں جان آ کھڑی ہوتی ہیں اور وہ ہم سے سوال کرتی ہیں کہ میاں فاخر علی بڑے وعدے کیے تھے ہم سے کہاں تک نبھایا ہے ان وعدوں کو۔ میرا بیٹا پاگل پھر رہا ہے اور تم سب عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہو فراست میاں ان تمام تصورات نے ہمیں دیوانہ کر دیا ہے۔ بخدا ہم اپنی عزت لٹانے کے لیے تیار ہیں۔ ہم جگ ہنسائی کے لیے دل و جان سے آمادہ ہیں لیکن اماں جان کی روح کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔ زندگی تو چند روزہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ قبر پر جا کر تھوک دیا کریں گے کہ یہ ہے نواب فاخر علی خاں کی قبر جس نے کسی کی زندگی برباد کر کے اس کا پھل پایا۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے جو کیا ہے اس کے سزا وار ہیں لیکن اپنے شاہ رخ کو ہم اس طرح دیوانہ نہیں رہنے دیں گے اب ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں۔ ہمارے تمام مسائل کی کنجی ناظم خاں کے پاس ہے اور ناظم علی خاں ہم سے جس قدر نفرت کریں کم ہے۔ ہم تو صرف یہ سوچتے ہیں کہ جس کلے ٹھلے کے وہ آدمی ہیں جس پائے کی وہ شخصیت ہیں اور جو کچھ ہمیں دلی جا کر ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے اگر وہ ہماری جانب رخ کرتے تو ہماری دھجیاں بکھیر دیتے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی اپنا انتقام لینے کے لیے جب وہ مراد آباد سردار احمد کی حیثیت سے آئے تھے تو کچھ بھی کر ڈالتے بھلا کسی کو کانوں کان کیا خبر ہوتی۔ لیکن وہ بھی پکے آدمی ہیں۔ انتقام کا حل یہ نہیں ہوتا کہ کسی کی گردن اتار کر پھینک دی جائے مزہ تو جب ہے آدمی سو بار مرے اور ناظم خاں نے ہم سے انتقام کے لیے پورا راستہ ہموار کر لیا ہے۔ تقدیر نے انہیں موقع فراہم کر دیا ہے ہمارے خون کے ذریعے اب بتائیے فراست میاں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

فراست میاں کی آنکھیں بری طرح پھٹی ہوئی تھیں۔ اس انکشاف نے ان کا دل و دماغ تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ بہت دیر تک چکرائے چکرائے بیٹھے رہے اور منہ سے کوئی تو انہ نہ نکل سکی۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولے۔

"حضور واقعی! یہ ایک سنسنی خیز انکشاف ہے لیکن آپ کی اس بات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے ناظم خان نے دل کا بخار نکالنے کے لیے یہ من گھڑت کہانی آپ کو سنائی ہو۔"

نواب فاخر علی خاں کچھ دیر تک فراست میاں کا چہرہ دیکھتے رہے پھر بولے۔

"فراست میاں عمر کے تجربے کو تو تم جھٹلا نہیں سکتے۔ ہماری عمر لوگوں کی مزاج شناسی میں گزری ہے۔ تھوڑا بہت تجربہ رکھتے ہیں اس سلسلے میں اور اپنے آپ کو مزاج دان کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ ناظم خاں نے یہ الفاظ جس اعتماد سے کہے تھے اس سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ غلط نہیں ہے اور اس میں حقیقتیں پنہاں ہیں۔"

"حضور کے اندازے کو میں للکار نہیں سکتا' ہو سکتا ہے ناظم خاں کا کہنا درست ہو نوجوانی کی عمر ہی ایسی ہوتی ہے مگر اس سلسلے میں اگر میری رائے مانیے تو ایک کام کیجیے۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"سب سے پہلے تو آپ خفیہ طور پر شاہ رخ میاں کے ان دوستوں کے بارے میں معلومات حاصل کرائیے جو اس زمانے میں ان کے ساتھی ہوا کرتے تھے آپ کو اس سلسلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یہ کام کرنا ازحد ضروری ہے۔"

"ہم یہ کام بہ آسانی کر سکتے ہیں کیونکہ چند افراد کو ہم جانتے بھی ہیں جو اس وقت شاہ رخ کے ساتھی تھے جب شاہ رخ نوجوانی کے عالم میں میرا مطلب ہے اس دور میں بھٹک رہے تھے اور انہیں ہر طرح کی آزادیاں حاصل تھیں۔ بہرحال یہ کام ہو جائے گا اور فراست میاں واقعی آپ نے ایک بہترین مشورہ دیا۔ اس سے کم از کم ہمیں یہ اندازہ تو ہو جائے گا کہ ناظم خاں نے جو کچھ کہا ہے اس میں صداقت ہے یا دروغ گوئی ہے۔"

"بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے ..... دوسری بات یہ کہ میرے خیال میں اگر آپ ایک بار پھر رام پور جاتے ہیں اور ناظم خاں کے بارے میں نواب ناظم علی خاں کو اطلاع دیتے ہیں تو پہلی بات تو یہ ہے حضور کہ وہیں سے آپ کو دھتکار دیا جائے گا۔ جس طرح کہ آپ نے فرمایا کہ وہاں کوثر جہاں کے ہاں آپ کی کوئی خاص پذیرائی نہیں ہوئی۔ کوثر جہاں تو آپ کا خون ہیں ہر طرح سے آپ کی طرفداری کریں گی لیکن کاظم علی خاں صاحب کے دل کو جو چرکا لگا ہے اس چرکے کو نظرانداز نہیں کر پائیں گے وہ۔ اور آپ کی کسی بھی بات کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ فرض کیجیے کہ اگر آپ یہ انکشاف کر بھی دیتے ہیں کہ ناظم علی خاں دہلی میں نئی چاوڑی میں طوائفوں کے محلے میں رہ رہے ہیں تو کاظم خاں صاحب آپ ہی کو اس کا ذمہ دار قرار دیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ناظم خاں صاحب سے بھی آپ کی دشمنی کا آغاز ہو جائے گا۔ بلاوجہ وہ کسی سلسلے میں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی طور عقلمندی کی بات نہیں ہے۔"

"ایک ایک لفظ سچا ہے تمہارا' ہم تم سے اتفاق کرتے ہیں فراست میاں' مگر اب اس کا دوسرا رخ بھی تو بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"حضور والا وہی عرض کر رہا تھا آپ کاظم خاں کے پاس جانے کی بجائے سیدھے آگرہ چلے جائیے۔"

"آگرہ!"

"ہاں آگرہ۔"

"تو میاں آگرہ جا کر کیا کریں۔" نواب فاخر علی خان نے تعجب سے کہا۔

"آپ شاید بھول گئے ہیں کہ حکیم سرفراز حسین آگرہ ہی میں قیام فرما ہیں۔"

"اہیں۔"

"جی ہاں۔ میرے خیال میں حکیم سرفراز حسین آپ کے بہتر ممد و معاون ثابت ہوں گے۔" فراست میاں نے کہا اور نواب فاخر علی خاں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ پھر ان کے چہرے پر اچنبھے کے آثار پیدا ہوئے اور اس کے بعد ان کی آنکھوں میں روشنی واپس آ گئی۔ ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری اور کہنے لگے۔

"بخدا آپ کے والدین نے آپ کا نام فراست رکھ کے ایک قابل قدر کارنامہ سرانجام دیا ہے آپ کی فراست کے تو خیر ہم ہمیشہ سے قائل رہے ہیں لیکن آپ نے یہ مشورہ دے کر ہمیں اس بات کا احساس دلا دیا ہے کہ گدڑی میں بھی لعل چھپے ہوتے ہیں۔"

"شکریہ بندہ نواز' عرض یہ کر رہا تھا کہ حکیم سرفراز حسین صاحب کے پاس جائیے ہو سکتا ہے کہ سرفراز حسین خاں صاحب بھی اس سلسلے میں آپ سے تعاون کریں لیکن جس طرح بھی بن پڑے آپ ان کی بیٹی رضوانہ تک پہنچنے اور رضوانہ کو تمام صورت حال سے آگاہ کر دیجیے۔ میں سمجھتا ہوں رضوانہ ضرور اپنے باپ کو اس بات کے لیے تیار کر لے گی کہ وہ اس سلسلے میں کوئی مؤثر قدم اٹھائیں۔"

"اماں تمہیں کیا کہیں۔ واللہ جی خوش کر دیا فراست میاں' واقعی اس سے شاندار ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی اور حقیقت یہ ہے کہ عرصہ دراز تک یہ خیال ہمارے دل میں نہ آیا۔ فراست میاں ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے یہ صائب مشورہ دے کر ہمیں مایوسیوں کے بھنور سے نکال لیا ہے اور ہمارے دل و دماغ میں پھیلی ہوئی تاریکیوں میں ایک چراغ روشن کر دیا ہے۔ فراست میاں آپ کا یہ مشورہ میں سمجھتا ہوں تمام مشوروں سے بہتر ہے' لیکن ایک طویل کام درکار ہو گا اور اس کے لیے ہمیں نجانے کیا کیا کچھ کرنا پڑے گا۔"

"حضور والا مسئلہ ایسا ہے کہ کہے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہو گا۔ کر ہمت باندھیے۔ بندے کے سپرد اگر کوئی ذمہ داری کرنا چاہیں تو بے تکان فرما دیجیے۔"

"کیوں نہیں' کیوں نہیں فراست میاں آپ کو تو ہمارے شانہ بشانہ رہنا ہو گا ہم اس سلسلے میں کوئی مؤثر منصوبہ بندی کر لیتے ہیں اور پھر آپ کو آپ کی ذمہ داریاں سمجھا دیں گے بس یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کو اس سلسلے میں کافی مصروف رہنا ہو گا۔"

"خادم کا اور مصرف ہی کیا ہے اس ذمہ داری کو میں بصد خوشی سرانجام دوں گا۔" فراست میاں نے کہا اور نواب فاخر علی خاں مشکورانہ انداز میں گردن ہلانے لگے۔

❑

ممتاز دلہن بنی رئیس خان کی حویلی میں پہنچ گئی۔ کھاتا پیتا آدمی تھا بہت اچھی آمدنی تھی' کوئی تکلیف نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امتیاز میاں کو ہری ہری سوجھتی تھی لیکن جو کچھ بھی سوجھتی تھی خوب سوجھتی تھی اور بالآخر اس نے اپنا فرض پورا کر ڈالا تھا۔ حالانکہ ایک طوائف زادہ تھا اور طوائف ہی کے بطن سے پیدا ہوا تھا لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مذہب ملت نے کہیں انسان کی تفریق نہیں کی۔ یہ صرف عوامل ہوتے ہیں جو کسی کو کسی راستے پر لے جاتے ہیں اور کسی کو کسی راستے پر۔ ادھر رئیس خاں بھی دھن کا پکا تھا اتفاق کی بات تھی کہ ممتاز تقدیر کی اچھی تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ وہ مہ جبیں سے کہیں زیادہ تقدیر کی اچھی تھی۔ زندگی میں پہلا قدم اٹھایا اور وہ کامیاب رہا۔ یہ تو قدرت کے کھیل ہوتے ہیں کسی کو نوازنا چاہے تو اتنی آسانی سے نواز دے اور کوئی ساری زندگی کوششیں کرتا ہار جائے اور اسے اس کی طلب نہ ملے۔

مہ جبیں دربدر بھٹک رہی تھی محبت اس نے بھی کی تھی بلکہ اس محبت کا ایک انعام بھی اس کے سامنے موجود تھا۔ لیکن دلدار نہیں ملا تھا اور ساری زندگی کے اس کے لیے منتیں مرادیں ہی مانگتی رہی تھی۔ ہمیشہ یہی کہتی رہی تھی کہ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے لیکن اس کی یہ ہوس آج تک پوری نہیں ہوئی تھی اور وہ زمانے کی ٹھوکروں میں پھر رہی تھی۔ جب کہ ممتاز کو پہلے ہی مرحلے پر ایک شاندار زندگی مل گئی تھی۔ ممتاز بہت زیادہ تجربے کار نہیں تھی البتہ لڑکی تھی زمانہ ناشناس جو قدم اٹھانا تھا وہ پامردی سے اٹھا بیٹھی تھی اور اب اپنے آپ کو اس نے امتیاز کے حوالے کر دیا تھا لیکن تقدیر کا کوئی کیا کر سکتا ہے تقدیر ہی اچھی تھی کہ ادھر سے رئیس خاں بھی وہی قدم اٹھا چکا تھا جو بیٹے نے اٹھایا تھا۔ ہاں چونکہ خود طوائف تھی اس لیے طوائف کا درد جانتی تھی۔ رئیس خان کی بیوی بن کر اس نے ایک مثال قائم کر دی تھی۔ اس وقت بھی اس نے اپنی اس زندگی کو یاد کیا تھا اور اس طرح اس کی محبتوں کے دروازے ممتاز کے لیے کھل گئے تھے۔ اتنی آؤ بھگت کی' اتنی خاطر مدارات کی' اتنی محبت کی ممتاز سے کہ ممتاز سوچنے لگی کہ پتا نہیں تقدیر نے اسے کونسے پر کیوں پیدا کیا تھا۔ شریف زادیوں کی بات ہی کچھ اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوتی ہے کاش یہ چھاپ اس کے چہرے پر نہ لگی ہوتی۔ چار دن' آٹھ دن' دس دن پندرہ دن گزر گئے۔ رئیس خان بھی اپنی ہوس کا متوالا تھا۔ امتیاز میاں خوش تھے اور خصوصاً" امتیاز کی ماں اسی سلسلے میں بہو کی مددگار تھی۔ ساس بہو میں بہت سی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ امتیاز بھی اپنے کام سے لگ گیا تھا۔ وہ کچھ شروع کر دیا تھا اس نے جس کے لیے رئیس خاں کتنے کتنے پاگل ہو چکا تھا لیکن امتیاز مان کر نہ دیتا تھا۔ اب جب ذمہ داری پڑی تھی تو رئیس خان کا دست راست بن گیا تھا اور رئیس خان اس بات سے بہت خوش تھا۔

اس رات کھانے کی میز پر رئیس خان نے بڑی خوشی کے عالم میں کہا۔

"بھئی بہو بیگم اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تم نے ہمارے بیٹے کو ہمارے سپرد ضرور کر دیا ہے۔"

ممتاز نے مسکراتی نگاہوں سے سسر کو دیکھا اور بولی۔ "میں سمجھی نہیں ابا میاں۔"

"یہ نکما کبھی کچھ کر کے نہیں دیتا تھا لیکن اب دیکھو ذرا گھر بار کی ذمہ داری سر پر پڑی ہے تو اب ایسا لگا ہے کہ مجھے خود حیرت ہوتی ہے۔ بھئی بات جب ہے جب اس کی یہ لگن قائم رہے۔"

امتیاز مسکرانے لگا پھر بولا۔ "ابا جان آپ بالکل بے فکر رہیں۔ میں اب آپ سے سرمو انحراف نہیں کروں گا۔"

"میاں اس کی وجہ بتا دو ذرا۔ آخر کون سی ایسی بات ہے جس نے تمہیں ہماری اس طرح مدد پر آمادہ کر دیا۔"

امتیاز نے متفکر نگاہوں سے باپ کو دیکھا اور بولا۔ "ابا جان آپ نے ہمیشہ مجھے اس بات کا موقع دیا ہے کہ میرے دل میں جو کچھ بھی ہو میں کھل کر آپ سے کہہ دوں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ممتاز کے سلسلے میں' میں کوشش کے باوجود آپ سے کوئی تذکرہ نہیں کر پایا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ بات خود بخود آپ کے کانوں تک پہنچ گئی اور آپ نے جس طرح ایک عظیم باپ ہونے کا ثبوت دیا ہے بھلا میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔ جب میرے باپ نے میرے لیے اتنا کچھ کر ڈالا تو کیا پھر میرا یہ فرض نہیں بنتا کہ میں اپنے باپ کی ہر خواہش کی تکمیل کروں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ یہ ممتاز کے قدموں کی برکت ہے کہ ہمارے گھر میں بھی روشنی آگئی۔"

"بہرطور آپ کو آئندہ مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" امتیاز نے کہا۔

"میں جانتا ہوں میاں۔ میں نے تو یونہی برسبیل تذکرہ کہہ دیا تھا۔"

بیگم رئیس خاموشی سے یہ تمام باتیں سن رہی تھی۔ نجانے اس کے دل میں کیسے کیسے تاثرات پیدا ہو رہے تھے اس نے ممتاز کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی بچی کو اپنے کلیجے میں رکھ لوں۔ درحقیقت اس سے میرا ایک اور واسطہ ہے رئیس خاں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"ہاں ہم اچھی طرح جانتے ہیں اب اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟"

"نہیں رئیس خان ہمیں اپنے ماضی سے کبھی رشتہ نہیں توڑنا چاہیے۔ میں درحقیقت سب سے زیادہ اسی بات سے متاثر ہوئی تھی کہ ممتاز جس ماحول میں پیدا ہوئی تھی اس سے باہر جانا چاہتی ہے۔ رئیس خاں ہو سکتا ہے دنیا والے اس حقیقت کو تسلیم نہ کریں لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ کیا پاکیزگی کسی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ میرے دل میں اپنے ماحول سے بغاوت تھی' نفرت تھی مجھے اس ماحول سے جہاں ہوس پرست نگاہیں پورے بدن کا طواف کرتی ہیں اور ان میں سے کسی کی بھی آنکھوں میں ایسا جذبہ نظر نہیں آتا جسے رحم اور محبت کا جذبہ کہا جا سکے۔ ہم لوگ زندگی کا آغاز اسی طرح کرتے ہیں اور انجام بھی ہمارا ایسا ہی ہو جاتا ہے۔"

"ہم لوگ کیوں کہتی ہو اب۔" رئیس خان تڑخ کر بولا۔

"معافی چاہتی ہوں۔ بس میں نے کہا نا ماضی کبھی کبھی یاد آجاتا ہے تو دل آزردہ ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہمیں سنبھالا۔ اگر میری کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو یقینی طور پر ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ لوگ ناک بھوں چڑھاتے اور بیٹی کو کبھی کسی حیثیت سے قبول نہیں کرتے اگر انہیں یہ بات معلوم ہو جاتی کہ یہ بچی ایک طوائف کے جسم سے پیدا ہوئی ہے۔ چاہے اس کا تعلق کسی شریف باپ ہی سے کیوں نہ ہو لیکن وہ ہماری بیٹی پر ہمیشہ طوائف زادی کی چھاپ لگائے رکھتے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بیٹا دیا اور بیٹے نے بھی وہ کارنامہ انجام دیا جسے میں فخر سے بیان کر سکتی ہوں' میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے امتیاز کو دس بیٹے دے اور امتیاز بیٹے اپنے ان تمام بیٹوں کو یہ ہدایت کر دینا کہ گھنٹے پر بسنے والیوں میں سے جو بھی شرافت کی جانب مائل نظر آئے اور جسے گھریلو زندگی کی خواہش ہو اسے اپنے گھر میں بسائے۔"

امتیاز نے مسکرا کر ممتاز کو دیکھا اور ممتاز نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ بہت دیر تک اسی قسم کی جذباتی باتیں ہوتی رہیں اور رات ممتاز نے امتیاز سے کہا۔

"تمہارے والدین فرشتہ صفت ہیں امتیاز میں ان کی دل جان سے عزت کرتی ہوں۔"

"اور ہم۔" امتیاز نے مسکرا کر کہا۔

"تم بھی انہی والدین کے بیٹے ہو۔"

"تم مطمئن ہو یہاں ممتاز۔"

"کیوں یہ سوال تم نے کیوں کیا؟"

"برا مان جاؤ گی اگر کہوں گا۔"

"نہیں ماؤں کی دعدہ کرتی ہوں۔"

"ممتاز طوائفوں کے بارے میں عموماً" لوگوں کا یہ تاثر ہوتا ہے حالانکہ میری ماں نے اس تاثر کو غلط ثابت کر کے رکھ دیا ہے۔ لیکن لوگ یہی کہتے ہیں کہ طوائف زادی ہمیشہ زیادہ سے زیادہ عیش چاہتی ہے۔ دیکھو میں تمہارے لیے وہ سب کچھ کروں گا جو تمہاری خواہش ہو دیکھو۔ میں نے تمہارے لیے الگ کوٹھی کا بندوبست بھی کر لیا ہے اگر تم نے کبھی یہ چاہا کہ وہ کوٹھی تمہاری ملکیت ہو تم وہاں جا کر رہو تو تم یہ سمجھ لو کہ میں اسی دن تمہیں وہاں منتقل کر دوں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں امتیاز۔ ایسے فرشتوں کو چھوڑ کر ہم دوسری جگہ جا کر آباد [illegible] امتیاز۔ نہیں میں ان کے زیر سایہ رہنا چاہتی ہوں۔ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اپنے ساس اور سسر کی خدمت میں بسر کر دینا چاہتی ہوں۔"

"تم نے واقعی بہت عظیم ہونے کا ثبوت دیا ہے کوئی ایسی کمی تو نہیں محسوس ہوتی تمہیں جس سے تمہارے دل میں یہ احساس ہوتا ہو کہ تم نے مجھ سے شادی کر کے غلطی کی ہے۔"

"آئندہ کبھی زندگی میں یہ الفاظ زبان سے مت نکالنا امتیاز مجھے دلی دکھ ہوگا۔"

"بہت شکریہ بے حد شکریہ اور تم اطمینان رکھو اس بات کا کہ میں بھی تمہیں ایک اچھا شوہر بن کر دکھا دوں گا۔"

"تم اچھے شوہر ہو' کیا دکھا دو گے۔ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔"

"تمہارے دل میں کوئی اور ایسی بات ہے ممتاز جس کی خواہشمند ہو اور کسی وجہ سے نہ کہہ پا رہی ہو۔"

"ہاں ہے۔"

"کیا مجھے نہیں بتاؤ گی۔"

"ہاں بتاؤں گی امتیاز۔ تمہیں نہیں بتاؤں گی تو پھر دنیا میں کسی اور شخص کو کیسے بتا سکوں گی۔ میرا کوئی اور ہے کون تمہارا سوا۔"

"تو پھر بتاؤ اب تک تم نے اس بات کو اپنے دل میں کیوں چھپائے رکھا؟"

"نہیں اس کے لیے مناسب وقت درکار تھا۔ ابھی ہمیں سجھے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے لیکن تمہارے دل میں جو بھی خواہش ہو میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آئندہ اسے بے تکان بیان کر دینا میں اس کی تکمیل کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اماں کا کہنا ہے کہ ابتدائی چند لمحات ذرا مشکل ہوتے ہیں اس کے بعد ساری صورت حال بہتر ہو جاتی ہے۔"

"نہیں میں تمہیں کسی مشکل مرحلے سے نہیں گزرنے دوں گی امتیاز۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

"مجھے اس پر یقین ہے۔" امتیاز نے جواب دیا پھر بولا۔ "اب جلدی سے وہ بات بتاؤ جو تمہارے دل میں ہے۔"

"میرے دل میں دلشاد ہے امتیاز۔"

"دلشاد۔"

"ہاں۔"

"کیا مطلب ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

"دیکھو امتیاز میرے تمام حالات تمہیں معلوم ہیں ہم نے رونق آرا کے کوٹھے پر جنم لیا۔ طوائف زادیوں کو جو ماحول ابتدا سے ملتا ہے وہی ان کے خمیر میں رچ جاتا ہے ہم لوگ بھی ان سے مختلف نہیں تھے۔ مہ جبیں بیگم ہماری بڑی بہن تھیں۔ ان کی زندگی میں ایک شخص آیا جس کا نام شاہ رخ تھا اور مہ جبیں اس کے سامنے صرف عورت بن گئی۔ اس نے شاہ رخ کو دل و جان سے چاہا اس کی دیوانی ہو گئی۔ شاہ رخ ایک رات کا مسافر تھا۔ وہ آیا اور چلا گیا لیکن مہ جبیں کے پاس اپنی نشانی چھوڑ گیا اور یہ نشانی ایک بیٹے کی شکل میں نمودار ہوئی۔ مہ جبیں کو شاہ رخ کبھی دوبارہ نہیں ملا جبکہ اس کی پوری زندگی منتیں مرادیں مانگتے گزر گئی۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی رہی بس ایک بار ملا دے۔ ایک

ایک جواں نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر و غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

سیما غزل

کے سحر انگیز جذبوں سے مالا مال دلچسپ کہانیاں ڈائجسٹ کا کتابی سلسلہ

ایک اور پُرتجسس، سنسنی خیز سلسلہ دار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

[illegible]

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہو گیا

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762-7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار اس کی صورت اور دکھا دے لیکن اس کی یہ دعا کبھی قبول نہیں ہوئی۔ وہ سر سے پاؤں تک ایک زخم تھی اور اس زخم کو رونق آرا جس طرح سے چاہتی رہی کریدتی رہی۔ بیٹا بڑا ہو گیا۔ مہ جبیں کو طوائف کے کوٹھے پر وہی سب کچھ کرنا پڑا جو ایک طوائف کو کرنا ہوتا ہے وہ ایک بیٹی کی ماں اور بن گئی۔ لیکن اس کا باپ کوئی اور تھا۔ فیروز جس قسم کا لڑکا تھا اس کے بارے میں' میں تمہیں کیا بتاؤں میرا تجربہ خود دنیا کے بارے میں بہت زیادہ نہیں ہے لیکن میں جانتی تھی کہ شاہ رخ کا خون کسی شریف انسان کا خون ہے اور وہ اسی شکل میں بول رہا ہے۔ فیروز نے ہمیشہ اس ماحول سے بغاوت کی اور کوٹھے سے نفرت کرتا رہا۔ وہ ذلیل و خوار پھرتا رہا لیکن تقدیر نے اسے سہارا دے دیا اور ناظم خان نامی ایک شخص نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پروان چڑھانا شروع کر دیا۔ بے غرض' بے لوث' بے لالچ' فیروز کو اس کی منزل مل گئی۔ پتا نہیں اب وہ کہاں ہے لیکن جب اماں نے مہ جبیں کو بہت زیادہ مجبور کیا تو وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی اور اب وہ بھی لاپتا ہے اپنی بچی کے ساتھ اس کے بیٹے کا بھی پتا نہیں ہے۔ اس گھر میں صرف دلشاد رہ گئی ہے۔ جب میں وہاں سے نکلی تھی تو دلشاد نے مجھ سے کہا تھا کہ باجی مجھے بھول نہ جانا۔ تم دونوں نے اپنی اپنی زندگی کے سہارے بنا لیے ہیں لیکن میرے لیے بھی کوئی سہارا حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ امتیاز اب میں جانتی ہوں کہ اماں کا سارا نزلہ اس پر گرتا ہو گا۔ اماں نے اس سلسلے میں کیا کیا جتن کیے ہوں گے مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم لیکن وہ بڑی آفت کا پرکالہ ہیں انہوں نے اپنے طور پر کوئی کسر نہیں چھوڑی ہو گی اور نجانے کیا کیا کر رہی ہوں گی۔ وہ سازشی بھی ہیں امتیاز۔ اس لیے میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ ہمیشہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اور اردگرد کے ماحول سے ہوشیار رہنا۔ دوسری بات یہ ہے امتیاز کہ دلشاد کے بارے میں کچھ سوچو میں اسے بھی اس ماحول سے نکالنا چاہتی ہوں۔"

"کمال ہے تم نے اب تک اس بات کا تذکرہ نہیں کیا۔ دلشاد اب کوئی غیر تو نہیں ہے ہمارے لیے۔ غیر تو رونق آرا بیگم بھی نہیں ہیں لیکن ان کے اندر انسانیت کے جراثیم مشکل ہی سے نظر آتے ہیں اگر ہوتے تو وہ مجھ پر حملہ کرانے کی کوشش نہ کرتیں۔"

"میں جانتی ہوں ان کے لیے یہ کوئی نیا کام نہیں ہے اور وہ اس قسم کی سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ دیکھو امتیاز اب میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ اگر میں نے ان سے واسطہ رکھا تو اتنا میں جانتی ہوں کہ وہ ہمارا گھر کبھی آباد نہیں ہونے دیں گی۔ بہت ہی کینہ پرور خاتون ہیں وہ۔ بے شک میری ماں ہیں۔ لیکن اپنی ماں ہی کی حیثیت سے میں ان کے بارے میں اتنا سب کچھ جانتی ہوں جو تم سے بیان کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم اس طرف سے بالکل بے فکر رہو۔ اب میں بھی اتنا کچا نہیں ہوں وہ تو دھوکے سے مار کھا گیا اور اب تو مجھے میرا گوہر مقصود مل چکا ہے اب میں صرف اپنی ذات کے لیے نہیں ہوں بلکہ میری ذات کا تعلق تمہاری ذات سے بھی ہے اور میں اپنے آپ کو تمہارے لیے محفوظ رکھوں گا۔ ہاں دلشاد کے سلسلے میں اس وقت تم سے صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ اطمینان رکھو۔ میں کوشش کروں گا کہ دلشاد کو بھی وہاں سے نکال لوں اور اس کے لیے میں قانونی سہارے ہی حاصل کروں گا۔ میرا خیال ہے میں اس سلسلے میں اپنے ایک دوست سے بات کروں گا۔ جمال الدین شاہ صاحب' میرا خیال ہے جمال صاحب اس جرم کے لیے اور پھر اسی کے لیے وہ دربدر بھی ہو گئے تھے' نجانے صاحب اس سلسلے میں میری بہترین رہنمائی کریں گے۔ تم بے فکر رہو میں دلشاد کو وہاں سے نکال کر رہوں گا۔"

"اگر یہ کام ہو جائے تو یوں سمجھ لو کہ ہم تینوں بہنیں راہ پر لگ جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم نے زندگی میں کوئی ایسا کام بے شک کیا تھا جس سے قدرت کو ہماری بہتری منظور تھی۔ مہ جبیں کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ دھن کی پکی ہے اور اپنا تحفظ کرنا جانتی ہے۔ بے شک اس نے بھی باہر کا ماحول بہت زیادہ نہیں دیکھا' لیکن مجھے یقین ہے امتیاز کہ اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہو گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ویسے تم بالکل بے فکر رہو تمہارا فیروز کا دل کہتا تھا کہ مہ جبیں جہاں کہیں بھی ہو گی بہتر حالت میں ہو گی۔ بس یہ صرف خیالات و احساسات تھے ان کا کوئی جواز نہیں تھا' اصل میں وہ ذہنی طور پر شدید منتشر ہو گیا تھا' اگر اسے مہتاب مہ جبیں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کروں اور دلشاد کے مسئلے میں تو تم بالکل ہی بے فکر ہو جاؤ۔ میں دلشاد کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" ممتاز کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات ابھر آئے تھے۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ امتیاز نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"کیوں۔ اب کس سوچ میں ڈوب گئیں۔"

"باجی یاد آ گئی تھی۔"

"مہ جبیں؟"

"ہاں۔" ممتاز نے سسکی سی لے کر کہا۔

"کچھ پتا نہیں چلا اس کے بارے میں۔"

"نہیں۔"

"پولیس کو اطلاع دی تھی؟"

"پتا نہیں۔ جو کچھ کیا اماں نے ہی کیا ہو گا۔ ہمیں کہاں خبر۔ اب خود کو تقدیر کے حوالے کر دے جو قدم اٹھایا ہے اسی پر جا رہے' باقی معاملات اللہ کے حوالے کر کے سب سے پہلے اپنے لیے کوئی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر مہ جبیں زندہ ہے تو ضرور مل جائے گی اور اگر وہ زندہ نہیں ہے یا کسی بہت بڑی مشکل کا شکار ہو گئی ہے تو پھر صبر کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہو گا بس یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

حاجی عبداللہ اگر اس سلسلے میں کوئی بہتر معاونت کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر ان کی کوئی ایسی شرط ہوئی جو میرے لیے قابل قبول نہ ہو تو میں اب اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں' میرے لیے اگر کوئی سب سے بڑا معاون یا ہمدرد ہو سکتا تھا تو وہ خاں صاحب ہی تھے جب میں نے خاں صاحب کو اس سلسلے میں شامل نہیں کیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل رہ کر اپنے آپ کو واپس یہاں لے آیا تو پھر حاجی عبداللہ یا کوئی دوسرا شخص میرے اوپر مسلط نہیں ہو سکے گا' جو چھٹکش وہ کریں گے وہ دیکھوں گا کہ وہ میرے لیے مناسب ہے یا غیر مناسب' بعد میں فیصلہ کرنا بہتر رہے گا' بہرحال وہ ڈاکٹر فیاض سے ملا' ڈاکٹر فیاض کو اس سے ایک لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ حالانکہ فیروز نے ڈاکٹر فیاض کی کامیابی کو چھپا کر اسے خوش نہیں ہونے دیا تھا' لیکن یہیں سے مصلحتوں کا آغاز ہوا تھا جو اب تک جاری تھیں' ڈاکٹر فیاض نے کہا۔

"تم اپنا کام مکمل کر چکے فیروز؟"

"جی ڈاکٹر صاحب۔"

"حاجی صاحب سے تقریباً روزانہ ہی تمہارے بارے میں گفتگو ہوتی ہے ہم لوگ اس امید و بیم کا شکار تھے کہ پتا نہیں تم واپس آؤ یا نہ آؤ' دیکھو فیروز! حاجی صاحب تمہارے لیے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں بیٹے اگر ہمیں غیر نہ سمجھو تو میں تمہیں ایک بڑے کی حیثیت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تمہارے مستقبل کا ایک بہترین باب کھل رہا ہے' تم نے جس بات کا اظہار کیا ہے کہ تم اپنے قدموں پر کھڑے ہونا چاہتے ہو' حاجی صاحب تمہارے متکفل ہیں اور تمہاری بھرپور مدد کے خواہش مند' یہ کوئی احسان نہیں ہو گا تمہارے اوپر جو کاروبار تم سنبھالو گے اس سے حاصل شدہ منافع تمہارا حصہ ہو گا اور اس میں حاجی صاحب کو بھی فائدہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب' میں اگر اس سلسلے میں فیصلہ نہ کرتا تو دوبارہ آپ کو اپنی صورت نہ دکھاتا' درحقیقت مجھے ہمدردوں کی ضرورت ہے' میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میں شدید محنت کے لیے بھی تیار ہوں۔"

رات کو ڈاکٹر فیاض اسے لے کر حاجی عبداللہ کے گھر پہنچ گئے' حاجی عبداللہ اور ان کے خاندان نے فیروز کا بہترین استقبال کیا تھا' نیک اور شریف لوگ تھے احسان کا پاس کرنا جانتے تھے اور پھر حاجی عبداللہ کے تو دل کا معاملہ تھا اولاد سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا چیز ہوتی ہے جب انہیں یہ علم ہوا کہ فیروز فیروز کانپور واپس پہنچ گیا' نجانے کیسے کیسے خیالات نے گھیر رکھا تھا' بعض اوقات اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس کی جاں بخشی کر کے اس پر احسان کر رہے ہیں' اس نے غلط فیصلے کیے ہیں' اسے میں اپنے آپ کو تمہارے لیے محفوظ رکھوں گا۔ ہاں دلشاد کے سلسلے میں اس وقت تم سے صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ اطمینان رکھو۔ میں کوشش کروں گا کہ دلشاد کو بھی وہاں سے نکال لوں اور اس کے لیے میں قانونی سہارے ہی حاصل کروں گا۔ میرا خیال ہے میں اس سلسلے میں اپنے ایک دوست سے بات کروں گا۔ جمال الدین شاہ صاحب' میرا خیال ہے جمال صاحب اس جرم کے لیے اور پھر اسی کے لیے وہ دربدر بھی ہو گئے تھے' نجانے صاحب اس سلسلے میں میری بہترین رہنمائی کریں گے۔ تم بے فکر رہو میں دلشاد کو وہاں سے نکال کر رہوں گا۔"

"اگر یہ کام ہو جائے تو یوں سمجھ لو کہ ہم تینوں بہنیں راہ پر لگ جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم نے زندگی میں کوئی ایسا کام بے شک کیا تھا جس سے قدرت کو ہماری بہتری منظور تھی۔ مہ جبیں کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ دھن کی پکی ہے اور اپنا تحفظ کرنا جانتی ہے۔ بے شک اس نے بھی باہر کا ماحول بہت زیادہ نہیں دیکھا' لیکن مجھے یقین ہے امتیاز کہ اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہو گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ویسے تم بالکل بے فکر رہو تمہارا فیروز کا دل کہتا تھا کہ مہ جبیں جہاں کہیں بھی ہو گی بہتر حالت میں ہو گی۔ بس یہ صرف خیالات و احساسات تھے ان کا کوئی جواز نہیں تھا' اصل میں وہ ذہنی طور پر شدید منتشر ہو گیا تھا' اگر اسے مہتاب مہ جبیں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کروں اور دلشاد کے مسئلے میں تو تم بالکل ہی بے فکر ہو جاؤ۔ میں دلشاد کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" ممتاز کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات ابھر آئے تھے۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ امتیاز نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

"کیوں۔ اب کس سوچ میں ڈوب گئیں۔"

"باجی یاد آ گئی تھی۔"

"مہ جبیں؟"

"ہاں۔" ممتاز نے سسکی سی لے کر کہا۔

"کچھ پتا نہیں چلا اس کے بارے میں۔"

"نہیں۔"

"پولیس کو اطلاع دی تھی؟"

"پتا نہیں۔ جو کچھ کیا اماں نے ہی کیا ہو گا۔ ہمیں کہاں خبر۔ اب خود کو تقدیر کے حوالے کر دے جو قدم اٹھایا ہے اسی پر جا رہے' باقی معاملات اللہ کے حوالے کر کے سب سے پہلے اپنے لیے کوئی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے زندگی کے کسی بھی موڑ پر اگر مہ جبیں زندہ ہے تو ضرور مل جائے گی اور اگر وہ زندہ نہیں ہے یا کسی بہت بڑی مشکل کا شکار ہو گئی ہے تو پھر صبر کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہو گا بس یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

حاجی عبداللہ اگر اس سلسلے میں کوئی بہتر معاونت کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر ان کی کوئی ایسی شرط ہوئی جو میرے لیے قابل قبول نہ ہو تو میں اب اپنے آپ کو کسی کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں' میرے لیے اگر کوئی سب سے بڑا معاون یا ہمدرد ہو سکتا تھا تو وہ خاں صاحب ہی تھے جب میں نے خاں صاحب کو اس سلسلے میں شامل نہیں کیا اور ان کی نگاہوں سے اوجھل رہ کر اپنے آپ کو واپس یہاں لے آیا تو پھر حاجی عبداللہ یا کوئی دوسرا شخص میرے اوپر مسلط نہیں ہو سکے گا' جو چھٹکش وہ کریں گے وہ دیکھوں گا کہ وہ میرے لیے مناسب ہے یا غیر مناسب' بعد میں فیصلہ کرنا بہتر رہے گا' بہرحال وہ ڈاکٹر فیاض سے ملا' ڈاکٹر فیاض کو اس سے ایک لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ حالانکہ فیروز نے ڈاکٹر فیاض کی کامیابی کو چھپا کر اسے خوش نہیں ہونے دیا تھا' لیکن یہیں سے مصلحتوں کا آغاز ہوا تھا جو اب تک جاری تھیں' ڈاکٹر فیاض نے کہا۔

"تم اپنا کام مکمل کر چکے فیروز؟"

"جی ڈاکٹر صاحب۔"

"حاجی صاحب سے تقریباً روزانہ ہی تمہارے بارے میں گفتگو ہوتی ہے ہم لوگ اس امید و بیم کا شکار تھے کہ پتا نہیں تم واپس آؤ یا نہ آؤ' دیکھو فیروز! حاجی صاحب تمہارے لیے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں بیٹے اگر ہمیں غیر نہ سمجھو تو میں تمہیں ایک بڑے کی حیثیت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تمہارے مستقبل کا ایک بہترین باب کھل رہا ہے' تم نے جس بات کا اظہار کیا ہے کہ تم اپنے قدموں پر کھڑے ہونا چاہتے ہو' حاجی صاحب تمہارے متکفل ہیں اور تمہاری بھرپور مدد کے خواہش مند' یہ کوئی احسان نہیں ہو گا تمہارے اوپر جو کاروبار تم سنبھالو گے اس سے حاصل شدہ منافع تمہارا حصہ ہو گا اور اس میں حاجی صاحب کو بھی فائدہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب' میں اگر اس سلسلے میں فیصلہ نہ کرتا تو دوبارہ آپ کو اپنی صورت نہ دکھاتا' درحقیقت مجھے ہمدردوں کی ضرورت ہے' میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میں شدید محنت کے لیے بھی تیار ہوں۔"

رات کو ڈاکٹر فیاض اسے لے کر حاجی عبداللہ کے گھر پہنچ گئے' حاجی عبداللہ اور ان کے خاندان نے فیروز کا بہترین استقبال کیا تھا' نیک اور شریف لوگ تھے احسان کا پاس کرنا جانتے تھے اور پھر حاجی عبداللہ کے تو دل کا معاملہ تھا اولاد سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا چیز ہوتی ہے جب انہیں یہ علم ہوا کہ فیروز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب ان کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہے، تو انہوں نے رات ہی کو کھل کر اس سے بات کی۔

"بات یہ ہے فیروز میاں کہ مراد آباد میں میرے کئی کاروبار پھیلے ہوئے ہیں اور وہاں کاروبار پھیلانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہاں میری خاصی بڑی جائیدادیں تھیں جو والدین کی طرف سے ورثے میں ملی تھیں، میرے والدین کا تعلق مراد آباد سے ہے، لیکن ہم لوگ کانپور منتقل ہو گئے، مراد آباد کا کاروبار اسی طرح جاری رہا، وہاں میرے ملازمین بھی ہیں جو نیک اور شریف لوگ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ دیانتداری سے اپنا کام کرتے ہیں، لیکن اوّل تو میرا وہاں نہ ہونا دوسری بات ہے کہ جن لوگوں سے میرا کاروباری معاملہ ہے وہ اپنے وسائل بھی بہتر رکھتے ہیں کیونکہ وہ بھی قدیم وہیں آباد ہیں وہ لوگ ہمیں مختلف ذرائع سے نقصان پہنچا رہے ہیں اور سچی بات یہ کہ میرا لاکھوں روپے کا نقصان ہو چکا ہے، خیر یہ نقصان تو میں برداشت کر گیا ہوں لیکن بات ذرا آن بان کی بھی ہے اور ان لوگوں کی اس خواہش کو میں پورا نہیں ہونے دینا چاہتا کہ وہ مراد آباد سے میرے قدم اکھاڑ دیں، میں ان سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہتا ہوں، میرے اپنے پاس تو وسائل نہیں تھے لیکن اب تک میں نے مختلف ذرائع سے کام لے کر اپنے آپ کو وہاں قائم رکھا ہے اب جبکہ مجھے تم جیسے کسی نوجوان کا سہارا حاصل ہو گیا ہے تو میں زیادہ بہتر طریقے سے اپنا کام سرانجام دے سکتا ہوں۔ فیروز میاں میں نے تمہارا انتخاب اس لیے خاص طور سے کیا ہے کہ تم نے گلزار ستو کے مقابلے میں جس طرح اپنی ذہانت و طاقت کا مظاہرہ کیا تھا وہ میرے دل پر نقش ہے، تم ہی ان لوگوں سے نمٹ سکتے ہو، پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے ان تمام معاملات سے فراغت حاصل کر کے خلوص دل سے اس سلسلے میں کام کرنا چاہتے ہو۔"

"جی حاجی صاحب، آپ نے جو سوال کر لیا ہے جو میں آپ کو بتاتا، میں آپ سے بالکل صاف اور کھری گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹے کاروبار کا بہترین اصول یہی ہے کہ جو کچھ دل و دماغ میں ہو پہلے خاص طور سے بیان کر دو تاکہ بعد کے معاملات بہتر طریقے سے چل سکیں۔"

"حاجی صاحب میں اگر چاہتا تو کابلی خاں کے نقش قدم پر چل کر اپنے لیے یہی مقام منتخب کرتا، گروہ کو جمع کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے، لیکن میرا ایک نظریہ ہے جس پر میں کام کرنا چاہتا ہوں، ایک نیک اور شریف انسان کی حیثیت سے میں منظر عام پر ابھرنے کا خواہش مند ہوں اس کے لیے مجھے راستے درکار ہیں آپ کا کاروبار جو کچھ بھی ہو گا اس میں میرا کیا حصہ ہو گا میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" حاجی صاحب مسکرا کر بولے۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم نے یہ سوال کیا اور تمہیں یہ سوال کرنا چاہیے۔ دیکھو میں تمہیں وہاں مکمل اختیارات دے کر بھیج رہا ہوں میرے جو کارخانے کام کر رہے ہیں ان میں مختلف کام ہوتے ہیں، خصوصاً برتن بنانے کے کارخانے جہاں کافی لوگ کام کرتے ہیں اس کے علاوہ کمبل بنانے کے چند کارخانے بھی ہیں رکھے ہیں میں نے اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے موٹے کام میں نے ان کے لیے باقاعدہ اسٹاک رکھا ہے، ہمارا مینیجر احمد علی مقامی آدمی ہے جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کے بارے میں مجھے تھوڑی تھوڑی رپورٹ ملتی رہتی ہے، بات وہیں آجاتی ہے کہ میں بذات خود کچھ نہیں کر سکتا اور میرے پاس اس کے وسائل نہیں ہیں، میں تمہیں اس سلسلے میں ایک انتہائی معقول تنخواہ دوں اس کے علاوہ مراد آباد میں تمہاری رہائش گاہ ایک شاندار حویلی تمہارے سامنے رکھوں گا جو میں وہاں لگا رہا ہوں اور وہاں سے رہا ہوں یا گنوا رہا ہوں، میرا کاروبار کسی زمانے میں بہت شاندار تھا اور بڑی زبردست آمدنی ہوا کرتی تھی مجھے اس تنخواہ کے علاوہ اگر... تم وہاں کے کاروبار میں میرے نقصان کے خسارے کو پورا کر کے میری تعمیر اور میری تشکیل میں آپ کا خون شامل ہے آپ کر لو اور پہلے کے مانند مجھے منافع ہونے لگے تو اس منافع میں سے بھی میں تمہیں آدھا حصہ تمہارا ہو گا یہ بات باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت میں لکھ دوں گا، لیکن شرط یہی ہے کہ پہلے وہاں جا کر وہاں کے معاملات کو اپنے اصل رنگ میں پیش کرنے کے لیے سنبھالنے ہوں گے، اصل میں وہاں بالکل ہمارے جیسے کاروبار ریلوے اسٹیشن پر اتر رہا ہوں۔"

سنبھالنے والے ایک صاحب جو مراد آباد کے مقامی آدمی ہیں وہ دونوں آدمی جو اس کے ساتھ آئے تھے اسے لے کر چل نواب فاخر علی خاں صاحب ہیں نواب فاخر علی خاں کے بڑے، یہاں پر جو عمارت حاجی عبداللہ کی تھی وہ "نیلم حویلی" ناصر علی خاں اور دوسرے چند افراد وہاں ہمارے کاروبار کے نام سے مشہور تھی، کافی بڑی تھی مگر بس ملازموں ہی کے رحم و حریف ہیں، فاخر علی خاں نے خصوصی طور پر مجھے نیچا دکھانے کرم پر تھی، کبھی کبھی حاجی عبداللہ اگر یہاں آتے تھے تو حویلی میں لیے مراد آباد کے ایک بہت بڑے زمیندار ہیرا لعل جاٹ کو نیام کرتے تھے اور اسی لیے انہوں نے چند ملازم یہاں چھوڑے پارٹنر بنایا ہوا ہے اور دونوں، شراکت داری میں یہ کام کرو ہیں، یہ بات میرے علم میں ہے کہ ہیرا لعل جاٹ جب سے نوالرتے تھے، فیروز اس حویلی میں داخل ہو گیا۔ دونوں آنے والوں فاخر علی خاں کا دست راست بنا ہے ہمارے ہاں گڑبڑ شرنے ملازموں کو جمع کیا اور انہیں فیروز کے بارے میں بتاتے ہوئے ہو گئی ہے ہیرا لعل جاٹ بڑا اثر و رسوخ والا آدمی ہے اور کہا کہ یہ حاجی عبداللہ صاحب کے خاص آدمی ہیں فیروز خاں ان نے وہاں بہت کچھ کر رکھا ہے، چنانچہ ہمارا اصل مقابلہ ہیرا کا نام ہے اور اب حاجی صاحب کے قائم مقام کی حیثیت سے یہ جاٹ سے ہو گا، بہرحال میں یہ کہوں گا کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں سی حویلی میں رہا کریں گے، حاجی صاحب نے حکم دیا ہے کہ ان وہاں کی صورت حال کو دیکھنا اور کوئی حل نکالنا، میں یہ نہیں کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے، ملازموں نے ادب سے سر جھکا دے کہ تم وہاں جاتے ہی خدمات مول لے لو، بیٹے ہوش مندی تھے، فیروز نے سب سے پہلے حویلی کا جائزہ لیا، عظیم الشان حویلی کام لینا تمہارے بہترین مستقبل کے لیے میں خود بھی دیکھی اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ، ہر آسائش سے بھرپور کروں گا۔" لیکن ملازم حویلی کے اندرونی حصے سے باہر رہا کرتے تھے بس گھر

"مجھے یہ شرط منظور ہے اور وہاں میں ہر طرح کے ضروری کام کاج میں مصروف رہنے کے بعد، رات ہونے پر وہ کرنے کی آزادی چاہتا ہوں۔" اپنی اپنی رہائش گاہوں میں چلے جاتے تھے جو حویلی ہی کے ایک

"اسی آزادی کے ساتھ میں تمہیں وہاں بھیج رہا ہوں، حصے میں بنی ہوئی تھیں، دونوں آدمی جو فیروز کو چھوڑنے آئے تمہارے ساتھ دو آدمی جائیں گے جو میرے اپنے ہوں گے اور وہاں جا کر تمہیں ساری صورت حال سمجھا دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

پھر دو ہفتے دن صبح گیارہ بجے کے قریب احمد علی مینیجر ان اور لوگوں سے تمہارا تعارف کرا دیں گے۔ تم میری حویلی میں رہنا۔"

"ٹھیک ہے۔"

تمام معاملات تقریباً طے ہو گئے، فیروز اپنے آپ کو ایک نئی دنیا کے سفر کے لیے تیار کرنے لگا، ذہنی انتشار کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ بھی تھا جو اس نے اختیار کیا تھا اور اب وہ اپنے کام کے لیے مکمل طور سے تیار تھا، ڈاکٹر فیاض اور حاجی عبداللہ نے اسے بہترین دعاؤں کے ساتھ مراد آباد رخصت کیا تھا، فیروز نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو اب تمام خیالات سے آزاد کر لیا تھا جو ذمے داری اس کے سپرد کی گئی تھی وہ اچھی نوعیت کی تھی اور جب اس نے مراد آباد کے ریلوے اسٹیشن پر قدم رکھا تو بڑے خلوص کے ساتھ خدا سے اپنے لیے دعا مانگ کر ناظم خاں صاحب کو یاد کیا تھا اور اس کے منہ سے مدھم سرگوشی رہا ہوں یا گنوا رہا ہوں" کے الفاظ نکلے تھے۔

"خاں صاحب، میں اس بات کو مرتے دم تک نہیں بھولوں گا۔"

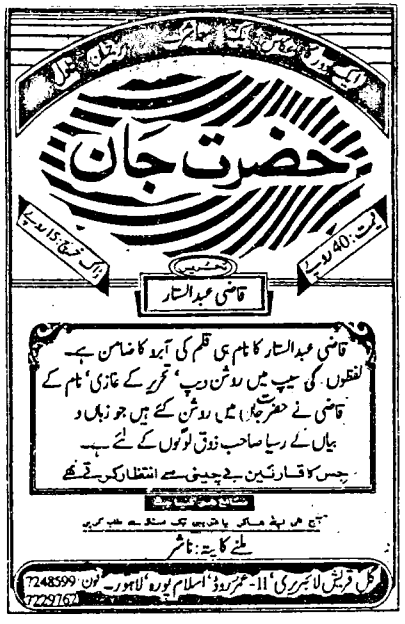

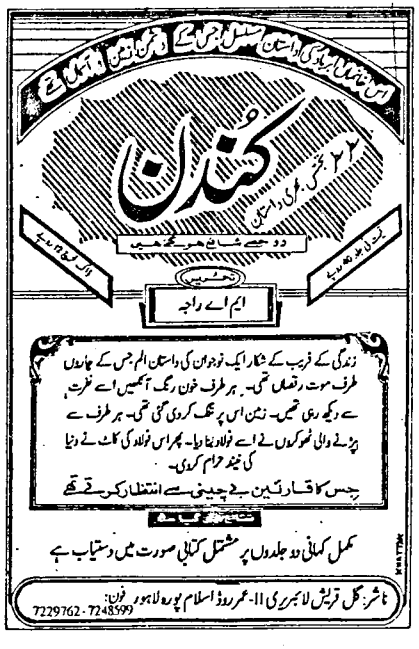

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں کی اطلاع پر فیروز کے پاس پہنچ گیا' شکل کا ایک بدمعاش لگتا تھا' فیروز کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

"حضور والا۔ بڑی چھوٹی سی عمر میں یہ ذمے داری سنبھال لی آپ نے۔"

"احمد علی ہے تمہارا نام؟"

"جی سرکار' غلام ہیں آپ کے۔"

"احمد علی صاحب' میرا نام فیروز خاں ہے حاجی عبداللہ صاحب نے مجھے یہاں تمام کاروبار کی نگرانی کے لیے بھیجا ہے آپ سب سے پہلا کام یہ کیجئے کہ آج شام کو اپنے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد حاجی صاحب کے تمام کاروبار کی تفصیل لے کر میرے پاس آجایئے۔"

"سرکار پہلے بھی کہیں کام کیا ہے یا پہلی بار ہی یہ ذمے داری سنبھالی ہے؟"

"مطلب بیان کیجئے احمد علی صاحب۔"

"حضور تمام کھاتے لانے کے بجائے اگر آپ ایک دن میرے آفس میں آجائیں تو ساری باتیں ہم آپ کو سمجھا دیں گے' اب کون کھاتے اٹھا کر لاتا پھرے۔"

"احمد علی صاحب' میں اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے آپ کو یہ حکم دے رہا ہوں کہ شام کو پانچ بجے آپ تمام کھاتوں کے ساتھ یہاں موجود ہوں۔"

"حکم کی تعمیل ہوگی جناب والا' قدمی تو نمک خوار ہے آپ کا' ویسے حاجی صاحب سے آپ کی کوئی رشتے داری ہے؟"

"احمد علی کو باہر چھوڑ آؤ۔" فیروز نے اپنے ساتھ آنے والوں سے کہا اور احمد علی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر غضبناکی کے تاثرات نظر آئے تھے لیکن دوسرے لمحے وہ مسکرانے لگا اور بولا۔

"ٹھیک ہے پانچ بجے حاضر ہو جاؤں گا۔"

فیروز دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے کہا۔

"ہوں تو حاجی صاحب کے کام میں گڑبڑ گھر سے ہی جاری ہے' ٹھیک ہے میاں احمد علی اچھی ملاقات رہے گی تم سے' ذرا دیکھیں گے تمہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ نجانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا تھا۔

☆

امتیاز نے اس مسئلے پر نہایت سنجیدگی سے سوچا تھا ماں باپ کا مکمل تعاون اسے حاصل تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ خاص طور سے ماں اس سلسلے میں اپنے دل کے گوشے انتہائی نرم رکھتے ہے اور خلوص دل سے اپنے ماضی کو یاد رکھتے ہوئے ایسی تمام لڑکیوں کی مدد کرنا چاہتی ہے جو بالا خانوں کے جہنم سے پیچھا چھڑانے پر آمادہ ہوتی ہیں' چنانچہ صبح کے ناشتے پر ہی اس نے اس مسئلے سے ممتاز ہی کے سامنے اس کا تذکرہ کر دیا' اس نے کہا۔

"ابا جان! ممتاز دلشاد کے لیے فکر مند تھی' رونق آرا بیگم اب صرف دلشاد کی جان کے پیچھے پڑی رہیں گی' وہ بھی اچھے مزاج کی لڑکی ہے اور ممتاز سے بہت محبت کرتی ہے' مہ جبیں تو پہلے ہی جا چکی ہے اب ممتاز کے آنے کے بعد دلشاد وہاں اکیلی رہ گئی ہے جسے رونق آرا بیگم اپنا ذریعہ بنائیں گی۔"

رئیس خاں نے بیوی کی طرف دیکھا اور اس کی بیوی جلدی سے بول اٹھی۔

"ممتاز بیٹی' کیا دلشاد بھی تمہاری ہی طرح اس ماحول کو چھوڑنے کی خواہش رکھتی ہے؟"

"جی اماں جان' وہ میری راز دار رہی تھی اور جب میں نے اس سے کہا تھا کہ تقدیر میرے دن پھیرنے والی ہے تو اس نے نہایت آزردگی سے کہا تھا کہ یہ بھی تقدیر ہی کی بات ہے کہ کسی کو زندگی کے صحیح راستے مل جائیں اور کوئی نہ چاہنے کے باوجود اسی جہنم میں سلگتا رہے۔"

"نہیں ہرگز نہیں' ایسا کیسے ہو سکتا ہے اور پھر وہ تمہاری بہن ہے اگر وہ بھی وہاں سے نکلنے کی آرزو مند ہے تو ہمیں اس کے لیے بھی کچھ کرنا ہوگا۔"

رئیس خاں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "بالکل ٹھیک ہے اور میرا خیال ہے اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے' اصل میں بقول شخصے میں تیل اور تیل کی دھار دیکھ رہا تھا' رونق آرا بیگم کے پہنچ کا تو پتا چل گیا' کچھ نہ کر پائی ممتاز کے سلسلے میں' میں تو سوچ رہا تھا کہ پولیس کی دھاڑیں پڑیں گی' ہنگامہ خیزیاں ہوں گی' ہمیں تھانوں میں طلب کیا جائے گا' لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور رونق آرا ٹھنڈی پڑ گئیں یا اگر نہیں بھی پڑی ہیں تو ہمارا کیا بگاڑ لیں گی' میری رائے بھی یہی ہے کہ اگر وہ بچی وہاں سے نکلنا چاہتی ہے تو اس کے لیے کوئی کوشش کر ڈالی جائے' اللہ کے کسی نیک بندے کو دیکھ کر اس کا ہاتھ بھی کسی کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا' اور پھر یہ میرا سرنیک کام ہے میں اس سے گریز نہیں کروں گا' امتیاز میاں تم کیا چاہتے ہو اس سلسلے میں؟"

"ابا جان' میں نے یہ سوچا ہے کہ جمال الدین شاہ صاحب سے ملاقات کروں اور ان سے اس بارے میں مشورہ کروں۔"

"جمال الدین شاہ ایڈووکیٹ کی بات کر رہے ہو؟"

"جی ابا جان بہرحال دلشاد پر ہمارا کوئی حق تو نہیں ہے زبردستی اسے نہیں لا سکتے اور اگر لائیں تو پھر بات قابل دست اندازی پولیس ہو جاتی ہے' اس سے ذرا گریز کرنا ہوگا۔ جمال الدین شاہ صاحب کوئی بہتر ترکیب بتا سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے میں تم سے اتفاق کرتا ہوں آج ہی جمال الدین شاہ سے مل لو اور ان سے بات کرو۔"

امتیاز تیار ہو گیا' کورٹ کے وقت سے فارغ ہونے کے بعد جمال الدین شاہ اپنے دفتر آیا کرتے تھے ان لوگوں سے پرانی شناسائی تھی' معمر آدمی تھے اور ان کے گھریلو معاملات سے خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ یہ بھی علم تھا انہیں کہ امتیاز نے شادی کر لی ہے اور شاید ایک طوائف زادی سے' بہرطور لوگوں کے گھریلو معاملات دوسروں کے لیے تو قابل توجہ نہیں ہوتے' امتیاز کا انہوں نے پرتپاک استقبال کیا تھا امتیاز نے کہا۔

"شاہ صاحب' آپ کے پاس ایک ضرورت سے حاضر ہوا ہوں۔"

"ہاں بیٹے کہو کیا بات ہے' کیا تمہاری ساس نے کوئی کارروائی کر ڈالی تمہارے سلسلے میں؟"

"نہیں وہ تو نہایت شریف خاتون ہیں ابھی تک تو کوئی سلسلہ جاری نہیں ہوا۔"

"میاں بات ختم ہو گئی' اب میرا خیال ہے کچھ نہیں کریں گی وہ' قانونی طور پر بھی اتنا وقت گزر جانے کے بعد ذرا سقم پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ معاملے کا حل فوراً ہی تلاش کرنا ہوتا ہے' اب تو اگر انہوں نے کوئی سلسلہ جاری کیا بھی تو بڑے آرام سے ان پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ پہلے انہوں نے جو رقم لی تھی اسے ہڑپ کرنے کے بعد نئی رقم کا مطالبہ کر رہی ہیں اور نئی رقم کی ادائیگی نہ ہونے پر انہوں نے یہ کیس دائر کیا ہے کیونکہ نکاح نامے کی تاریخ خاصی پرانی ہو گئی اور ابھی تک پولیس سے رجوع نہیں کیا گیا۔"

امتیاز مسکرا پڑا' کہنے لگا۔ "یہ ہوئی وکیلوں والی بات درحقیقت یہ نکتہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا تھا واقعی یہ تو بڑی دلچسپ صورت حال ہے گویا قانونی طور پر اب رونق آرا کا حق ختم ہو گیا۔"

"دیکھو بیٹے برا مت ماننا' بات اس بازار کی ہے یہاں دولت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ وہاں جتنے کھیل ہوتے ہیں دولت کے حصول کے لیے ہوتے ہیں اگر معاملہ کسی شریف گھرانے کا ہوتا تو کام مشکل ہوتا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ وکیل صاحب اس وقت آپ کے پاس ایک اور ضروری کام سے آیا ہوں۔"

"بے دھڑک کہو۔" جلال الدین شاہ نے کہا۔

"ممتاز میری بیوی کا نام ہے اسی کی ایک چھوٹی بہن دلشاد بھی ہے جو وہیں رونق آرا کے کوٹھے پر ہوتی ہے۔ ممتاز کی بڑی بہن مہ جبیں اپنی ماں کے برے خیالات سے تنگ آکر گھر چھوڑ کر چلی گئی اور اب پتا چلا ہے۔ بعد میں نرملہ ممتاز اور دلشاد پر ہی گرا۔ دونوں فطرتاً نیک خو ہیں اور گندہ کاروبار نہیں کرنا چاہتیں۔ ممتاز کو تو ٹھکانا مل گیا ہے لیکن دلشاد کو خوف ہے کہ اب ساری بے آبروئی اسی کے حصے میں آئے گی اور وہ رونق آرا کی ہوس پر قربان ہوتی رہے گی۔ وہ بھی بہتر زندگی کی خواہاں ہے اور اس نے اپنی بہن سے فریاد کی ہے کہ جس طرح اس نے اپنا ٹھکانا کر لیا اس کے لیے بھی کوشش کرے اور جیسے بھی بن پڑے اسے اس جہنم سے نکال لے۔ ممتاز اس سے وعدہ کر آئی ہے۔ رونق آرا بیگم کے بارے میں تو آپ کو اندازہ ہے جمال الدین شاہ صاحب کہ جس قدر پاس پہنچ سکتی ہے پہنچے گی۔ ہمیں دلشاد کو وہاں سے نکال کر لانا ہے۔"

جمال الدین شاہ سوچتے رہے پھر بولے۔ "لڑکی بالغ ہے؟"

"جی۔"

"تو پھر مشکل کیا ہے۔ ہم اسے حقوق خودارادیت دلا دیتے ہیں۔ یہ اس کا حق ہے اور برطانوی قانون میں اس کے لیے پوری پوری گنجائش موجود ہے۔ تم یوں کرو میاں کہ میں ایک مختار نامہ تیار کرائے دیتا ہوں جس طرح بھی بن پڑے اس لڑکی سے مختار نامے پر دستخط کرا لاؤ۔ تم نے تو خیر ممتاز کو نکاح میں لے لیا۔ اس کا کوئی ایسا سلسلہ نہیں ہے' چنانچہ اس کے لیے ایک مختار نامہ ضروری ہے۔ اس مختار نامہ میں وہ تمہیں اپنا والی وارث قرار دے دے گی اور اس کے بعد ہم عدالت سے حق خودارادیت حاصل کر لیں گے' بس پھر آرام سے تم کسی بھی بہانے اسے وہاں سے نکال لانا۔ بعد میں سب کچھ دیکھ لیا جائے گا۔ رونق آرا بیگم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔"

"واہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے مختار نامہ کب تیار ہو جائے گا؟"

"کل لے لینا تم مجھ سے یہاں پر۔ یا میں تمہارے گھر پہنچا دوں گا اور اس کے بعد کسی طریقے سے اس مختار نامے پر اس لڑکی سے دستخط کرا لانا۔ بس سمجھ لو کام وہیں ختم ہو جائے گا۔ باقی ذمہ داری میری ہوگی۔"

"بہت بہت شکریہ جمال الدین شاہ صاحب اس سلسلے میں جو خدمت مجھے کرنی ہے' براہ کرم آپ اس کے بارے میں اپنے دل میں فیصلہ کر لیجئے۔ سب ہو جائے گا۔"

"میاں جانتے ہیں کبھی اس سے پہلے لین دین کے مسئلے میں کوئی گڑبڑ ہوئی۔"

"ہوگی بھی نہیں۔ محبت کے جو رشتے ہمارے خاندان میں استوار ہیں ان میں کبھی کوئی رخنہ کسی شکل میں نہیں پڑا۔"

"بس تو اب بھی نہیں پڑے گا اور ویسے بھی نیک کاموں میں حصہ لینا تو سب ہی پر فرض ہے' تم بے فکر رہو' ذرا مجھے نام وغیرہ دے جاؤ تفصیل سے۔" جمال الدین شاہ صاحب نے کہا اور امتیاز نے انہیں تفصیلی طور پر تمام نام وغیرہ لکھوا دیے اور پھر ایک فارم پر دستخط بھی کرا لیے۔ اس طرح یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور امتیاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے واپس آکر یہ خوشخبری ممتاز کو سنائی۔ ممتاز بھی خوشی سے سرشار ہوگئی تھی۔

✣

فاخر علی خاں پوری طرح اپنی کوششوں میں مصروف تھے' بڑی عجیب سی حالت تھی ان کی ان دنوں' ناظم خاں صاحب نے جو شوشہ چھوڑا تھا اس کے بارے میں گڑگڑا' گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ غلط ہی نکلے بہرحال اپنی کاوشوں میں بھی مصروف تھے۔ ناصر علی وغیرہ کو بلایا اور کہنے لگے۔

"میاں ناصر شاہ رخ کے کچھ خاص دوست تھے غالباً" ایک تو مرزا مظاہر بیگ تھے اور ایک دلی کے شیخ کلن ایک نواب منصور تھے' ان میں سے کسی کا کوئی پتا ہے؟"

"ہاں بھائی جان۔ نواب منصور سخت بیمار ہوگئے تھے اور ان کی موت کی خبر اڑ گئی تھی' لیکن خدا نے انہیں صحت عطا کی اور اب وہ خوش و خرم آگرہ میں فروکش ہیں۔"

"ہوں۔ تم سے کوئی رابطہ ہے؟"

"رابطہ تو نہیں ہے' لیکن ان کے بارے میں معلومات ہے مجھے۔ ایک دفعہ آگرے گیا تھا' تو ملاقات بھی ہوئی تھی شاہ رخ کے دوستوں میں ہیں مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں یہ سب کچھ؟"

"بس میاں وہی دل کی لگی۔ نجانے کیوں طبیعت میں ایک اضطراب ہے۔ لگتا ہے آخری دن قریب آگئے ہیں جو برا کیا ہے وہ خوفزدہ کرتا ہے عذاب قبر سے اور جی چاہتا ہے کہ قبر کی تکلیفوں کو کم کرلیا جائے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی جان۔ اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ ہمارے بارے میں نہیں سوچتے آپ۔ ہم کس کے سہارے جئیں گے؟"

"خدا تمہیں خوش رکھے' تمہاری باتیں ہی زندگی بڑھاتی رہی ہیں آج تک۔ ویسے ناصر میاں کوثر جہاں سے بڑی چشم پوشی کی ہے ہم نے۔ ہمیں رہ رہ کر اس کا خیال آتا ہے کہ بہن کو بھائیوں کا پیار کبھی نہیں ملا۔ پچھلی بار جب میں رام پور گیا تھا تو میرا کلیجا پانی پانی ہوگیا تھا۔ خون تو ہے نا آخر اپنا۔ بھلا سفید ہو سکتا ہے۔ کاظم علی خاں کے دل پر بھی چوٹ پڑی ہے ہماری وجہ سے۔ ورنہ شاید اتنے برے کبھی نہ ثابت ہوتے وہ۔"

"اب ان کا تذکرہ تو آپ بے کار کرتے ہیں بھائی جان۔ جس پیڑ کے پھل نہیں کھانے اس کے بارے میں سوچنے سے کیا فائدہ؟"

"میاں کیسی باتیں کرتے ہو۔ پیڑ تو ہمارا اپنا ہے نا اور اس کے پھل ہمیں کھانے ہیں' وہ تو خدا مغفرت کرے وحدت علی خاں کی' نفاق کا بیج ڈال گئے' ورنہ ایسا تھوڑی ہوتا اور پھر کچھ زیادتی ہماری بھی تھی ہم بھی انتہا پسندی پر مائل ہوگئے تھے' کہا جاتا ہے کہ کسی کی عیب پوشی بہتر ہے کسی کی عیب جوئی سے' ہم نے یہ کیا مگر اب ہمیں سخت اذیت ہوتی ہے کہ ہماری وجہ سے دو گھرانے غم واندوہ کا شکار ہوگئے۔ ناصر میاں ازالہ کرنا چاہتے ہیں اس کا اور اسی تگ ودو میں مصروف ہیں۔"

"مجھے آپ سے اختلاف ہے بھائی جان آپ بلاوجہ خود کو ہلکان کررہے ہیں آپ نے جو کچھ کیا تھا جھوٹ تو نہیں کیا تھا۔ ہم نے جو کچھ کیا تھا نیک نیتی سے ہی کیا تھا بچائے اس کے کہ وہ لوگ ہمارے شکر گزار ہوتے ہمیں مجرم قرار دے دیا گیا۔"

"خیر ناصر میاں' سوچ کا فرق ہوتا ہے' آگرے جا رہا ہوں۔"

"جی۔"

"مگر کیوں؟"

"ایک تو حکیم سرفراز حسین سے ملوں گا وہاں جا کر' دوسرے نواب منصور سے بھی ملاقات کرنی ہے۔"

"آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آگئی آپ کو؟"

"میاں کچھ کاروائی کرکے آیا ہوں دہلی میں۔ بس تفصیل میں نہ جاؤ۔ کیونکہ بات جتنے منہ پڑے گی عام ہو جائے گی ابھی جو کچھ ہے میرے سینے ہی میں رہنے دو۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسے سنبھالے رکھو میں اپنا کام کرنے جارہا ہوں۔"

"آپ کی وجہ سے طبیعت الجھن میں پڑی رہتی ہے بھائی جان۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی آپ کی اور آپ اس طرح در بدر مارے مارے پھر رہے ہیں میں کہتا ہوں جانے دیجئے وقت اپنے فیصلے خود کرے گا اور پھر اگر کوئی ہمارے منہ لگے گا تو ہم دیکھ لیں گے۔ ادھر کاروباری مسائل بھی ذرا الجھ رہے ہیں۔ سنا ہے حاجی عبداللہ کانپور میں بیٹھے بیٹھے کچھ کاروائیاں کررہے ہیں اڑتی اڑتی خبریں مل رہی ہیں مجھے۔ یہ ہڈی گلے میں اٹکی ہوئی ہے۔ حاجی عبداللہ کی وجہ سے ہمارے کاروبار میں خاطر خواہ پیش رفت ہے رک جاتی ہے۔ ورنہ پورے ہندوستان پر ہم نے قبضہ جما رکھا ہے حاجی عبداللہ نے اگر کچھ کیا ہے تو اسے دیکھنا پڑے گا۔"

"میاں کاروباری مقابلہ تو ہوتا رہنا چاہیے لیکن ہر کام جائز حدود میں ہونا چاہیے۔ رزق تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اچھا ایک بات اور سنو ناصر میاں' خصوصی طور پر ہدایت کررہا ہوں تمہیں۔ عامر اور تم مل کر ایک کام کرڈالو۔"

"جی فرمائیے۔"

"اب شاہ رخ کو جرمنی سے واپس بلالو۔"

"جی۔" ناصر اچھل پڑا۔

"ہاں میاں دیکھو اگر اسے صحت یاب ہونا ہوتا تو ہوگیا ہو اب تک' پوری زندگی علاج کراتے ہی تو نہیں گزاری جاسکتی جب اسے کوئی افاقہ ہی نہیں ہے تو پھر اپنی آنکھوں سے دور کیوں رکھا جائے۔ اللہ کا نام لے کر واپس بلالو' جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا کم از کم لوگوں کے سامنے تو رہے گا۔ اب تو یہ ہے کہ کبھی کبھی آنکھیں بھی اس کے تصور کے لیے ترس جاتی ہیں۔"

"یہ تو آپ نے ہمارے منہ کی بات چھین لی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم خود بہت عرصے سے یہی چاہ رہے تھے لیکن بھائی جان آپ کا خیال مانع آجاتا تھا۔ ہم یہ سوچتے تھے کہ کہیں آپ اس کی مخالفت نہ کریں جیسے آپ نے پہلے کی تھی۔ ورنہ واقعی اب شاہ رخ کا ہم سے دور رہنا کسی طور درست نہیں ہے۔ بعض اوقات تو یوں لگتا ہے جیسے بس ہم نے اپنی بلا ٹال دی ہے' ہم اس کی بیماری کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے ہم نے اسے دور پھینکوا رکھا ہے۔"

فاخر علی خاں کی آنکھوں میں آنسو آگئے' انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"کون بدبخت یہ سوچ سکتا ہے۔ جگر کا ٹکڑا ہے ہمارا۔ سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے ولایتی اس کا علاج کردیں اور وہ صحت یاب ہو کر واپس آجائے لیکن اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ اب یہ سب کچھ مشکل ہی ہے تو پھر میری طرف سے مکمل اجازت ہے۔ تم فوراً رابطہ کرلو اور اسے واپس بلالو۔"

"جی بہت بہتر۔ کیونکہ یہ آرزو ہم سب کی ہے اس لیے میں فوری طور پر یہ عمل کرتا ہوں اور بھائی جان میں ایک بار پھر آپ سے کہتا ہوں کہ آپ آرام کریں' ناظم خاں اور کاظم علی کے معاملے کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیجئے۔ بہن کوثر جہاں کے لیے تو ہم نے ہمیشہ ہی دعائیں کی ہیں کہ کاظم علی خاں کا دماغ درست ہو تو ہماری بہن ہم سے ملے۔"

"دیکھو میاں مشورہ نہیں مانگ رہا تم سے' بس میرے آگرہ جانے کی تیاریاں کردو۔"

"آپ آخری فیصلہ کرچکے ہیں؟"

"میاں جب ہم کسی بات کو زبان سے نکالتے ہیں تو آخری فیصلے کے بعد نکالتے ہیں۔ ورنہ اسے اپنے سینے میں گھونٹ کر رکھتے ہیں۔"

"جی بہت بہتر۔ میں انتظام کیے دیتا ہوں لیکن اس بار آپ تنہا نہیں جائیں گے کسی ملازم کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ میں آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا۔" ناصر علی نے کہا اور فاخر علی مسکرانے لگے پھر جلدی سے بولے۔

"بس تو فراست میاں کو ہمارے ساتھ کردو بلکہ یہ اچھا مشورہ دیا ہے تم نے' ہمیں پسند آیا۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" ناصر علی نے کہا۔

ایک طرف شاہ رخ کو بلانے کے انتظامات کیے جانے لگے تو دوسری جانب فاخر علی خاں کو آگرہ روانہ کرنے کا بندوبست ہوگیا۔ فراست میاں خوشی خوشی تیار ہوگئے تھے۔ نواب منصور کا پتا خاص طور سے فراست میاں نے لے لیا تھا۔

سفر کے دوران نواب فاخر علی خاں نے فراست میاں سے کہا۔

"فراست میاں ہمیں پہلے نواب منصور کے ہاں جانا ہوگا قیام تو کسی ہوٹل میں رکھیں گے' کیونکہ حکیم سرفراز حسین بھی خوشی سے ہمیں اپنی ڈیوڑھی میں خوش آمدید نہیں کہیں گے۔ چرکے تو ان کے سینے پر بھی لگائے ہیں ہم نے۔ بہرحال نواب منصور سے اس بارے میں معلومات حاصل کریں گے کہ کیا واقعی شاہ رخ ایسی کسی لعنت میں کبھی گرفتار ہوئے تھے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔"

بالآخر آگرہ پہنچ گئے اور ریلوے اسٹیشن پر اترنے کے بعد مطلوبہ پتے کی جانب چل پڑے۔ نواب منصور نام ہی کے نواب نہیں تھے بلکہ واقعی نوابی شان کے مظہر تھے یہ دوسری بات ہے کہ عالم نوجوانی میں ہی اتنی برائیوں میں پڑ گئے تھے کہ صحت تباہ کرلی تھی۔ بیوی بچے تھے' لیکن اپنی عمر سے بیس سال زیادہ بڑھے لگتے تھے۔ فاخر علی خاں کو پہچانتے تھے کیونکہ شاہ رخ سے دوستی کی بنا پر کئی بار مراد آباد جانا ہوا تھا ایک لمحے میں نواب فاخر علی خاں کو پہچان گئے اور خوشی سے ان کے گلے سے لپٹ گئے۔

"بھائی جان آپ۔ بخدا آپ کو دیکھ کر اتنی مسرت ہوئی ہے کہ بیان سے باہر۔"

"عزیزی یہ صورت کیا بنالی اپنی۔ کیا ہوا خیر تو ہے؟"

"بس صحت جواب دے گئی' گردے ناکارہ ہوگئے۔ حالت خراب سے خراب تر ہوتی رہی۔ اب خدا کا شکر ہے کہ بہتر حالت میں ہوں آپ فرمایئے مراد آباد میں سب خیریت تو ہے ہمارے شاہ رخ کی خیریت بتایئے کس حال میں ہیں اب۔"

نواب منصور نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کے ایک کمرے میں ٹھہرایا' خاطر مدارات کی اور اس بات پر سخت احتجاج کیا کہ فاخر علی خاں صاحب کسی ہوٹل وغیرہ میں قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کہنے لگے۔

"بھائی نہیں ہوں آپ کا۔ میرا خون آپ کے خون میں شامل نہیں ہے' لیکن شاہ رخ میاں سے اتنی دوستی تھی میری کہ اگر وہ کبھی آگرہ آتے تو کہیں اور ٹھہرنے کا تصور بھی نہیں کرتے آپ نے ہوٹل میں قیام کرنے کا تذکرہ کرکے میرے دل پر چرکا لگایا ہے بھائی جان۔"

"میاں محسوس مت کرو میری بات کو' بس روایتیں ہی تو زندہ رہ گئی ہیں ہم تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔"

"اگر آپ میرے سگے بھائی ہوتے یا یہ گھر شاہ رخ کا ہوتا تو آپ اس طرح سوچتے کہ آپ کے آنے سے اسے تکلیف ہوگی۔"

فاخر علی خاں شرمندہ ہوگئے اور کہنے لگے۔ "اب تم ضد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم تمہیں زحمت نہیں دینا چاہتے تھے۔ اگر ہے میں ہمیں کام ہیں اور ان کی انجام دہی میں ذرا وقت بھی لگ جائے گا۔ کوئی ایک دو دن کی بات تو ہے نہیں۔"

"آپ دس سال میرے پاس رہیں' بخدا میری عزت و توقیر میں اضافہ ہی ہوگا۔"

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔"

بہرحال گفتگو فی الوقت ٹل گئی تھی رات کے کھانے کے بعد البتہ جم گئی اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد نواب فاخر علی مطلب کی بات پر آگئے۔ تذکرہ اس وقت شاہ رخ کا ہی ہو رہا تھا۔ نواب فاخر خاں کہنے لگے۔

"میاں منصور تم تو اس کے بے تکلف دوستوں میں سے رہے ہو' مجھے علم ہے کہ شیخ کلن' مرزا مظاہر بیگ وغیرہ بھی تمہارے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے' ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں شاہ رخ کے سلسلے میں' دیکھو میاں رات گئی بات گئی۔ اب تو کسی باز پرس کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ شاہ رخ بے چارے کا ذہنی توازن مسلسل خراب ہے اور میں اسے ولایت سے واپس بلانے کا فیصلہ کر چکا ہوں' ایک بات علم میں آئی ہے اگر سچ بتا دو گے تو شاہ رخ کے فائدے میں ہی ہے۔"

"جی جی بھائی جان حکم فرمایئے' آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کروں گا۔"

"وعدہ کرتے ہو؟"

"جی۔"

"تو پھر یہ بتاؤ میاں کہ ان دنوں کیا تمہیں تماش بینی وغیرہ کا بھی شوق تھا میرا مطلب ہے گانے والیوں کے کوٹھوں پر بھی جایا کرتے تھے؟"

نواب منصور نے گردن جھکالی تو فاخر علی مضطربانہ انداز میں بولے۔

"بیٹے اس وقت تمہاری یا کسی کی عیب جوئی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ میں کچھ معلومات خاص وجہ سے حاصل کر رہا ہوں۔"

"جی ایسا ہوتا تھا۔"

"ولی میں کبھی رونق آرا بائی نامی طوائف کے کوٹھے پر گئے ہو تم لوگ؟"

نواب منصور نے ایک بار پھر چونک کر فاخر علی خاں کو دیکھا اور بولے۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے بھائی جان کہ ہم لوگ وہاں گئے تھے۔"

"کیا شاہ رخ بھی تمہارے ساتھ تھے؟"

"جی ہاں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہ صرف شیخ کلن تھے جو شاہ رخ کو دھوکے سے وہاں لے گئے تھے ورنہ شاہ رخ کو ایسی کسی حرکت سے لگاوٹ نہیں تھی۔"

"رونق بائی نامی طوائف کے کوٹھے پر کیا شاہ رخ نے رات گزاری تھی؟"

"جی ہاں۔"

"کیا وہاں اسے کسی خاص طوائف سے شغف تھا؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ پہلی بار وہاں گئے تھے اور وہاں ایک گانے والی مہ جبیں کے نام سے مشہور تھی۔ بہت ہی خوش شکل اور بڑی حسین آواز کی مالک تھی' شاہ رخ اس پر فریفتہ ہو گئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے تنہائی میں مہ جبیں کے ساتھ کچھ وقت گزارا تھا۔"

فاخر علی خاں کا کلیجا اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔ ناظم خاں کے بیان کی تصدیق ہو گئی تھی اور یہی وہ نہیں چاہتے تھے لیکن حقیقتوں سے چشم پوشی تو نہیں کی جا سکتی۔ سکوت کے عالم میں بیٹھے سوچوں میں گم رہے پھر نواب منصور سے بولے۔

"میاں نواب منصور' شاہ رخ بڑا شرمیلا بچہ تھا نجانے کیا عوامل رہے۔ اب یہ علم ہو گیا کہ اس کے ذہنی عدم توازن کی بنیاد کیا ہے۔"

"ہم سمجھے نہیں بھائی جان۔"

"اس طوائف پر فریفتہ ہو گیا تھا وہ اور یقینی طور پر اپنے آپ میں الجھ کر ذہنی توازن کھو بیٹھا' ہم سے تو کبھی بھول کر بھی تذکرہ نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا کرے' بس بس اس کی بیماری سمجھ میں آگئی ہمارے۔ آہ کاش ذرا جرأت سے کام لے لیتا اور ہمیں علم ہو جاتا تو اس قدر شتدل نہ تھے کہ اس کی زندگی کا خطرہ مول لے لیتے۔ فاخر علی خاں بہت دیر تک آزردہ بیٹھے رہے۔ نواب منصور بھی خاموش تھا بہت دیر کے بعد اس نے کہا۔

"آپ کے ان الفاظ نے مجھے بھی یہ احساس دلایا تھا کہ درحقیقت شاہ رخ پر اسی وقت سے بحرانی کیفیت سوار ہو گئی تھی' جب تک وہ ہمارے ساتھ رہے ایک عجیب سی مشکل کا شکار رہے پھر مراد آباد واپس چلے گئے تھے۔ بعد میں ہمیں یہی پتا چلا کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں اور علاج کے لیے انہیں ولایت روانہ کر دیا گیا ہے یہ تو بہت افسوسناک خبر ہے کاش پہلے سے اس کا خیال آجاتا۔"

"کاش!" فاخر علی خاں نے کہا۔ بہرحال یہ سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا اور فاخر علی خاں غم واندوہ میں ڈوبے رہے کہ ناظم علی خاں کی کہی بات بالکل درست ثابت ہوئی ہے۔ رات کو جب آرام کرنے لیٹے تو فراست میاں سے بولے۔

"میاں فراست کسی نے انتہائی سچ کہا ہے کہ آسمان کا تھوکا ہمیشہ منہ پر آتا ہے دیکھو ہم نے کیا کہا تھا اور وہ کس طرح ہم پر الٹ گیا اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہ انکشاف بھی ناظم خاں ہی کی زبانی ہوا۔ اپنے ہتھیار اگر دشمن کے ہاتھ میں آجائیں تو پھر کیا بنتا ہے اس کا تمہیں اندازہ ہوگا۔"

"وہ تو آپ نے درست فرمایا قبلہ نواب صاحب لیکن ایک بات بتایئے۔ ناظم خاں نے ان ہتھیاروں سے اب تک ہم پر وار کیوں نہیں کیا؟"

"میاں موقع کی تاک میں ہوں گے اب بتاؤ کیا کریں فراست میاں' اس وقت تو صحیح معنوں میں ہماری ہی گوٹ پھنسی ہوئی ہے' یہ معلوم کر کے دل پاش پاش ہو گیا ہے کہ اصل واقعہ کیا ہوا تھا' خیر دیکھو میاں برائی کا نتیجہ اگر انسان کو اس دنیا میں ہی مل جائے تو یوں سمجھو کہ اللہ کی نظر سیدھی ہے اگر عاقبت میں ہمیں اس کی سزا ملتی تو وہ اس سے ہزار گنا زیادہ ہوتی۔ اب یہی بہتر ہے کہ اس سزا کو سزا سمجھ کر قبول کر لیا جائے اور دیکھا جائے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے ان واقعات کی سچائی کا علم ہونے کے بعد اب ہمیں شاہ رخ کی واپسی کا انتظار ہے۔ وہ واپس آجائے تو ایک بار پھر ناظم خاں صاحب کے قدموں میں سر رکھیں گے اور کہیں گے کہ میاں انتقام لینا ہے تو ہم سے لو' اس معصوم نوجوان کو معاف کر دو اور جو سزا چاہو ہمارے لیے مقرر کر دو۔ فراست میاں اگر اس طوائف زادی کو ہمیں اپنے گھر بھی لانا پڑے تو بخدا اپنے شاہ رخ کے لیے ہم یہ بھی کر لیں گے' سوتیلے بھائی ہیں نا اس کے۔ دنیا ہمارے منہ پر یہ تو کہہ کر نہ تھوکے گی کہ سوتیلے بھائی ہیں۔ چھوٹے بھائی پر اتنا ظلم کیا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ فاخر علی خاں رونے لگے۔

فراست میاں بے چین ہو گئے۔ اضطراب سے بولے۔

"حضور قبلہ نواب صاحب۔ حضور سنبھالیے خود کو۔ جن آنکھوں سے آگ برستی دیکھی ان میں آج آنسو نظر آرہے ہیں۔ ہمارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔"

"یہ ندامت کے آنسو ہیں فراست میاں۔ برسنے دو انہیں۔ ہم اسی قابل ہیں۔"

"اس قدر دل برداشتہ نہ ہوں۔ ہر مشکل کا حل نکل آتا ہے۔"

"حل نکالنا ہوگا فراست میاں اور ہم نے حل سوچ لیا ہے۔ ہم اس تنے ہوئے پرغرور سر کو جھکانا سکھائیں گے۔ ہر ایک کے سامنے جھکائیں گے یہ سر۔ حلیم سرفراز حسین کے سامنے' ناظم خاں کے سامنے اور ہم اس طوائف کے کوٹھے پر بھی جائیں گے۔ اس سے کہیں گے کہ وہ منہ مانگے دام لے لے مگر ہماری آبرو' ہمارے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دے۔ اب ہمیں یہی کرنا ہے فراست میاں۔" فاخر علی خاں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

نیاز خاں بے حد برے حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ رونق آرا کا آتش فشاں بننا فطری عمل تھا' ایک ایک کو کھائے جا رہی تھیں' کوٹھے کا کاروبار بند کر دیا تھا دروازے پر تالا لگائے رکھتی تھیں' ہر وقت اٹواٹی کھٹواٹی لیے پڑی رہتی تھیں۔ بوتیں تو کفن پھاڑ کر' ہر ایک کے لیے گالیاں منہ سے نکالتیں' نیاز خاں عموماً کان دبائے رہتے تھے۔ طرح طرح کی حرکتوں میں مصروف' رونق آرا بیگم ایک ہی بات کہتی تھیں کہ سب کچھ کیا دھرا انہی دونوں کا ہے' نیاز خاں اور شبن میاں دو سانپ ان کے گھر کو آگ لگانے کا باعث بنے ہیں' سب ہر وقت سہمے ہوئے رہتے' دلشاد سے جب بھی کوئی بات کہتیں تو وہ موت نہ کرتی تھی تڑ سے جواب دیتی اور ایسا جواب دیتی کہ رونق آرا کے تلووں سے لگتی اور سر میں بجھتی' ایک دو بار تو دلشاد کو مارنے بھی دوڑ پڑی تھیں اور اس نے کہا تھا کہ اماں وقت آنے دو' دونوں نے تم سے نجات حاصل کر لی اب تیسرا نمبر میرا ہے' جب اس نے یہ الفاظ کہے تو رونق آرا غرا کر بولیں۔

"دیکھ دلشاد! ناگن ایک سو اکہتر بچوں کو جنم دیتی ہے اور ان میں سے بیشتر کو خود کھا جاتی ہے۔ میں اس ناگن سے کم نہیں ہوں دو دفعہ دے گئیں تجھے میں اپنے ہاتھوں سے زہر دے کر سلاؤں گی۔ اس لیے تھوڑی پالا ہے تم لوگوں کو کہ جوان ہو جاؤ اور کینڈے سے نکل بھاگو' ارے ایسے نہیں چھوڑوں گی ان دونوں کو بھی واپس آنا پڑے گا اس کوٹھے پر اور پھر دیکھ لینا' ٹکے ٹکے میں نہ لٹواؤں تو میرا نام بھی رونق آرا نہیں ہے' جو ہاتھ ہے اپنے ہاتھ سے بگاڑ لوں گی تو سکون آجائے گا۔" نیاز خاں سامنے پڑے تو کہنے لگیں۔

"اے موذی' اے آستین کے سانپ' دس ہزار روپیہ کھا گئے اور ڈکار تک نہ لی' ارے کچھ تو کر میرے لیے۔"

"رونق آرا بیگم اور کچھ کروں یا نہ کروں لیکن ایک پیش گوئی ضرور کرتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کر ولی ہو درویش ہو' پیش گوئی بھی کر دو۔"

"ایسے ہی چیخ چیخ کر مرجاؤ گی' میری یہ بات یاد رکھنا۔"

"نہیں نیاز خاں اس بھول میں نہ رہیو بھتیجے' ایسے نہیں مروں گی ایک ایک کو ساتھ لے کر مروں گی' اگر چھوڑ جاؤں تو میرا نام بھی رونق آرا نہیں' قبر میں پیٹھ نہیں لگ سکے گی میری اگر تم بچ گئے تو۔"

"اچھا! اچھا کچھ کہنا ہے تو کہو۔ بیکار میرے کان مت کھاؤ۔"

"اے لو بتیا یہ خوب رہی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ارے تم نے ناگ بن کر ڈسا ہے مجھے اور اوپر سے مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہو۔"

"بی رونق آرا عورت تو ناقص العقل ہوتی ہی ہے اللہ نے اگر اسے عقل دی ہوتی تو کبھی عقل سے سوچتی وہ تمہارے شبن میاں کیوں گھر چھوڑ کر بھاگ گئے' ارے سارے سودے انہوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ہی ملے کیے تھے۔ مجھ شریف آدمی کو بیوقوف بنا گئے' کہنے لگے کہ میاں نیاز خاں' جنگ پوری سے میرے بہت پرانے تعلقات ہیں' تمہارے لیے وہ اتنی ہمدردی سے کام نہیں کرے گا تم بیچ میں ہی نہ پڑو لاؤ سارا حساب کتاب میں طے کیے لیتا ہوں' بس آگیا ان کے جال میں جس کی سزا آج بھگت رہا ہوں۔ منہ کھولتا تو کیسے کھولتا' کون یقین کرتا میری بات پر' تم تو آسمان پر چڑھی ہوئی ہو' زمین پر پاؤں ہی نہیں رکھ رہیں' یہ ہے اصل قصہ اس طرح دھوکا کھایا ہے میں نے' پہلے بھی کہیں سے ایک لوٹے شاہ کو پکڑ لایا تھا وہ' صفا صفاؤس ہزار روپے کھا گیا' میں سیدھا سادا آدمی ہمیشہ ہی ان کا شکار بنتا رہا اور اس بار بھی شکار ہو گیا' رونق آرا بیگم اپنی جیسی کوششوں میں لگا ہوا ہوں زندگی داؤ پر لگا دی ہے۔ ممتاز کی تلاش میں اور ایک بات تم سے کہے دیتا ہوں پہلے بھی کہہ دی ہے کہ ممتاز آئے گی اور آئے گی' مہ جبیں کی بات میں نہیں کرتا لیکن ممتاز واپس نہ آئے تو میری گردن شانوں سے اتار کر کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دینا۔"

"ارے ان لڑکیوں کے لچھن' مجھے اچھی طرح معلوم ہیں نیاز خاں اور شبن میاں کی بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی' ہیں' خود گالیاں کوسنے کھاتے رہے' ارے اس فتنے کو دیکھوں' کیسا منہ سکھائے میرے سامنے آتا تھا' رونق آرا بیگم' رونق آرا بیگم' ارے اسی لیے بھاگ گیا وہ' لیکن جائے گا کہاں لکھنؤ' مراد آباد میں' آگرے میں' کانپور میں' رام پور میں ہر جگہ ہی میری برادری پھیلی ہوئی ہے' کمبخت بجائے گا تو سارنگی ہی' سارنگی کا جنا اور کس کام کا' دس ہزار روپے کب تک کھائے گا' ارے تم ٹھیک کہتے ہو لوٹے شاہ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا' لو توبہ توبہ نیاز خاں شریف بنے تو ایسے کہ گالیاں کھاتے رہے اور منہ سے اف نہ کی اور اب' اب کھول رہے ہو یہ بات' خیر فکر نہیں ممتاز واپس آجائے' مہ جبیں مل جائے پھر دیکھنا میرے ہاتھ ایک ایک کو ٹھیک نہ کردوں' تو میرا نام بھی رونق آرا نہیں' تو میں کہہ رہی تھی تم سے کہ یہ دلشاد کی سن رہے ہو یہ بھی پرتول رہی ہیں ہوا' ہو کسی شریف گھرانے میں جانے کی خواہش مند ہیں جانے دوں گی میں انہیں نیاز خاں' تلاش تو کرو کسی کو' کھول دو کوٹھا کل سے' ہر آدمی کو دعوت دو جو پہلا گاہک آئے گا اور دام لگائے گا اس کے حوالے کروں گی چاہے کوئی کمبخت کا جنا ہو سمجھ رہے ہو ناں۔"

"بی بی رونق آرا ذرا چھری تلے دم لو صبر سے کام لو مجھے میرا کام تو پورا کر لینے دو اس کے بعد ایسا کوئی قدم اٹھانا کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔"

"ارے نیاز خاں لینے کے دینے تو اب پڑ ہی گئے اب اور کیا ہو گا؟"

"جو کچھ ہوا ہے اسے ختم کرنا ہے رونق آرا بیگم' میں تمہارے ساتھ ہوں اس کی بالکل فکر مت کرو۔"

"ہوں' مگر وہ کمبخت جنگ پوری تو تمہارا ہی نام لے رہا تھا نیاز خاں۔" رونق آرا بیگم کو جیسے سب کچھ یاد آگیا۔

"پہلی بار تو ساتھ ہی گئے تھے پچیس ہزار مانگے تھے کہنے نے' شبن میاں اٹھ کر چلے آئے کہنے لگے چلو نیاز خاں بعد میں اس سے بات کروں گا' پیسے مجھ سے لے لیے اور پھر خود پہنچ گئے اور آکر بتایا کہ پندرہ ہزار میں سودا ہو گیا ہے' میں بھی چپکا رہا' میں نے سوچا کہ چلو کام ہی تو ہونا ہے' میں کروں یا شبن میاں کریں صرف کام ہونا چاہیے' بس یوں کھوبی بی کو نکوں کی دلالی میں منہ کالا ہو گیا' یہ بھی تقدیر میں لکھا تھا۔" نیاز خاں کو ایک دم یہ احساس ہو گیا تھا کہ رونق آرا کچھ نرم پڑی ہیں وہ اس نرمی سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے بہرحال یہ سلسلہ جاری تھا نیاز خاں کوئی نہ کوئی حرکت کر لیا کرتے تھے۔ اس دن بھی صبح ہی صبح کہیں سے فلیتے لے آئے اور ہر کونے میں جلانے لگے' رونق آرا بیگم نے دیکھا تو ٹوکا۔

"اے کیا گھر میں آگ لگا رہے ہو' آگ ہی لگ پڑی ہے گھر میں اب جھاڑو پھری' کیا کر رہے ہو یہ؟"

"ہوں ہوں' ہوں ہوں۔" نیاز خاں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر رونق آرا بیگم کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے اور رونق آرا بیگم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھتی رہیں' جب

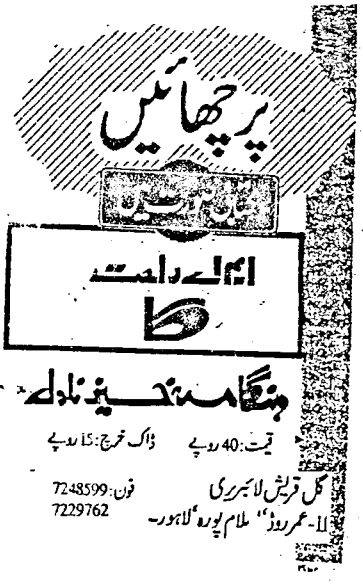

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سارے فلیتے جل گئے تو نیاز خاں نے کہا۔

"بلاوجہ بیچ میں ٹوکتی رہتی ہو' ایسے کام خاموشی سے کیے جاتے ہیں۔"

"فکر کر کیا رہے تھے؟"

"دیکھ نہیں رہی تھیں' فلیتے جلا رہا تھا۔"

"ارے اب کیا فلیتہ لگا رہے ہو گھر میں؟"

"ایک بہت بڑے عامل نے دیے ہیں کہا ہے کہ سارے فلیتے پورے کر لو ممتاز واپس آجائے گی۔"

"اے چھوڑو نیاز خاں اب ان سب پر سے اعتقاد ہٹ گیا ہے میرا' کرنے والا سب کچھ کر جاتا ہے اور ہم فلیتے جلاتے رہتے ہیں۔" ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک باہر سے شہزاتن دوڑتی ہوئی آئی سانس پھول رہا تھا' چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھیں جوش سے چمک رہی تھیں۔

"اے تجھے کیا ہوا' کیا باؤلا کتا پیچھے لگ گیا تیرے؟" رونق آرا بیگم نے کہا۔

"ممتاز' ممتاز آگئی رونق آرا بیگم آگئی۔"

"ایں۔" رونق آرا بیگم کے منہ سے حیرانی سے نکلا' حیران تو اپنے نیاز خاں بھی رہ گئے تھے کیونکہ جو فلیتے وہ جلا رہے تھے وہ انہوں نے خود بنائے تھے بس رونق آرا بیگم پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ معروف ہیں' رونق آرا بیگم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا تو نیاز خاں نے گردن اکڑا کر کہا۔

"عشق کیا ہے تم سے رونق آرا بیگم زندگی کے آخری لمحے تک تمہارا ساتھ دیں گے چاہے تم ہمیں کتوں ہی کی طرح کیوں نہ دھتکارتی رہو' کیا کچھ نہیں کہا ہے تم نے ہم سے۔"

"اے کیا وہ سچ مچ آگئی؟"

"فلیتے کسی معمولی آدمی نے نہیں دیے تھے' اب دیکھو سنو کیا کہہ رہی ہے مگر ایک بات بتا دوں ذرا صبر و سکون سے سنا' صبر سے رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔"

"ہائے کیسے صبر کروں گی' جی تو چاہتا ہے کہ جھونٹے نوچ کر منڈا گنجی کر دوں' اے کمبخت کہاں سے لٹ پٹ کر آرہی ہے اس نے تو چادر بھی نہ نکالے۔"

اتنی دیر میں ممتاز سیڑھیوں سے اوپر آگئی' سادہ سا لبادہ پہنا ہوا تھا' چہرے پر جو لطافتیں چسپاں تھیں انہیں چہرے سے جدا نہیں کر سکی تھی' لیکن حلیہ ایسا بنا لیا تھا جیسے غمزدہ ہو' یہ ساری منصوبہ بندی تھی اس کی اور امتیاز کی' جمال الدین شاہ کے پاس سے واپس آنے کے بعد امتیاز نے اس سے بات کی تھی اور پھر سب نے بیٹھ کر مشورہ کی تھی' طے یہ پایا تھا کہ ممتاز خود رونق آرا بیگم کے کوٹھے پر چلی جائے' مختار نامہ اپنے لباس میں چھپا کر لے جائے' جا کر کہے کہ اس سے غلطی ہو گئی تھی اور اب وہ واپس آگئی ہے' امتیاز کے بارے میں دو چار برے الفاظ کہہ دے اور اس کے بعد معمولی ایک آدھ دن وہاں قیام کر کے دلشاد سے ہتھیار نامے پر دستخط کرا لائے۔ ممتاز اسی منصوبے کے تحت یہاں آئی تھی' رونق آرا بیگم سے سامنا ہوا تو گردن جھکائی' رونق آرا بیگم آگ بگولہ ہو رہی تھیں' لیکن نیاز خاں نے سمجھا دیا تھا کہ جلی کٹی نہ سنائیں بلکہ محبت سے پیش آئیں' ممتاز ایک لمحے رکی پھر دو قدم آگے بڑھی تو رونق آرا بیگم نے کہا۔

"واپس آگئیں بنو' چلو ٹھیک ہے صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے' جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ آرام کر دو بعد میں بات کروں گی تم سے۔"

ممتاز نے ایک نگاہ انہیں دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ یہ آنسو حقیقی تھے کیونکہ بہرطور اسے تھوڑی بہت رونق آرا سے محبت ضرور تھی۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ رونق آرا کے کرتوت ایسے نہیں تھے کہ انہیں ماں کی حیثیت سے بھی چاہا جائے۔

رونق آرا بیگم نیاز خاں سے مشورہ کرنے لگیں کہ اب کیا کیا جائے۔ ان فلیتوں کی تہ دل سے تعریف کی تھی اور کہا تھا۔

"اے نیاز خاں' ایسے ہی فلیتے کیا مہ جبیں کے لیے نہیں آسکتے۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے رونق آرا بیگم ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا مگر تم کسی پر اعتبار کرنا سیکھو۔"

"اے میں واری صدقے نیاز خاں' ایک تو آگئی دوسری اور آجائے' اے کوٹھا پھر سے آباد ہو جائے۔ اے مجھے ان عامل صاحب کے پاس لے چلنا خود ان کے قدموں میں سر رکھ کر کہوں گی کہ میاں جی میری بگڑی بنا دو ادے بڑی پریشان حال ہوں لوٹ لیا ہے مجھے' میرے اپنوں نے برباد کر دیا ہے اور نیاز خاں ایسے فلیتے بھی لیتا ان سے کہ وہ مری کالیا پونا واپس آجائے ارے اس کو تو ہاتھ زمین میں گاڑ دوں گی اوپر سے دیگ ڈالوں گی اور پھر کتے چھڑوا دوں گی۔ دیکھتا نیاز خاں میں بھی گن کی پکی ہوئی رونق آرا ہے میرا نام۔"

ادھر ممتاز پوری مصلحت سے کام لے رہی تھی۔ کچھ دیر اس نے دروازہ بند رکھا تاکہ رونق آرا بیگم کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ دلشاد سے ملنے آئی ہے۔ اس کے بعد جب رونق آرا بیگم نے خود دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے دروازہ کھولا۔ رونق آرا بیگم اندر داخل ہو گئی تھیں۔

"اے ممتازی چھوڑ گئی تھی بیٹا ہمیں' تھوک کر چلی گئی تھی ہم پر۔"

"غلطی ہو گئی تھی اماں معافی چاہتی ہوں۔"

"کیا ہوا اس موئے امتیاز کا کچھ لیا دیا کہ نہیں؟"

"اماں دل دکھانے کی بات مت کرو بس خاموش ہو جاؤ ورنہ کچھ کھا کر سو رہوں گی۔"

"ارے کچھ کھا کر سوئیں تیرے دشمن چل جو ہوا سو ہوا میں نے بھی اپنا دل صاف کر لیا تو بھی اپنا دل صاف کر لے بیٹا۔ ہم کوٹھوں کے رہنے والے ہیں ہمارے پیروں میں گھنگرو ہی سجتے ہیں۔ پازیب ہم پر نہیں سجتی بیٹا۔ کبھی مانگ میں سندور لگانے کی کوشش نہ کرنا۔ ہمیں مانگ کا سندور راس نہیں آتا۔ نجانے وہ کم بخت کہاں بھٹک رہی ہے۔ در در ماری ماری پھر رہی ہو گی۔ اری بیٹا کوٹھے آباد ہوں تو یوں سمجھ لے کہ ہماری دنیا ہے ورنہ ہمیں کوئی نہیں پوچھتا۔ یہ تو صدیوں کی تاریخ ہے آج کی نہیں۔"

ممتاز خاموشی سے رونق آرا کی باتیں سنتی رہی۔ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی اور کہہ رہی تھی اماں نجانے کون سی دنیا کی بات کر رہی ہو۔ ابھی یہ نسائوں سے بالکل خالی نہیں ہوئی ہے۔ انسان کا دکھ انسان سمجھتا بھی ہے اور اسے دور کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ نیت ہی خراب ہو' دل میں خلوص ہی نہ ہو تو دنیا کا کوئی کام کبھی نہیں ہوتا۔ میں اس تاریخ کو بدل چکی ہوں تم اسی دور کی بات کر رہی ہو جب طوائفیں اگر کسی کے گھر میں جاتی بھی تھیں تو اس گھر کو بھی کوٹھا بنانے کی کوشش کرتی تھیں اگر خلوص دل سے اور سچائیوں کے ساتھ کچھ کیا جائے تو کام بن ہی جاتا ہے۔

بہرحال رونق آرا بیگم بہت دیر تک کرید کرید کر اس سے امتیاز کے بارے میں پوچھتی رہی لیکن ممتاز بھی اب احمق نہیں تھی۔ سارا منصوبہ بنا کر گھر پہنچی تھی اور کسی بھی فریب میں آنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ امتیاز کے بارے میں کوئی بھی لفظ کہتی تو کس دل سے کہتی بس اس انداز کی گفتگو کرتی رہی کہ کوئی بری بات بھی منہ سے نہ نکلے اور کام بھی بن جائے۔ بہرحال یہ سب کچھ چلتا رہا۔ رونق آرا بیگم بڑی مشکل سے ٹلی تھیں جیسے وہ نکلیں دلشاد دیوانوں کی طرح اندر داخل ہو گئی اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار تھے۔ اس نے ممتاز کو بغور دیکھا اور ششدر لہجے میں بولی۔

"ممتاز کیا واقعی' کیا واقعی؟" ممتاز نے ایک آنکھ دبا کر اسے اشارہ کیا اور دلشاد کے اڑے ہوئے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ممتاز کو دیکھا پھر دروازے سے باہر جھانکا۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تجھے خدا کا واسطہ' میں نے تو جب سے سنا ہے کہ تو واپس آئی میرے دل میں پھلجھڑیاں لگ گئی ہیں۔ ممتاز تجھے خدا کا واسطہ جلدی سے بول۔ کیا امتیاز نے تجھ سے بے وفائی کی' کیا تیرا تجربہ ناکام رہا؟"

ایک حسن نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

ے سرشار ہم سے ماہنامہ بھی کہانیاں ڈائجسٹ کا تازہ سلسلہ

ایک اور پُرتحیر' سنسنی خیز سلسلہ دار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

ایسی ناقابل فراموش الم ناک تحریر جو آپ کو لرزا دے گی۔

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہو گیا

کل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون 7229762-7248599

پرچھائیں

ایک دلت

ط

ہنگامہ خیز ناول

قیمت: 40 روپے
ڈاک خرچ: 15 روپے

کل قریش لائبریری
11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7248599
7229762

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی ہے تو نہیں باہر؟"

"نہیں کوئی نہیں ہے اماں کافی مطمئن ہو کر گئی ہیں۔ ارے کیا کیا جتن ہو رہے ہیں گھر میں۔ تجھے کیا معلوم لیکن چھوڑ مجھے یہ بتا کیا ہوا' کیا ہو گیا؟"

"کچھ نہیں ہوا دلشاد' تیری وجہ سے واپس آئی ہوں۔"

"کیا واپس آ گئی اس گھر میں؟"

"نہیں بھئی' خدا نہ کرے۔"

"تو پھر؟"

"تجھ سے ایک وعدہ کر کے گئی تھی ناں۔"

"ہاں اور میں تیرے وعدے پر آج تک آس لگائے ہوئے ہوں۔"

"تو تیرا کیا خیال تھا دلشاد میں تجھے بھول جاتی؟"

"نہیں امید تو نہیں تھی بس ایک ایک لمحہ انتظار کر رہی تھی مگر تو کم از کم مجھے بتا تو دے' میرے دل کو تسلی تو ہو جائے کہ تیری واپسی کیوں ہوئی ہے۔ تو نے اتنا بڑا خطرہ کیسے مول لے لیا۔"

"ہاں ہاں بتا' اماں میرا خیال ہے نیاز خاں کو مبارک باد دینے گئی ہیں کیونکہ نیاز خاں کسی ولی یا درویش سے فیضیاب ہو کر آئے تھے اور پورے گھر میں جلاتے پھر رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ تو بھی انہی لمحات میں آ گئی۔ اب تو نیاز خاں کا بول بالا ہو گیا ہے۔ یہاں' شبن میاں تو جبھی سے بھاگے ہوئے ہیں۔ بہرحال تو بتا آخر قصہ کیا ہے؟"

"بھئی امتیاز' اس کے گھر والے ایسے لوگ ہیں دلشاد کہ بس کاش میں الفاظ میں ان کی تعریف کر سکتی۔ اماں ابھی مجھ سے بہت سی باتیں کر رہی تھی لیکن یقین کر یا تو کسی طوائف زادی نے آج تک خلوص سے وہ سب کچھ نہیں کیا جس کا وہ اظہار کرتی رہی ہے یا پھر ایسی طوائفوں کو رئیس زادے اور امتیاز جیسے لوگ نہیں ملے' بہت اچھے لوگ ہیں وہ یوں سمجھ لے کہ میری تو دنیا ہی بدل گئی ہے۔ اتنا احترام اتنی محبت' اتنا پیار کہ تمام تر مصنوعی طور پر بھی نہ دیں۔ سب مجھے چاہتے ہیں' امتیاز پر مجھے مکمل اعتماد ہے۔ سب بہت اچھے لوگ ہیں پھر جب میں نے امتیاز سے کہا کہ میں دلشاد کو بھی اس جہنم سے نکالنا چاہتی ہوں تو وہ دل و جان سے اس پر آمادہ ہو گیا اور اس نے تمام تر کوششیں شروع کر دی۔ وکیلوں سے ملا' مشورے کیے اور وکیلوں نے تیرے لیے کام شروع کر دیا۔ اب تجھے ایک عقار نامے پر دستخط کرنے ہیں۔ ایسا کریہ حکام ابھی کر ڈال۔ میں قلم بھی لے کر آئی ہوں تاکہ کوئی خدشہ ہی باقی نہ رہے اور میں جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے نکل جاؤں پتا نہیں اس کے بعد اماں کیا نئی چال چلیں وہ بھی بڑے گن کی ہیں۔ ایسی نہیں ہیں کہ ہماری چالبازی میں آ جائیں۔ آخر ہیں ہماری ماں' مشورے کریں گی نیاز خاں سے' شاطر لوگوں سے' بات کریں گی اس کے بعد کوئی ایسا چکر چلائیں گی کہ ہمارے راستے بند ہو جائیں اور ہم یہاں سے باہر نہ نکل سکیں اس لیے دلشاد تو پہلے اس عقار نامے پر دستخط کر دے ایک بار پھر دیکھ آ کہ آس پاس کوئی ہے تو نہیں' میں دروازہ نہیں کرنا چاہتی کہ کہیں اماں کو کوئی شبہ نہ ہو جائے۔"

دلشاد اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ رونق آرا بیگم اماں مقدمہ قائم کرے' غنڈوں کو لگائے سارے انتظامات وجود ہیں ہمارے پاس' ارے ہاں مہ جبیں کا تو کوئی پتا نہیں چل واقعی نیاز خاں کے ساتھ بڑے کمرے میں موجود تھیں اور وہیں خاں پر صدقے واری ہو رہی تھیں۔

"اے نیاز خاں تم نے تو کمال ہی کر دکھایا۔ آج صحیح معنو میں میری آنکھیں کھلی ہیں۔ اے یہ شبن میاں کمینہ ایک با میرے ہاتھ لگ جائے سارا کیا دھرا اسی کا تھا۔ جتنا ٹھنا منا سا اتنی ہی شیطانی عمل۔ ارے مجھے اندازہ ہی نہیں ہونے دیا۔ فرشتہ ہیں۔ میں نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے میں تو انہیں باپ طرح سمجھنے لگی ہوں اب۔ بہت نیک نفس انسان ہے۔ مجھے منہ بنایا رہتا تھا اور تمہاری برائیاں کرتا رہتا تھا۔"

"دیکھ لو رونق آرا بیگم بس اپنے آپ کو اس کے بعد چالا کیوں ہی کی طرح جھنجوڑ دیا ہے اور امتیاز سے رخصتی کے وقت مت کہنا کسی کی باتوں میں مت آنا نیاز خاں ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو کسی کو ایک بار دل سے چاہیں اور پھر اسے نظر انداز کر دیں۔ ہماری تو گھٹی میں وفاداری گوٹ گوٹ کر بھری ہوئی ہے۔"

"اے ذرا تھوڑا سا وقت گزر جائے تو یہ پتا تو چلے کہ بخت امتیاز نے اس کے ساتھ کیا کیا' بظاہر تو کچھ نظر نہیں آ لی تو خالی ہاتھ سر جھاڑ منہ پہاڑ آئی ہیں۔ کوئی زیور بھی نہیں بدن پر' ارے ایسا ہی ہوتا ہے ان سرپھری لڑکیوں کے ساتھ اپنے آپ کو عقل کل سمجھ لیتی ہیں۔ بزرگوں کو تو جیسے تجربہ نہیں سب کچھ تجربہ انہی کی گھٹی میں جا پڑا ہے۔"

"رونق آرا بیگم ابھی ذرا نرمی سے کام لینا۔"

"اے تم دیکھتے تو رہو نیاز خاں میں بھی گن گن کی پکی ہوں چھ دن نرمی رکھوں گی اور اس کے بعد بدلہ تو لوں گی نیاز چھوڑنے کی میں بھی نہیں ہوں۔ یہ ماں کو دھوکا دے کر گئی ناں گھر کا رخ ہی کیا' کہیں اور نہ کیوں چلی گئیں اور ایک د رہ جبیں بیگم ہیں تو دیکھ لینا نیاز خاں ایک دن وہ بھی ایسے ہی سر ہوئی اس در پر آئیں گی اور کوٹھا پھر سے آباد ہو جائے۔"

نیاز خاں گردن ہلانے لگے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر دلشاد باہر کا جائزہ لینے کے بعد اندر چلی گئی تھی۔ ممتاز نے نکال کر دلشاد کو دیا اور دلشاد نے عقار نامے پر دستخط کر دیے کے بعد قلم تو پھینک دیا گیا اور عقار نامہ ممتاز نے سنبھال کر لباس میں رکھ لیا۔ دلشاد کہنے لگی۔

"باجی تو رکے گی تو سہی ناں' آج رات تو تیرا جانے کا نہیں ہے؟"

"نہیں دلشاد میرا زیادہ رکنا مناسب نہیں ہو گا۔ مگر اماں کیا کہیں گی۔ اس طرح آئی اور اس طرح خاموشی سے چلی گئی۔ کچھ تو کہنا سننا ہی ہو گا۔"

"زیادہ سے زیادہ سوچتی رہ جائے گی کرے گی کیا۔ سوچتی ہے سوچتی رہے۔ میرا کیا بگاڑ لے گی۔ میرا تو اب مسئلہ ہی دوسرا ہے۔ اماں مقدمہ قائم کرے' غنڈوں کو لگائے سارے انتظامات

گئی ہیں۔ ارے بس اب کیا کہوں' دیکھیں تقدیر میں کیا کیا لکھا ہوا ہے اور تقدیر تم لوگوں کی زبانی کیا کیا سنواتی ہے مجھے۔"

"چھوڑو اماں بیکار باتیں مت کرو کوٹھا بند کر دیا ہے کیا؟"

"تقدیر نے بند کر دیا ہے بیٹا ہم کیا بند کریں گے اب تو سارے گاہک بھی ٹوٹتے جا رہے ہیں؟"

باہر سے کسی کی آواز آئی تو رونق آرا بیگم باہر نکل گئیں اور دلشاد نے ممتاز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ممتاز مجھے اماں کے رحم و کرم پر مت چھوڑنا تجھے خدا کا واسطہ اب کے تو گئی تو اماں تو مجھے کچا ہی چبا جائیں گی۔"

"تو فکر مت کر دلشاد میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تجھے بھی اپنے ساتھ ہی رکھوں گی۔" اس کے بعد دونوں خاموشی سے کھسر پھسر کرنے لگیں۔

احمد علی وقت مقررہ پر فیروز کے پاس پہنچ گیا تھا۔ چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جن میں تمسخر کی آمیزش تھی۔ فیروز انتظار کر رہا تھا۔ احمد علی نے بغل میں کچھ کھانے دبائے ہوئے تھے۔ فیروز نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"لے آئے احمد علی کھانے؟"

"حکم جو تھا سرکار کا۔" احمد علی نے کھانے فیروز کے سامنے رکھ دیے اور فیروز انہیں اٹھا کر دیکھنے لگا۔ نجانے کب کے پرانے کھانے تھے۔ موجودہ وقت سے ان کا دور دور کا تعلق نہیں تھا۔ فیروز نے تاریخیں دیکھیں۔ حسابات دیکھے اور اس کا پارہ چڑھ گیا۔

"یہ کیا لائے ہیں آپ؟"

"کھاتے ہیں سرکار۔"

"میں نئے کھاتے مانگ رہا ہوں۔"

"بات اصل میں یہ ہے جناب عالی کہ بہت عرصے سے حاجی عبداللہ نے سارے کاروبار کا قصے دار ہمیں ہی بنا رکھا تھا۔ بس منہ زبانی لین دین کر لیا کرتے تھے۔ نہ حساب نہ کھاتا یہ کبھی کے پرانے کھاتے تھے جو پڑے تھے وہی لے آئے۔"

"احمد علی صاحب لگتا ہے آپ شرافت سے کام نہیں کریں گے۔ میں سارے حساب کتاب کی تفصیل چاہتا ہوں۔ آپ کی عمر کو مدنگاہ رکھتے ہوئے آپ کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ ان تین دنوں کے اندر اندر اگر کھاتے مکمل ہو کر نہ آ گئے' ایک ایک پائی کا حساب نہ کر دیا گیا تو پھر

"چھوڑو اماں بچی ہے ابھی' آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔"

"تو ہی سمجھائے گی اسے بٹیا! مجھ بڑھیا کو تو تم سب لوگوں نے نکما کر رکھ دیا ہے سارے جہاں کی برائیاں میرے اندر سما

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ نے اپنی عزت بچا سکیں گے اور نہ آپ کی چرب زبانی کسی کام آسکے گی۔"

"حضور جو کام تین دن کے بعد نہیں ہونا اس کی اطلاع آج ہی آپ کو کیوں نہ دے دی جائے۔ جب کھاتے ہیں ہی نہیں تو ہم اسے پیش کہاں سے کریں گے۔ حضور ویسے تو اس دنیا میں ہر چیز نامکمل ہے اور کسی نامکمل شے کو مکمل کرلینا انسان کے بس کی بات کہاں؟"

"میرے بس کی بات ہے احمد علی صاحب۔ میں نے آپ کو تین دن کا شریفانہ وقت دیا ہے جو نہیں ہے اسے تیار کر لیجیے۔ حساب کتاب بنانا آپ کے لیے مشکل نہیں ہوگا اور اگر تیسرے دن یہ حساب نہ بنا تو یوں سمجھ لیجیے کہ بات بہت بگڑ جائے گی۔"

"چلے جاتے ہیں آپ کا یہ حکم لے کر آجائیں گے تین دن کے بعد۔ آپ کی خدمت میں کورے رجسٹر لے کر۔ ان میں کچھ درج نہیں ہوگا بہرحال حکم کی تعمیل کسی نہ کسی شکل میں تو کرنی ہی پڑے گی۔"

احمد علی باہر نکل آیا۔ اس کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ ہیرا لال کا منہ چڑھا تھا اور ہیرا لال بدمعاش تو نہیں تھا لیکن نہایت شاطر اور بے ایمان آدمی تھا۔ اس نے دونوں طرف پاؤں جما رکھے تھے۔ فاخر علی خان کے کاروبار کی نگرانی ان کے بھائی کیا کرتے تھے ہیرا لال ان کا گہرا دوست تھا چنانچہ جدھر سے زیادہ فائدہ ہو رہا تھا اسے وہ دین سے فائدہ حاصل کر رہا تھا۔ ابھی ان لوگوں سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو ہیرا لال کو بری لگتی۔ چنانچہ کام احمد علی کی وساطت سے ٹھیک چل رہا تھا اور لاکھوں کا ہیر پھیر ہو چکا تھا۔

احمد علی سیدھا ہیرا لال کے پاس پہنچا تھا۔ ہیرا لال اپنے بنگلے کے برآمدے میں بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ احمد علی کو دیکھ کر اس نے حقے کی نے منہ سے نکال دی اور آہستہ سے بولا۔

"آؤ احمد علی آؤ، کوئی نئی خبر لائے ہو کیا۔"

"بہت بری خبر ہے ہیرا لال جی۔"

"کبھی کوئی اچھی خبر بھی لے آیا کرو۔ جیسی منحوس صورت ویسی منحوس خبریں۔ کیا بری خبر سنانے آئے ہو۔"

"وہ حاجی عبداللہ صاحب نے کانپور سے ایک نیا بھیجا ہے۔ آپ کو اس کی خبر تو ہو ہی گئی ہوگی۔"

"ہاں کچھ اڑتی اڑتی کانوں کو لگی ہے۔ کون ہے کیا ہے؟"

"فیروز نام ہے اور جوان سالڑکا ہے مگر ہری مرچ ہوتا ہے تیور ذرا سخت دکھا رہا ہے۔"

"کیا بات ہوئی؟"

"کہہ رہا تھا حساب کتاب کے کھاتے پیش ہوں۔"

"ہوں تو پھر۔" ہیرا لال نے کہا۔

"مشورہ تو آپ ہی سے لینا تھا نا مہاراج۔" احمد علی نے کہا۔

"چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے لیے بھی تم میرے پاس مشورہ لینے آجاتے ہو احمد علی۔ خود بھی تو کچھ کرلیا کرو کبھی۔"

"صاحب بات چھوٹی نہیں ہے بہت بڑی ہے اب آپ ہی بتائیے کہ اگر ٹیڑھا پڑ گیا تو کیا کریں گے ہم۔"

"سیدھا کرنا نہیں آتا آپ کو۔"

"ارے اب کہاں۔ کبھی کوئی دور تھا احمد علی کا۔ تو گزرے وقت کی یادگار ہیں۔"

"پھر تو سیدھی سادی بات ہے کہ غلام جانی کے ہاں چلے جاؤ۔ یہ غلام جانی سسرا کس دن کام آئے گا جب ضرورت ہوتی ہے رقمیں اینٹھ کرلے جاتا ہے۔ ہمارا پالا ہے اب بڑھ گیا تو کیا ہوا۔ ابتدا ہم نے ہی کرائی تھی کی جس زمین پر اس نے اپنا اڈا بنایا ہوا ہے تمہیں پتا احمد علی وہ زمین اپنی ہی تھی۔"

"معلوم ہے معلوم ہے۔ مگر غلام جانی کے پاس کریں کیا؟"

"بات کرلو اس سے۔ تین دن کا وقت دیا ہے نا نے، تین دن کے بعد اس کے گھر چلے جانا غلام جانی ساتھ۔ یا اپنے آدمی بھیج دے گا وہ۔ جا کر بات چیت کر گے اور اگر ضرورت پیش آئی تو تھوڑی سی فننگ درست ہائش گاہ میں موجود تھا اس نے احمد علی کو آتے ہوئے

ارے اچھے اچھے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ وہ بے چارہ لونڈا کس گنتی میں ہے، نیا نیا آیا ہے اس دنیا میں۔ نیا سنبھالا ہے اس لیے بگڑا ہوا ہے لیکن بگڑے ہوئے کو ٹھیک کر دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"تو پھر آپ ایسا کریں کہ کسی اور کو غلام جانی کے پاس بھیج دیں۔"

"کیوں کیا تمہیں اس کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"نہیں شرم تو نہیں آتی۔ میرا مطلب ہے۔ اچھا ٹھیک ہم خود ہی چلے جائیں گے۔" احمد علی نے کہا اور اس کے بعد وہ ہیرا لال جاٹ کے ہاں سے چلا آیا تھا۔

ایک باقاعدہ نظام قائم کرلیا گیا تھا جس کے تحت خوب پھلے ہو رہے تھے۔ بے چارے حاجی عبداللہ یہاں کے کاروبار کو کنٹرول نہیں کرپاتے تھے حالانکہ بہت بڑا کاروبار تھا اور اس کا اندازہ فیروز کو بخوبی ہو گیا تھا لیکن یہاں وہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے ان کے بارے میں بھی فیروز کو معلومات حاصل ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے طور پر ایک منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ پہلا دن گزر گیا، دوسرا دن بھی گزر گیا پھر تیسرا دن آگیا احمد علی دفتر نہیں پہنچے تھے جبکہ فیروز ان کا صبح سے انتظار کر رہا تھا۔ جب کافی دیر گزر گئی تو اس نے ایک ملازم کو طلب کرلیا۔ رمضان علی یہاں کلرک کی حیثیت سے ملازم تھا۔ فیروز نے اس سے پوچھا۔

"احمد علی صاحب نہیں آئے۔"

"جناب دوپہر کو آئے تھے تھوڑی دیر کے لیے، اس کے بعد چلے گئے۔"

"تم سے کچھ کہہ سن کر نہیں گئے۔"

"نہیں کچھ کہہ سن کر نہیں گئے۔"

"ہوں ٹھیک ہے تم جاؤ۔" فیروز نے رمضان سے کہا اور رمضان چلا گیا۔ فیروز انتظار کرتا رہا تھا۔ احمد علی کے بارے میں معلومات حاصل کرلینا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن ابھی وہ بہت زیادہ برق رفتاری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر احمد علی ہی بھاگ جائے تو دوسری بات ہے ورنہ کہاں جائے گا سسرا۔

لیکن اس شام کوئی چھے بجے کے وقت جب فیروز اپنی

دیکھا چار آدمی ساتھ تھے اور یہ چاروں کے چاروں شکل صورت سے جو کچھ نظر آرہے تھے فیروز کو ایک نگاہ میں اس کا اندازہ ہو گیا۔ کیونکہ خود بھی پوری زندگی انہی جیسے لوگوں کے درمیان گزار چکا تھا۔ احمد علی کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ چاروں آدمی مؤدب انداز میں اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ احمد علی فیروز کے سامنے پہنچ گیا۔

"کھاتے بلائے ہیں سرکار۔" احمد علی نے بغل میں دبے ہوئے رجسٹروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ چاروں کون ہیں؟"

"مہمان ہیں آپ کے ـــ ہم نے سوچا گھر پر ہی حاضری دیں گے۔ ذرا تفصیل سے بات چیت ہو جائے گی۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ۔" فیروز نے کہا اور احمد علی کو ساتھ لیے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ کچھ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ان لوگوں کی شکل و صورت سے کہ آنے والے وقت میں کیا صورت حال پیش آنے والی ہے۔ چنانچہ اس نے ایک ایسے کمرے کا انتخاب کیا جہاں بہت معمولی سا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ جس اتنا تھا کہ چند افراد بیٹھ جائیں اور اس کے علاوہ

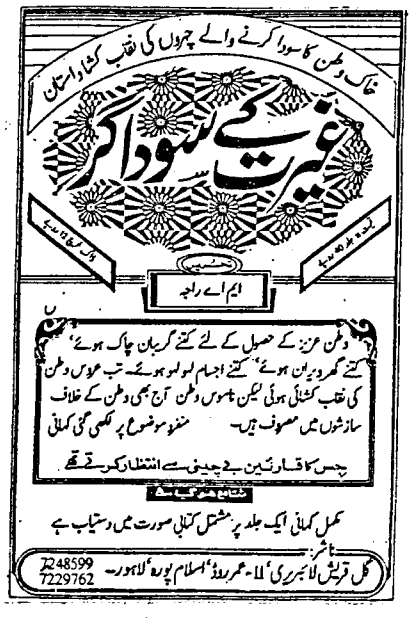

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورا کمرا خالی تھا۔ فیروز نے یہ کمرا خاص طور سے منتخب کیا تھا۔

احمد علی نے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر مسکراتا ہوا بولا۔ "لیجئے اس طرح بھیجا ہے آپ کو حاجی عبداللہ صاحب نے۔ نہ ڈھنگ سے کمرے سجوائے' نہ کوئی فرنیچر لگوایا' نہ قالین بچھوائے اور آپ ہی ہیں کہ حاجی صاحب کی وفاداری میں مرے جا رہے ہیں۔ ارے صاحب دنیا کھانے کمانے کی جگہ ہے اور پھر آپ نے تو ابھی زندگی کا آغاز کیا ہے فیروز صاحب' اس زندگی کے آغاز کو خوب صورت بنایئے ہماری مدد سے۔۔۔"

"تشریف رکھئے احمد علی صاحب' بات کھاتوں کی ہو رہی تھی۔"

"ہاں تو پھر کھاتوں پر بھی نظر ڈال لیجئے آپ۔" احمد علی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فیروز نے ان چاروں سے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ اور وہ چاروں بھی اس انداز میں کھڑے ہو گئے تھے کہ فیروز کو ان کی کیفیت سے اس بات کا پورا پورا احساس ہو رہا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ احمد علی نے جو رجسٹر فیروز کے سامنے پیش کیے' ان کے ایک ورق پر بھی کچھ نہیں لکھا ہوا تھا۔ سارے کے سارے خالی رجسٹر تھے۔ فیروز نے سرد نگاہوں سے احمد علی کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میرا اور آپ کا نداق کا رشتہ کب سے ہو گیا احمد علی صاحب۔ میری تو ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی اور آپ۔ آپ میرے سالے بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"سنو میاں سنو۔ بہت زیادہ چرب زبانی بعض اوقات انسان کو زندگی سے محروم کر دیتی ہے۔"

"ہاں ہوتا ہے ایسا۔"

"جس تو پھر بہت ہو گئی۔ اب ختم کرو یہ سب کچھ۔ بدتمیز بھی ہو اور چرب زبان بھی اور اس کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی۔ سنو حاجی صاحب بہت کنجوس آدمی ہیں۔ کچھ نہیں دیں گے تمہیں۔ نوکر رکھ لیا ہے تمہیں اور یہاں کی افسری دے دی ہے تو پھر ہمارے ساتھ رہ کر کام کرو ہمارے ساتھ مل کر کام کرو۔ جیسا ہم کرتے ہیں ویسا کرو۔ جیسا ہم کہتے ہیں ویسا ہی کرو۔ یہ تمہارے لیے ضروری ہے اس طرح ہماری بھی زندگی بن جائے گی۔"

"اس کا مقصد ہے احمد علی صاحب کہ آپ نے حاجی صاحب کے کاروبار میں بہت بڑا گھپلا کر رکھا ہے۔" فیروز نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"فرض کرو اگر کر بھی رکھا ہے تو تمہیں کیا۔ طرح میاں نہ تمہیں کچھ ملے گا اور نہ حاجی صاحب اب آگے بولو۔"

"ٹھیک ہے پہلے میں حاجی صاحب کو اس بارے اطلاع دے دیتا ہوں اور اس کے بعد آپ کو پولیس حوالے کر دوں گا۔ پولیس ایسے معاملات خود نمٹا لیا ہے۔"

"گویا تم ہم سے سمجھوتا نہیں کرو گے۔"

"اگر آپ کا خیال ہے کہ جس طرح آپ حرا رہے ہیں میں بھی آپ کی اس حرام کاری میں شریک جاؤں تو یہ میرے لیے مشکل ہو گا احمد علی صاحب۔"

احمد علی کے ہونٹوں پر پھر مسکراہٹ پھیل گئی نے ان چاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر جو کام کسی کے لیے مشکل ہوتا ہے اسے لوگ آسان بنا دیا کرتے ہیں۔"

"ہوں۔ وہ کیسے۔۔۔؟" فیروز نے کہا اور احمد علی پلٹ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ فیروز خاموش نگاہ سے ان کا یہ عمل دیکھتا رہا پھر وہ چاروں آہستہ آہستہ بڑھے اور بولے۔

"غلام جانی کو تم نہیں جانتے جوان۔ لیکن غلام اپنا تعارف پہلے ذرا آسان طریقے سے کرواتا ہے۔ چونکہ لین دین کے مسئلے سے نکل چکی ہے اس لیے ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ مشکل کام آسان کیسے ہوتے ہیں۔" وہ چاروں آہستہ آہستہ فیروز کی جانب بڑھنے لگے۔

*

نواب فاخر علی خان اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر تھے۔ حد سے زیادہ دل کو لگ گئی تھی۔ ساری عمر حاصل کر کے کلیجا پارہ پارہ ہو گیا تھا لیکن طے کر چکے ہمت نہیں ہاریں گے۔ موت سے پہلے کم از کم اتنا تو گے کہ مرتے ہوئے خوف کچھ کم ہو جائے' ورنہ عذا کے خوف سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اللہ کے مجرم اور انسان کے بھی اس خوف نے راتوں کی نیندیں رکھی تھیں۔ خاص طور سے جب سے وحدت علی خان کے انتقال میں رضوانہ کو دیکھا تھا بس دل کی حالت عجیب ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس وقت یہ احساس نہیں تھا کہ کاظم علی خان کے سامنے تو خیر جس طرح آئے گا ہی ایک اور خاندان کے لیے سیاہی بن جائے گا۔ بہرطور اب حکیم سرفراز علی خان کے دیر دولت کی جانب تانگے میں بیٹھے ہوئے جا رہے تھے اور آنے والے وقت کے لیے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر رہے تھے۔ ظاہر ہے باقی ساری باتیں اپنی جگہ سرفراز علی خان کے دل پر زخم لگے ہیں ان کے ہاتھوں۔ یہ زخم ضرور بولیں گے۔

حکیم سرفراز نے اپنے خوب صورت مکان کے بیرونی حصے میں ہی اپنا مطب کھول رکھا تھا۔ گھر کے آگے ایک وسیع و عریض چبوترہ بنا ہوا تھا جس کی چار سیڑھیاں تھیں۔ اس کے بعد چبوترے پر پہنچا جا سکتا تھا۔ وہیں عطار اپنے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے اور حکیم صاحب کا مطب دوسری سمت تھا۔ اتفاق سے اس وقت حکیم سرفراز حسین اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے تو شاید نواب فاخر علی خان کو نہیں پہچانے لیکن پھر جب ان کی صورت نگاہوں میں سما گئی تو چونک پڑے اور گہری نگاہوں سے فاخر علی خان کا جائزہ لیتے رہے۔

فراست میاں کو فاخر علی خان نے باہر ہی روک دیا تھا۔ اندر جا کر حکیم سرفراز حسین کو اسلام کیا تو حکیم صاحب نے اس کا باقاعدہ جواب دیا پھر کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"تشریف رکھئے فاخر علی خان صاحب۔ مراد آباد سے کب آنا ہوا۔ خیریت تو ہے' اس ناچیز کے مطب میں اتنے بڑے نواب صاحب کا داخل ہونا۔ اصولی طور پر تو باعث فخر و عزت ہونا چاہیے تھا لیکن۔۔۔" حکیم سرفراز خان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بیٹھ سکتا ہوں۔" فاخر علی خان آہستہ سے بولے۔

"ہاں ہاں تشریف رکھئے' تشریف رکھئے۔ معافی چاہتا ہوں لیکن ذرا ایک سوال کا جواب دے دیجئے گا مگر پہلے تشریف رکھئے۔ آپ کے لیے پانی وغیرہ منگواؤں۔"

"نہیں شکریہ۔" فاخر علی خان بیٹھ گئے۔

"سوال یہ ہے کہ آپ اس وقت میرے مطب میں کسی مریض کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں یا کوئی اور بات ہے جس کی وجہ سے آنا ہوا ہے۔"

"مریض ہوں۔" فاخر علی خان بولے۔

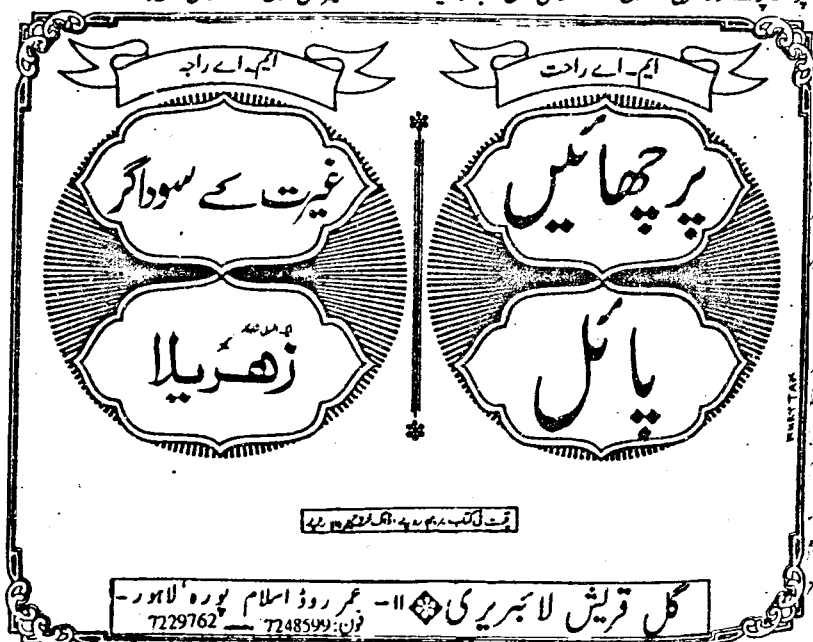

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا اچھا ــــ تو پھر یوں سمجھئے گا کہ میرے اور آپ کے درمیان صرف ایک حکیم اور مریض کی شناسائی ہے۔"

"جی سرفراز حسین صاحب۔" فاخر علی خان آہستہ سے بولے۔

"فرمایئے کیا تکلیف ہے آپ کو۔ نبض دیکھ سکتا ہوں۔" سرفراز حسین نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں حال سن لیجئے۔ مرض معلوم ہو جائے گا۔" فاخر علی خان ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولے اور حکیم صاحب تعجب بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔ فاخر علی خان نے کہا۔

"میرا مرض یہ ہے کہ کچھ خاندانی معاملات کی بنا پر میں نے ایک ایسے شخص کو ذہنی اذیت میں گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی جس سے میری چپقلش تھی۔ میں نے جو کچھ کیا تھا وہ بلاشبہ اپنے دل کا بخار نکالنے کے لیے تھا لیکن اس کے اثرات کسی دوسری جگہ پہنچ جائیں گے اس وقت یہ میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ جب میں یہ کام کر بیٹھا اور پھر میرے علم میں کچھ دوسری باتیں آئیں تو میرا دل بیمار ہو گیا۔ یہ جرأت نہیں تھی کہ جو کیا ہے اس کی کسی شکل میں تردید کروں کیونکہ جو نتائج سامنے آگئے تھے وہ ایسے تھے کہ حالات کی باگ ڈور میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ بخدا حکیم سرفراز حسین صاحب میری نہ آپ سے کوئی دشمنی تھی نہ میں آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تھا بلکہ جو کچھ بھی سلسلہ تھا آپ کے علم میں آچکا ہو گا۔ کاظم علی خان اور کچھ نواب وحدت علی خان صاحب مرحوم بھی ان معاملات میں شریک تھے۔ آپ صرف لپیٹ میں آگئے۔ میں چاہتا ہوں حکیم سرفراز حسین صاحب کہ آپ کی مجھ سے نفرت بجا ہے کیونکہ آپ کی بیٹی کو اس سلسلے میں نقصان پہنچا ہے لیکن بس جو ہونا تھا شدتِ جذبات میں ہو گیا۔ میں کاظم علی خان کے لیے بھی دردمند ہوں کہ انہیں بیٹے کی جدائی برداشت کرنا پڑی لیکن ان سے زیادہ میں آپ کے لیے غمزدہ ہوں کہ آپ کو ایک نہایت مشکل وقت کا سامنا کرنا پڑا۔"

حکیم سرفراز حسین صاحب زہرخند سے بولے۔ "ہاں گیسوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ نوابوں کی جنگ تھی ہم درمیان میں آگئے۔ کیا کہتے، کس سے کہتے۔ بہرطور غم کا پہاڑ لیے سر چھپائے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کی آمد کچھ سمجھ میں نہیں آئی نواب فاخر علی خان صاحب۔ ہم جیسے ناچیز کی آپ جیسے عظیم الشان نواب کو کیا ضرورت پیش آگئی۔ یہ تمام تاویلیں ایک طرح سے تو بے معنی سی ہیں۔ ان سے ہمیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ہماری عقلِ ناقص کام نہیں کرتی کہ آپ کو اس گفتگو سے کیا فائدہ حاصل ہو گا۔ آپ صرف یہ فرمایئے کہ ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

"جو گناہ ہو گیا ہے اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"سمجھے نہیں ہم فاخر علی خان صاحب۔"

"کاش کوئی ایسا ذریعہ حاصل ہو سکے جس سے میری بگڑی بن جائے۔"

"آپ کی بگڑی۔" حکیم سرفراز حسین پھر ہنسے۔

"ہاں ــ دل پر جو زخم ہے اس کا علاج چاہتا ہوں حکیم سرفراز حسین۔"

"اس کے زخموں کا علاج تو واقعی ہمارے پاس کر پوری طبِ یونانی میں نہیں ہو گا۔ اصل میں ہم لوگ ایک گفتگو کر رہے ہیں جس کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ فاخر علی خان میری دست بستہ گزارش ہے کہ براہ کرم مجھے میرے منصب بتا دیا جائے۔"

"آپ کو علم ہے کہ ناظم علی خان صاحب نے گھر چھوڑ دیا تھا۔"

"جی ہاں مجھ سے زیادہ کسے علم ہو سکتا ہے اس بارے کا۔"

"اور لاپتا ہو گئے تھے۔"

"جی۔"

"اور یہ بھی علم ہے آپ کو کہ کاظم علی خان نے ان کی تلاش کے لیے بہت کچھ کیا۔"

"جی علم ہے۔"

"میں ان کا پتا معلوم کرنے میں نہ صرف کامیاب گیا ہوں بلکہ دلّی میں ان سے مل کر بھی آیا ہوں۔"

"دلّی میں ہیں وہ۔"

"جی ہاں۔"

"کس جگہ قیام ہے عزیز من کا۔" حکیم سرفراز نے پوچھا۔

"نئی چاؤڑی میں ایک مکان حاصل کر کے وہاں رہ رہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ نئی چاؤڑی میں رہ رہے ہیں۔"

"جی۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے وہاں رہائش کیوں اختیار کی ہے۔ ان کی دلی واردات سے واقف ہوں۔" حکیم سرفراز حسین چند لمحات غم و اندوہ میں ڈوبے ساکت و جامد بیٹھے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"تو یہ اطلاع لے کر آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ فاخر علی خان صاحب۔"

"تو پھر اور کہاں جاتا۔ کچھ عرصہ قبل نواب وحدت علی خان کی موت پر رام پور پہنچا تھا۔ نہایت سرد مہری سے استقبال کیا گیا بلکہ استقبال بھی کیا تھا، سر گھسیڑ کر جا بیٹھا تھا بہن تو نظرانداز کر ہی نہیں سکتی تھیں لیکن بہنوئی نے ذرا بھی منہ نہ لگایا اور اپنا سا منہ لے کر واپس چلا آیا۔ نواب کاظم علی خان کا غصہ بھی بجا ہے، غلط نہیں ہیں وہ اپنی جگہ، اب یہ اطلاع لے کر کس منہ سے وہاں جاؤں کیا فائدہ۔ وہ میری بات پر غور نہیں کریں گے۔"

"تو پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"بھئی، ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ کوئی ایسا طریقہ نکالو جس سے بات بن جائے۔ میں چاہتا ہوں جو کھیل بگڑ گیا ہے وہ بن جائے۔"

"نہایت افسوس کی بات ہے فاخر علی خان صاحب ایک غریب کو دبانے چلے آئے ہیں آپ۔ میں کون سے ایسے الفاظ استعمال کروں جس سے آپ کی توہین نہ ہو۔ میری گزارش ہے کہ آپ براہ کرم آپ، یہاں سے چلے جایئے۔ میں اخلاقاً بھی آپ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ میری عزت کے قاتل ہیں۔ آپ نے میرے گھر کو جہنم میں تبدیل کر دیا ہے۔ جوان بیٹی کے آنسو انگارے بن کر میرے سینے پر گرتے ہیں۔ کاش آپ پر بھی ایسے ہی لمحات گزرتے فاخر علی صاحب، میں اپنے خاندان کی تعریف میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہا ہوں۔ اس سے پہلے اس خاندان کے کسی فرد نے کسی آنے والے کو اس طرح نہ نکالا ہو گا فوراً چلے جایئے اب۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔" فاخر علی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

رونق آرا بیگم حسب عادت سخت متجسس تھیں۔ ممتاز کی واپسی ایک طرح سے ناقابلِ یقین تھی۔ نیاز خاں ہی ہمراز تھے کسی اور سے کیا گفتگو کرتیں۔ نیاز خاں کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔

"اے نیاز خاں اس بار یہ بھلتے کس سے لے آئے۔ اللہ تم لوگوں نے مجھے اتنا بددل کر دیا ہے کہ اب کسی پر بھروسا کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ارے بھیا روپیہ پیسہ ہی تو زندگی میں سب کچھ نہیں ہوتا۔ محبت اور ہمدردی بھی کوئی چیز ہے۔ خدا بخشے میاں کی قبر میں کیڑے ڈالے، ایسے تڑی بھڑی ہوں کہ دیکھنے والے آنکھیں بند کر لیں۔ کیسا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ارے زندگی بھر گوٹا کھایا کیا بگاڑ لیا میں نے ان کا۔ اب بھی آجاتے کم از کم پرانے ساتھی تو تھے۔ اب دیکھو آگے کیا ہوتا ہے۔ ذرا ڈھیل دی ہے میں نے ممتاز کو دو چار دن گزار لے تو پوچھوں گی کہ بی بتو کیا کھویا کیا پایا، تجربہ ہو گیا دو دن میں دنیا کا۔"

"اس ساری گفتگو میں تم نے ایک ہی کام کی بات کی ہے رونق آرا بیگم۔"

"ایں، کون سی کام کی بات۔"

"یہی کہ روپیا پیسا ہی دنیا میں سب کچھ نہیں ہوتا اور رونق آرا بیگم ایک ذرا سے کچھ پیسے وہ بھی کینے بہن میاں کی وجہ سے ہمارے ہاتھوں خوردبرد ہو گئے تو تم نے ہماری وہ دُرگت کی کہ کسی کتے کی بھی ایسی دُرگت ہوئی ہو۔"

"نیاز خاں، حرام اور حلال کا فرق سمجھتے ہو تم۔" نیاز خاں بے اختیار مسکرا پڑے اور پھر طنزیہ انداز میں بولے۔

"نہیں کہاں رونق آرا بیگم ذرا آپ سمجھا دیجئے۔"

"اے سروتا لے کر ناک کتر لوں گی، قسم اللہ کی تمہاری، ذرا سی دیر میں اوقات پر اتر آتے ہو، کہنا کیا چاہتے ہو آخر تم۔"

"ارے ارے توبہ توبہ کچھ کہا ہم نے۔ یہ لیجئے دل کی باتیں بھی کرتی ہیں تو گالیوں گفتاریوں کے ساتھ ارے بھائی کیا کہا ہے ہم نے ذرا کچھ فرما دیجئے گا۔"

"یہ کیا ہنسنے مسکرانے بیٹھ گئے۔"

"اچھا اچھا ــــ چلئے ٹھیک ہے۔ رونی صورت بنا کر بیٹھ جاتے ہیں آپ کے سامنے اب تو خوش ہوئیں آپ فرمایئے کیا بات ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مطلب یہ ہے کہ جس طرح ممتاز گھر واپس آگئی کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مہ جبیں بھی واپس آجائے؟"

نیاز خاں ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ "رونق آرا بیگم کسی کی قسمت میں ریل ہوتی ہے تو کسی کی قسمت میں جیل' ہماری تقدیر میں خواری ہی لکھی ہوئی تھی سو ہمیں مل گئی اور سبن میاں روپیہ لے بھاگے۔ ارے حقیقت بتائیں گے آپ کو تو کبھی یقین نہیں کریں گی۔ مان لیجئے ہماری بات کہ چیک پوری سے جو کچھ ہوا ہے اس میں ہمارے حصے میں ایک پیسا بھی نہیں آیا۔ وہ تو بس سبن میاں نے ایسی اُلّو کی لکڑی گھمائی ہمارے سر پر کہ ان کی باتوں میں آگئے۔ جو کچھ انہوں نے کہا' کیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو رقم لے کر چمپت ہو گئے اور ہم ذلیل و خوار ہوئے۔ یہ جو فلیتے لائے ہیں ناں آپ سے کہیں گے تو جھوٹ سمجھیں گی آپ۔"

"کیا مطلب؟" رونق آرا بیگم نے کہا۔

"ڈھائی سو روپے خرچ ہوئے ہیں ان میں' اپنی جیب سے دیے ہیں۔ پائی پائی جوڑ کر رکھی تھی اور سوچا تھا کہ کچھ کپڑے لتے بنالیں گے۔ فقیروں کی طرح چیتھڑے لٹکائے پھر رہے ہیں لیکن بس وہی پرانی یاداللہ تم سے' پیسوں کی بات کرتے تو جوتوں کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ ہم نے بھی سوچا کہ نیاز خاں کون آگے کون پیچھے۔ بس جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے اسی پر گزارہ کرو اور صبر کرو ہو سکتا ہے رونق آرا بیگم ہی کا کام بج جائے' نیکی کرو گے اس کا کہیں نہ کہیں تو صلہ مل ہی جائے گا۔" رونق آرا بیگم نیاز خاں کو دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"قسم اللہ کی' طوائف تو خیر طوائف ہوتی ہے مگر تم لوگ طوائف کے ساتھ رہ کر نجانے کیا سے کیا بن جاتے ہو' ارے ہم تو دنیا کی آنکھیں میں دھول جھونک کر رقم بٹورتے ہیں' لیکن نیاز خاں اگر ناٹکا ہوتے تو سچ مچ نئی چاوڑی کے سب سے مالدار آدمی ہوتے۔"

"اور گالیاں دو اور گالیاں دو۔ وہ جوتی پڑی ہوئی ہے۔ اٹھا کر ہمارا سر کو کو ٹو رونق آرا بیگم' یہ جواب ہے ہماری محبت کا۔"

"ارے تو کونسی قیامت ٹوٹ رہی ہے تم پر' پیسے لے لو' ڈھائی سو روپے خرچ ہوئے ہیں ناں' لے لو ہم سے' ہم تو ویسے ہی غرق دریا ہو رہے ہیں۔ ایسے بھی ہو جائیں گے' کیا فرق پڑتا ہے؟"

"نہیں رہنے دیں' ویسے ہی آپ ہزاروں کے پھیر میں آگئی ہیں۔" نیاز خاں سوکھا سامنہ بنا کر بولے۔

"نہیں نہیں لے لینا پیسے تم اور کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایسے ہی فلیتے اور بھی مل جائیں۔"

"بھئی آج کل دُنیا بڑی عجیب ہو گئی ہے رونق آرا بیگم منت سماجت کر کے قبلہ پیر ببن شاہ صاحب کو راضی کیا تھا کہ ڈھائی سو روپے میں یہ فلیتے دے دیں۔ کہنے لگے کہ میاں ہزار روپے سے کم نہیں لیں گے۔ بس رونق آرا بیگم یوں سمجھ لیجئے ہر شے ایک کاروبار بن کر رہ گئی ہے۔ ان لوگوں نے بھی کاروبار شروع کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے اس بارہ ہزار روپے سے کم پر نہیں مانیں گے۔"

"کی نا وہی کمینوں والی بات' اچھا ایسا کرو مجھے لے چلنا۔ پیر ببن شاہ کے پاس۔"

"موت پڑی ہے ہم پر کہ یقین بھی نہ کیا جائے اور ہم مارے مارے پھریں' پتا بتائے دیتے ہیں۔ کوٹلے میں ایک جگہ ہے' سوئی نگری کہلاتی ہے۔ سوئی نگری کے دامن میں خانقاہ بنا رکھی ہے ببن شاہ صاحب نے' چلی جایئے وہاں شرافت حسین کو ساتھ لے کر وہ شرافت حسین ہیں ہمارا کیا ہے؟"

رونق آرا بیگم مسکرانے لگیں۔ ممتاز کے واپس آجانے سے بہت خوش تھیں۔ گو ابھی تک ممتاز سے مذاکرات نہیں ہوئے تھے لیکن دل کو یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ بیٹی واپس آگئی ہے اب ذرا وقت گزر جائے تو پوچھیں گی اس سے کہ کیا رہا رئیس خاں نے بالآخر چوٹی پکڑ کر نکال دیا ناں اور رچاؤ شادی اور بنو ساگن' کو ٹھوں کی ریت تو نہیں رہی ہو۔ دیکھ لینا' اس کا نتیجہ لیکن دوسری صبح رونق آرا پر بجلی گر پڑی۔ بفاتن نے بتایا تھا کہ ممتاز بی بی برقع اوڑھ کر چلی گئیں۔

"ایں' کہاں چلی گئیں؟"

"کچھ مجھے بتایا ہی نہیں بس صبح صبح جلدی جلدی چپکے چپکے سیڑھیاں اتر کر نیچے گئیں اور گلی میں غائب ہو گئیں۔"

"اے کیا کہہ رہی ہے بفاتن' کم بخت تیرا ستیاناس جائے کسی کے منہ سے کوئی خوش خبری سننے کو ترس گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بری بری خبریں ہی دیتے رہتے ہو تم لوگ۔ ارے کہاں چلی گئی کسی کو پتا کر تو کچھ گئی ہو گی۔ دلشادی اری دلشادی' اری تو بھی مرگئی کیا تیرا ستیاناس کم بخت تو کہاں گئی؟" رونق آرا بیگم لپکی لپکی دلشاد کے کمرے کی جانب چل پڑیں۔ دلشاد اپنے کمرے میں بڑے آرام سے کروٹ لیے سو رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے رونق آرا کو اسے دیکھ کر سکون ہوا لیکن ممتاز کے اچانک چلے جانے سے جو دھماکا دل پر ہوا تھا۔ اس نے صبر نہ لینے دیا۔ دلشاد کو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

پتا نہیں سونے کی اداکاری کر رہی تھی یا سچ مچ سو رہی تھی۔ حیران نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور بولی۔

"کیا ہوا اماں طوفان آگیا کیا جمنا میں' یا زلزلہ آرہا ہے دلی میں' کیا ہوا' کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟"

"اٹھ کے بیٹھ جا' دلشادی اٹھ کے بیٹھ جا' ورنہ جھونٹے پکڑ کر ایسے جھنجھوڑوں گی کہ سر کے سارے بال اکھڑ جائیں گے۔"

"زندہ باد اماں جی زندہ باد۔ آپ جیسی مائیں اسی طرح جگا سکتی ہیں۔ آپ کے پاس لوریاں کہاں ہیں جو انہیں دے کر سلائیں۔ یا ممتا بھرا وہ انداز کہاں ہے جس سے بچوں کو جگائیں' خیر آپ میرے بال خراب نہ کریں' بتایئے کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟"

"میری سکھائی مجھی کو لجائے۔ مجھے سکھا رہی ہے یہ سب کچھ' چرب زبانی' ممتاز کدھر گئی۔ دیکھ دلشاد جھوٹ مت بولیو میرے سامنے' آج اپنی بھی جان دے دوں گی اور تیری بھی جان لے لوں گی سچ بتا تا ارے ستیاناس ہو تمہارا' ارے کمبختو! کیا کھا کر پیدا ہوئی تھیں آخر' دنیا کے ہاں اولادیں ہوتی ہیں ایسی ہوتی ہیں جیسی تم ہو' ارے تم تو میرے کلیجے کے سانپ ہو۔ ڈسو ڈسو اور ڈسو اور ڈسو۔" رونق آرا بیگم سینے پر دوہتڑ مارنے لگیں۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ' بڑی خوشگوار صبح کا آغاز ہوا ہے اماں اور پینے ذرا زور سے پیٹیے تاکہ تکلیف تو ہو آپ کو۔"

"ہاں مار دو' زہر دے دو ارے یہی کسر چھوڑی ہے تم نے اور کیا چھوڑ دیا ہے۔"

"خدا کے واسطے آپ باہر جایئے' میں نجانے کس کا منہ دیکھ کر سوئی تھی جاگنے کی بات تو چھوڑ دیجئے جاگ کر تو آپ کا منہ دیکھا ہے اور آپ نے یہ سب کچھ شروع کر دیا ہے میں کہتی ہوں یہ کیا مصیبت نازل ہو گئی آپ پر؟"

"ممتاز کہاں گئی؟"

"مجھے کیا معلوم کہاں گئی؟"

"تجھے تو سب کچھ معلوم ہو گا۔ دلشادی آج پوچھوں گی تجھ سے' ارے آج پوچھ کر رہوں گی۔" رونق آرا بیگم نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب تو دلشاد ذرا گھبرائیں۔ جنونی خاتون تھیں۔ جنون طاری ہو رہا تھا کہیں سچ مچ ہی ہاتھا پائی پر نہ اتر آئیں۔ ایک لمحے میں اس نے چولا بدل لیا۔

رونق آرا بیگم واپس پلٹیں آنکھیں کبوتر کے خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ دو قدم آگے بڑھ کر بولیں۔

"ہاں بتا کہاں گئی ممتاز؟"

"مارنا چاہتی ہیں مجھے اماں قسم لے لیجئے میں بھی مرجانا چاہتی ہوں۔ دونوں بہنوں کے بغیر جی نہیں لگتا میرا اماں' مار دیجئے مجھے آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔" وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ رونق آرا بیگم اس کے قریب پہنچ گئیں۔

"دیکھ مجھے یہ بتا دے کہ ممتاز کہاں گئی؟"

"اماں گئی کہاں ہم سے ملنے آئی تھی کہہ رہی تھی کہ اماں کو دیکھنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اگر یہ بتا کر گھر میں داخل ہوتی کہ ملنے آئی ہوں تو جوتے بازی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا۔ مل لی جا رہی ہوں اور پھر کسی دن ایسے ہی آجاؤں گی۔ ظاہر ہے گھر سے اجازت لے کر آئی تھی ایک رات کی صبح کو جانا ہی تھا۔" رونق آرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بہت دیر تک ٹکر ٹکر دلشاد کو گھورتی رہیں اور پھر شروع ہو گئیں۔

"خدا کی پھٹکار تم لوگوں پر۔ ارے کیسی فتنیاں ہیں: ہم تو اپنے زمانے میں ایسے نہیں تھے۔ ارے خدا تمہیں غارت کرے۔ کھلایا پلایا' پالا پوسا' جوان کیا اور سارے کھیل ہم ہی سے شروع ہو گئے۔ ارے کم بخت ماری تو کب دفعان ہو رہی ہے یہاں سے۔ کسی کی ضرورت نہیں ہے مجھے دلشاد' کسی کی ضرورت نہیں ہے ساری کی ساری جنم میں چلی جاؤ تم' اکیلی عیش تو کروں گی کم از کم اتنا ہے اللہ کا دیا کہ میرا بڑھاپا آسانی ہو جائے گا۔ مگر خدا کرے تم کہیں ٹھکانے نہ لگو۔ سڑکوں سڑکوں بھیک مانگتی پھرو۔

ارے خدا تمہیں ایسی سزا دے مجھ سے دغا بازی کی' دیکھنے والے تمہیں دیکھ کر آہیں بھریں جا مر کم بخت تو بھی جا' تو بھی چلی جا تو بھی چلی جا۔" رونق آرا بیگم دلشاد کو پیٹنے لگیں۔ دلشاد خاموشی سے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ان کے دو ہتڑ کھاتی رہی۔ رونق آرا خود ہی تھکیں تو باہر نکل گئیں۔ دلشاد سرد نگاہوں سے دروازے کو دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں اماں اچھا کیا تم نے اپنی زبان سے بھی کہہ دیا یہ تو ہونا ہے کیا سمجھیں اماں' یہ تو ہونا ہے۔"

خان صاحب فٹن میں گھومتے رہے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا صاحب کے مزار اقدس پر بھی گئے اور بہت دیر تک فاتحہ خوانی کے بعد خاموش وہاں بیٹھے رہے۔ پھر جامع مسجد پہنچے وہاں بھی مزارات کی زیارت کرتے رہے۔ تمام حواریوں کو اندازہ تھا کہ خان صاحب دلی بے چینی کا شکار ہیں لیکن سبھی خاموش رہے تھے۔ مزاج شناس تھے جانتے تھے کہ اس وقت نہ تو کوئی مشورہ دینا مناسب ہے۔ نہ تسلی کے کچھ الفاظ' کیونکہ خان صاحب کا مزاج ایسا ہی تھا۔ وہ جب پریشان ہوتے دکھی ہوتے تو انہیں سب سے زیادہ نفرت ہمدردی کرنے والوں سے ہوتی تھی جو صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں' عملی طور پر کچھ نہیں کر پاتے۔ بہت وقت گزر گیا۔ رات ہو گئی تو خان صاحب نے واپسی کی ٹھانی' واپس چل پڑے اور کچھ دیر کے بعد احاطے پہنچ گئے۔ رؤف خاں نے حقہ بھر کر دیا حقے کے کش لیتے رہے' کھانے کے لیے منع کر دیا تھا۔ رؤف خاں خاموشی سے سامنے بیٹھ گئے۔ بہت دیر تک خان صاحب حقے کے کش لیتے رہے پھر ان کی نگاہ چاروں دوستوں پر پڑی اور رفتہ رفتہ ان کی کیفیت بحال ہونے لگی۔ بولے "بھئی تم لوگوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا ہے۔ کچھ بولو۔ ایسے بیٹھے ہو' جیسے موگ منا رہے ہو کسی کا؟"

"آپ پریشان ہیں خاں صاحب۔"

"لفظ پریشان نہ استعمال کرو تو اچھا ہے۔ بھتیجے۔ ہم نے پریشان ہونا نہیں سیکھا۔ مردانہ وار ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں اور پھر مشکل ہی کیا' عاقل ہیں بالغ ہیں' اپنے حصے کا خرچ کر رہے ہیں' کسی کی جائداد مار کر نہیں بیٹھے۔ کیوں پریشان ہوں گے۔ بس یہ نواب فاخر علی خاں انہیں کیا سوجھی ہے آخر' کیوں اپنا بڑھاپا خراب کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کھوپڑی گھوم گئی بھتیجے تو الٹا لٹکا دیں گے۔ سارے رشتے ناتے بھول جائیں گے ویسے ہی خاندان میں تکوئیں چار باتیں اور کہہ لے گا کوئی ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔ مگر بڑے میاں کی شامت ہمارے ہی ہاتھوں آئی ہے۔ بتاؤ یہاں تک پہنچ گئے اور اب کر رہے ہیں نصیحتیں۔ ہم کہتے ہیں میاں ہم نے کبھی آپ کی نصیحت ماننے کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ رؤف خاں دیکھے لیتے ہیں بڑے میاں کی حرکتوں کو اس کے بعد جواب دیں گے انہیں اور ہمارا جواب بڑا سخت ہو گا۔ ویسے تو ہم نے ان کے کلیجے میں آگ لگا دی ہے۔ ساری عزت کرکری ہو کر رہ گئی ہے۔ قسم اللہ کی خاموش ہو کر بیٹھ جاتے۔ کچھ بھی نہ کہتے ہاں اگر مہ جبیں ہمارے پاس ہوتی اور شاہ رخ کا پتا مل جاتا۔ تب پھر تھی ذرا بات کرنے کی مگر کیا کریں اپنے ہی کلیجے میں خنجر لگ گیا۔ ایک وہ سسرا غائب ہو گیا۔ نجانے جیتا بھی ہے یا مر گیا۔ کم بخت کی موت کو بھی دل قبول نہیں کرتا۔ نجانے کیوں جیتا جیتا سا لگتا ہے۔ دوسرے مہ جبیں بیگم' نجانے کہاں زمانے

ایک جہاں نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر و غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

نسیم اعزاز

بے سر و پیر جھکے بے ہنگم سی کہانیوں ڈائجسٹ کا کتابی سلسلہ

ایک اللہ پر تحیر' سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

الیاس تاباں پر فراموش الوالعزم تھریلو

آپ کو لرزا دے پریشان کر دے گی۔

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہو گیا

ملنے کا پتہ ناشر

گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور
فون: 7229762-7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔ بیٹھ گئی ہوں گی کسی اور کوٹھے پر جا کر اور کر بھی کیا سکتی ہیں وہ۔ بچی کو بھی لے گئیں اور کچھ نہ ہوتا تو کم از کم یہ تو کر لیتے کہ منہ رخ کو ہی ان سے لے لیتے اور اسے اپنے گلفام کی یاد سمجھ کر کلیجے سے لگا لیتے۔ اماں عظمن خاں یہ بڑی بری ہوئی نجانے یہ کم بخت منہ جنمیں کہاں نکل گئی۔ اماں بیٹیوں نے بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہمارا تو۔" نواب صاحب ہونٹ کاٹنے لگے۔ بہت دیر تک الجھے الجھے بیٹھے رہے پھر بولے۔

"آج کوئی تبدیلی کرو طبیعت بڑی اداس ہے۔"

"آپ حکم فرمائیے خاں صاحب جیسا آپ پسند کریں۔"

"میاں خود بھی تو کہیں کوئی تجویز پیش کر دیا کرو، ہم ہی حکم فرماتے رہیں۔ حکم فرماتے فرماتے زندگی گزر گئی۔ کبھی تم لوگ بھی کچھ فرما دیا کرو۔" خاں صاحب نے کہا اور چاروں حواری سوچ میں ڈوب گئے۔ تمن خاں بولے۔

"مجرا کرا دیں خاں صاحب۔ پکڑوا بلوائیں دو چار گانے والیوں کو۔"

"ایں، نہیں ایسا کرتے ہیں خود چلتے ہیں آج۔ چلو کسی کوٹھے ہی کا رخ کریں۔ جہاں بھی جائیں گے خوش ہو جائیں گی سوائے رونق آرا کے کوٹھے کے۔" خان صاحب مسکرا دیے۔ حواری تیار ہو گئے تھے۔ خان صاحب کے لیے نیا لباس نکالا گیا۔ شہزادے بن گئے تھے وہ دیکھنے دکھانے کی چیز پہلے ہی تھے۔ آج ذرا طبیعت بھی کچھ عجیب سی ہو رہی تھی چنانچہ خاصی رقم جیبوں میں بھری عطر میں بسے اور اس کے بعد چل پڑے تمن خاں، عظمن خاں اور دوسرے لوگوں نے بھی تیاریاں کی تھیں، کہنے لگے۔

"کہاں چلیں۔"

"ویسے تو حضور سب لوگ موجود ہیں جس کوٹھے پر بھی جائیں گی پذیرائی ہو گی لیکن اگر نازک جہاں کے ہاں چلا جائے تو کیسی رہے گی؟"

"اماں کیسی نازک اور کیسی قوی بس گانا سننا ہے۔ اگر بے سُری ہوئی تو پھر دیکھ لیں گے اچھی طرح سے، بے سُری نہیں ہونی چاہیے اس بات کا خیال رکھنا ورنہ چھتو بھونک دیں گے کمبخت کے گلے میں کیا سمجھے۔"

"جی جی" رؤف خاں بولے ویسے نازک جہاں رونق آرا کے کوٹھے کے بعد سب سے زیادہ شہرت رکھتی تھی۔ لوگوں نے حیرت اور دلچسپی سے دیکھا۔ خاں صاحب کسی کوٹھے کی جانب بڑھ رہے ہوں۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ نازک جہاں کے کوٹھے پر بھی کھلبلی مچ گئی۔ اتفاق سے بھتیجے تماش بین وہاں موجود تھے سب ہی ناظم خاں صاحب کے شناسا تھا۔ کسی نہ کسی طرح یہ بات جانتے تھے کہ ناظم خاں بہت خطرناک شخصیت کے مالک ہیں۔ کچھ لوگ کھسکنے کی سوچنے لگے تو ناظم خاں نے ہاتھ سیدھا کر کے کہا۔

"سنو بھائیو تم بھی تماش بین ہو اور آج ہم بھی گانا سننے آئے ہیں۔ اپنی پسند کی دو چار غزلیں سنیں گے۔ بس ہمارا کام پورا ہو جائے گا اور اس کے بعد ہم چلے جائیں گے کوئی پریشانی نہ ہو مگر دیکھو کوٹھوں کے آداب ہوتے ہیں۔ شرافت کے دائرے میں رہنا اگر کسی نے چڑھا رکھی ہے تو وہ ضرور چلا جائے اور اگر ہوش و حواس میں ہے تو بس گانا سنو جس طرح گانا سنا جاتا ہے۔" کچھ لوگ بیٹھ گئے کچھ بے چین اور مضطرب پہلو بدلتے رہے اور جیسے ہی موقع ملا نکل بھاگے۔ نازک جہاں نے مولسری کو اشارہ کیا اور مولسری وہ غزلیں اپنے ذہن میں تازہ کرنے لگی جو خاں صاحب کے معیار کی ہوں۔ پھر اس نے ایک خوب صورت غزل شروع کی۔

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

غزل سنتے ہی خاں صاحب وجد میں آ گئے۔ مولسری کی آواز بری نہیں تھی پھر اس کی فطرت میں سادگی تھی۔ بہت زیادہ پرکاری کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ ان تمام چیزوں نے مل کر ایک سماں باندھ دیا۔ اس نے اگلا شعر پڑھا۔

لے گیا چھین کے کون آج تیرا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

خاں صاحب نے آہ واہ کے نعرے لگائے اور حواری نوٹ برسانے لگے۔ نازک جہاں مسکراتی نگاہوں سے پورے ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ خاں صاحب سے انحراف تو خیر کسی کے لیے ممکن نہیں تھا۔

مولسری نے جو پذیرائی دیکھی تو غزل کو اور خوب صورت انداز میں گانا شروع کر دیا۔ بہت دیر اس

طرح گزر گئی۔ نازک جہاں دست بستہ پانوں کا خاصدان لیے خاں صاحب کے پاس پہنچی اور خاصدان سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"حضور انور طوائف کا کام زبان درازی ہوتی ہے اپنے محبت کرنے والوں سے وہ چکنی چپڑی باتیں کرتی ہے یہ اس کا پیشہ ہے لیکن کبھی کبھی اس کے اندر انسانیت بھی ہوتی ہے کیونکہ بدبخت ہے تو انسان ہی نا۔ میں اس وقت جو الفاظ ادا کر رہی ہوں ان کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے، کیا میری اس سچائی پر یقین کر لیا جائے گا۔"

ناظم خاں صاحب نے چونک کر اسے دیکھا اور بولے۔ "بھئی نازک جہاں اس حقیقت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہیے کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں۔"

"کہیے نازک جہاں ہم سن رہے ہیں۔" ناظم خاں صاحب بولے۔

"دل کا حال بیان کرنا چاہتی ہوں خاں صاحب، یہ نوٹ لٹائے جا رہے ہیں۔ میں انہیں قبول کرنے کی مجاز نہیں، آپ کے اس طرح آنے سے جی کو جو خوشی ہوئی ہے وہ اس دولت سے ہزاروں گنا بڑی دولت ہے اور میں اس کا لطف زائل نہیں کرنا چاہتی۔" خاں صاحب مسکرانے لگے پھر بولے۔

"ایسے کون سے سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں بی نازک جہاں ہم میں۔"

"خاں صاحب آپ نے جس طرح بالا خانوں کی عزت بنا رکھی ہے، بس اسی کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں اور کیا میں ورنہ کاروبار تو ہم کر ہی رہے تھے کہ ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ لیکن بڑے بے چین رہا کرتے تھے۔"

"چلو ہم سے کوئی خدمت ہو گئی۔ بڑا اچھا ہوا۔"

"کیا فیروز آپ سے ملا تھا؟" نازک جہاں نے فوراً ہی ایک نازک موضوع چھیڑ دیا۔

"فیروز۔"

"ہاں کیا آپ سے نہیں ملا۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے وہ آیا تھا۔"

"کیا؟" ناظم خاں کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نازک جہاں کو دیکھنے لگے۔ پھر لرزتی آواز میں بولے۔

"ہوش و حواس میں تو ہو نا نازک جہاں، کیا کہہ رہی ہو؟"

"گویا آپ کو علم نہیں ہے اس بات کا۔" نازک جہاں نے کہا اور خاں صاحب وحشتناک نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

"اٹھو کسی دوسری جگہ چلو محفل اسی شکل میں جاری رہنے دو۔"

خان صاحب اٹھے تو تمام ساز ایک دم بند ہو گئے۔

نازک جہاں نے سازندوں سے کہا کہ وہ شغل جاری رکھیں اور پھر خاں صاحب کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔

"گویا حضور کو واقعی خبر نہیں ہے۔"

"بغیر کسی تمہید کے تفصیل بیان کرو۔" ناظم خاں صاحب نے کہا اور نازک جہاں فیروز کے آنے کا واقعہ سنانے لگی۔ ساری تفصیل اس نے بتائی اور ناظم خاں کے بدن پر لرزشیں طاری ہو گئیں۔ دیر تک تاثر میں ڈوبے رہے پھر بولے۔

"بی نازک جہاں اس میں کوئی دروغ گوئی تو نہیں ہے۔"

"دل و جان سے حضور کی قدر کرتی ہوں۔ ایک لفظ جھوٹ نہیں۔ لگتا ہے آپ کو فیروز کے آنے کی خبر نہیں۔"

"وہ ہم سے کیوں نہیں ملا۔" خاں صاحب پُرخیال لہجے میں بولے پھر سنبھل گئے۔ "بہرحال تم نے ہمیں اس کی زندگی کی خبر سنائی ہے۔ اس کا انعام تمہیں ضرور ملے گا۔ اب یوں کرو نازک جہاں ہم تو چلتے ہیں۔ ہمارے ساتھیوں سے کہہ دینا کہ ہم چلے گئے۔ وہ بھی گھر واپس آ جائیں۔ ہمیں باہر کا راستہ بتا دو۔"

نازک جہاں خاں صاحب کو باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

☆

وہ چاروں فیروز کے قریب پہنچ کر رک گئے پھر ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں چاند۔ کھاتے چاہئیں تمہیں۔ یہ لو حساب شروع۔" اس نے فیروز کے منہ پر گھونسا رسید کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی بند مٹھی کو فیروز نے اپنے پنجے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جکڑ لیا پھر ایک خاص انداز میں اس نے اس کا ہاتھ موڑ کر اس کے پیٹ پر رکھ دیا پھر ایک کھلا ہاتھ چناخ سے اس کے گال پر رسید کر دیا۔ ایک ناقابلِ یقین منظر نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ پورے تھپڑ سے رخسار کی کھال ادھڑ گئی تھی اور اس سے خون جاری ہو گیا تھا۔ دوسرے تھپڑ نے اسے زمین چٹا دی۔ باقی تینوں ساتھیوں نے پہلے آدمی کی یہ درگت دیکھی تو ارنے بھینسوں کی طرح فیروز پر پل پڑے۔ فیروز نے اپنی جگہ چھوڑ کر ان میں سے دو کی گردنیں پکڑیں اور ان کے سر آپس میں ٹکرا دیے۔ دونوں کے حلق سے کراہیں نکلیں اور وہ چکر کھانے لگے۔ تیسرے کو فیروز نے بازوؤں میں دبوچا اور اسے اٹھا کر پہلے پر دے مارا۔

احمد علی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ اپنے لائے ہوئے سورماؤں کی یہ حالت دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا پھر بند دروازے کی طرف لپکا لیکن فیروز تیار تھا۔ اپنی زد پر آئے ہوئے شخص کا رخ احمد علی کی طرف کر کے فیروز نے اس کی کمر پر لات جما دی۔ وہ اچھل کر احمد علی پر گرا اور اسے اپنی لپیٹ میں لے کر نیچے جا گرا۔ احمد علی کٹے ہوئے بکرے کی طرح چیخا اور اپنے اوپر گرنے والے کو گندی گالیاں بکنے لگا۔ فیروز منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ دو بالکل بیکار ہو گئے تھے۔ تیسرے کی حالت بھی خراب ہو گئی تھی۔ فیروز اب ان پر کاری ضربیں لگا رہا تھا۔ پھر اس نے کام ختم کر لیا۔ چاروں زمین پر لمبے پڑے تھے اور احمد علی ہکا بکا کھڑا تھا۔

"جی احمد علی صاحب۔" فیروز نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"معاف۔ معاف کر دیں فیروز صاحب۔"

"یہ نایاب ہیرے کہاں سے منتخب کیے تھے۔"

"میں۔ میں تمام حساب پیش کر دوں گا۔" احمد علی گھگیائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"حساب تو اب میں پیش کروں گا آپ کو۔ آیئے اندر تشریف لایئے۔"

"ارے۔ مم۔ مرگیا۔ بچاؤ۔" احمد علی حواس باختہ ہو کر بولا۔

فیروز اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے احمد علی کا

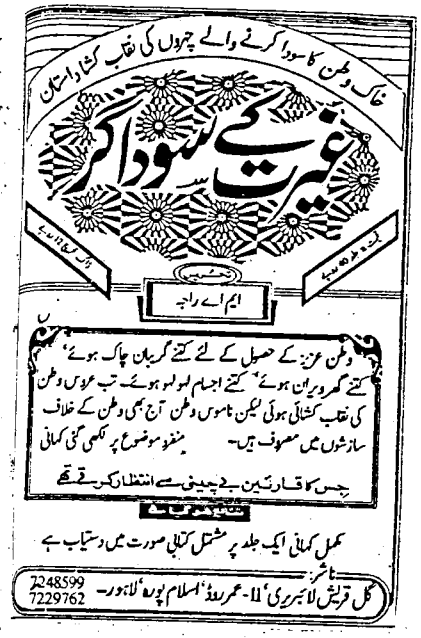
غیرت کے سوداگر
ایم اے راجہ
وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے، کتنے گھر ویران ہوئے، کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب عروسِ وطن کی نقاب کشائی ہوئی لیکن ناموسِ وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر:
گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
7248599
7229762

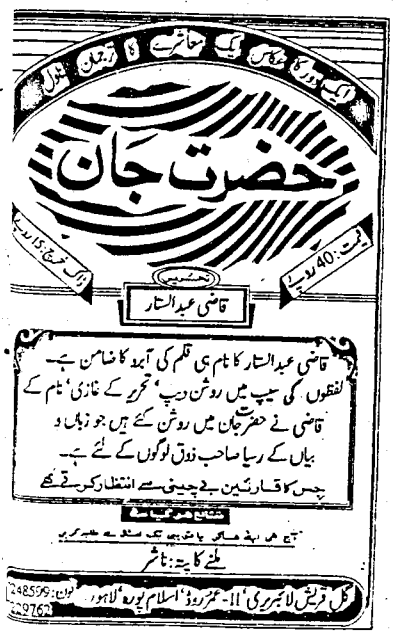
حضرت جان
قاضی عبدالستار
قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔ لفظوں کی سیپ میں روشن دیپ، تحریر کے غازی، نام کے قاضی نے حضرتِ جان میں روشن کیے ہیں جو زبان و بیاں کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور

گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا اور اسے کمرے کے فرش پر دے پھینکا۔

"جی احمد علی صاحب۔ آپ زبان کھولیں گے یا۔"

فیروز نے اس کی پنڈلی پر پاؤں رکھ دیا۔

"رحم۔ خدا کے لیے۔ خدا کے لیے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔" فیروز مسخرے پن سے بولا۔

"معاف کر دیں فیروز صاحب معاف کر دیں۔"

"کر دوں گا۔ آپ پوری کہانی مجھے سنائیں۔"

"سارے حساب کتاب گڑبڑ ہیں مگر میں ہیرا لال جی کے کہنے پر یہ کرتا ہوں۔"

"مطلب؟"

"رقمیں ان کے پاس جاتی ہیں۔ مجھے بیس فیصد کمیشن ملتا ہے۔"

"کیا کرتا ہے ہیرا لال؟"

"وہ نواب ناصر علی کا آدمی ہے۔"

"آگے بولو۔"

"نواب ناصر علی نے سارے کاروبار کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ ہیرا لال پورے ملک میں حاجی صاحب کی ساکھ خراب کر رہا ہے۔ ہمارے سارے بیوپاری ٹوٹ رہے ہیں۔"

"کہاں جا رہے ہیں؟"

"ناصر علی کی طرف۔ وہ بھی یہی کاروبار کرتے ہیں۔ بس کچھ بیوپاری ہم سے کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ حاجی صاحب کے بہت پرانے بیوپاری ہیں اور ان کے دوست بھی ہیں۔ بس انہی سے کام چل رہا ہے ورنہ سب چوپٹ ہو چکا ہے۔"

"تمہیں اپنی نمک حرامی پر کبھی شرم نہیں آئی۔"

"کیا کریں فیروز بابو۔ بال بچوں والے ہیں۔"

"حرام کھلاتے ہو بال بچوں کو۔ میرے اوپر غنڈے لے کر آئے تھے۔ خیر غنڈوں کا تماشا تو تم نے دیکھ لیا۔ اب اپنی خیر مناؤ۔"

"ایک بات بتاؤں آپ کو فیروز بابو۔"

"ضرور بتاؤ۔"

"ہمارے ساتھ جو چاہو کر لو مگر غلام جانی اب تمہیں

نہیں چھوڑے گا۔"

"اوہو۔ یہ اچھی خبر دی ہے تم نے۔ بہت بڑا غنڈا ہے وہ؟"

"مراد آباد میں اس سے بیر لے کر اچھے اچھے نواب نہیں رہ سکتے تم کس کھیت کی مولی ہو؟"

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ رہا میرا اور غلام جانی کا معاملہ۔ اب تم اپنی سناؤ۔"

"ہم کیا سنائیں۔"

"تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔"

"ہمیں تو چھوڑ ہی دو تو اچھا ہے۔"

"ورنہ کیا ہو گا؟"

"ہونا کیا ہے بس غلام جانی کو دماغ میں رکھو۔" فیروز کچھ سوچتا رہا پھر اس نے گردن ہلائی اور احمد علی کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ باہر کے دروازہ بند کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے کوٹھی میں رسیاں تلاش کیں اور واپس اندر آ گیا پھر اس نے احمد علی سے ہی ان چاروں کے ہاتھ پاؤں بندھوائے تھے اور احمد علی نے بمشکل یہ کام سرانجام دیا تھا۔ اب ان مردوں کو ڈھونے کا کام بھی تم ہی سرانجام دو گے۔"

"تم مغرور آدمی ہو۔" احمد علی نے کہا اور فیروز نے رسّی کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا پھر مدھم لہجے میں بولا۔

"ایک ایک کر کے اٹھاؤ احمد علی۔"

"کہہ جو دیا نا۔" احمد علی نے خشک لہجے میں کہا اور رسّی سڑاک کے ساتھ احمد علی کے بدن پر پڑی۔ وہ بری طرح ڈکرایا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ رسّی جہاں پڑی تھی وہاں سے کپڑوں پر خون کی لکیر نمایاں ہونے لگی تھی۔

"اٹھو۔" فیروز آہستہ سے بولا۔

"ارے مر گیا رے۔ ارے مار ڈالا۔" احمد علی نے روتے ہوئے کہا اور رسّی دوبارہ اس کے بدن پر پڑی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اٹھاتا ہوں اٹھاتا ہوں۔" اس نے کہا پھر غیر معمولی قوت کا مظاہرہ کر کے اس نے ایک قوی ہیکل آدمی کو اٹھا لیا۔ فیروز اسے باہر تک لایا تھا۔ اس نے موٹر میں پچھلی سیٹ پر اسے ٹھونس دیا اور پھر احمد علی کو ایک ایک کر کے ان چاروں کو باہر لانا پڑا۔ وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ چاروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمیوں کو تلے اوپر جانوروں کی طرح ٹھونس دیا گیا تھا۔ دروازے تک بمشکل سے بند ہوئے تھے۔ احمد علی کے کپڑے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ آخر میں فیروز نے اس سے سوال کیا۔

"بیٹھو۔" احمد علی ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور فیروز نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ وہ سڑک پر نکل آیا تھا۔ "غلام جانی کا اڈا کہاں ہے؟"

"ایں۔" احمد علی چونک پڑا۔

"غلام جانی کا اڈا کہاں ہے؟"

"بائی کلہ روڈ پر۔"

"راستہ بتاؤ۔" فیروز سرد لہجے میں بولا۔

"وہاں جا رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"سیدھے چلو۔" احمد علی نے کہا۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ اسے جو تکلیف ہو رہی تھی وہ اسے بھول گیا تھا۔ اگر فیروز جوش میں خود بھیڑیوں کے بھٹ میں گھس رہا ہے تو اچھا ہے۔

وہ راستہ بتاتا گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک سالخوردہ عمارت کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ بہت بڑا احاطہ تھا۔ جس کے سامنے وسیع دروازہ تھا اور کسی ریسٹ ہاؤس کی طرح چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہاں بہت سے مسٹنڈے نظر آ رہے تھے۔ قالین بچھے ہوئے تخت پر جو شخص تکیے کے سہارے بیٹھا سلفی کے کش لے رہا تھا وہی غلام جانی تھا۔ مگٹھے کا آدمی معلوم ہوتا تھا جسامت بھی شاندار تھی۔ سب چونک چونک کر گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔ فیروز نے گاڑی دروازوں کے سامنے ہی روک لی تھی۔

"اترو۔" فیروز سرد لہجے میں احمد علی سے بولا اور احمد علی کراہتا ہوا نیچے اتر گیا۔ اسے دیکھ کر غلام جانی نے سلفی رکھ دی تھی۔ احمد علی یہاں آتے ہی شیر بن گیا اور غلام جانی کی طرف دوڑ پڑا۔

"دہائی ہے غلام جانی۔ دہائی ہے۔ مار ڈالو اس نے ہمیں سب کو مار ڈالا ہے۔"

فیروز بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا تھا۔ وہ بونٹ کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہے احمد علی؟" غلام جانی نے آہستہ سے پوچھا۔

"سب کو مار دیا ہے اس نے۔ دیکھ لو۔ سب ا ٹھنے ہوئے ہیں۔"

"ایں۔" غلام جانی گاڑی میں جھانکنے لگا۔

"تمہارا سامان لایا ہوں غلام جانی۔ اتروا لو۔" فی نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو۔" غلام جانی اپنے آدمیوں سے بولا اور سب گاڑی کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے گاڑی دروازے کھینچنا شروع کیے تو فیروز گرج کر بولا۔

"دروازے آہستہ کھولو۔" وہ سب چونکے پھر نے دروازے کھولے اور اپنے آدمیوں کو نیچے ا لگے۔ وہ سب بے ہوش ہو گئے تھے۔

غلام جانی سرد نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا آہستہ سے بولا۔ "مر گئے۔"

"نہیں جانی استاد زندہ ہیں۔"

"ادھر لٹا دو۔" غلام جانی نے ایک طرف اشارہ فیروز کو گھورتا ہوا نیچے اتر آیا۔ نیچے پہنچ کر اس نے ا کا گریبان پکڑ لیا۔ "زبان بند کیے کھڑا ہے کتے کے پلے۔

"مجھے تو خود اس نے رسیوں سے مارا ہے غلام گھاؤ پڑ گئے ہیں پورے بدن پر۔"

"کھر گئے تھے تم اس کے؟"

"ہاں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"سب الٹا ہو گیا۔ اس نے سب کی ٹھنگڑیا دیں۔"

"کتنے تھے۔" غلام جانی بولا۔

"یہ چار تھے اور میں تھا۔"

"وہاں کتنے تھے۔"

"کہاں؟" احمد علی نے کہا اور غلام جانی کا تھ کے گال پر پڑا۔ احمد علی چیخ پڑا تھا۔

"اس کے آدمی کتنے تھے؟"

"اکیلا تھا جانی استاد۔ یہ اکیلا تھا۔"

"ایں۔ اس اکیلے نے سب کو مار دیا۔"

"اچھا۔" غلام جانی حیرت سے بولا پھر آہست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلتا ہوا ان بے ہوش آدمیوں کے پاس پہنچا۔ وہ دیر تک جھکا انہیں دیکھتا رہا اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ اب دلچسپی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ "اکیلے نے مارا تھا۔"

"ہاں استاد۔" احمد علی بولا۔

"کانسی۔" غلام ربانی نے کسی کو آواز دی اور ایک آدمی جلدی سے آگے بڑھ آیا۔

"جی استاد۔"

"تازی پی کر گئے تھے یہ چاروں؟"

"بالکل نہیں استاد۔"

"خوب۔" غلام جانی بدستور حیرت سے بولا۔ "پھر اس نے فیروز کو دیکھا پھر احمد علی سے بولا۔ "اور یہ خود انہیں اڈے پر چھوڑنے آگیا۔"

"بہت مغرور ہے یہ استاد۔ اپنے آپ کو بڑا مارتے خاں سمجھتا ہے۔" احمد علی نے کہا۔

"بڑی بات ہے بہت بڑی بات ہے۔"

"میں ٹھیک کروں استاد؟" ایک قوی ہیکل شخص نے کہا مگر غلام جانی نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ فیروز سے بولا۔

"لڑنے آئے ہو فلیتے؟"

"مجھے کچھ کہہ رہے ہو جانی۔"

"ہاں۔ تم سے ہی کہہ رہے ہیں۔ بڑی ہمت والے ہو۔ جانی کے آدمیوں کو مار کر خود انہیں چھوڑنے آگئے۔"

"احمد علی نے کہا تھا کہ غلام جانی کے سامنے تم کس کھیت کی مولی ہو۔ میں نے سوچا زیارت کرلی جائے۔"

"آؤ فلیتے۔ دالان میں آجاؤ۔" غلام جانی نے کہا اور فیروز بے دھڑک اندر آگیا۔ "بیٹھو۔ مہمان ہو۔ تم نے کیسے سوچ لیا کہ ہم اپنے گھر میں تم سے لڑیں گے۔ یہاں لڑنا ہے تو فوج لے کر آؤ دل کے ٹکڑے۔ کس مٹی کے لال ہو۔"

"غلام جانی۔ کانپور سے آیا ہوں۔ حاجی عبداللہ نے اپنا کاروبار سنبھالنے بھیجا ہے۔ اس آدمی نے کاروبار میں خوب خیانت کی ہے۔ اس سے حساب مانگا تو یہ تمہارے پاس آگیا۔ حساب تو اسے دینا ہوگا اور مجھے لینا ہوگا۔"

"یہ تمہارا معاملہ ہے مگر تم نے ہمارے آدمیوں کو مارا ہے۔"

"اور آئیں گے تو انہیں بھی ماروں گا۔ یہی بتانے آیا ہوں۔" فیروز نے بے خوفی سے کہا۔

"آئیں گے۔ ضرور آئیں گے۔ وہیں آئیں تمہارے گھر۔ وقت بھی لکھ لو۔"

"تمہاری مرضی ہے غلام جانی۔ ضرور آؤ۔"

"کل شام پانچ بجے۔ انتظار کرو گے؟"

"ضرور کروں گا۔"

"پولیس کے ساتھ۔"

"نہیں غلام جانی۔ پولیس کو کہاں پریشان کریں گے۔ اپنا جھگڑا خود نمٹالیں گے۔" فیروز مسکرا کر بولا۔

"شاباش۔ شاباش۔ کلیجے میں اتر رہے ہو فلیتے۔ ایک بتا بتاؤ۔"

"پوچھو غلام جانی۔"

"کس کے سدھائے ہوئے ہو؟"

"یہ ابھی نہ پوچھو۔"

"کیوں؟"

"بعد میں بتاؤں گا۔"

"بعد میں۔ جیتے نہ رہے تو۔"

"مرتے ہوئے ضرور بتا دوں گا۔" فیروز نے کہا اور واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔ غلام جانی ہنس پڑا تھا۔ تیز ذہین اور چالاک لڑکا تھا۔ طوائف زادوں کے سارے ہتھکنڈوں کو آزمودی جو گاڑی کے پاس پہنچ چکا تھا۔ دروں سے آشنا' ممتاز اس کو ایک گوشے میں لے گئی۔

گیا۔ "کچے ہو فلیتے' ابھی کچے ہو۔ جیسے ہی مڑے نے پیچھے سے کوئی چھرا پھینک مارتا تو گئے تھے نا؟"

"نہیں جانی' کچے تم ہو۔ تمہیں یہ کوشش نہ چاہیے تھی۔ کیونکہ یہاں سے جانے کا موقع دے اپنے لیے مصیبت مول رہے ہو۔" فیروز نے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گیا پھر گاڑی اسٹارٹ ہو کر واپس مڑ گئی جانی اور اس کے ساتھی اسے دیکھ رہے تھے پھر غلام نے کہا۔

"کلیجا نکال کرلے گیا سسرا۔"

*

ممتاز بڑی چالاکی سے مختار نامے پر دلشاد کے انگوٹھا لے گئی تھی۔ تمام انتظامات کرکے آئی تھی نے دلشاد کو سمجھا دیا تھا کہ کس طرح وہ اس کے بھیجے گی اور کس طرح اسے کوشش کرکے نکل بہرحال مختار نامہ وکیل جلال الدین کے سامنے پیش

ر جلال الدین شاہ نے دیگر انتظامات کرلیے۔ امتیاز اور ہیں خاں اس معاملے میں پوری پوری دلچسپی لے رہے ہے۔ بیگم رئیس خاں کو بھی خاص طور سے اس سارے قعے سے دلچسپی تھی۔ اپنے دل کی لگی تھی اگر ایسا نہ ہوتا شاید وہ اتنی شرافت اور یگانگت کا ثبوت نہ دے پاتیں بن خود کوٹھے سے آئی تھیں اور عزت سے ساری زندگی زر رہی تھی۔ یہ نیک کام وہ پورے خلوص دل سے کرنا ہتی تھیں چنانچہ گھر کا گھر اس میں مصروف تھا۔ جلال دین شاہ نے امتیاز سے پوچھا کہ لڑکی عدالت میں کب ں کی جاسکتی ہے تو امتیاز کے منصوبے کے مطابق انہیں بتا یا کہ اس کے لیے دوسرا دن ہی مناسب رہے گا۔ ادھر ناز اپنے سارے کام مکمل کر چکی تھی۔ چنانچہ اس شام ں نے ایک چھوٹے سے رقعے پر ایک تحریر لکھی اور امتیاز ے ساتھ برقعے میں ملبوس ہو کر چل پڑی۔ امتیاز نے اپنی ڑی نئی چاوڑی کے سرے پر روکی تھی اور ممتاز اس سے کر چل پڑی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کس طرح اسے کام کرنا ہے۔ محلے ہی کا ایک چھوٹا سا لڑکا جو بلاوتی کا بیٹا تھا اسے

"تمہارا نام روپ کمار ہے ناں؟"

"ہاں جی' مگر آپ کون ہیں؟" روپ کمار نے ممتاز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ممتاز نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپایا ہوا تھا بس نقاب کی لوں میں سے اس کی آنکھیں جھلک رہی تھیں' کہنے لگی۔

"دیکھو روپ کمار یہ بیس روپے ہیں کیا تم بیس روپوں بدلے میرا ایک چھوٹا سا کام کرسکتے ہو؟"

"جی کیوں نہیں کرسکتا آپ بتایئے۔ مگر آپ ہیں کون؟"

"اس بات کو جانے دو تم یوں کرو رونق آرا بیگم کے ٹھے کو جانتے ہو؟"

"کون نہیں جانتا؟"

"اور وہاں موجود دلشادی کو؟"

"ہاں جی دلشادی کو بھی جانتے ہیں۔"

"تو پھر یہ رقعہ چھپا کرلے جاؤ' دیکھو روپ کمار اگر کسی کو پتا چل گیا تو سمجھ لو تمہارے بیس روپے کا نقصان الگ ہو جائے گا اور ہمارا بھی نقصان ہوگا۔"

"چھوڑیں جی کسی کو پتا نہیں چل سکے گا آپ بالکل چنتا نہ کریں۔"

"تو بس چھپتے چھپاتے رونق آرا کے کوٹھے پر جاؤ اس وقت تو وہاں سب سو رہے ہوں گے۔ کوئی بہانہ کردینا۔ کہہ دینا کہ دلشادی دیدی نے کوئی چیز منگوائی ہے تم سے یہ رقعہ چھپا کر انہیں دے آؤ اور بیس روپے حاصل کرلو۔"

"دیکھو جی کام ہم ایسے کردیں گے کہ آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ باقی رہا بیس روپے کا معاملہ تو رقم پہلے دو گی تو کام شروع کریں گے ورنہ ہم اُلّو نہیں ہیں۔ تم یہ رقعہ تھما کر ہمیں وہاں بھیج دو اور یہاں خاموشی سے چمپت ہو جاؤ۔"

"بہت چالاک ہو' لیکن ایک بات اور سن لو میں یہیں تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر تم پوری ہوشیاری سے یہ کام سرانجام دے آئے تو بیس روپے تو تم رکھ لو اپنی جیب میں واپس اگر مجھ سے دس روپے اور لے لینا' لیکن ہوشیاری کے ساتھ۔"

"بس تو ٹھیک ہے سودا پکا۔" روپ کمار نے رقعہ لے کر نیکر کی جیب میں رکھ لیا اور وہاں سے چل پڑا۔

ممتاز کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ بہرطور خطرناک کام

ناموس وطن اور عروس آزادی کی متوالی ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت

شائع ہو گیا ہے

دشمن

تحریر

ایم اے راحت

• جوانی کی امنگیں اس کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
• زیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
• جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے

آج ہی اپنے بکسیا قریبی بک سٹال یا ہم سے طلب کریں

قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ علاحدہ

ملنے کا پتہ
گل فراز لائبریری 11۔ محمد روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7245599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور اب اسے روپ کمار کی واپسی کا انتظار تھا۔ ویسے بھی ایک برقعے پوش لڑکی نئی چادڑی میں کسی ایک جگہ کھڑی دیکھی جائے تو تمام ہی نگاہیں اس کی جانب متوجہ ہو سکتی تھیں۔ یہ بات اس کے لیے اور پریشان کن تھی لیکن بس یہی شکر تھا کہ وقت ایسا تھا کہ نئی چادڑی کی رونقیں بیدار نہیں ہوئی تھیں۔ وہ دھڑکتے دل سے روپ کمار کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں اور پھر کچھ دیر کے بعد اسے روپ کمار آتا ہوا نظر آیا۔ فخرے اینٹھتا ہوا تھا۔ ممتاز نے جلدی سے اس سے پوچھا۔

"کیا رہا روپ کمار؟"

"اجی ہمیں کوئی کام دیا جائے اور ہم اسے آرام سے نہ کردیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اب یہ تو ہمیں معلوم نہیں بس وہ بفاتن تھی ہم نے کہا کہ دلشادی بی بی نے ہمیں بلایا ہے اشارے سے ان کے کمرے میں پہنچا دو۔ بفاتن نے پہنچا دیا۔ انہوں نے ہم سے پوچھا کہ یہ پرچہ کس نے دیا ہے تو ہم نے بتا دیا کہ ایک آپا جی برقعہ اوڑھے کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیا ہے انہوں نے جلدی سے چھپا لیا اور بس۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے لو یہ دس کا نوٹ۔" ممتاز نے کہا اور خوشی خوشی وہاں سے چل پڑی۔ ایک کام خوش اسلوبی سے ہو گیا تھا۔ اس نے پرچے میں لکھا تھا۔

"دلشاد! کل صبح آٹھ بجے خاموشی سے نئی چادڑی سے باہر نکل آؤ۔ جہاں امتیاز اور میں تمہارا انتظار کریں گے۔"

اور اب اسے دوسرے دن کا انتظار تھا۔ امتیاز بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی خاصا مصروف تھا اور اس کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔ ممتاز، رونق آرا بیگم سے بہت خوفزدہ تھی۔ بہرطور رات گزر گئی۔

دوسری صبح دونوں میاں بیوی تیار کر چل پڑے وکیل صاحب حسب وعدہ انہیں اپنے دفتر کے سامنے مل گئے تھے۔ انہی کی کار میں آبیٹھے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"حالانکہ میں اتنی صبح جاگنے کا عادی نہیں ہوں لیکن ذمے داری ہوتی ہے اب جلدی چلو بچی خیریت سے وہاں سے نکل آئے۔ باقی معاملات ہم ٹھیک کرلیں گے۔"

کار مقررہ جگہ پہنچی تو انہوں نے دلشاد کو دیکھا جو دہشت زدہ سی کھڑی ہوئی تھی اور بہت خوفزدہ نظر آرہی تھی اس نے ایک چادر اپنے جسم اور چہرے کے گرد لپیٹی ہوئی تھی جیسے ہی گاڑی پہنچی اور دلشاد نے ممتاز کا چہرہ دیکھا جھٹ پچھلی سیٹ پر آبیٹھیں۔ امتیاز آگے کی سیٹ پر تھا وکیل صاحب اس کے برابر بیٹھے تھے۔

گاڑی تیزی سے وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ ممتاز نے پوچھا۔

"کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی دلشاد؟"

"نہیں، رات بھر جاگتی رہی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو صبح کو سوتی رہ جاؤں۔"

"اماں کیا کر رہی تھیں؟"

"سو رہی تھیں۔" دلشاد نے جواب دیا۔

گاڑی کورٹ کے احاطے میں پہنچ گئی۔ جمال الدین سارا انتظام پہلے ہی کر چکے تھے۔ چنانچہ مجسٹریٹ کے دفتر کے سامنے پہنچ گئے اور پھر ٹھیک نو بجے مجسٹریٹ صاحب کرسی آبیٹھے، وکیل صاحب نے پہلی درخواست اپنی ہی لگا تھی۔ پیش کار صاحب سے تعلقات بھی تھے اور ویسے چونکہ وقت پر پہنچ گئے تھے اس لیے درخواست کی سما فوراً ہی ہو گئی۔ دلشاد کو کمرۂ عدالت میں طلب کرلیا گیا جلال الدین شاہ صاحب نے اس کے بارے میں تف بتاتے ہوئے کہا کہ "جناب والا! یہ ایک طوائف زادی لیکن ذہنی طور پر اس ماحول کو قبول نہیں کرتی اس کا ہے کہ طوائف کے کوٹھے پر اس کی زندگی وبال بن گی۔ اس کی بہن ممتاز ایک شریف زادے سے شادی ہے اور باعزت زندگی گزار رہی ہے۔ یہ اپنی بہن اور کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔"

مجسٹریٹ صاحب نے چند سوالات دلشاد سے اس نے لرزتی آواز میں بتایا کہ وہ ذہنی طور پر اس ما قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اسے باعزت گزارنے کا موقع دیا جائے اور مجسٹریٹ صاحب کی عمر وغیرہ کا سرٹیفکیٹ دیکھ کر جو پہلے ہی جلال الدین صاحب نے تیار کرلیا تھا اسے اپنی مرضی سے گزارنے کی اجازت دے دی۔

کمرۂ عدالت سے دلشاد باہر آئی تو اس کی آنکھوں آنسو بہ رہے تھے۔ ممتاز بھی خوشی سے دیوانی تھی۔ بہن نے بہن کو گلے لگا لیا اور پھر امتیاز کی جانب

کر بولی۔

"خدا ان لوگوں کو اجر دے گا دلشاد جنہوں نے گندی بالیوں کے کیڑے اٹھا کر محل میں رکھ لیے ہیں۔"

امتیاز نے مسکراتے ہوئے ممتاز کا ہاتھ تھپکا اور اس کے بعد وہ آزادانہ طور پر گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ وکیل صاحب کو ان کے دفتر کے سامنے چھوڑا گیا۔ ان کا شکریہ ادا کیا گیا اور اس کے بعد امتیاز کی کار اپنی کوٹھی کی جانب بڑھ گئی۔

❀

نواب فاخر علی ٹوٹے قدموں سے سیڑھیاں اتر کر چلے گئے۔ حکیم سرفراز علی کے دل و دماغ میں شدید ہیجان برپا تھا۔ پورے بدن میں سنسنی ہو رہی تھی۔ بہت ہی نرم مزاج اور حلیم الطبع آدمی تھے۔ زندگی میں شاید ہی کسی کی دل آزاری کی ہو، نیکی اور ایمانداریوں کے درمیان زندگی بسر کی تھی لیکن پتا نہیں کون سا ایسا گناہ ہو گیا تھا جس کی پاداش میں انہیں اپنے لخت جگر کے سلسلے میں شدید اذیت برداشت کرنا پڑی تھی۔ رضوانہ کے ساتھ جو حادثہ ہوا تھا۔ وہ بڑا ہی جان لیوا تھا۔ بڑی مشکل سے حالات پر قابو پایا گیا تھا لیکن رضوانہ ایک مستقل زخم بن گئی تھی۔ اس کی زندگی میں جو تباہی داخل ہوئی تھی اس میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا۔ نہ ہی کسی اور کا بس تقدیر کو دھکا دینا تھا سو دھکا لگ گیا تھا۔ فاخر علی خاں صاحب کے ساتھ یہ سلوک کرکے حکیم سرفراز علی کا دل رو رہا تھا۔ لیکن کیا کرتے صورتِ حال ہی ایسی تھی جو کچھ ہوا تھا اس کا مداوا مشکل تھا کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ اس کے بعد مطب میں نہ بیٹھا گیا۔ ملازموں کو مطب بند کرنے کی ہدایت کرکے خود اپنی آرام گاہ میں چلے گئے اور اپنے بستر پر جا لیٹے۔ آنکھیں بند کرلی تھیں طبیعت کافی خراب ہو رہی تھی۔ بہت دیر تک اسی کیفیت کا شکار رہے پھر اٹھ کر نماز پڑھی اور بہت دیر تک جائے نماز پر بیٹھے اپنے لیے صبر و سکون کی دعائیں مانگتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ بچوں نے اور ملازموں نے کھانے کے بارے میں پوچھا تو انکار کردیا اور کہا کہ ذرا طبیعت پر کچھ گرانی ہے اس لیے رات کا کھانا نہیں کھائیں گے۔

پھر کمرے میں اندھیرا کرکے لیٹ گئے۔ فاخر علی

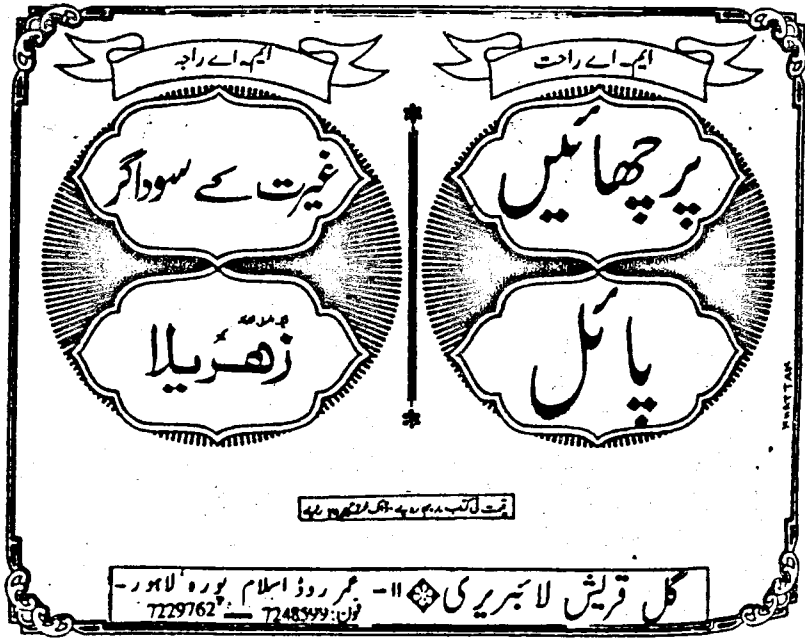

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاں کی تمام باتیں یاد آرہی تھیں۔ ناظم خاں کا پتا چل گیا تھا۔ نئی چاوڑی کے ایک احاطے میں رہ رہے تھے۔ یہ اور روح فرسا خبر تھی۔ بھلا نئی چاوڑی میں ان کا کیا کام۔ ایک ایسی بدنام اور بدنما جگہ جس کا نام عام لوگوں کے درمیان بیٹھ کر لیا بھی نہیں جا سکتا۔ بہت دیر تک سوچتے رہے لیکن اس وقت قوتِ فیصلہ ساتھ نہیں دے سکی تھی۔

پھر جب باہر سے روشنی کی ایک کرن اندر آئی تو چونک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگے اس کے بعد کمرے میں روشنی ہو گئی تھی۔ آنے والی رضوانہ تھی۔ حکیم سرفراز علی اسے رحم آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ رضوانہ نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔ دوپٹا سر پر درست کر کے وہ حکیم سرفراز علی کی مسہری کے پائنتی آبیٹھی۔ نجانے کیوں حکیم سرفراز علی کو یہ احساس ہوا کہ رضوانہ ان سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ ایک لمحے میں بدن میں گرم گرم لہریں دوڑ گئیں۔ کہیں رضوانہ کو کچھ معلوم تو نہیں ہو گیا ہے۔ سہمے سہمے سے انداز میں بیٹی کو دیکھنے لگے تو رضوانہ نے آہستہ سے کہا۔

"ابو' آپ کی کوئی بات سننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن اتفاق سے میں اس وقت اس حصے کی صفائی کر رہی تھی جس کا دروازہ آپ کے مطب میں کھلتا ہے' ذرا سا دروازہ کھول کر میں نے دروازے کی چوکھٹ سے کوڑا نکالنے کی کوشش کی تھی کہ نواب فاخر علی مجھے نظر آگئے اور پھر میں اپنی انسانی فطرت کو باز نہیں رکھ سکی۔ ابو میں نے آپ کی اور ان کی تمام باتیں سن لی ہیں۔ مجھے علم ہو گیا ہے کہ ناظم صاحب کہاں ہیں۔ ابو مجھے آپ کی کیفیت دیکھ کر بھی یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ میں آپ سے گفتگو کر کے آپ کی پریشانیوں کا حل پیش کرنا چاہتی ہوں۔"

حکیم سرفراز علی ششدر رہ گئے۔ ایک لمحے کے لیے احساس تو ہوا تھا کہ رضوانہ کے دل میں کوئی خاص بات ہے لیکن اس نے ان کی اور فاخر علی کی تمام باتیں سن لی ہوں گی۔ اس کا انہیں گمان بھی نہیں تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھنے لگے پھر آہستہ سے بولے۔

"جب تم نے سن ہی لیا ہے رضوانہ تو بہتر ہے کہ اس موضوع پر مجھ سے بات کرو۔"

"میں اپنی زندگی بنانے کی کوشش کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"جو کچھ ہوا ہے ابو میرے علم میں ہے لیکن ایک مشرقی لڑکی کی حیثیت سے میں اپنی تقدیر کے لکھے کو سمیٹنا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب یہ ہے میرا کہ میں ناظم خاں سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا' تمہیں سارے صورت حال کا علم ہے پھر بھی؟"

"ہاں ابو پھر بھی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیا تم نے مجھے دو کوڑی کا انسان سمجھ رکھا ہے یعنی' یعنی کہ یعنی کہ....."

"دیکھئے ابو بڑی صاف گوئی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں میں آپ سے' آپ کو حیرت ہو گی کہ آپ کی بے زبان بیٹی بھی آپ کے سامنے زبان کھول سکتی۔ لیکن ابو زبان کھولنا میری مجبوری ہے۔ اگر سارے معاملات طے ہو جاتے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ آپ نے سوچا تھا اور اس کے بعد آپ کو حقیقتِ حال کا پتا ہوتا تو آپ کیا کرتے؟"

"اس وقت تو میں سو کچھ بھی کرتا دیکھ لیا جاتا۔ اب یہ بتاؤ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"کیا ہوا ابو؟"

"کیا ناظم ہی نے ہم پر نہیں تھوک دیا۔ کیا کے بعد اس نے تم سے رجوع کرنے کی کوشش کی۔ بدفطرت انسان ہے وہ۔ اسے کم سے کم تمہارا خیال کرنا چاہیے تھا۔"

"ابو۔ بہت زیادہ زبان کھولنے پر مجبور نہ کیجئے مجھے۔ جب انسان کی ذات پر ضرب پڑتی ہے تو اس کے پورے ماضی' حال اور مستقبل کو ریزہ ریزہ کر جائے تو آپ کا کیا خیال ہے وہ اس کے بعد بھی کچھ سوچوں کا حامل ہو سکتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی دنیا میں کسی کے لیے دل میں گداز رکھ سکتا ہے

"نہیں رضوانہ۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں تمہیں یہ سب کچھ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ ہم سب کچھ برداشت کریں گے۔ زندگی میں ایسے المیے ہو ہی جاتے ہیں تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔ اتنا کچھ دے دوں گا تمہیں۔ اتنی جائیداد لکھ دوں گا تمہارے نام کہ تمہیں عمر کی آخری حد تک کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"نہیں ابو۔ یہ معیارِ زندگی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میری پیشانی داغدار ہے۔ میں اس داغ کے ساتھ جینا نہیں چاہتی۔"

"نہیں رضوانہ۔ میں کسی قیمت پر تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ بالکل ناممکن ہے۔"

"یہ بالکل ممکن ہے ابو۔ میری مجبوری ہے۔"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

"تو پھر مجھے خود کشی کرنی پڑے گی۔ میں آپ کی ضد میں پھنسا نہیں رہنا چاہتی۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"ہاں ابو۔ آپ سے گفتگو کرنے سے پہلے میں نے بہت غور کیا ہے۔ سب کچھ طے کر کے میں نے آپ سے بات کی ہے۔"

"میرے اجازت نہ دینے کے باوجود تم یہ قدم اٹھاؤ گی۔"

"ہاں ابو۔ میں سرکشی پر شرمندہ ہوں۔"

"اگر میں تم پر سختی کروں تو؟"

"میں خود کو ختم کر لوں گی۔"

حکیم سرفراز علی سخت غصے میں آگئے۔ وہ پریشانی سے ہاتھ ملتے رہے پھر بولے۔

"ٹھیک ہے رضوانہ لیکن اس کے بعد میرا تجھ سے رابطہ نہ رہ سکے گا۔ تو میری زندگی سے خارج ہو جائے گی۔"

"میں سمجھوں گی ابو میں بیاہ کر پردیس چلی گئی ہوں۔" رضوانہ نے کہا۔

❀

خاں صاحب نازک جہاں کے ہاں سے واپس ان زخموں سے چور چور ہوتا ہے جو کسی قصور کے بغیر اس کے پورے وجود میں لگا دیے جاتے ہیں۔ مجھے بتایئے ابو۔ اس میں ناظم کا کیا قصور تھا۔ وہ تو بڑی باعزت اور مردانہ وار زندگی گزار رہے تھے۔ سربلندی سے کسی ریا اور فریب کے بغیر۔ اچانک ان سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ بتایئے کیا انہیں شدتِ غم سے دیوانہ نہیں ہو جانا چاہیے تھا اور عالمِ دیوانگی میں سب کچھ کیا جا سکتا ہے ابو وہ اپنی ذات میں کتنا تنہا ہو گیا ہے' اسے ان لمحات میں ایک بے حد مخلص ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابو اصولی طور پر یہ ذمے داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ ہاں ابو آپ نے یہ ذمے داری مجھے سونپی تھی۔ آپ نے مجھے اس کی زندگی میں شامل کر لیا تھا۔ میں یہ ذمے داری ضرور پوری کرتی لیکن ناظم خاں گم ہو گئے۔ ان کا کوئی پتا بھی نہیں چل سکا اور اب جب ہمیں ان کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے تو ابو۔ تو پھر ان تک پہنچنا ضروری ہے۔"

"رضوانہ حد سے بڑھ رہی ہو تم۔"

"نہیں ابو' میں حد کے اندر ہی بول رہی ہوں۔ میں اپنے فرض کی تکمیل چاہتی ہوں۔ ابو مجھے اپنا یہ فرض پورا کرنا ضروری ہے۔"

"کیا کرنا چاہتی ہو تم؟"

"میں ناظم خاں سے ملنے جاؤں گی۔"

"کہاں؟"

"نئی چاوڑی میں۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا۔ اس جگہ کے بارے میں جانتی ہوں یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ناممکن بھی نہیں ہے ابو۔ آپ مجھے کسی ملازم کے ساتھ دہلی بھجوانے کا بندوبست کر دیں۔ اسے ہدایت کریں کہ وہ مجھے مطلوبہ جگہ پہنچا دے۔ ناظم کے بارے میں معلومات کرنا زیادہ مشکل نہ ہو گا۔ میں ان سے ملوں گی کہ میرا یا میرے خاندان کا ان واقعات میں کوئی ہاتھ نہیں ہے جو قصور وار تھے وہ مطمئن ہیں۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا اور ہم۔۔۔ ہم صلیب پر لٹکا لیے گئے ہیں۔ ہم بے گناہی کی آگ میں جل رہے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگئے لیکن سخت وحشت زدہ تھے۔ بڑے کمرے سے ہو کر بھی نہیں گزرے تھے کہ حواریوں کو ان کی واپسی کی اطلاع مل جاتی۔ نازک جہاں ہی سے کہہ آئے تھے کہ ان سب کو خاں صاحب کی واپسی کی اطلاع دے دے۔ آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ رؤف خاں باقی تینوں ساتھیوں کے ساتھ اندر پہنچ گئے' کچھ حیران پریشان تھے۔ اوّل تو خاں صاحب کا نازک جہاں کے ساتھ دوسرے کمرے میں جانا ہی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ دوئم یہ کہ خاں صاحب دوسرے دروازے سے گھر واپس چلے گئے۔ دوڑتے ہوئے آئے تھے چاروں کے چاروں۔ خاں صاحب ایک مونڈھے پر بیٹھے ہوئے تھے' حُقّہ ٹھنڈا تھا لیکن اس کی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ رؤف خاں وغیرہ قریب پہنچ گئے۔

"خیریت تو ہے خاں صاحب۔ اس طرح اچانک کیا ہوا کیا بات ہے؟"

"رؤف خاں ذرا حُقّہ تیار کراؤ ایسا کرو تمن خاں تم چلے جاؤ۔" خاں صاحب نے کہا اور تمن خاں حُقّہ لے کر تیزی سے اندر دوڑ گئے۔

خان صاحب کے چہرے پر پریشانی نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔ تینوں خاموش بیٹھ گئے۔ خاں صاحب نے گردن جھکا لی تھی اور اپنا چہرہ ہاتھ کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ تینوں ساتھی پریشان تھے اور گرفت کرنا چاہ رہے تھے کہ خان صاحب سے اس اچانک پریشانی کی وجہ پوچھیں لیکن ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ ایسے موقع پر خاں صاحب خود ہی کچھ بتاتے تو زیادہ بہتر تھا۔

تمن خاں نے حُقّہ تیار کر کے لانے میں بڑی برق رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ خاں صاحب نے انہیں دیکھا اور بولے۔

"جیتے رہو تمن خاں۔ تمباکو پر کچے کوئلے تو نہیں رکھے۔"

"نہیں خاں صاحب مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ کو حُقّے کی فوری ضرورت ہے۔ دہکتے کوئلے تمباکو پر رکھے ہیں اوپر ٹھنڈے ڈال دیے ہیں حُقّہ تیار ہے۔"

خاں صاحب نے سٹک ہونٹوں میں دبا کر کئی گاڑھے گاڑھے کش لیے اور دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے بولے۔

"تم لوگ بھی سوچ رہے ہو گے کہ میں نے کیا سنسنی پھیلا رکھی ہے تم سنو گے تو تم بھی اچھل پڑو گے۔ خوشخبری بھی ہے اور پریشانی کی بات بھی۔"

چاروں حواریوں کے دم رکے ہوئے تھے۔ خاں صاحب نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"نازک جہاں نے بتایا ہے کہ فیروز اس کے پاس آیا تھا" چاروں ہی پر جیسے بجلی سی گر پڑی ہو۔ چاروں نے بولنے میں سبقت کی لیکن رؤف خاں کے منہ سے آواز پہلے نکل گئی تھی۔

"کیا؟"

"ہاں بھتیجے۔ خود ہماری کھوپڑی بھی اس مسئلے میں کھٹارا ہو گئی ہے۔ نازک جہاں کی تو اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ ہمارے سامنے جھوٹ بولے اور پھر اس بے چاری کو جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ فیروز یہاں آیا تھا۔ ایک ایک کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ مہ جبیں کی اطلاع بھی مل گئی تھی اسے اور باقی دوسری خبریں بھی سب سے بڑی بات یہ کہ نازک جہاں نے اسے ہمارے یہاں ہونے کے بارے میں بھی بتا دیا تھا مگر واپس چلا گیا ہمارے پاس بھی نہیں آیا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ خاں صاحب؟" عظمت خاں نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

"کہہ تو رہے ہیں کہ خود ہماری عقل بھی ہمارا ساتھ نہیں دے رہی اور اس بات کا بھی پورا پورا یقین ہے کہ نازک جہاں نے جھوٹ نہیں بولا ہے ہم سے جھوٹ سچ کی تو تمیز کر سکتے ہیں ناں۔ زیادہ باتیں نہیں ہوئیں اس سے' اس کے کوٹھے پر۔ کل اسے بلا کر لا تاکہ میں اس سے مزید معلومات حاصل کروں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے' چلو۔ ساری باتیں اپنی جگہ۔ ہمارے بارے میں معلوم ہونے کے بعد بھی وہ ہمارے پاس کیوں نہیں آیا۔ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی سے خوفزدہ ہونے والوں میں سے نہیں ہے پھر ہوا ہم سے بڑھ کر بھی کوئی اس کا ہمدرد ہو سکتا ہے کیا اس نے کیا سوچا۔ ہمارا دماغ پھٹا جا رہا ہے کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی ہو؟"

رؤف خاں وغیرہ سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ انہیں نازک جہاں کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن خاں صاحب جس وثوق سے کہہ رہے تھے اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ نازک جہاں نے سچ ہی کہا ہو گا۔ بہت دیر تک خاموشی طاری رہی پھر رؤف خاں نے کہا۔

"ایک بات سمجھ میں آئی ہے خاں صاحب۔"

"کیا؟"

"پتا نہیں اس نے یہ وقت کہاں گزارا ہے' ہو سکتا ہے اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ ہم پر سے فرد جرم ہٹ گئی ہے اور اب ہم آزاد پنچھی ہیں۔"

"چلو یہ بھی مان لیا لیکن اسے اس بات کا علم تو ہو گیا تھا کہ ہم یہاں موجود ہیں اور اگر ہم آزاد تھے تو بات ختم ہو جاتی تھی۔ احاطے تک پہنچ جاتا اس کے بعد ہماری زندگی میں اسے ہاتھ لگانے والا کون ہوتا۔"

"یہی ہو سکتا ہے خاں صاحب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل میں یہی خیال ہو گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پولیس اس کے پیچھے پیچھے آپ تک بھی پہنچ جائے۔"

"اتنا بے وقوف تو نہیں تھا وہ۔ نہیں میاں نہیں بات کچھ اور ہی ہے جو سمجھ میں نہیں آ رہی۔ خیر چھوڑو' چلو بس آرام کرو۔ دماغ دُکھ رہا ہے بری طرح سونا چاہتے ہیں ہم۔"

خان صاحب اپنی آرام گاہ میں پہنچ گئے۔ چاروں دوست طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ بات واقعی اتنی حیران کن تھی کہ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح نازک جہاں کو طلب کر لیا گیا۔ نازک جہاں بے چاری کسی قدر خوفزدہ بھی تھی لیکن خان صاحب نے نہایت تپاک سے اس کا استقبال کیا۔ بڑی عزت و احترام سے بٹھایا اور بولے۔

"بی نازک جہاں تمہیں تکلیف دینے پر شرمندہ ہیں لیکن یقین کرو ہماری رات بہت بری گزری ہے۔ اب ذرا تفصیل سے بتاؤ اس کے بارے میں؟"

"اچانک ہی آیا تھا خان صاحب اور تماشبینوں میں جا بیٹھا تھا۔"

نامعلوم سرحدوں سے ہر محاذ پر سرگرم سرفروشوں کی لہو رنگ داستان

اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ

جانباز

(۳ حصّے)

تحریر: ایم۔ اے راحت

○ سازشوں اور اسلام دشمن کارروائیوں کے انکشاف سے پر ایک انوکھی داستان

○ قتل ادب سے تربیت یافتہ موساد کے بھیانک روپ

قیمت: 40 روپے ڈاک خرچ: 15 روپے

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری' 11۔ عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور
فون: 7229762 - 7248599

"حلیہ کیسا ہو رہا تھا؟"

"کافی بدلا بدلا سا تھا۔ بڑا بڑا نظر آ رہا تھا۔ میں نے ہی اسے مخاطب کیا تھا۔ بات ہوئی مجھ سے اور سب کے بارے میں پوچھنے لگا۔ رونق آرا بیگم' ممتاز' دلشاد' ماہ رخ اور مہ جبیں۔ جتنا مجھے معلوم تھا میں نے بتا دیا پھر آپ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ جتنا مجھے معلوم تھا میں نے بتا دیا۔ اس کے بعد خاموشی سے چلا گیا۔"

"کچھ کہہ سن کر بھی نہیں گیا۔"

"بالکل نہیں؟"

"تم نے پوچھا بھی نہیں کہ کہاں رہ رہا ہے آج کل؟"

"ہاں یہ میں نے نہیں پوچھا؟"

خاں صاحب ہتھیلی پر گھونسا مار کر بولے۔ "قصور تمہارا بھی نہیں ہے نازک جہاں بیگم تمہیں کیا معلوم تھا کہ کیا چکر چلا ہوا ہے۔ خیر اس کے علاوہ اور کوئی بات۔ تمہیں کوئی ایسی بات معلوم ہے جس سے ہم اس کا پتا لگا سکیں۔"

"میں تقدیر کی ماری اگر اس سے یہ ساری باتیں پوچھ لیتی تو زیادہ اچھا ہوتا مگر دماغ میں ہی نہیں آیا تھا۔ اب وقت نکل گیا تو پچھتا رہی ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خیر ہم اس بات کو نہیں بھول سکتے نازک جہاں کہ تم نے ہمیں اس کی زندگی کو خوشخبری سنائی ہے ہمارے لیے یہ بھی خوشی کی خبر ہے کہ وہ جیتا تو ہے' مل جائے گا کبھی نہ کبھی' بدن خاں نازک جہاں کو احترام سے چھوڑ آؤ۔ اور بی نازک جہاں یہ ایک حقیری رقم قبول کرلیں' یہ کوئی معاوضہ نہیں ہے کسی بات کا بلکہ اس خوش خبری کا انعام ہے جو آپ نے ہمیں دی ہے۔"

نازک جہاں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہنے لگیں۔" طوائف کو کوٹھے سے اتار کر بھی صرف طوائف سمجھنا اچھی بات نہیں ہے خان صاحب۔ ہمارے دل میں آپ کے لیے جو عقیدت ہے اسے قائم رہنے دیجئے۔ اس عقیدت کی قیمت نہ ادا کریں ورنہ ہم اپنی ہی نگاہوں میں بے وقعت ہو جائیں گے۔"

"بدن خاں نازک جہاں کو عزت و احترام کے ساتھ ان کے گھر تک چھوڑ آؤ۔"

جب وہ چلی گئی تو خان صاحب گردن ہلاتے ہوئے بولے۔ "واہ بیٹا گلفام نگنی کا ناچ نچا دیا تو نے۔ اماں ایک کام کرو رؤف خاں کسی بڑے اخبار کے دفتر جاؤ' معلومات حاصل کرو اور اخبار میں بہت بڑا سا اشتہار دے دو۔ اور یہ بھی معلوم کرلینا کہ دوسرے شہروں کے اخبار میں اشتہار دینے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے۔ جتنے اخباروں میں اشتہار دے سکتے ہو دے دو۔ اس میں لکھ دو کہ میاں فیروز واپس نئی چاوڑی پہنچ جاؤ' خان صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں بس اتنا ہی کافی ہے لیکن ذرا بڑے بڑے الفاظ میں لکھوانا۔"

رؤف خاں نے گردن خم کردی تھی۔

✣

بالآخر رونق آرا بیگم کو یہ خبر مل گئی کہ اب دلشاد بھی گھر میں نہیں ہے۔ رونق آرا بیگم کو چکر آگیا تھا۔ سکتے کے سے عالم میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھیں۔ رونق آرا بیگم کی تباہی سب کی نگاہوں کے سامنے کھڑی تھی۔ مہ جبیں گئی تھی' اس کے بعد ممتاز نے دھوکا دے دیا تھا اور اب دلشاد بھی چلی گئی تھی۔ رونق آرا بیگم بہت دیر تک پتھرائی ہوئی کھڑی رہیں۔ دلشاد کو ہر جگہ تلاش کرلیا گیا تھا لیکن کوئی پتا کوئی ٹھکانا نہیں ملا تھا۔ اب اتنی بے وقوف بھی نہیں تھیں کہ ممتاز کے آنے کا مقصد نہ سمجھ پاتیں' یقیناً بہن کو سنکار کر گئی تھی اور لازمی امر تھا کہ دلشاد اب اسی کے پاس ہوگی۔ نہ واویلا کیا نہ شور شرابہ کیا۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بڑے کمرے کی جانب بڑھیں۔ بڑی سنجیدگی سے نیاز خاں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ نیاز خاں نیازمندی کے ساتھ اندر داخل ہو گئے تو رونق آرا بیگم نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ نیاز خاں۔" ان کے لہجے کا یہ پتھریلا پن نیاز خاں کو بہت عجیب محسوس ہوا تھا۔ بہرحال بیٹھ گئے۔ رونق آرا بیگم نے کہا۔

"بات اصل میں محبت اور مامتا کی بھی ہوتی ہے۔ نیاز خاں میں نے بھی اس کوٹھے پر جنم لیا۔ میری ماں بھی اتنی ہی سخت گیر تھی۔ آج میں اپنا اور اپنی ماں کا تجزیہ کرتی ہوں تو شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میری ماں مجھ سے زیادہ سخت تھیں۔ میں نے تو ان تینوں بچیوں کو پھولوں میں تولا ہے۔ ہر طرح کے نخرے اٹھائے ہیں' لیکن میں نے اپنی ماں سے کبھی سرتابی نہیں کی اور یہ بچیاں سچ مچ یہی احساس ہوتا ہے مجھے کہ آستین میں ناگنیں پالی تھیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق ڈسا لوٹا اور چلی گئیں۔ مگر نیاز خاں اب یہ بتاؤ تم کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا جائز تھا؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا رونق آرا بیگم۔"

"غیر تو غیر ہوتے ہیں ان سے ہر بات کی توقع رکھی جاسکتی ہے لیکن اپنا خون اتنا گندا نکل جائے گا یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ بھی جانتی ہوں نیاز خاں کہ بہکانے والوں نے بھی خوب بہکایا اس سلسلے میں سب سے پہلا نام ناظم خاں کا آتا ہے۔ یہ آدمی جب سے اس محلے میں داخل ہوا ہے اوروں کو کوئی نقصان پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو میری تباہی اسی دن سے شروع ہو گئی۔ فیروز پر ہاتھ ڈالا کم بخت نے' لڑکے کو بگاڑ دیا۔ مہ جبیں اتنی بری نہیں تھی۔ نجانے کیا کیا شہ ملی اسے آج بھی میرا دل اندر سے یہی گواہی دیتا ہے کہ مہ جبیں کی گم شدگی میں ناظم خاں کا ہاتھ ہے۔ کائیاں آدمی ہے۔ وسائل بھی رکھتا ہے۔ ایسا گم کیا ہے کہ نام و نشان بھی

نہیں ملا۔ ہو سکتا ہے اب مہ جبیں فیروز کے ساتھ کہیں زندگی کے اچھے دن گزار رہی ہو اگر ایسا ہے تب بھی میں صبر کرسکتی ہوں برداشت کرسکتی ہوں اس کے بعد ممتاز نے پر پرزے نکالے اور اس موذی نے اسے بھی بہکا دیا۔ مگر دلشاد کے چھوڑ کے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سب نے میرے خلاف سازش کی ہے۔ نیاز خان اپنی جیسی کوششیں کرلینا چاہتی ہوں۔ زندگی کی بساط پر میرے سارے مہرے پٹ چکے ہیں مگر پھر بھی ابھی ہار نہیں مانی ہے میں نے۔ ایک دفعہ ان سب کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ لوں تو کلیجا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں خود ان سب کے منہ پر تھوک دوں گی۔ چلو میرے ساتھ علاقے کے تھانے میں۔ رپورٹ درج کراتی ہوں سیدھا سیدھا امتیاز کا نام لیں گے اور اس کے باپ رئیس خان کا۔ دیکھتے ہیں پولیس اس سلسلے میں کیا کرتی ہے اور سنو پولیس والوں کو دس بیس ہزار دینا بھی پڑیں تو گریز مت کرنا سمجھے۔ چلو میں تیار ہو رہی ہیں تم بھی چلنا۔" نیاز خاں کو رونق آرا بیگم کی کیفیت سے خوف آنے لگا۔ اس وقت وہ ایک خوف ناک ناگن محسوس ہو رہی تھیں جس کی آنکھیں انتقام کی آگ میں سلگ رہی تھیں۔

تھانے پہنچے۔ رونق آرا بیگم نے سیدھا سیدھا امتیاز کا نام لے دیا اور کہا کہ اس نے میری بیٹی کو اغوا کر لیا ہے اور ابھی لڑکی اس کے گھر سے ہی برآمد ہو سکتی ہے۔ نیاز خاں نے دوسرا کام دکھایا اور تھانے انچارج کی جیب میں نوٹوں کی گڈی پہنچی تو بات ہی کچھ نہ رہ گئی۔ ایف آئی آر کاٹی گئی۔ فوراً ہی پولیس گاڑی تیار کرلی گئی۔ رونق آرا بیگم کے ساتھ ساتھ نیاز خاں کو بھی پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا اور اس کے بعد نیاز خان کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق رئیس خان کی کوٹھی کی جانب رخ کیا گیا۔ پولیس کے مسلح جوانوں نے رئیس خان کی کوٹھی کے ہر دروازے کو گھیر لیا۔ تھانہ انچارج دو پولیس والوں رونق آرا اور نیاز خاں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ملازم پولیس کو اس طرح دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔ بندوقیں تان لی گئیں اور تھانہ انچارج نے ملازم کے ساتھ اندر داخل ہو کر رئیس خان اور امتیاز خان کو طلب کیا۔

دونوں ہی گھر میں موجود تھے۔ رئیس خان نے تھانہ انچارج کو دیکھ کر ناخوشگوار تاثر کا اظہار کیا اور بولا۔

"قانون کے بھی کچھ قاعدے ہوتے ہیں۔ آپ اس طرح اندر گھسے چلے آئے ہیں جیسے مجرموں کے کسی اڈے پر چھاپا مارا ہو۔ کیا آپ کے پاس اس کے اختیارات ہیں۔"

"بعض اوقات بعض مواقعوں پر اختیارات سے تجاوز بھی کرنا پڑتا ہے جناب۔ ایک خاتون کی ایف آئی آر پر ہم یہاں تلاشی لینے آئے ہیں۔ قانونی کارروائیوں میں پڑتے تو بات بگڑ بھی سکتی تھی۔"

"کون خاتون ہیں اور کیا ایف آئی آر درج کرائی ہے انہوں نے۔" امتیاز نے سخت لہجے میں پوچھا۔

تھوڑا بہت تو سمجھ چکا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے لیکن رونق آرا کو دیر ہو گئی تھی۔ یہ کام اگر بہت پہلے کرتیں تو شاید کچھ نقصان پہنچا دیتیں لیکن اب تو خود انہیں ہی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

تھانہ انچارج نے رونق آرا بیگم کو اندر طلب کر لیا اور رونق آرا بیگم آگ بگولا سامنے پہنچ گئیں۔

"اوہو تو آپ ہیں۔" رئیس خان نے کہا۔

تھانہ انچارج بولا۔ "کیا رونق آرا بیگم کی نوجوان لڑکی دلشاد بیگم کو اغوا کرکے یہاں لایا گیا ہے؟"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" امتیاز نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تو پھر براہ کرم ہمیں گھر کی تلاشی کی اجازت دیں۔ یہ کام بے حد ضروری ہے۔"

"مگر کیوں انچارج صاحب' کیا دلشاد کی تلاش میں؟" رئیس خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ اس کی تلاش میں؟"

"وہ یہاں موجود ہے۔" رئیس خان بولا اور تھانہ انچارج چونک پڑا۔ بندوقوں کے رخ رئیس خان کی جانب ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"یہ عرض کر رہا ہوں جناب کہ دلشاد یہاں موجود ہے۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر اپنی بہن کے پاس آگئی ہے اور یہاں بڑے آرام سے ہے۔ اس نے یہ کام اپنی مرضی کے مطابق کیا ہے۔ قانونی طور پر۔ میں ابھی اسے بلاتا ہوں۔" رئیس خان نے وہیں کھڑے کھڑے ممتاز اور دلشاد کو آواز دی۔ دونوں ہی آگئیں۔ رونق آرا بیگم ناگن کی طرح بل کھانے لگیں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو تھانہ انچارج نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں آپ کچھ نہیں بولیں گی۔ لڑکی تمہارا نام ہی دلشاد ہے؟" دلشاد نے سہمے ہوئے لہجے میں گردن ہلا دی۔

"کیا تم اپنی مرضی سے یہاں آئی ہو؟"

"جی۔ یہاں میری بہن ہے۔ یہ میرے بہنوئی ہیں اور یہ میری بہن کے سسر۔ میں نے اپنی خواہش سے یہاں رہائش اختیار کی ہے اور اس کے لیے میں نے عدالت میں جا کر بیان دیا تھا۔ حق خودارادیت حاصل کیا تھا۔ عدالت کی طرف سے مجھے میری پسند کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیا گیا ہے۔"

تھانہ انچارج بری طرح چونک پڑا۔ اس نے پہلے پریشان نگاہوں سے رونق آرا بیگم کی طرف دیکھا پھر رئیس خان کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔

"کیا آپ مجھے عدالت کا اختیار نامہ دکھا سکتے ہیں؟"

"وہ تو ہوتا ہی دکھانے کے لیے ہے۔ انچارج صاحب جاؤ یہاں لے کر آؤ۔" رئیس خان نے امتیاز سے کہا اور کچھ دیر کے بعد اجازت نامہ تھانہ انچارج کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ تھانہ انچارج نے اسے بغور دیکھا اور پھر رونق آرا کی طرف مڑ کر بولا۔

"جائیے بی بی آرام کیجیے۔ آپ کے حقوق ختم ہو گئے اور اب کچھ نہیں بگاڑ سکتیں آپ ان کا۔ پہلے سے معلوم کر لینا چاہیے تھا آپ کو کہ بیٹی اپنی مرضی سے گئی ہے یا اسے اغوا کیا گیا ہے۔ اب اگر یہ شریف لوگ آپ پر ہتک عزت کا دعویٰ کر دیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ آپ کو اور مجھے بھی مشکلات میں گرفتار ہونا پڑے گا۔ سیٹھ بڑی بی سیٹھ ورنہ بھوں رپورٹ پر آپ کو بھی لاک اپ میں بند کیا جا سکتا ہے۔ چلیے۔" تھانہ انچارج نے رونق آرا بیگم کا بازو پکڑا اور انہیں دھکیلتا ہوا باہر نکال لایا۔ نیاز خاں اس سے پہلے ہی آگے آگے چل پڑے تھے۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ پاسا پلٹ گیا ہے اور اب یہاں سے نکل چلنا ہی بہتر ہے۔

☆

غلام جانی نے احمد علی کو روک لیا تھا۔ فیروز کے جانے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کسی مرد کا بچہ ہے یہ ماننا پڑے گا۔"

"استاد آپ نے اسے نکل جانے دیا۔" غلام جانی کے ایک آدمی نے شکوہ کیا۔

"ابے چمکرم۔ اس پنجرے میں دل ہے کہ نہیں۔ اکیلا تھا کس شان سے اکڑتا رہا تھا۔ کتنے تھے تم لوگ۔ سب مل کر اسے مارنا چاہتے تھے۔"

"یہ بات نہیں استاد۔ تم اسے میرے حوالے کر دیتے۔" شنجو نامی بدمعاش نے کہا اور غلام جانی مسکرا کر دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ان لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو اسے مارنے گئے تھے۔ یہ بہت کمزور تھے کیا؟"

"پتا نہیں استاد کیا ہو گیا سالوں کو۔ شامت ہی آگئی تھی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔"

"کبھی کبھی نہیں ہوتا۔ جب اونٹ پہاڑ تلے آتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تم اس کا ٹھیکا مجھے دے دو استاد۔" قوی ہیکل جاگیرے نے اکڑتے ہوئے کہا اور غلام جانی مسکراتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے دیکھیں گے۔ ابھی وقت ہے۔" احمد علی بولا۔

"میں جاؤں غلام جانی۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"بس گھر جاؤں گا۔ ہیرا لال کو بھی بتانا پڑے گا۔ وہ نتیجے کا انتظار کر رہا ہو گا۔" احمد علی نے کہا اور غلام جانی سوچ میں ڈوب گیا پھر گہری سانس لے کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں پوت۔ تم آج ہمارے پاس ہی آرام کرو۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔" احمد علی چونک کر اسے دیکھنے لگا اور بولا۔

"میں سمجھا نہیں جانی استاد۔"

"ہیرالال سسرا دال کھاؤ۔ مجھ جیسی خصلت رکھتا ہے۔ کہیں بھی ہو ڈنک ضرور مارتا ہے۔ ابھی بات اس کے کانوں میں نہیں پہنچنی چاہیے۔ ورنہ وہ دوسری کوششوں میں مصروف ہو جائے گا اور ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا۔"

"تمہارا کام؟"

"ہاں احمد علی ہمیں بھی اس دنیا میں سر اٹھا کر جینا ہوتا ہے۔ ہماری بھی ساکھ ہوتی ہے اور روایتیں ہوتی ہیں۔ یہ چار ٹٹو مار کھا کر آ گئے۔ بات یہ نہیں ہے کہ کیسے مار کھا گئے۔ بات یہ ہے کہ اب اس کے بدلے میں کیا ہو۔ دو ہی چیزیں ہیں یا تو ہم اپنی ساکھ بنا لیں جو ہو چکا ہے اس کی وجہ دریافت کریں یا پھر اسے بڑا مان لیں۔"

"ہم مگر غلام جانی مجھے تو اپنے گھر جانا ہے۔"

"ارے ہاں ہاں۔ تو کونسا ہم تیری بیوی کو تجھ سے طلاق دلوا رہے ہیں۔ جانا ہے چلے جانا ایک آدھ دن ہمارا بھی مہمان رہ لے بھائی' اصل میں ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ تو یہاں سے واپس جائے اور سیدھا پہنچے اپنے چاچا ہیرالال کے پاس اسے ساری بات بتائے اور ہیرالال دوسرے توڑ میں مصروف ہو جائے۔ یہ توڑ اسے نہیں ہمیں کرنا ہے کل اس سے ملاقات کر لیں گے اس کے بعد تو بھی چلے جانا۔"

"میرے بیوی بچے پریشان ہو جائیں گے غلام جانی اگر تم منع کرتے ہو تو میں ہیرالال کے پاس نہیں جاؤں گا۔" احمد علی گھبرا کر بولا اور غلام جانی ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"دیکھ بیٹا وہ جو کہتے ہیں نا کہ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر باز بیا باز۔ تو بچھو کا بھائی بھی بچھو ہی ہوتا ہے جیسا وہ ویسا تو۔ اور بات اتنی ہی سنجیدہ ہے کہ ہم پہلے اپنی تسلی کر لیں گے اس کے بعد کسی اور طرف دیکھیں گے۔ تیرے گھر جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے ہم اور جہاں تک رہی بیٹا تیرے بیوی بچوں کے پریشان ہونے کی بات تو اے احمد علی ذرا ہماری آنکھوں میں دیکھ رات رات بھر دارو کے نشے میں کوٹھوں پر نہیں پڑا رہتا تو اس وقت تیرے بیوی بچے پریشان نہیں ہوتے تیرے لیے۔ ہمیں الو بنا رہا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ہم مگر۔۔۔ مگر؟"

"شجو۔ زیادہ مغز چاٹ رہا ہے یہ۔ لے جا بند کر دے اسے' ہمیں کچھ سنبھلنا ہے۔"

"چلو احمد علی۔" شجو نے کہا اور احمد علی خوفزدہ آگے بڑھ گیا۔ زیادہ ٹرٹر بولنے کا نتیجہ جانتا تھا۔

دوسرے دن وقت مقررہ پر غلام جانی تیار ہو گیا۔ دس منٹ ڈے تیاریاں کر چکے تھے۔ غلام جانی نے انہیں دیکھا تو حیرت سے بولا۔ "تم سب چلو گے میرے ساتھ۔"

"ہاں استاد۔"

"لام پر جا رہے ہو بھوتنی والو۔ ایک لونڈے سے جھگڑا ہے۔ دس دس چلو گے۔"

"پھر جو حکم استاد؟"

"شجو اور جاگیرے جائیں گے میرے ساتھ۔ بس ٹھیکا مانگا ہے انہوں نے۔"

"فکر ہی نہ کرو استاد۔ جو کہا ہے کر کے دکھائیں گے میری یہاں کسی سے جان پہچان بھی نہیں ہوئی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے لیے توپ اور تفنگ تیار کروں گا تو معاف کرنا میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے پوت۔ برا نہیں مانے تیرے بات کا۔ ہم بھی تیرے لیے صرف انہیں ساتھ لائے ہیں مگر ایک بات سن لے۔ عہد شکنی ہوئی تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

"عہد شکنی نہیں ہو گی غلام جانی۔" فیروز مسکرا کر بولا۔

"جاگیرے۔" غلام جانی نے اشارہ کیا اور جاگیرے آگے بڑھ گیا۔

"کیسے لڑو گے دوست؟" فیروز بولا اور جاگیرے نے بھوکے بھیڑیے کی طرح اسے گھورتے ہوئے اپنا پھل والا چاقو کھول لیا۔

فیروز نے مسکراتی نگاہوں سے جاگیرے کو دیکھا اور

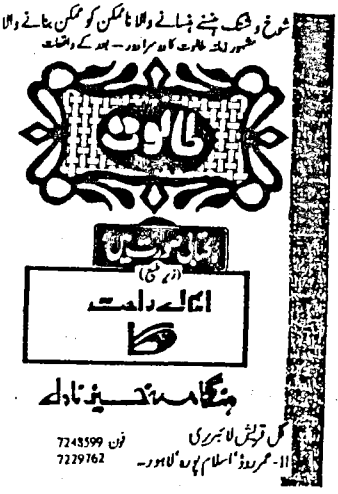
شرخ و شک چننے ہنسانے والا ناممکن کو ممکن بنانے والا
مشہور لیڈر طالوت کا ہر اور۔۔۔ بعد کے واقعات
طالوت
اگلے ہفتے
اگلے رات
ہنگامہ خیز ناول
گل قریشی لائبریری
11۔ گھر روڈ' اسلام پورہ لاہور۔
فون 7243599
7229762

ہے ناک تو بچانی ہے نا۔" دونوں بیک وقت بولے اور غلام جانی تیار ہو گیا۔ پھرہ چل پڑے۔ پتا معلوم کر لیا تھا بالکل صحیح وقت پر وہ فیروز کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔

خوبصورت عمارت کے احاطے میں فیروز انہیں نظر آ گیا۔ خوبصورت کپڑے ہوئے کرتے اور پائجامے میں ملبوس تھا۔ شہزادہ نظر آ رہا تھا۔ کافی فاصلے پر دو ملازم میز بچھا رہے تھے اور اپنے کام میں مصروف تھے۔ غلام جانی مسکراتا ہوا اسی طرف بڑھ گیا۔ فیروز نے اسے دیکھ کر کہا۔

"اوئے۔ باقی لوگ کہاں گئے؟"

"کم ہیں؟" غلام جانی نے پوچھا۔

"میں تو سب کا انتظار کر رہا تھا۔"

"یار! ان سے ہی کام چلا لو۔ مگر تم خود تیاریوں میں نہیں نظر آ رہے ہو فلتے۔"

"میں تو بالکل تیار ہوں۔"

"بڑا مان کرتے ہو خود پر۔ آدمی چھپا رکھے ہوں گے کونوں کھدروں میں۔ کتنے آدمی تیار کیے ہیں؟"

"ارے نہیں غلام جانی۔ پردیسی ہوں ابھی تو میری یہاں کسی سے جان پہچان بھی نہیں ہوئی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے لیے توپ اور تفنگ تیار کروں گا تو معاف کرنا میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے پوت۔ برا نہیں مانے تیرے بات کا۔ ہم بھی تیرے لیے صرف انہیں ساتھ لائے ہیں مگر ایک بات سن لے۔ عہد شکنی ہوئی تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

"عہد شکنی نہیں ہو گی غلام جانی۔" فیروز مسکرا کر بولا۔

"جاگیرے۔" غلام جانی نے اشارہ کیا اور جاگیرے آگے بڑھ گیا۔

"کیسے لڑو گے دوست؟" فیروز بولا اور جاگیرے نے بھوکے بھیڑیے کی طرح اسے گھورتے ہوئے اپنا پھل والا چاقو کھول لیا۔

فیروز نے مسکراتی نگاہوں سے جاگیرے کو دیکھا اور پھر کرتے کی آستین اونچی کر کے دونوں ہاتھ پھیلا لیے۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ جاگیرے نے اسے تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر تفریحاً" ہاتھ کو تھوڑا سا آگے لہرایا۔ غلام جانی نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ غالباً" وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ فیروز بھی چاقو نکالے لیکن جاگیرے نے جو دو تین کاوے دیے انہیں دیکھ کر غلام جانی بھی خاموش ہو گیا۔ ایسے وقت میں بولنا دونوں میں سے کسی کو نقصان پہنچا سکتا تھا اور یہ اصول کے خلاف بات تھی۔ پھر جاگیرے نے فیروز کو چرکا لگانا چاہا اور چاقو فیروز کے پیٹ کے پاس سے گزر گیا۔ فیروز نے خود کو بچایا اور جاگیرے کو دیکھ کر ہنسنے لگا پھر بولا۔

"کیا کر رہے ہو استاد' طوائفوں کی طرح رقص کرنے کے بجائے ذرا بھرپور وار کرو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا چاقو میرے پیٹ کے قریب سے نکل گیا ہے تو اس خیال کو دل سے نکال دو۔ میں تمہارے چاقو کی زد سے دو اور تین انچ کے فاصلے سے زیادہ دور نہیں رہوں گا بلکہ کہو تو ایک دائرہ بنا لیا جائے اس دائرے سے قدم باہر نہیں رکھوں گا۔ وار کرو ذرا مردوں والے۔ تمہیں دیکھ کر تو مجھے ہنسی آ رہی ہے۔"

یہ الفاظ جاگیرے کے لیے بڑے شرمناک اور بھڑکا دینے والے تھے۔ سارے قواعد بھول گیا۔ خاص طور پر اس لیے شیر تھا کہ مدمقابل کے ہاتھ میں چاقو نہیں تھا اور وہ خالی ہاتھوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ جاگیرے کو ان الفاظ پر بڑی شرمندگی کا احساس ہوا اس نے بہترین مہارت سے کام لیتے ہوئے کئی ایسے وار تابڑ توڑ کیے جس میں مدمقابل کو دھوکا دیا جاتا ہے یعنی ایک سمت چاقو کو جھکایا جاتا ہے اور دوسری سمت سے حملہ کر دیا جاتا ہے لیکن فیروز کی نیلی خوبصورت آنکھیں اس کے ہاتھوں کی جنبشوں پر جمی ہوئی تھیں۔

جاگیرے کی متواتر تمام کوششوں کو اس نے بڑی خوبصورتی سے ناکام بنا دیا۔ غلام جانی کی آنکھوں میں حیرت اور دلچسپی کے نقوش بیدار ہو گئے تھے جیسے کوئی ننھا سا بچہ اپنے پسندیدہ کھیل کو دیکھ رہا ہو اور حیرت زدہ ہو اس نے فیروز کے الفاظ بھی سنے تھے اور اس کے بعد انداز بھی قائم کرتا رہا تھا۔ فیروز بھی اپنے بدن کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنبش دے کر دو یا ڈیڑھ انچ کے فاصلے سے چاقو کے وار بچا رہا تھا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو اچھل کر دور بھی ہو جاتا لیکن وہ جاگیرے کی زد میں رہا تھا اور اس نے اس زد سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جاگیرے اپنی بہترین مہارت استعمال کرنے لگا۔ وہ چاقو کو مختلف ہاتھوں میں نچا رہا تھا۔ کبھی دائیں ہاتھ میں لے لیتا اور کبھی بائیں ہاتھ میں، بائیں ہاتھ کے وار کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتا لیکن چاقو کو اوپر لے جا کر چھوڑ دیتا اور دائیں ہاتھ میں اسے لے کر فیروز پر وار کرتا اس کھیل میں رفتہ رفتہ وقت گزرنے لگا۔ کئی بار غلام جانی نے اِدھر اُدھر نگاہیں گھمائی تھیں کہ کہیں فیروز کے آدمی بندوقیں لے کر تو نہیں کھڑے ہوئے لیکن ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ غلام جانی کو تو بے حد مزہ آ رہا تھا۔ شجو بھی خاموش کھڑا ہوا تھا۔ جاگیرے اپنے تمام گُر آزما چکا تھا اور اپنے قوی ہیکل جسم کی وجہ سے اب اس کے اندر تھکن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کا سانس اکھڑا اکھڑا محسوس ہو رہا تھا۔ کئی بار اس کے قدم بھی لڑکھڑائے تھے۔ کچھ اس طرح نچایا تھا اسے فیروز نے کہ بار بار اس کے پاؤں اپنے آپ ہی میں الجھ جاتے۔ سب سے زیادہ اسے شرمندگی تھی۔ اس بات کی کہ وہ مدمقابل کے کپڑوں تک کو چھونے میں ناکام رہا تھا جبکہ اس نے کوئی زیادہ فاصلہ بھی نہیں رکھا پھر جاگیرے نے آخری کوشش کے طور پر چاقو کو فضا میں اونچا اچھالا اور وہیں سے دبوچ کر فیروز کے شانے پر وار کی کوشش کی لیکن یہاں وہ بری طرح چوک کھا گیا۔ چاقو اچھلا لیکن اس کے ساتھ ہی فیروز بھی اچھلا اور اس نے لپک کر چاقو کا دستہ اپنی مٹھی کی گرفت میں لے لیا پھر وہاں سے پیچھے ہٹ گیا کیونکہ جاگیرے نے اپنے سر کی ٹکر اس کے سینے پر مارنے کی کوشش کی تھی جاگیرا سیدھا دوڑا چلا گیا تھا اور چاقو اب فیروز کے ہاتھ میں تھا۔

غلام جانی کے حلق سے ایک ہذیانی سی آواز نکل گئی تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فیروز کو دیکھ رہا تھا۔ جاگیرے پھر واپس پلٹا اور چاقو فیروز کے ہاتھوں میں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے گالیاں بکیں اور فیروز کی جانب لپکا۔ لیکن فیروز نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اور جاگیرے جھونک میں جہاں تک ہی پہنچ گیا۔ غلام جانی نے اپنی جگہ چھوڑ تھی اور اپنے آپ کو جاگیرے کی زد میں آنے سے بچایا۔

تب فیروز نے چاقو بند کیا اور کُرتے کی جیب میں لیا۔ جاگیرا واپس پلٹا تو غلام جانی نے اس کے شانے ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا پھر شجو کی طرف دیکھ کر "شجو!" شجو نے کمر سے خوردم کھولی اور اس کے گولوں ایک مخصوص انداز میں ہلاتا ہوا فیروز کی جانب بڑھا۔ فیروز نے لپک بار پھر ڈھلک آنے والی آستین کیں۔ شجو نے خوردم کو بانے کی طرح گھمانا شروع اور لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے گولے فضا گردش کرتے ہوئے شائیں شائیں کی آوازیں کرنے لگے۔

فیروز ان کے گھماؤ دیکھ رہا تھا۔ شجو خوردم کے استعمال کا ماہر تھا اور پچاس پچاس کے مجمع سے لڑ چکا تھا۔ اس نے بڑی مہارت سے خوردم سمیٹا اور فیروز کے پیروں پر وار کیا۔ فیروز نے اچھل کر یہ وار بچا لیا۔ شجو نے وہیں سے خوردم ڈھیلی چھوڑ کر کھینچی تاکہ جیسے ہی فیروز کے پاؤں زمین پر ٹکیں وہ اسے خوردم کی زنجیروں میں الجھا کر گرا لے مگر پھر اس نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ فیروز پیچھے آیا لیکن زمین پر پاؤں ٹکائے بغیر بس بدن کی قوت کے ساتھ وہ دوبارہ اچھلا۔ اس دوران شجو خوردم کھینچ [illegible] فیروز زمین پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"غلط دوست۔ اگر تم اسے بائیں سمت ڈھیل دیتے تو تمہارا وار کامیاب ہو جاتا۔ ایسے موقعوں پر سامنے والا ہوشیار ہوتا ہے۔" فیروز کا جملہ پورا ہونے سے پہلے شجو نے بپھر کر پھکائی دی اور دوسرا وار کر دیا مگر وہ اس وار میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا پھر وہ دیوانگی اس پر بھی طاری ہو گئی جو جاگیرے پر ہوئی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح خوردم گھمانے لگا۔ اچانک فیروز رک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور شجو یہ موقع غنیمت جان کر اس پر لپکا۔ فیروز بائیں [illegible] جھکا اور پھر فوراً ہی دائیں سمت پلٹ گیا۔ شجو نے بائیں سمت پوری قوت سے وار کیا تھا مگر پھر فیروز کی چالاکی کو سمجھ کر اس نے خود ہی دائیں سمت خوردم بڑھائی مگر خود ہی کرلٹ کے بل گر گیا۔

فیروز ہاتھ جھاڑنے لگا تھا۔ شجو اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ فیروز نے کہا۔

"یہ لنگور چھلانگ کہلاتی ہے۔ مدمقابل مسلسل ناکامی کے بعد جب مشتعل ہو جائے تو لنگور چھلانگ استعمال کی جاتی ہے۔ اس سے ریڑھ کی ہڈی کے منکے سرک جاتے ہیں۔ اب تم ایک مہینے تک سیدھے نہیں کھڑے ہو سکو گے۔" وہ آگے بڑھا اور اس نے خوردم پر پاؤں رکھ دیے اور جھک کر اسے شجو کے ہاتھ سے نکال لیا۔ اس کے بعد وہ خوردم اور چاقو لے کر غلام جانی کے قریب پہنچا اور اس نے دونوں چیزیں اس کے پیروں

پرچھائیں

ایم اے راحت

ہنگامہ خیز ناول

قیمت: 40 روپے ڈاک خرچ: 15 روپے

گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔ فون: 7248599 7229762

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان

ایک انمول شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راحت

○ معاشرے کی بالا نشینیوں کا شاخسانہ

○ حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں انتقام زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی

○ پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور

فون: 7229762 - 7248599

پائل کی جھنکار تلے جنم لینے والے غیرت مند بیٹے کی کہانی

پائل

پانچ حصے

ایم اے راحت

ڈاک خرچ: 15 روپے

زمانہ قدیم سے دور جدید تک طوائف کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ کہیں وہ چھن چھری کھائی، اسرار جان ادا اور کہیں کچھ لیکن سب ہی ایک بدنصیب کردار کو بھول گئے۔ کوٹھوں پر بیٹا بھی تو پیدا ہوتا ہے اور غیرت کسی کی جاگیر نہیں ہوتی۔

وہ داستان

جس کا قارئین نے بے چینی سے انتظار کرتے تھے

گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔

فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے پاس رکھ دیں۔

"میں نے کہا تھا نا غلام جانی۔ دو بہت کم رہیں گے۔"

"دس بھی کم رہتے۔" غلام جانی بے اختیار بول اٹھا اور فیروز مسکرانے لگا پھر اس نے تشویش کی نظروں سے شجو کو دیکھا اور غلام جانی سے بولا۔

"اس سے کہو غلام جانی جو کچھ میں کروں اس میں مداخلت نہ کرے۔ کہہ دو اس سے ورنہ ایک مہینے تک تکلیف اٹھائے گا۔ ابھی چوٹ گرم ہے ٹھیک ہو سکتی ہے۔" فیروز نے آگے بڑھ کر کہا پھر اس نے پھرتی سے جھک کر شجو کی بغل میں ہاتھ ڈال دیا۔ اسے آسانی سے اٹھایا اور شانے پر الٹا رکھ کر زور سے زمین پر دے مارا۔ شجو کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی اور غلام جانی تشنج کا شکار ہو گیا تھا۔ فیروز نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔

"آؤ کھڑے ہو جاؤ۔ منکے بیٹھ گئے ہوں گے۔" شجو نے اسے ہاتھ نہ دیا تو غلام جانی جھلا کر آگے بڑھا اور اس نے زور دار ٹھوکر شجو کو کوسے پر رسید کر دی۔

"اب ہاتھ بڑھانے سے کیوں گریز کر رہا ہے۔" شجو فیروز کے ہاتھ سے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ کراہتے ہوئے اپنی کمر کو سیدھا کر رہا تھا۔

"تو... تو جیت گیا فلیتے۔"

"ارے چھوڑو غلام جانی۔ یہ کوئی لڑائی تھی۔"

"ہاں... تو لڑا ہی نہیں... مگر کیوں؟"

"تم کل کیوں نہیں لڑے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تمہارے گھر گیا تھا نا۔ حالانکہ تمہارے آدمی بدلہ لینے کے لیے تیار تھے۔"

"تو پھر؟"

"یہ میرا گھر ہے غلام جانی۔ تم نے کیسے سوچ لیا کہ یہاں میں تم پر وار کروں گا۔ اسی لیے میں نے کوئی ہتھیار نہیں لیا تھا اور تم گواہ ہو کہ میں نے صرف کھیل کھیلا ہے۔ ایک بھی وار نہیں کیا کسی پر۔"

"کون ہے تو؟ کس ماں نے جنا ہے تجھے۔ کس باپ کی اولاد ہے۔ کچھ بتا تو شہزادے۔"

"بات چیت کے لیے وہ جلہ موجود ہے۔ میں نے چائے کا انتظام کیا ہے غلام جانی۔

"غریب خانے پر چائے کی دعوت قبول کر لو گے تو خوشی ہو گی۔"

غلام جانی اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ انتظام تو نے پہلے ہی کر لیا تھا۔"

"ہاں غلام جانی۔ تمہارے مزاج کا اندازہ لگا لیا تھا میں نے۔ تم بڑے دل کے مالک ہو۔"

"تو نے میری گردن جھکا دی ہے فلیتے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کروں؟"

"میرے اور تمہارے درمیان دشمنی تو کبھی نہیں ہو سکتی غلام جانی کیونکہ ہمارے مزاج ملتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"بتا چکا ہوں۔ کل بھی تمہارے اڈے پر یہ سوچ کر گیا تھا کہ مجھے جان بچانے کے لیے بہت محنت کرنی پڑے گی۔ تم نے صرف اس لیے اپنے ساتھیوں کو روکا کہ میں تنہا تھا اور تمہارے گھر کے احاطے میں تھا۔ میں بھی اپنے گھر کے احاطے میں تم سے نہیں لڑ سکتا تھا غلام جانی۔ آؤ اس کھیل سے فراغت ہو گئی اب مجھے حق میزبانی ادا کرنے دو اور خود حق مہمانی ادا کرو۔ آؤ شجو مجھے علم ہے کہ اب تمہاری کمر سیدھی ہو گئی ہے۔ غلام جانی کیا تم مجھے مایوس کرو گے؟"

"نہیں فلیتے اب تو گردن پکڑ بھی ہمیں ناشتے کی پیالی لے جانے کا حق رکھتا ہے۔" غلام جانی نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور جب اس نے شجو اور چائے کو وہیں کھڑے ہوئے دیکھا تو سر لہجے میں بولا۔

"آؤ۔" وہ دونوں بھی پیچھے پیچھے چل پڑے تھے۔

ملازم جو تمام برتن وغیرہ لگا کر تیار کھڑے ہوئے تھے تیزی سے اندر چلے گئے اور چند ہی منٹ کے بعد ہر انواع و اقسام کی چیزوں سے بھر گئی' فیروز نے خاصا مناسب انتظام کیا تھا۔ غلام جانی کرسی پر بیٹھ چکا تھا' فیروز بھی بیٹھ گیا اور ان کی خاطر مدارت کرنے لگا' غلام جانی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا' اس نے کہا۔

"عموماً" لوگ مارتے زیادہ ہیں کھلاتے کم ہیں' تو نے مارا بھی نہیں اور کھلا بھی رہا ہے' ویسے ایک بات تو بتا دے جان کے ٹکڑے؟"

"جی غلام جانی۔"

"استاد کہتے ہیں سب ہمیں' جانی استاد۔"

"اس کے لیے معافی چاہتا ہوں کیونکہ جو شخص میرا استاد ہے میں اس کا حق نہیں چھین سکتا۔"

"مجھے اندازہ تھا بے استادہ نہیں ہے تو مگر تیرا استاد جو کوئی بھی ہے پھولوں میں تولنے کے لائق ہے۔ کیا شاگرد بنایا ہے اس نے' میری بات پر یہ نہ سوچنا کہ تجھ سے ڈر کر تیری تعریف کر رہا ہوں فلیتے' سچ مچ دل سے تیری قدر کرنے لگا ہوں اور جب دل سے قدر ہوتی ہے تو دوستیوں کے لیے ہاتھ بڑھایا جاتا ہے' میں تجھ سے دوستی کا خواہش مند ہوں۔"

"تو پھر میرا یہ ہاتھ حاضر ہے غلام جانی۔" فیروز نے داہنا ہاتھ آگے بڑھایا اور غلام جانی نے اس کا ہاتھ لے کر ہونٹوں سے چوم لیا' پھر اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا۔ شجو اور جاگیرے کو بھی احساس ہو رہا تھا کہ بات واقعی بالکل ہی مختلف نکلی' وہ لڑے بے شک ہار بھی گئے' لیکن مد مقابل نے ان پر انگلی بھی نہیں اٹھائی' چنانچہ اب وہ بھی نرم ہو گئے اور انہوں نے فیروز کا ہاتھ غلام جانی ہی کی طرح ہاتھ میں لے کر چوما' غلام جانی نے کہا۔

"ایک ہوتا ہے کاروبار اور اس کے لیے معاہدے کیے جاتے ہیں' دوسری ہوتی ہے دوستی اور دوستی کے لیے زندگیاں لٹائی جاتی ہیں' دلارے تجھ سے دوستی کے خواہش مند ہیں ہم اس قابل سمجھتا ہے ہمیں؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں غلام جانی مراد آباد میں بالکل نیا ہوں' احمد علی نے پہلے ہی مرحلے پر یہ سب کچھ کر ڈالا میں تو صحیح طور پر یہاں کے حالات جانتا بھی نہیں ہوں' مگر اس نے ایسا انداز اختیار کیا جس سے مجھے یہ احساس ہو گیا کہ یہاں پاؤں جمانے کے لیے کافی محنت کرنا پڑے گی۔"

"تو محنت کے دور سے گزر گیا دلارے' اب ہم تیرے غلام ہیں' یہ مت سوچنا تجھ سے سودا کریں گے'

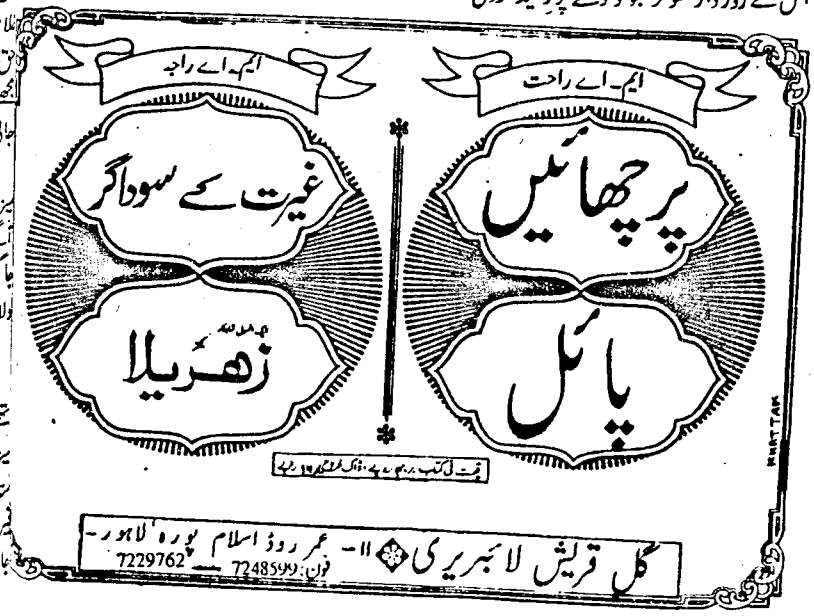

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوستیوں میں سودا نہیں ہوتے۔ ہمیں بتا پورا کھیل کیا ہے؟"

"غلام جانی' حاجی عبداللہ میرے محسن ہیں' میں زندگی میں ایک مقام حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس کا ایک پس منظر ہے' حاجی صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ مراد آباد میں ان کے کاروبار کو بڑے نقصانات ہو رہے ہیں' مجھے سے کہا تھا کہ میں جاکر یہاں کے حالات کو سنبھالوں' یہاں مجھے چند باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"بتا بتا کیا معلوم ہوا ہے تجھے؟"

"ہمارے کاروبار کا مد مقابل نواب ناصر علی نامی کوئی شخص ہے' حاجی عبداللہ اور اس کے درمیان بھیک تیسرا شخص بھی موجود ہے جس کا نام ہیرالال ہے' ذات کا جاٹ ہے اور سنا ہے بڑا سرکش آدمی ہے' احمد علی' ہیرالال کے کہنے سے سارے کاروبار میں خیانت کرتا ہے' بڑی بڑی رقمیں اس نے ماری ہیں' اس کے علاوہ مال خراب کرکے وہ ہندوستان بھر میں حاجی عبداللہ کی ساکھ گرا رہا ہے تاکہ اس سے ناصر علی کو فائدہ ہو اور وہ اپنی اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا ہے' میرا خیال ہے ناصر علی نے سارے کاریگر بھی اپنے قبضے میں کیے ہوئے ہیں حالانکہ حاجی عبداللہ کے کارخانے میں بھی بہت سے کاریگر کام کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے وہ ناصر علی کے دباؤ میں ہیں' احمد علی جو کچھ بھی رقمیں مارتا ہے اس میں سے بیس فیصد حصہ اس کا ہوتا ہے' باقی شاید ہیرالال کا۔ مجھے یہاں یہ صورت حال سنبھالنی ہے اور اس کے لیے میں جدوجہد شروع کر رہا ہوں۔"

"ہوں' کیا نام ہے تمہارا' فیروز؟"

"جی غلام جانی۔"

"تو پھر یہ سمجھ لو فیروز کہ حاجی عبداللہ کا کام سنبھل گیا یہ جو کتے کا پلا ہیرالال ہے ناں خود کچھ بھی نہیں ہے' غلام جانی کے کندھے پر بیٹھ کر کام کرتا ہے' ناصر علی سے تو خیر ابھی تک ہماری کوئی ملاقات نہیں ہوئی لیکن ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ناصر علی' ہیرالال کو اس کاروبار کو چوپٹ کرنے کے لیے اچھی خاصی رقمیں دے رہا ہے۔ تو یہ کتے کا پلا دونوں طرف کمائی کر رہا ہے' خیر تم فکر مت کرو' آج کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بس ذرا کارخانوں کی نگرانی شروع کر دو' کاریگروں کو کنٹرول کر لو' باقی ہم دیکھ لیں گے۔ اپنا کام بالکل ٹھیک کرا دو ان کا کام ہم ٹھیک کر دیں گے۔"

"غلام جانی' تمہارا بھی نقصان ہوگا اس میں۔"

"فلیتے' بڑی کمائی ہے ہماری' مختلف لوگوں سے بھتے آتے ہیں' بہت چھوٹی سی رقم کی کمی ہوگی لیکن اس کی پروا مت کرو' حاجی صاحب کی رقم ہم نکلوا دیں گے تمہیں' دوستی ہے تو پھر ایسی ہی ہونی چاہیے۔"

فیروز نے بڑی گرمجوشی سے ایک بار پھر غلام جانی سے ہاتھ دبایا تھا اور اس کے بعد وہ دونوں بہت دیر تک دوستانہ ماحول میں گفتگو کرتے رہے تھے۔

✤

ڈاکٹر فیاض اپنے کلینک میں مریضوں کو دیکھ رہے تھے کہ نمبر آنے پر ایک مریض اندر داخل ہوا اور ڈاکٹر فیاض اسے دیکھ کر چونک پڑا' مریض نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا تھا' بیٹھنے کے بعد بولا۔

"آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے ڈاکٹر صاحب' ایسے ایسے مریض بھی آپ کے پاس آجاتے ہیں جنہیں اپنے مرض کا علاج تو کرانا ہوتا ہے لیکن اس لیے بھی وہ فرصت کا انتظار کرتے ہیں' آپ کو یاد میں کون ہوں؟"

"ڈاکٹر اپنے مریض کو کبھی نہیں بھولتا مظاہر صاحب' اور پھر آپ تو ایک ایسی خلش چھوڑ گئے میرے دل میں جس نے مجھے ایک لمحے بھی آپ غافل نہیں ہونے دیا۔"

"فیروز کے مسئلے میں؟"

"جی بالکل' بعد میں شاید آپ کو علم ہوا ہو کہ نے آپ سے رابطے کی بے شمار کوششیں کی تھیں۔"

"معذرت خواہ ہوں ڈاکٹر صاحب' اصل میں اپنا کاروبار جمانے کے لیے مسلسل بھاگ دوڑ مصروف رہتا ہوں' یوں سمجھ لیجئے کہ تقریباً ہندوستان میں گردش رہتی ہے اصل میں زندگی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت بڑا حصہ دیارِ غیر میں گزارا' ولایت چلا گیا تھا' وہیں پر کاروبار جاری رکھا' پھر بچوں کا دل اکتایا ولایت سے تو واپس اپنے وطن میں آگیا' لیکن جناب آپ جانتے ہیں کہ انسان کا بھرم بھاری ہونا چاہیے۔ بے شمار عزیز و اقارب ہیں یہاں' لیکن اگر اپنے پاؤں نہ جمے تو پھر رشتے داریاں بھی اچھی نہیں لگتیں' ابھی تک مصروف عمل ہوں اور بھاگ دوڑ جاری کیے ہوئے ہوں۔"

"فرمایئے کیسی طبیعت ہے؟"

مظاہر بیگ ڈاکٹر فیاض کو اپنی بیماری کے بارے میں بتانے لگے تو ڈاکٹر فیاض نے ان کا بھرپور معاینہ کیا' دوائیں وغیرہ تجویز ہوئیں' علاج بتایا گیا اور پھر ڈاکٹر فیاض مطلب پر آگیا' کہنے لگا۔

"باقی مریضوں کو اب شاید دیر تک انتظار کرنا پڑے۔ آپ آگئے ہیں تو آپ سے فیروز کے بارے میں باتیں کرنا ضروری ہے۔"

"زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں ہوگی اس بارے میں' مختصراً عرض کردوں کہ اس نوجوان کے بارے میں مجھے کافی معلومات ہیں' ولایت سے واپس آیا تو دہلی میں اپنے بھائی ظاہر بیگ کے ہاں قیام کیا۔ ان کا بیٹا اشتیاق بیگ دہلی کے ایک شاندار اسکول میں پڑھتا تھا اور فیروز اس کے کلاس فیلو کی حیثیت سے اس گھرانے میں روشناس تھا' میرے بھائی ظاہر بیگ نے مجھے اس کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں' وہ دہلی کے ایک نواب' نواب ناظم خاں کا بیٹا ہے اور نواب ناظم خاں بہت صاحب حیثیت تھے' میرے ان لوگوں سے روابط بڑھے بھی نہیں تھے کہ مجھے ضروری امور کے سلسلے میں وہاں سے ہٹنا پڑ گیا اور آپ کو تعجب ہوگا کہ اس کے بعد سے لے کر اب تک میں چھ بار دہلی جا چکا ہوں لیکن اپنے بھائی سے بھی میری بس سرسری ہی سی ملاقات ہوئی اور دوبارہ کبھی فیروز کا ذکر ہی نہ نکل سکا' اب میں نے اسے یہاں دیکھا تو تھوڑی سی حیرانی ہوئی مجھے' اس کے بارے میں یہ ہے وہ مختصر گفتگو جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔"

ڈاکٹر فیاض پتھرائی ہوئی نگاہوں سے مظاہر بیگ کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"آپ کو یقین ہے کہ یہ وہی لڑکا تھا؟"

"جی ہاں' اتفاق سے ان دنوں اس کے بارے میں کچھ ایسی گفتگو ہوتی رہی تھی کہ یہ میری نگاہوں میں پوری طرح سما گیا تھا اور پھر آپ کو خود بھی اندازہ ہے ڈاکٹر فیاض کہ ایسے چہرے بھولنے کے لیے نہیں ہوتے۔"

"کیا آپ براہ کرم مجھے نواب ناظم خاں کا پتہ بتا سکتے ہیں؟"

"نواب ناظم خاں سے تو اتفاق سے ملاقات نہیں ہو سکی' لیکن اگر دہلی سے رابطہ قائم کرنا چاہیں تو میرے بھائی ظاہر بیگ سے کر سکتے ہیں' میں تو بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے نینی تال جا رہا ہوں' بس آج میرے لیے ایسی دوائیں تجویز کر دیں جنہیں میں نینی تال میں بھی استعمال کر سکوں فیروز کے بارے میں آپ ظاہر بیگ صاحب سے رابطہ رکھیئے' اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو ان کے نام رقعہ لکھ کر دے دیتا ہوں۔"

"آپ براہ کرم ایسا کر لیجئے۔" ڈاکٹر فیاض نے اور کاغذ اور قلم مظاہر بیگ کو دے دیا' مظاہر بیگ بھائی کے نام رقعہ لکھ دیا تھا پھر کچھ دیر بیٹھ کر اور ادھر کی باتیں کر کے مظاہر بیگ تو چلا گیا لیکن ڈاکٹر فیاض کے دل کو کرید لگ گئی تھی۔ بہرحال فیروز اب کوئی اہم نہیں رہا تھا۔ ان لوگوں سے براہ راست واسطہ ہو گیا اس کا' اسے آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا پھر اب تو وہ حاجی صاحب کے لیے مراد آباد میں کام کر رہا تھا' ڈاکٹر فیاض اس بات پر بہت دل برداشتہ ہوا تھا اس کی کوششیں فیروز کی یادداشت واپس نہ کر سکیں لیکن اب ایک موقع ملا تھا تو وہ اسے ہاتھ سے نہیں جانے چاہتا تھا' چنانچہ کلینک بند کرتے ہی وہ حاجی عبداللہ کی طرف روانہ ہو گیا' حاجی صاحب نے ڈاکٹر فیاض کو مسکراتے ہوئے استقبال کیا تھا' پھر اس کے چہرے کی تجسس کے آثار دیکھ کر بولے۔

"کہو فیاض' کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"جی حاجی صاحب' کچھ انوکھے انکشافات لے کر آیا ہوں۔"

"خیریت؟"

"فیروز کے بارے میں پتا چل گیا ہے کہ وہ کون ہے۔" ڈاکٹر فیاض نے کہا اور حاجی عبداللہ اچھل پڑا۔

"کیا؟"

"جی' آپ کو یاد ہوگا میں نے ایک شخص مظاہر بیگ کا تذکرہ کیا تھا؟"

"میاں مجھے پوری تفصیل معلوم ہے' اس نے کہا تھا کہ وہ فیروز کا شناسا ہے' تم نے مجھے بتایا تھا۔"

"جی' اور اس کے بعد مظاہر بیگ کہیں باہر نکل گیا تھا اتفاق سے وہ آیا تھا میرے پاس اور اس نے مجھے فیروز کے بارے میں تفصیل بتائی۔"

"اماں واللہ' تو پھر اتنی سنسنی کیوں پیدا کر رہے ہو میں خود بھی فیروز کے لیے متجسس ہوں' کیا پتا چل گیا کہ وہ کون ہے اور کس کا بچہ ہے؟"

"جی ہاں۔" ڈاکٹر فیاض نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ اس بچے سے کچھ ایسی انسیت ہو گئی ہے کہ اس کی ہر بہتری کے لیے کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"لیکن اس کے بعد وہ آپ کے کام کا نہیں رہے گا۔" ڈاکٹر فیاض مسکرا کر بولا۔

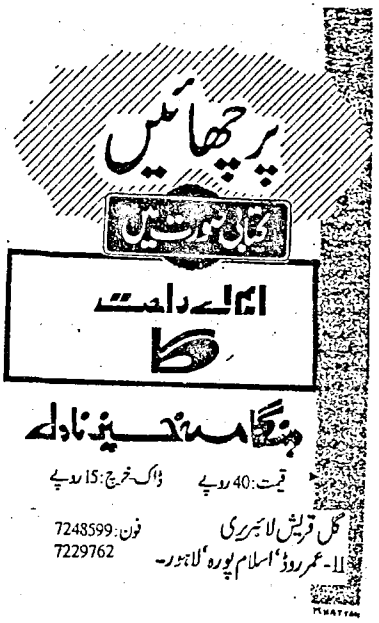

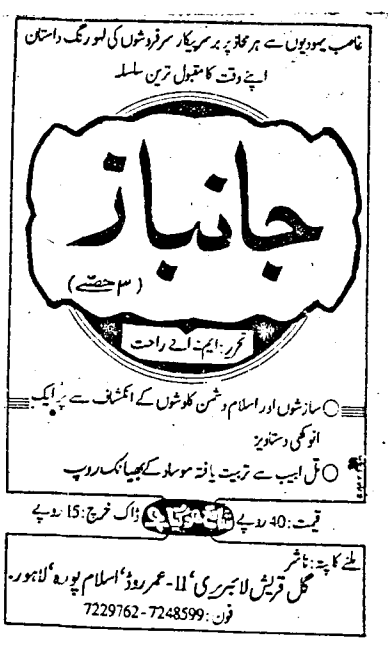
خاصہ یہودیوں سے ہر محاذ پر برسرِ پیکار سرفروشوں کی لہو رنگ داستان
اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ
جانباز
(۳ حصے)
تحریر: ایم اے راحت
○ سازشوں اور اسلام دشمن کارروائیوں کے انکشاف سے پُر ایک انوکھی دستاویز
○ قبل ازیں سے تربیت یافتہ موساد کے بھیانک روپ
قیمت: 40 روپے
ڈاک خرچ: 15 روپے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری' II۔ عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

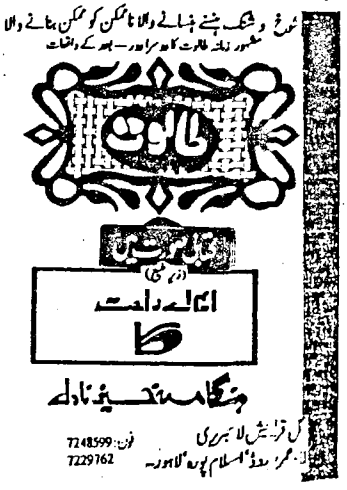
شوخ و شنگ ہنسنے ہنسانے والا ناممکن کو ممکن بنانے والا
مشہور زمانہ طلسماتی کارنامہ سراور — بھید کے واقعات
جال
نئی ناولیں
ایم اے راحت
جاسوسی ڈائجسٹ
فون: 7248599
7229762
گل قریش لائبریری
II۔ عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

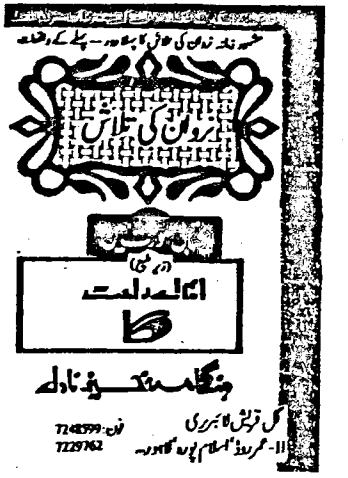

"کیا مطلب؟"

"اس کے اہل خاندان سے رجوع ہونے کے بعد ظاہر ہے وہ اسے ہمارے پاس کہاں چھوڑیں گے۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں اگر اس نے مراد آباد کا کام سنبھال لیا تو اس کا مستقبل بھی بن جائے گا۔"

"مشکل ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ بھی ایک نواب زادہ ہے۔ دہلی کے کسی ناظم خاں کا بیٹا۔" ڈاکٹر فیاض نے جواب دیا۔

"تب بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ مراد آباد کے کاروبار کا تو ویسے بھی بیڑا غرق ہو چکا ہے۔ تقدیر میں نقصان ہے تو برداشت کرنا ہی پڑے گا مگر اپنی غرض کے لیے کسی کی اولاد کو اس سے دور تو نہیں رکھا جا سکتا۔"

"ہاں یہ تو درست ہے۔"

"ناظم خان کا اتا پتا معلوم ہے؟"

"جی ہاں۔ میں نے مظاہر بیگ سے تفصیل معلوم کی ہے۔ دہلی میں ان کے بھائی ظاہر بیگ ناظم خاں کو جانتے ہیں۔"

"مجھے ظاہر بیگ کا پتا دو۔ اتفاق سے دو تین دن میں دہلی جا رہا ہوں یہ کام بھی کر لوں گا۔"

"دہلی جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔ وہ جمیل احمد کی بیٹی کا نکاح ہے۔ شرکت ضروری ہے تم جانتے ہو وہ میرے بچپن کا دوست ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ چلیے یہ بھی بہتر ہوا ورنہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔"

"یہ ایک رقعہ بھی ہے ظاہر بیگ کے نام۔" ڈاکٹر فیاض نے پتا اور رقعہ حاجی صاحب کو دے دیا۔

رونق آرا گھر واپس آ گئیں۔ نیاز خاں کا خیال تھا کہ خوب اچھلیں گی، خوب چیخیں گی، لیکن رونق آرا گم صم تھیں۔ نجانے کیا احساس دل میں تھا، اندر گئیں اور اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اس کے بعد مسلسل کئی گھنٹے تک خاموش رہی تھیں۔ نیاز خاں جیسے لوگ وقت کے ساتھی تھے حالانکہ رونق آرا بیگم سے بہت شناسائی تھی لیکن خود رونق آرا کا رویہ کبھی ایسا ہمدردانہ نہیں رہا تھا کہ نیاز خاں کے دل میں ان کے لیے کوئی خاص جگہ ہوتی۔ سبن میاں بھی اس طرح بھاگ گئے تھے کہ اب ان کا نام و نشان نہیں ملتا تھا، ظاہر ہے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ رونق آرا کے ہاتھ لگے تو مصیبتوں میں ہی گرفتار ہو جائیں گے خود نیاز خاں بھی ہر وقت بوریا بستر باندھے تیار بیٹھے رہا کرتے تھے، رونق آرا سے کسی بھی طوطا چشمی کی توقع تھی۔ بہرحال اب وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے لیے یہاں اب کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ دیکھیں آگے رونق آرا بیگم کیا کرتی ہیں۔ رونق آرا بیگم نے بہت وقت سوچ بچار میں گزارا نجانے کیا کیا احساسات دل میں تھے پھر وہ شاید کوئی فیصلہ کر کے ہی اپنے کمرے سے نمودار ہوئی تھیں، کوٹھا بالکل بند ہو گیا تھا۔ نیاز خاں اور دوسرے لوگ بھی یہ سوچ رہے تھے کہ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو رونق آرا بیگم دلالوں سے نئی لڑکیوں کی فرمائش کریں گی یا پھر خاموش بیٹھی رہیں گی، کیونکہ تینوں لڑکیاں تو ٹھکانے لگ گئی تھیں اب رہ ہی کیا گیا تھا۔ نیاز خاں بڑے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جب رونق آرا ان کے پاس پہنچ گئیں۔ نیاز خاں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"بی رونق آرا بیگم، نظر لگ گئی اس کوٹھے کو، کھا گئی کسی کی نظر۔ کیا زمانہ تھا، کیا رونقیں تھیں کیا چہل پہل رہتی تھی، کیا نام تھا، آج کچھ بھی نہیں ہے، ساز خاموش پڑے ہوئے ہیں، کسی کے پیروں کی دھمک نہیں ہے یہاں؟"

رونق آرا بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لی، پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھ گئیں پھر بولیں۔

"نیاز خاں ہم سے کہاں غلطی ہوئی بتا سکتے ہو؟"

"کیا بتائیں رونق آرا بیگم، کوٹھوں کے تو یہی دستور ہوتے ہیں، یہاں پیدا ہونے والے بچے یہیں زندگی گزار دیتے ہیں اور پھر ان کے بچے، نسلیں یونہی کی یونہی چلی آتی ہیں کہیں اتفاقیہ طور پر کوئی واقعہ ہو گیا تو ہو گیا۔ ایسے شریف زادے بھی کم ملتے ہیں جو طوائفوں کو اپنا لیں، لیکن مل جاتے ہیں اب ایسی بھی بات نہیں ہے کہ ان کا وجود ہی نہ ہو۔ مہ جبیں نے اس کی داغ بیل ڈالی اور ممتاز نے اس کی تکمیل کر دی۔"

"میں یہ سوچ رہی ہوں نیاز خان کہ طوائف تو میری ماں بھی تھی۔ اس کے بعد یہ کوٹھا مجھے منتقل ہو گیا۔ میں نے بھی وہی سب کچھ کیا جو میری ماں نے میرے ساتھ کیا تھا۔ نہ ظلم کیا نہ جبر کیا، جو ہماری تقدیر ہوتی ہے ہم نے اس کے مطابق وقت گزارا۔۔۔ لڑکیاں ایسی باغی ہوئیں کہ ماں کا رشتہ بھی ان کے دل میں نہ رہا۔ ٹھیک ہے میں سخت رہی ان کے ساتھ لیکن میری ماں بھی میرے ساتھ اتنی ہی سخت تھی۔ بملا وتی اپنی بیٹی کے ساتھ اتنی سخت ہے نازک جہاں مولسری کے ساتھ سخت ہے کون ہے یہاں جو بچیوں کو کنٹرول نہیں کرتا لیکن سب کی سب جوں کی توں ہیں۔ میرا ہی کوٹھا کیوں اجڑ گیا۔"

"تقدیر بھی ایک چیز ہوتی ہے رونق آرا۔" نیاز خاں بولے۔

"ہاں ٹھیک کہتے ہو نیاز خاں۔ اب تو اس زندگی سے جی بھر گیا ہے کیا کروں کیا نہ کروں، سوچ سوچ کر سینہ دکھنے لگا ہے۔"

"دلال ہیں بہت سے نئی چاوڑی میں، کسی سے کہتے ہیں کہ لڑکیاں تلاش کرے بس دو لڑکیاں آ جائیں، کام شروع ہو جائے گا۔"

"کیا کام شروع ہو جائے گا نیاز خاں اور کیا کریں گے کام شروع کر کے۔ اکیلی جان رہ گئی ہے میری، خون کے رشتے تو دغا دے گئے، اب دوسروں کو بالوں کیا۔ ارے میرا کیا ہے نیاز خاں، عمر تو ڈھل ہی گئی، کتنی زندگی باقی رہ گئی ہے کچھ پتا نہیں۔ ایک فیصلہ کر لیا ہے میں نے نیاز خاں۔"

"کیا رونق آرا بیگم؟"

"مراد آباد چلی جاؤں گی یہ سب کچھ بیچ باچ کر۔"

"مراد آباد کیوں؟"

"تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے سمن آرا کو جانتے ہی نہیں ہو۔"

"اوہ اچھا سمن آرا آپ کی بہن؟"

"تو اور کیا انسان کسے تلاش کرے۔ برے وقت میں کھوٹا سکہ ہی کام آتا ہے۔ سمن آرا کے پاس جا کر زندگی کے بقیہ دن گزار لوں گی۔ آخر خون ہے میرا۔"

"مگر رونق آرا بیگم میرا تو یہ خیال ہے کہ برسہا برس گزر گئے، سمن آرا سے تو آپ کی کوئی خط و کتابت بھی نہیں ہوئی۔ نہ وہ یہاں آئیں نا آپ وہاں گئیں۔"

"یہاں کون کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، سب اپنی اپنی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ وہاں خوش تھیں ہم یہاں خوش تھے۔ اب تنہائی آ گئی ہے مجھ پر۔ تو بہن ہی کی جانب آنکھیں نہ اٹھیں گی تو پھر کس کی طرف اٹھیں گی۔ کسی کا نہیں بھائیں گی۔ اللہ کا دیا میرے پاس خود اتنا ہے کہ سمن آرا بی بی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیں گی۔ تھوڑا بہت انہی کے کام آجاؤں گی۔ مجھے کیا ضرورت ہے کسی چیز کی۔ میاں تین وقت کی روٹی اور تن کا کپڑا اور بس سمن آرا پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ صاف کہہ دوں گی کہ بی بی یہ سب کچھ موجود ہے، بس سر چھپانے کی تھوڑی سی جگہ دے دو اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔"

نیاز خاں پُر خیال نگاہوں سے رونق آرا بیگم کو دیکھنے لگے پھر بولے۔

"تو پھر کوٹھا بیچ دو گی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔ بہت سوں کے دانت لگے ہوئے ہیں اس پر اور پھر مجھے کون سی بڑی قیمت وصول کرنی ہے جو ملے گا اسی پر قناعت کرلوں گی۔ بہت کچھ ہے میرے پاس' میرے لیے بہت کافی ہے۔"

"کیا کہہ سکتا ہوں رونق آرا بیگم؟"

"بس میاں تمہیں بتا رہی تھی اب ایسا کرو جلدی سے گاہک لگا دو۔ جی نہیں لگتا میرا ایک پل بھی یہاں' دم گھٹنے لگا ہے اس سنسان ماحول کو دیکھ کر۔ کم از کم سمن آرا کے کوٹھے پر رونق تو ہوگی۔"

"جیسا آپ پسند کریں رونق آرا بیگم۔" نیاز خاں نے کہا اور کام شروع ہوگیا۔ دلالوں سے کہا گیا۔ بملاوتی نے خود ہی رجوع کیا' بظاہر افسوس کا اظہار کیا ہمدردی بھی کی لیکن درپردہ اس کے دل میں چاہت تھی کہنے لگی۔

"اے رونق آرا بی بی۔ یہ لڑکیوں کو آخر ہو کیا گیا؟"

"بملاوتی نیاز خاں نے بتایا ہے کہ تم یہ جائیداد خریدنا چاہتی ہو' بس کام کی باتیں کرو' جسے جو کچھ بھی ہوا وہ جانے اور اس کا کام۔"

"ٹھیک ہے پیسے طے کرلو۔ رقم لے لو۔ بات ختم ہو جاتی ہے۔"

"مع ساز و سامان کے بیچوں گی سب کچھ' مجھے یہاں سے کچھ نہیں لے جانا۔" رونق آرا نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر اجازت دو تو ایک نظر جائزہ لے لوں؟"

"دیکھ لو اچھی طرح دیکھ لو' سجا سجایا آباد کوٹھا ہے ایک ایک چیز پر رقمیں لگائی ہیں میں نے' تمہیں خود اس کا اندازہ ہے۔"

"ہاں یہ تو میں جانتی ہوں مگر دیکھو نا بات وہی ہو جاتی ہے کہ چیز کے دام کہاں ملتے ہیں اور پھر استعمال شدہ چیزیں۔"

"نہیں نہیں بملاوتی ایسی باتیں مت کرو' تم یہ بتاؤ کیا دو گی اس کا؟" بملاوتی نے پورا گھر دیکھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ رونق آرا بیگم نے کوٹھا سجا سنوار کر رکھا تھا۔ بملاوتی نے جو رقم لگائی رونق آرا بیگم نے اسے قبول کرلیا۔ کہنے لگیں۔

"نقد رقم لوں گی۔ لکھت پڑھت کرالو جس سے تمہارا دل چاہے۔"

بملاوتی خوشی سے پھولی نہ سمائی تھی' موتیوں کی چیزیں کوڑیوں کے دام مل رہی تھیں۔ فوراً ہی رقم کا بندوبست کیا گیا' وکیل کو بلا کر لکھت پڑھت کرائی گئی' سارے کام مکمل ہوگئے۔ رونق آرا بیگم نے کوٹھے پر کام کرنے والوں سے معذرت کی۔ تھوڑی تھوڑی رقم بھی دی انہیں تھوڑی رقم نیاز خاں کو بھی دی اور کہنے لگیں۔

"اچھا نیاز خاں بس زندگی میں جتنا ساتھ تھا رہا۔ اب جدا ہوتے ہیں کبھی مناسب سمجھو تو مراد آباد آکر مل لینا۔ کھیل ختم کرکے جا رہے ہیں اور سنو ان لڑکیوں کو بھی ہمارے بارے میں نہ بتانا کہ ہم کہاں جا کر مر گئے' بس جدائی ہوگئی سو ہوگئی۔ ہم نے بھی دل پر پتھر رکھ لیا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اب وہ جانیں۔ اب جیسی بھی ان کی تقدیر لکھی ہے گزرے گی۔ ہمیں کسی سے نہیں ملنا اب۔"

"بہرحال۔ رونق آرا بیگم نمک کھایا ہے آپ کا۔ اب اس طرح تو نہیں چھوڑ سکتا آپ کو۔ ٹھیک ہے میں بالکل نہیں کہوں گا کہ آپ مجھے اپنے گلے کا ہار بنا لیں' چلا جاؤں گا کہیں نہ کہیں لیکن کم از کم اتنا تو فرض پورا کروں گا کہ آپ کو مراد آباد سمن آرا کے گھر چھوڑ کر آؤں گا۔"

"ارے میاں اتنا کہہ دیا یہی کافی ہے ورنہ بگڑی میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔"

"میں دوں گا رونق آرا بیگم' آپ فکر کیوں کرتی ہیں۔"

"اچھا ہے نیاز خاں تمہارا ساتھ رہے گا بڑی مہربانی ہوگی اتنا کام تو کر ہی دو۔ اکیلی جاؤں گی تو راستے بھر ڈرتی رہوں گی۔" رونق آرا بیگم تیار ہوگئیں۔ نیاز خاں نے مراد آباد کے ٹکٹ کٹوائے اور رونق آرا بیگم بہت بڑی رقم اور زیور سنبھالے ہوئے نیاز خان کے ساتھ مراد آباد چل پڑیں۔

بہن یاد آرہی تھی اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ن کے لیے مشکل تھا۔ سمن آرا ان کی سگی بہن تھی مراد آباد ہی میں اس نے پوری زندگی گزاری تھی انہی کی طرح عمر رسیدہ بھی ہوگئی تھی۔ سال ڈیڑھ سال ہی کا فرق تھا دونوں میں۔ اس کی بھی کئی بیٹیاں تھیں لیکن یہاں رشتے ناتے کون نبھاتا ہے بس ہوئی تھی کبھی طویل عرصے پہلے ملاقات' اور اس کے بعد بس' لیکن اب رونق آرا بیگم کو وہی یاد آئی تھی اور سچ ہی کہا تھا انہوں نے' سر چھپانے کا ٹھکانا درکار تھا۔ تھوڑی سی زندگی باقی تھی گزر ہی جائے گی۔ سفر جاری رہا۔ نیاز خاں ویسے تو جو کچھ بھی تھے لیکن فطری طور پر صرف سازندے تھے' گھٹیا سوچوں کے مالک' دل میں وہ گداز نہیں تھا جو نمک کا گداز کہلاتا ہے بننے کا بیٹا کچھ دیکھ کر ہی گرا تھا' رونق آرا بیگم کے ساتھ اس وقت لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات تھے اور بہت بڑی رقم نقد تھی' نیاز خاں انہی دونوں چیزوں کی وجہ سے رونق آرا بیگم کے ساتھ لگے تھے' اب ایسے وقت میں بھی فائدہ نہ اٹھایا تو زندگی بھی بیکار جائے گی' دل میں منصوبہ بنا چکے تھے کہ کیا کرنا ہے اتنی بڑی دولت اور رقم کے ساتھ تو ہندوستان کے کسی بھی گوشے میں عیش کی زندگی بسر کی جا سکتی تھی' ساری ہی زندگی رونق آرا بیگم کے ساتھ گزار دی تھی۔ صلہ ملا تو تھا' لیکن بس اتنا کہ گزر بسر ہو جاتی تھی۔ جو رونہ جانا اللہ میاں سے ناتا' لیکن دل میں خواہش ہوتی تھی کہ خود بھی کبھی ایک باعزت زندگی گزاریں اور تقدیر نے اچانک ہی اس کا موقع فراہم کر دیا تھا رونق آرا بیگم غم واندوہ میں ڈوبی ہوئی بیٹھی تھیں' راستے میں بھی انہوں نے نیاز خاں سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔

رات ہوئی تو نیند کی جھونک آگئی' نیاز خاں بھی اونگھنے لگے تھے لیکن یہ اونگھنے کا وقت نہیں تھا' وہ صرف اونگھنے کا مظاہرہ کر رہے تھے ورنہ ہزار آنکھوں سے جاگ رہے تھے پھر ٹرین ایک غیر معروف سے اسٹیشن پر رکی' نیاز خاں نے دھڑکتے دل سے رونق آرا بیگم کو دیکھا' بے خبری کی نیند سو رہی تھیں' غموں سے تھکن سے چور بس آنکھیں بند تھیں' گردن ڈھلکی ہوئی تھی' نیاز خاں نے دھڑکتے دل سے سامان کا ٹرنک اور وہ بڑا تھیلا اٹھایا جس میں رونق آرا کی پوری زندگی کی کمائی تھی اور پھر برق رفتاری سے کھلے ہوئے دروازے سے نیچے اتر گئے' دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا بس یہ خطرہ تھا کہ ابھی عقب سے چیخ پکار کی آواز سنائی دے گی اور لوگ ان کے پیچھے دوڑ پڑیں گے' لیکن تقدیر نے ساتھ دیا' پلیٹ فارم سے باہر نکل آئے اور رات کی تاریکیوں میں گم ہو گئے۔

*

حاجی صاحب اہل خاندان کے ہمراہ دہلی پہنچ گئے' دہلی میں کئی دن تک وہ شادیوں میں مصروف رہے' لیکن ذہن میں فیروز کا مسئلہ بدستور موجود تھا' بہت غور و خوض بھی کیا تھا لیکن کسی قسم کی بدمعاملگی کی بات ہی نہیں تھی' اگر فیروز کے اہل خاندان کا پتا چل جاتا ہے تو ایک طرح سے فیروز کے احسان کا تھوڑا سا بدلہ اور ادا ہو جائے گا' تمام معمولات سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد مرزا ظاہر بیگ کے پتے پر روانہ ہوگئے' مرزا ظاہر بیگ سے ملاقات ہوئی تو حاجی عبداللہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی کانپور سے حاضر ہوا تھا' حاجی عبداللہ نام ہے۔ وہاں آپ کے بھائی صاحب مرزا مظاہر بیگ سے ملاقات ہوئی تھی میری' ایک ایسا اتفاقیہ مسئلہ مشترک ہوگیا جس کے بارے میں آپ سے معلومات کرنے حاضر ہوا ہوں' مرزا صاحب نے یہ رقعہ بھی آپ کے نام دیا تھا مجھے۔"

"خوش آمدید حاجی صاحب بڑی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر' اجازت ہو تو رقعہ پڑھ لوں؟"

"ضرور ضرور۔" حاجی عبداللہ نے کہا اور مرزا ظاہر بیگ یہ رقعہ پڑھنے لگے جس میں لکھا ہوا تھا کہ حامل رقعہ میرے بڑے اچھے دوست ہیں اور انہیں کچھ معلومات درکار ہیں' براہ کرم آپ یہ معلومات انہیں فراہم کر دیجئے گا' باقی خیر و عافیت کی باتیں لکھی گئی تھیں' مرزا ظاہر بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی حاجی صاحب! آپ کو کیا معلومات درکار ہیں؟"

"عزیزی سنا ہے یہاں آپ کا بیٹا مرزا اشتیاق کسی سینٹ جانس کالج میں پڑھتا تھا۔"

"سینٹ جانس اسکول؟" مرزا ظاہر بیگ نے تصحیح کی۔

"جی ہاں وہی' وہی میرا مقصد ہے' اس اسکول میں اس کا ایک کلاس فیلو بھی تھا جس کا نام فیروز تھا۔"

"جی ہاں۔" مرزا ظاہر بیگ نے چونک کر کہا۔

"مجھے اس فیروز کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔" مرزا ظاہر بیگ کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

"یہ معلومات آپ کو درکار ہیں حاجی صاحب یا مظاہر بیگ نے اس کے لیے آپ سے معلومات حاصل کرنے کو کہا ہے۔"

"نہیں معاملہ مظاہر بیگ کا نہیں ہے کچھ میری ہی ذاتی وجوہات تھیں جن کے لیے یہ معلومات حاصل کرنا ہیں۔"

"کچھ عجیب سے واقعات ہیں' اتفاق ہے کہ ہم لوگ بھی تھوڑی سی نادانیوں کا شکار ہوگئے تھے' اصل میں یہ لڑکا بڑے کروفر کا مالک تھا بڑی شان و شوکت سے رہتا تھا بالکل نواب زادوں کے مانند' اشتیاق بیگ سے دوستی ہوگئی اس کی' یہاں بھی آنے جانے لگا' کچھ ایسے انوکھے واقعات بھی تھے جن کی بنا پر ہم اس کی جانب متوجہ ہوئے' مرزا مظاہر بیگ ان دنوں لندن میں تھے' واپس آئے تو ان سے بھی ملاقات ہوئی اس کی' ہم لوگ بڑے اچھے جذبات رکھتے تھے اس کے لیے ایک صاحب ہیں نواب ناظم خاں صاحب' ان کی اولاد کی حیثیت سے مشہور تھا پھر اچانک ہی حالات کی کایا پلٹ گئی' سینٹ جانس اسکول کے عہدیداران کو یہ معلوم ہوا کہ صاحبزادے اصل میں طوائف زادے ہیں' ایک طوائف کے بیٹے' اس بارے میں تحقیقات کی گئی اور تصدیق ہوگئی کہ بات درست ہے' ہو سکتا ہے ان کی ولدیت نواب ناظم خاں ہی ہوں' لیکن آپ خود سمجھدار ہیں حاجی صاحب' ایسے نواب اپنی اولاد کے لیے میرا مطلب ہے ایسی اولادوں کے لیے جنہیں معاف کیجئے گا وہ اپنے گناہ کے زیر تحت اس دنیا میں

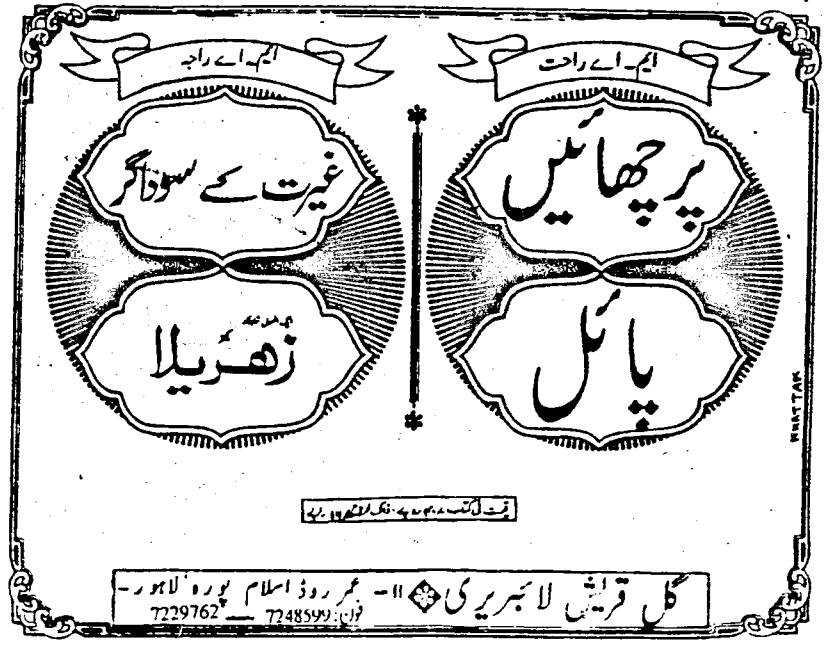

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے آتے ہیں' بہت کچھ کر دیا کرتے ہیں' ناظم خاں صاحب نے بھی اسے سینٹ جانس اسکول میں داخل کرا دیا تھا' لیکن سینٹ جانس بہت بڑا اسکول ہے بلکہ تھا' وہاں کسی معمولی آدمی کا داخلہ ممکن نہیں تھا' جب اس بات کی تصدیق ہوگئی تو اسکول کے عہدے داران نے فیروز کو اسکول سے نکال دیا' بعد کے واقعات اخبارات ہی کے ذریعے میرے کانوں تک پہنچے تھے' ناظم خاں صاحب نے احتجاج کیا اور جب ان کے اس احتجاج کو قبول نہ کیا گیا تو ناظم خان صاحب نے سینٹ جانس اسکول کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا' کچھ جنونی سے آدمی ہوں گے' ان کا کہنا تھا کہ اگر ان کا بیٹا سینٹ جانس اسکول میں نہیں پڑھے گا تو پھر سینٹ جانس اسکول بھی قائم نہیں رہے گا' بس اس نظریے کے تحت ناظم خاں صاحب نے سینٹ جانس اسکول کو ختم کر دیا' ظاہر ہے ایک مجرمانہ عمل تھا' وارنٹ جاری ہوگئے اور ناظم خاں صاحب یہاں سے فرار ہوگئے' پھر نہ فیروز کا پتا لگا اور نہ ناظم خان صاحب کا' بات بھی خاصی پرانی ہوگئی' یہ ہے فیروز کی کہانی' لیکن حاجی صاحب آپ کو اس سلسلے میں تحقیقات کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ حاجی عبداللہ پہ نجانے کیسی کیسی کیفیات گزر رہی تھیں' بہت دیر تک غور و خوض میں ڈوبے رہے۔ پھر آہستہ سے بولے۔

"کچھ ایسے ہی ذاتی معاملات تھے جن کی بنا پر ان معلومات کی ضرورت پیش آگئی۔ نہایت شکریہ آپ کی اس امداد کا' بس میرا کام ہوگیا' اتنا ہی کام کرنا تھا مجھے۔"

"کوئی بات نہیں ہے' آپ کانپور سے تشریف لائے ہیں کچھ وقت ہمارے مہمان بھی رہیں' عزت افزائی ہوگی۔"

"نہیں عزیزی' اہل خاندان کے ساتھ آیا ہوں' واپسی بھی ضروری ہے' ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

حاجی عبداللہ مرزا ظاہر بیگ سے رخصت ہوگئے' لیکن دل کو ایک شدید دھچکا سا لگا تھا' جو کچھ سنا ہے کیا یہ سچ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر ایسی بات ہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ فیروز نے ان حالات کے تحت خود کو چھپا رکھا ہو' وہ دنیا کو اپنے بارے میں نہ بتانا چاہتا ہو' پولیس کو مطلوب ہے اپنے آپ کو چھپا کر رکھنا چاہتا ہوں' دیگر اہل خاندان کو تو کچھ نہیں بتایا کیونکہ بلاوجہ کے سوالات کے جوابات دینا ہوتے' خود شدید کشمکش کا شکار رہے اور سوچوں میں ڈوبے رہے' عجیب و غریب واقعات تھے' فیروز نے اگر اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے تو پھر وہ خود کو فیروز ہی کے نام سے کیوں روشناس کرائے ہوئے ہے' اگر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا تھا تو نام بھی تبدیل کر لیتا' ویسے حاجی صاحب نے اس بات کا دل میں اعتراف کیا تھا' صورت حال جو کچھ بھی ہے۔ فیروز کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا' خود ان کی بھی عمر گزری تھی اسی دشت کی سیاحی میں' دنیا شناس نہیں انسان شناس بھی تھے' فیروز جان بوجھ کر ان تک نہیں پہنچا تھا' نہ ہی اس نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حاجی صاحب اسے یہ مراعات دیں' کابلی خان نے تو صرف ڈاکٹر فیاض کے ایما پر فیروز کو حاجی عبداللہ صاحب کے کام کے لیے تیار کیا تھا' اس کے بعد کے حالات جیسے بھی رہے ان میں کم از کم فیروز کی طرف سے ایسا کوئی عمل نہیں ہوا تھا جس سے یہ اندازہ ہو کہ وہ حاجی صاحب کے خاندان میں شامل ہونا چاہتا ہے' یا جان بوجھ کر اس نے کوئی ایسا کام کیا ہے' سارے واقعات حاجی کے علم میں تھے' کچھ عجیب سی گتھی تھی جس کا سلجھانا ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی بہرطور دہلی سے واپس کانپور آگئے' ڈاکٹر فیاض کے سامنے سارے انکشاف کیے' خود ڈاکٹر فیاض کی حالت بھی عجیب ہوگئی تھی' غم واندوہ میں ڈوبا رہا تھا' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اس سلسلے میں آپ سے بالکل متفق ہوں حاجی صاحب کہ فیروز کے دل میں ہمارے لیے کوئی غلط خیال نہیں ہے' وہ بے لوث اور نفیس انسان ہے' میں نہیں جانتا کہ ان واقعات میں کہاں تک صداقت ہے' لیکن جو کچھ بھی ہے بہت افسوس ناک ہے۔"

"مگر میاں اب کیا کیا جائے؟"

"ہمیں کیا کرنا ہے جو کچھ ہمارے علم میں آیا ہے اسے فیروز کو بتانے کے بجائے یا اس پر ظاہر کرنے کے بجائے خاموشی بدرجہا بہتر ہے' وہ مراد آباد میں جو کچھ کر رہا ہے' اگر وقت اس کی مدد کرتا ہے تو میرے خیال میں اسے وہ کرتے رہنے دینا چاہیے' آگے اس کی تقدیر' ہم اس پر کبھی یہ انکشاف نہیں کریں گے کہ ہمیں یہ معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔" حاجی عبداللہ نے ڈاکٹر فیاض سے اتفاق کیا تھا اور اس کے بعد یہ مسئلہ یہیں کا یہیں ختم ہوگیا۔

رونق آرا خواب دیکھ رہی تھیں۔ محفل جمی ہوئی تھی۔ نشاط بیگن سے کوٹھا بھرا ہوا تھا۔ مہ جبیں گا رہی تھی۔ دلشاد اور ممتاز رقص کر رہی تھیں۔ داد و تحسین کے ڈونگرے برس رہے تھے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

صوفی مفل کو حال آگیا۔ نعرہ مستانہ لگایا اور اٹھ کر دولتیاں مارنے لگے۔ ویسے تو مناسب انسان تھے حال آجاتا تو بگڑے ہوئے سانڈ بن جاتے دو بار نیاز خاں کا طبلہ پھاڑ چکے تھے ایک بار شرافت حسین کی پیٹی کا باجا بجا چکے تھے۔ بعد میں بڑے شرمندہ ہوتے تھے' لیکن بس کمزوری تھی ان کی۔ کسی بھی شعر پر اگر مستی سوار ہوجائے تو ان کی مستی اللہ تارے۔ اس وقت بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ رونق آرا کے قریب ہی تھے فاصلہ ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ رونق آرا گھبرا گئیں اور ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اے نیاز خاں' سنبھالیو ذرا۔" لیکن نیاز خاں کے سنبھالنے سے پہلے ہی صوفی مفل رونق آرا بیگم کے پاندان سے ٹکرائے الجھے اور دھڑام سے رونق آرا کی گود میں جا گرے۔

"اے تمہیں خدا کی نیکی صوفی صاحب' ارے میرے گھٹنے توڑ دیے۔"

صوفی صاحب کو غیر متوقع طور پر فوراً ہی ہوش آگیا کیونکہ گوشت سے خالی کولھے مراد آبادی پاندان سے ٹکرائے تھے جس میں کوٹا ابھرا ہوا تھا۔ وہیں بیٹھ کر چیں چیں کرنے لگے اور رونق آرا بیگم اپنی تکلیف بھول کر ٹھٹھا مار کر ہنس پڑیں۔ تب ہی کسی نے ان کا شانہ ہلایا۔

"اے بڑی بی۔ اے بڑی بی ہوش میں آؤ' کیا ہوگیا تمہیں مری کو روئی ہو کبھی ہنس رہی ہو؟" رونق آرا بیگم ایک دم سنبھل گئیں اور پھر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ نہ کوٹھا تھا نہ مہ جبیں' نہ دلشاد' نہ ممتاز' نہ صوفی مفل کوئی بھی نہیں تھا۔ ریل کے پہیوں کی

گڑگڑاہٹ ایک مسلسل ناخوشگوار موسیقی' کھڑکی کے باہر پھیلا ہوا گھور اندھیرا۔ رفتہ رفتہ حواس بیدار ہوئے اور احساس ہوا کہ وہ سب کچھ نہیں ہے جو دیکھ رہی تھیں' یہ تو ماحول ہی کچھ اور ہے۔ رفتہ رفتہ سب کچھ یاد آگیا۔ درد بھرے انداز میں ان کے منہ سے نکلا۔

"خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں"

"اے تمہارا بھلا کرے کیا ہوا ہے تمہیں اپنے آپ سے باتیں کیے جا رہی ہو؟" برابر بیٹھی ہوئی خاتون نے کہا اور رونق آرا بیگم نے ٹھنڈی سانس لے کر انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں بس سمجھانی چاہتی ہوں۔"

"شاید خواب دیکھ رہی تھیں؟"

"ہاں نجانے کب سے یہ خواب دیکھ رہی تھی۔ آنکھ کھل گئی۔" رونق آرا بیگم نے اپنی سے نمٹل کر پانوں کا بٹوا نکالا اور پھر گردن گھما کر نیاز خاں کو دیکھا۔ نیاز خاں اپنی جگہ موجود نہیں تھے۔ گئے ہوں گے حاجت رفع کرنے۔ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ رونق آرا بیگم نے بٹوے سے پان نکالا۔ چھالیا اور تمباکو نکالا پھر ازراہ اخلاق قریب بیٹھی ہوئی خاتون کو بٹوا پیش کیا۔

"اے بوا میں پان نہیں کھاتی۔" خاتون نے کہا اور رونق آرا بیگم نے منہ چلاتے ہوئے بٹوے کے بند کھینچ لیے اور پان چبانے لگیں۔

"کدھر جا رہی ہو۔" برابر بیٹھی ہوئی خاتون نے پوچھا۔ رونق آرا بیگم پریشان ہوگئیں۔ بلاوجہ کا تعارف ہوگیا تھا' دل نہیں چاہ رہا تھا کسی سے بات کرنے کے لیے' بس آنکھ لگ گئی تھی ریل میں اور ویسے بھی اب سونے کے علاوہ اور کیا رہ گیا تھا ان کی زندگی میں' کچھ بھی نہیں رہا تھا کچھ بھی۔

"اے بوا بتایا نہیں تم نے؟"

"مراد آباد جا رہی ہوں۔ مراد آبادی تمباکو کھا رہی ہوں اور جب تمباکو منہ میں گھلتا ہے تو بولتے نہیں ہیں۔"

"اے تمہارا مطلب ہے میں خاموش ہو جاؤں؟"

"اگر باتیں کرنے کو بہت دل چاہ رہا ہے' بتو تمہیں پان تھوک دوں؟"

اے نوج میری بلا سے۔ تمہارا انداز کچھ اچھا نہیں ہے' بس تم تو خواب میں چیخ رہی تھیں اس لیے میں نے جگا بھی دیا میری بھی نیند خراب کر دی۔" برابر بیٹھی ہوئی خاتون کو شاید رونق آرا بیگم کے یہ الفاظ پسند نہیں آئے تھے۔ رونق آرا بیگم نے دل میں سوچا۔ چلو تم روٹھے ہم چھوٹے۔ پھر وہ کھڑکی کی جانب دیکھنے لگیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیند اچٹ گئی تھی' سر میں ہلکا ہلکا درد تھا' دل میں سوچا کہ اگر ریل کسی اسٹیشن پر رکی تو نیاز خاں سے فرمائش کریں گی کہ چائے کا ایک پیالہ لے آؤ تاکہ سر کے درد میں افاقہ ہو۔ برابر میں بیٹھی ہوئی خاتون کا بھی نہیں تھا خود سوتے میں چیخ پڑی تھیں' خواب بھی ایسا تھا۔ خواب کا تصور دل میں آیا تو دل بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آگئی۔ ہائے حسرتوں میں ڈوب گیا۔ کیا تھا اور کیا ہو گیا' کس سے کہیں' کس کو سنائیں کیا دن تھے' کیا رات تھی اور اب زندگی کانٹوں کے بستر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اولادوں نے دھوکا دے دیا بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوکھ اس طرح اجڑ جائیں گھر اجاڑنے والے..... اب تو ان کے لیے کوئی نیا کوسنا بھی نہیں رہا تھا۔ ایک کوسنا بھی پورا نہیں ہوا کسی کم بخت کو تو ہائے لگتی۔ کسی کو ہائے نہ لگی۔ سارے کے سارے مسئلے سنا رہے ہیں اور ہم دربدر ہو چکے ہیں۔ کچھ ایسا دل بھر آیا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ رخ بدل لیا۔ یہی شکر تھا کہ برابر بیٹھی ہوئی خاتون بری طرح ناراض ہو گئی تھیں اور انہوں نے دوبارہ پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

یہ نیاز خاں کہاں لے ہو گئے بہرحال کچھ بھی ہے دوسرے سارے کے سارے ساتھ چھوڑ گئے۔ انہیں دیکھو پوتے کو۔ کم بخت عمر بھر عشق و عاشقی کا رچار کرتے رہے۔ ارے سب پیٹ بھرنے کے گر تھے۔ حالات دیکھے' اندازہ ہو گیا کہ اب کونسا اجڑ رہا ہے' کون رکتا ہے اجڑے دیار میں۔ ہائے سب کچھ فنا ہو گیا سب کچھ اجڑ گیا۔ اے نیاز خاں اتنی دیر میں تو آدمی نجانے کیا سے کیا کرلے کہاں رہ گئے' کسی سے باتیں کرنے تو نہیں چل پڑے کسی اور کے پاس تو نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ریل کے پورے ڈبے میں نظر دوڑائی لیکن نیاز خاں کہیں نظر نہیں آئے۔ رونق آرا بیگم پریشان ہو گئیں۔ کیا کہیں اسٹیشن پر تو رہ نہیں گئے۔ اترے ہوں چائے پانی کے لیے اور ریل چل پڑی ہو۔ اے میرے مولا اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا۔ رونق آرا بیگم نے ہول کر سوچا اور اس کے بعد خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ نگاہیں بار بار ریل کے غسل خانے کی جانب بھی اٹھ جاتی تھیں پھر جب ایک اور مسافر دروازہ کھول کر غسل خانے میں داخل ہوا اور اندر بند ہو گیا تو رونق آرا بیگم کو یقین ہو گیا کہ نیاز خاں غسل خانے میں نہیں ہیں۔ ضرور کوئی واقعہ ہو گیا ہے ورنہ نیاز خاں گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح کہاں غائب ہو جاتے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ برابر بیٹھی ہوئی خاتون کو بھی ناراض کر چکی تھیں۔ آس پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے' ان سے شناسائی نہیں تھی۔ اپنی حماقت کا خیال آیا کم از کم برابر والی خاتون سے کچھ پوچھ سکتی تھیں۔ یہ تو پوچھ سکتی تھیں کہ راستے میں ریل کتنی جگہ رکی تھی اور ان کے ساتھ جو صاحب بیٹھے ہوئے تھے وہ کہیں اترے تو نہیں تھے۔ بہت دیر تک سوچ بچار میں گم رہیں پھر کچھ سوچا' پانی کا جگ اٹھایا تھوڑا سا گلاس بھرا اور برابر والی خاتون سے مخاطب ہو کر بولیں۔

"بی بی پانی پیو گی' ٹھنڈا پانی ہے۔"

"اے رہنے دو رہنے دو' مجھے تک چڑھی عورتیں پسند نہیں ہیں لعنت بھیجتی ہوں ایسے پانی پر۔"

"ارے ارے مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی کیا۔ آپ تو روٹھ گئی ہیں؟"

"اے ہوا پوچھا تھا کہاں جا رہی ہو۔ اس طرح سفر کرتے ہے اب یہ تھوڑی ہے کہ ناک چڑھا کر کوئی جواب دے دو الٹا سیدھا۔ دوسرے کے منہ پر تھپڑ مار دو۔"

"اصل میں نیند سے جاگی تھی آپ کو تو پتا ہی ہے اور خواب بھی ایسا انوکھا دیکھ رہی تھی کہ بتا نہیں سکتی۔ آپ کو۔ آپ کبھی خواب دیکھتی ہیں؟"

"اے ہوا اللہ کے فضل سے میرا پیٹ ٹھیک رہتا ہے میرے میاں عطار ہیں ایک حکیم کی دکان پر' معجونیں لاکر دیتے ہیں' چورن بنا کر دیا ہے مجھے۔ معدہ ٹھیک ہو تو خواب کبھی نظر نہیں آتے۔ میرے میاں کا یہی کہنا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ واقعی معدہ اگر درست ہو تو انسان خواب نہیں دیکھتا۔"

"اے میرے میاں کا یہی کہنا ہے۔"

"پھر تو وہ بہت بڑے عطار ہوں گے؟"

"تو اور کیا۔ بڑے حکیم صاحب کے ہاں کام کرتے ہیں مراد آباد میں۔"

"مراد آباد میں؟" رونق آرا بیگم نے پوچھا۔

"ہاں بڑے حکیم اللہ والے۔ جانتی ہو نا انہیں؟"

"تو انہیں کون نہیں جانتا۔" برابر والی خاتون نے کہا۔ رونق آرا بیگم کو برابر والی خاتون کو رام کرنے میں بڑی مشکل پیش آرہی تھی۔ یہ الفاظ برابر والی خاتون کا کلیجا نرم کرنے کے لیے مناسب ثابت ہوئے۔ متوجہ ہو گئیں' کہنے لگیں۔

"لاؤ ایک گلاس پانی۔ سچ مچ حلق میں جیسے کانٹے پڑ رہے ہیں' اے اصل میں ہوا خشک چل رہی ہے نا۔ اس موسم میں ہوا خشک ہی چلتی ہے۔"

"تو اور کیا۔ گلا بری طرح خشک ہو جاتا ہے لیجئے پانی پیجئے۔" رونق آرا بیگم کو ایک چھوٹا سا کام کرنے کے لیے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان کا دل ہی جانتا تھا ورنہ وہ خود بھی ایسی اخلاق نہیں تھیں کہ خواہ مخواہ کسی کو سر پر مسلط کرلیں۔ بہرحال برابر والی خاتون نے پانی پی کر گلاس واپس کیا تو رونق آرا بیگم نے مزید فضول باتیں کیے بغیر اپنے مقصد کا سوال کر ڈالا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اے بوا میں ذرا حیران ہوں یہ برابر کی خالی جگہ جو پڑی ہوئی ہے یہاں پر میرے ساتھی مرد بیٹھے ہوئے تھے تمہیں پتا ہے وہ کہاں چلے گئے؟"

"وہ تمہارے ساتھی مرد تھے؟" برابر والی خاتون نے کہا۔

"ہاں کیوں کیا ہوا؟"

"اے بوا وہ تو بہت پیچھے سامان لے کر اتر گئے۔"

"ایں۔" رونق آرا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ابھی تک سامان وغیرہ پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس طرف ذہن ہی نہیں گیا تھا اب جو برابر والی خاتون نے سامان کے بارے میں کہا تو پھٹی پھٹی آنکھوں سے بکس دیکھا۔ تھیلا دیکھا۔ دونوں میں سے کچھ بھی نہیں تھا۔ ساری زندگی کی کمائی تو انہی میں موجود تھی۔ ہوٹنے میں تو چاندی کے چند روپے پڑے ہوئے تھے جو یونہی بس پڑے رہ گئے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ رونق آرا بیگم اپنی جگہ پہ کراہنے لگیں اور پھر دہاڑ سے ان کا سر ریل کی سیٹ کی پشت سے لگا۔ برقع پوش خاتون جو ایک پانی کے گلاس کی احسان مند تھیں جلدی سے بولیں۔

"اے بوا کیا ہوا کیا ہوا' مجھے بھی تو بتاؤ؟" لیکن رونق آرا بیگم کے اندر بولنے کی سکت کہاں تھی۔ آہ نیاز خاں آخری داغ دے گئے۔ آخری داغ تم نے بھی دل پر لگا دیا۔ آہ کسی کو نہیں کوسوں گی اب' نہ تمہیں نہ شبن میاں کو' نہ ناظم خاں کو' نہ مزجبیں کو' نہ دلشاد کو' نہ ممتاز کو' بے کار ہے سب کو کوسنا نہیں۔ اپنی تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

"اے بوا دورہ پڑ گیا کیا' کسی کو جگاؤں۔" برابر والی خاتون نے کہا اور رونق آرا بیگم نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ کوئی بات نہیں۔"

"اے ذرا بتاؤ تو سہی' کون تھے وہ صاحب؟ کوئی رشتے تھے تمہارے' میاں تھے کیا' کیوں اتر گئے وہ تمہارا سامان کر؟" رونق آرا بیگم نے بمشکل تمام آنکھیں کھولیں اور کہنے لگیں۔

"آپ کے سامنے اترے تھے؟"

"تو اور کیا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ اطمینان سے سامان اٹھایا اور نیچے اتر گئے ہائے اللہ سامان میں کیا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں تھا۔ بس کچھ بھی نہیں تھا۔" رونق آرا نے خود بھی جگ سے پانی کا گلاس بھرا اور اسے حلق میں انڈیلا دیا۔ دل ہی دل میں انہوں نے کہا کہ شکر ہے نیاز خاں ایک گلاس پانی تو چھوڑ گئے لیکن بے وفائی کا یہ کونسا انداز تھا ایک تم پر مان کیا تھا دل نے' دنیا سے یہ خیال نہیں اٹھ گیا تھا کہ کوئی ساتھ نہیں دیتا' لیکن نیاز خاں تم نے تو یوں سمجھو کہ تابوت میں آخری کیل ٹھوک دی' خیر خدا تمہیں خوش رکھے جب لٹے ہیں تو پھر ایسے ہی لٹنا چاہیے' کچھ بچ جاتا تو نجانے داغ میں کیا کیا خرابیاں رہ جاتیں۔ جو کچھ تھا وہ اتنا تھا کہ پاس ہوتا تو عقل ٹھکانے نہ رہتی' چلو اچھا کیا تم نے اب کم از کم انسان کو انسان تو سمجھیں گے۔ ہاں ٹھیک ہی ہے' مہ جبیں تو بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے' ارے دل تو ہر انسان کا ہوتا ہے' روایتیں ہمیشہ تو قائم نہیں رہتیں' شاید زیادتی ہم سے ہی ہوگئی تھی' ہاں نجانے کیا ہوگیا تھا' نجانے انسان کے اندر اس قدر تبدیلیاں کیوں ہوتی ہیں' کوئی صرف کسی ایک ہی انداز میں سوچتا ہے جیسے میں' ارے کوٹھے کے علاوہ بھی تو دنیا میں بہت کچھ ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ کوٹھے تا حیات قائم رہیں گے' میں نے سوچا تھا کہ جو میں نے کیا ہے وہی میری اولادیں کریں گی' لیکن دل ہمدم نہیں کر پایا تھا اس بات کو کہ تم لوگ اپنے اپنے گھر بسالو' چلو بس گئی ہو تو زندگی میں پہلی بار دعا دے رہی ہوں' بددعائیں تو ساری زندگی ہی دیتی رہی ہوں لو دعا مول کر لو میری' مہ جبیں' خدا تمہیں دنیا کی بری نگاہوں سے بچائے جہاں کہیں بھی ہو خوش رہو' کوئی دکھ نہ ملے اب تمہیں'

ایک حسن نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

سمیرا حمید

بے سمیرا حمید کا ماہنامہ چھی کہانیاں ڈائجسٹ کا لاثانی سلسلہ

ایک اور پُرتحیر' سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

الیف تا ے فراموش الف لیلہ تحریر چہ

آپ کا لولہ پیارا ام لڑے گا

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہوگیا

ملنے کا پتہ: ناشر

گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔

فون: 7229762-7248599

بہت دکھ اٹھا چکی ہے اب تو میری بچی' اپنی ماں ہی کے پاس اجنبی تھی' کبھی تو تجھے وہ مان نہ دیا میں نے جو بیٹیوں کو ماؤں سے ملتا ہے' ہاں چل اچھا ہوا تو نے اپنا نگر آباد کرلیا' بس یہی دعا ہے میری کہ خدا تیرے اس نگر کو ہمیشہ ہمیشہ آباد رکھے۔ مہ جبیں بہت سی بددعائیں دی ہیں تجھے اب یہ دعا بھی میں ہی دے رہی ہوں کہ خدا میری کوئی بددعا نہ سنے۔ آہ خدا میری کوئی بددعا نہ سنے' اور پھر میں ہوں بھی نہیں اس قابل کہ خدا بھی میری سنے' ظلم ہی کیے ہیں ساری زندگی ایک ایک پر' ہر ایک کو نقصان ہی پہنچاتی رہی ہوں' فائدہ کسے پہنچا ہے میری ذات سے۔ رونق آرا بیگم بری طرح ٹوٹ گئی تھیں' آج احساس ہو رہا تھا کہ کیا کیا کرتی رہی ہیں زندگی بھر کبھی تو کسی کا بھلا نہ چاہا' کبھی تو کسی کی بھلائی کے بارے میں نہ سوچا ہر ایک کے لیے برا چاہتی رہیں۔ ناظم خاں' فیروز' ہاں فیروز کے ساتھ بھی تو بڑی بدسلوکی کی تھی انہوں نے' ارے بچے کا کیا قصور تھا تقدیر کا مارا تھا کہ طوائف کے کوٹھے پر پیدا ہوگیا' کسی ڈھنگ کی جگہ پیدا ہوتا تو ڈھنگ سے پرورش پاتا' بس تقدیر ہی کے کھیل ہیں۔ فیروز آج زندگی میں پہلی بار تجھے بھی دعا دے رہی ہوں' کہہ رہی ہوں کہ جہاں بھی ہے خدا تجھے خوش رکھے ہاں فیروز ساری دنیا سے جھگڑا ختم ہوگیا ہے میرا' تو اب تجھ سے جھگڑا کیوں قائم رکھوں۔" دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے' نجانے کیا کیا احساسات دل میں آرہے تھے اور ان کے احساسات کا یہ سفر جاری رہا۔ برابر والی خاتون بھی خاموش ہوگئی تھیں' غالباً" انہوں نے رونق آرا کی کیفیات محسوس کرلی تھیں' یا پھر جو کچھ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھیں اس کی بنا پر برابر والی خاتون نے انہیں پاگل سمجھ لیا تھا اور پاگلوں سے بات کون کرے چنانچہ خود بھی چپکی ہو رہیں۔ رونق آرا بیگم پر وقت گزرتا رہا اب نیند بھلا آنکھوں میں کہاں تھی' احساسات دیوانہ کیے دے رہے تھے اور سوچوں میں گم تھیں پھر صبح کی روشنی پھوٹنے لگی رات بیت گئی تھی۔ یہ پتا تھا انہیں کہ مراد آباد کا اسٹیشن صبح ساڑھے پانچ بجے آئے گا اور شاید ساڑھے پانچ بج رہے تھے' یہ بھی اچھا تھا کہ برابر والی خاتون کے ساتھ کچھ مرد بھی تھے اور انہوں نے بتا دیا تھا کہ وہ مراد آباد جا رہی ہیں۔ جب مرد تیاریاں کرکے پہنچے اور برابر والی خاتون کو نیند سے جگایا گیا تو پتا چلا مراد آباد آنے ہی والا ہے۔ رونق آرا بیگم کا کلیجا منہ کو آرہا تھا' سمن آرا کے پاس جا رہی تھیں اور وہ بھی برسہا برس کے بعد اتفاق کی بات تھی کہ اس دوران کئی سال سے سمن آرا بھی سترھویں میں نہیں آئی تھیں' ورنہ کبھی کبھی مراد آباد سے سترھویں میں شریک ہونے کے لیے آتی تھیں تو رونق آرا بیگم ہی کے ہاں قیام ہوتا تھا' لیکن اب تو تقریباً" آٹھ نو سال پہلے کی بات تھی کہ سمن آرا کا آنا جانا ہی بند ہوگیا تھا' ویسے بھی کونسی سگی تھیں' اگر پاس پلے کچھ ہوتا تو زندگی گزر جاتی

ایم۔ اے راحت

پرچھائیں

پائل

ایم۔ اے راجہ

غیرت کے سوداگر

زہریلا

قیمت فی کتب ... روپے ... ڈاک خرچ ... روپے

گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور۔
فون: 7229762 — 7248599

MART TAPE

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور کچھ نہ ہوتا تو کہیں نہ کہیں ایک چھوٹا سا گھر لے کر اپنی زندگی گزر بسر کرتیں۔ سمن آرا کے کوٹھے پر ہو سکتا ہے جگہ نہ ملتی دنیا سے ہارے ہوئے لوگوں کو کون اپنے گھر میں جگہ دیتا ہے بہرحال اب تو کیفیت ہی بدل چکی تھی' کیا کریں کیا نہ کریں۔ کچھ دیر کے بعد ٹرین کی رفتار سست ہونے لگی تھی۔

رونق آرا بیگم نے خود بھی مراد آباد کے اسٹیشن کا بورڈ دیکھ لیا تھا اب روشنی اتنی ہو گئی تھی کہ بورڈ نگاہوں کے سامنے آجائے' کچھ بھی نہیں تھا ان کے پاس' خالی ہاتھ تھیں' ہوا تھا جس میں تین چار روپے پڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی خدا کا شکر تھا کہ کم از کم تانگے والے کو پیسے تو دے سکتی تھیں۔ زندگی میں ایک دو بار مراد آباد آنا ہوا تھا جس علاقے میں انہیں جانا تھا اس کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھیں۔ بہرطور پلیٹ فارم پر اتر گئیں' دل سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی' آج جس طرح مراد آباد کے اسٹیشن پر اتری تھیں' اس سے پہلے کبھی اس طرح آنا نہیں ہوا تھا۔

*

ہیرا لال پریشان تھا' احمد علی نے جو صورت حال بتائی تھی اس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ حاجی عبداللہ کا جو آدمی مراد آباد میں آیا ہے اور اس نے کاروبار سنبھالا ہے وہ خاصا ٹیڑھا آدمی ہے۔ ہیرا لال کی روزی بھی اسی طرح سے چلتی تھی' بس ہیر پھیر کرنے کا عادی تھا' بظاہر اپنی شخصیت پر غلاف ڈالا ہوا تھا' لیکن در پردہ اسی قسم کے کاموں سے بنا تھا وہ اور یہ اس کا سب سے بڑا کام تھا' ہزاروں کا ہیر پھیر تھا اور اگر اس میں کوئی گڑ بڑ ہو گئی تو ہیرا لال سوچ رہا تھا کہ لٹیا ہی ڈوب جائے گی جس طرح بھی بن بڑے کام تو سرانجام دینا ہی ہے۔ غلام جانی سے بڑی امیدیں تھیں' خاصا بڑا غنڈا تھا اگر غلام جانی نے صورت حال سنبھال لی تو ٹھیک ہے ورنہ..... سیٹھ ہیرا لال کو احمد علی کی آمد کی اطلاع ملی۔ وہ بے چینی سے احمد علی ہی کی آمد کا منتظر تھا' لیکن احمد علی کی شکل پر بارہ بجتے دیکھ کر ہیرا لال کا دل دھڑکنے لگا۔ احمد علی سر جھکائے اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"کیا ہوا احمد علی؟"

"بس یوں سمجھ لینا کباڑا ہو گیا۔"

"ہاں کیا ہوا' کچھ منہ سے بھی تو پھوٹو' کباڑا تو تمہاری شکل سے ہی ظاہر ہو رہا ہے۔"

"ہیرا لال جی مہاراج' سارے کا سارا چوپٹ ہو گیا' غلام جانی کو چت کر دیا اس نے۔"

"کس نے؟"

"فیروز نے۔"

"وہی آدمی' میرا مطلب ہے حاجی عبداللہ کا آدمی؟"

"ہاں بس یوں سمجھ لو کہ غلام جانی کے چھکے چھڑا دیے اس نے مار مار کر' بھئی بڑا بکٹ آدمی ہے' پتا نہیں کس ماں کا لال ہے'

انداز میں گردن ہلانے لگا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ان دنوں ستارہ ہی کچھ گردش میں ہے۔"

"آپ تو بہت بڑے آدمی ہیں ناصر علی صاحب کھا کمائیں گے ہاتھی لاکھ لٹے پھر بھی سوا لاکھ کا' مصیبت تو ہم لوگوں پر آتی ہے۔"

"کیا کر سکتا ہوں بھئی تم ہی نے یہ راستہ دکھایا تھا اور اب تم ہی یہ اطلاع دے رہے ہو کہ راستہ بند ہو گیا ہے خیر اللہ مالک ہے گزارہ کر لیں گے' ایسے نہ سہی کوئی اور طریقہ کار اختیار کریں گے۔"

"تو پھر ہم جائیں؟"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے' کیا کر سکتا ہوں؟"

"یاد رکھیے گا کوشش تو کریں گے کہ حالات میں بہتری پیدا ہو۔"

"میرا خیال ہے اب آپ ایسا نہ کریں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ جو ناکامی آپ کو حاصل ہوئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی منظر عام پر آجاؤں' ویسے ایک وعدہ کرتا ہوں آپ سے جب بھی ضرورت ہوئی آپ کو تکلیف ضرور دوں گا۔"

"ہم انتظار کریں گے میاں جی' بہت نمک کھایا ہے آپ کا اور آئندہ بھی کھاتے رہنا چاہتے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ دو بڑے آدمی مل کر بیٹھ جائیں اور ہم غریب پھر وہی رونا روئیں کہ غریب تھے تو مارے گئے۔"

"آپ غریب کہاں ہیں ہیرا لال جی' ہم نے تو خیر جو کچھ کیا ہے وہ الگ ہے آپ نے جو کما لیا ہے ساری زندگی بیٹھ کر کھائیں گے۔"

"میاں جی کی باتیں' ارے کہاں بال بچوں والے آدمی ہیں جو ملتا ہے کھا پی کر برابر کر لیتے ہیں' پھر بھی میاں جی ذرا خیال رکھیے گا۔"

ہیرا لال واپس چلا گیا' لیکن اب پریشانی ناصر علی کو منتقل ہو چکی تھی اور ناصر علی خاصی الجھنوں کا شکار تھے۔

☆

حکیم سرفراز حسین بظاہر نرم اور معتدل آدمی تھے لیکن ان کی فطرت میں بھی ضد بے پناہ تھی' رضوانہ نے سرکشی کی تھی اور حکیم صاحب نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا' اب یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہ رضوانہ کو کسی قسم کی رعایت دے دیتے' لیکن رضوانہ بھی آخر انہی کی اولاد تھی اور پھر یہ معاملہ بھی اتنا مختلف تھا کہ رضوانہ اس سلسلے میں باپ کا حکم نہیں مان سکتی تھی' زندگی بھر کا معاملہ تھا۔ جو زخم اس کے سینے پر تھا اسے نہ حکیم سرفراز حسین دیکھ سکتے تھے اور نہ کوئی اور اس زخم کو اس انداز میں دیکھ سکتا تھا جس انداز میں رضوانہ اس کی کسک محسوس کر

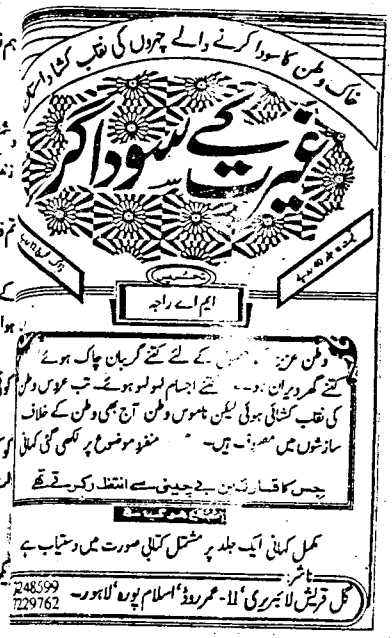

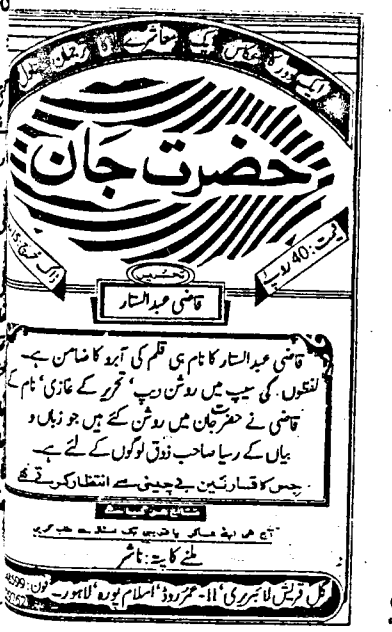
حضرت جان
قاضی عبدالستار
قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔
قاضی نے حضرت جان میں روشن کیے ہیں جو زبان و
بیان کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
ملنے کا پتہ: ناشر
کل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔

ہم تو خود بھی دل سے قائل ہو گئے۔"

"احمد علی دشمن کے گن گا رہے ہو۔"

"ہاں چھوڑو ہیرا لال جی کہاں کی باتیں کر رہے ہو' اگر روشنی کا شوق ہے تو خود بھی ذرا اس سے دو چار ہاتھ کر کے دیکھ لو زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

"عجیب آدمی ہو احمد علی' میرا تو خیر نقصان ہو ہی رہا ہے' کیا تم فائدے میں رہو گے؟"

"اب فائدہ نقصان تو الگ چیز ہیں' پہلی بات تو یہ ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا میں یا تم' وہ اپنا غلام جانی تو بھیگی ہوا چاہا بن گیا اس کے سامنے اور پھر وہ ہے بھی ایسا ہی آدمی۔"

"فع ہو جاؤ یہاں سے' ہے بھی ایسا ہی آدمی' میں کہتا ہوں کوئی کام کی بات ہو سکتی ہے یا نہیں۔"

"اب کچھ نہیں ہو سکتی مہاراج' جائیں اور بتا دیں ناصر علی کو کہ بوریا بستر باندھ لیں' سیدھے سیدھے کام کریں اب کوئی الٹ پھیر نہیں چل سکتی۔"

"ہوں گویا کوئی امید نہیں ہے۔"

"میاں امید کی بات کر رہے ہیں آپ پنڈت جی' اب آگے کچھ ہوتا ہے کیا؟"

"تم نے کیا سوچا اپنے لیے؟"

"اللہ مالک ہے' کہیں نہ کہیں سے دال روٹی چلا تو دے گا ہی۔"

"کہیں خود بھی تو اس سے نہیں مل گئے؟"

"ہاں ملے ہوئے تو ہم ہیں' نوکری کرتے ہیں وہاں' جو اب کی اب کیا نوکری رہے گی ہماری' سارے کھیل تو کھیل لیے ہم نے' مگر اس لونڈے نے ہم سب کو پٹوں میں ہاتھ دے کر دے مارا۔"

"اچھا بس ٹھیک ہے احمد علی صاحب آپ جائیے میں ناصر علی سے بات کرتا ہوں۔"

ہیرا لال خود بھی بہت پریشان ہو گیا تھا' گھر سے نکلا اور ناصر علی کی جانب چل پڑا۔ ناصر علی بھی صورت حال جاننے کا متمنی تھا' بہت بڑا کاروبار سنبھالا ہوا تھا اس نے' بہرحال خود تو بڑا آدمی تھا لیکن کاروباری معاملات میں اس اصول کا قائل تھا کہ مشاورت اور کاروبار میں سب کچھ جائز ہے۔ جہاں سے بھی برتری حاصل ہو سکے حاصل کی جائے' ٹھیک ٹھاک کام چل رہا تھا اور حاجی عبداللہ کو اس نے خاصا نقصان پہنچا دیا تھا۔ ہیرا لال نے ناصر علی کو ساری صورت حال بتائی اور ناصر علی بھی پریشان ہو گیا۔

"اب کیا ہو گا ہیرا لال؟"

"بظاہر تو یوں لگتا ہے میاں جی جیسے کوئی موقع واقعی نہیں لگا رہا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔" ناصر علی پر خیال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی' چنانچہ اس نے تیاریاں کیں سب ہی نے سمجھایا' سب ہی نے بہت کچھ کہا' لیکن رضوانہ کے پاس ایک اتنا ٹھوس جواز موجود تھا کہ کہنے والے خود ہی شرما جاتے تھے۔ اس نے سب ہی کو ایک جواب دیا تھا' اس نے کہا تھا کہ اپنا مستقبل سنوارنے جارہی ہوں کسی کے ساتھ گھر سے نہیں بھاگ رہی' کسی سے عشق کرکے ماں باپ کا منہ کالا نہیں کر رہی۔ ایک مقصد ہے میرے سامنے اور ہر بالغ لڑکی کو اس مقصد کو نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہیے۔ یہاں آکر سب خاموش ہو جاتے تھے' حکیم سرفراز حسین سے بھی اس موضوع پر گفتگو کی گئی اور رضوانہ کے خیالات کا اظہار کیا تو وہ کرب سے بولے۔

"کون بدبخت نہیں چاہتا کہ بیٹی کا گھر آباد ہو لیکن جو صورت حال ہے اگر اس پر غور کرتا ہوں تو کلیجا کٹنے لگتا ہے' بھلا ہمارا کیا قصور ہے؟"

"یہاں قصور کی بات نہیں ہے حکیم صاحب' بلکہ بچی کے مستقبل کا معاملہ ہے' اس میں کوئی ننگ نہیں کہ آپ نے اس کی زندگی کے لیے ایک منصوبہ بنا لیا ہے اور اس منصوبے کے تحت وہ اپنی عمر بہ آسانی گزار سکتی ہے لیکن حکیم صاحب انسانی فطرت کو کیوں نظرانداز کرتے ہیں' کل آپ کی آنکھ بند ہو جائے گی تو کون کہہ سکتا ہے کہ رضوانہ کے اردگرد حالات کیا شکل اختیار کر جائیں؟"

"سب کچھ ٹھیک ہے لیکن کوئی عقل کی بات بھی ہو' کوئی بات سمجھ میں بھی آئے۔"

"اگر آپ یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ رضوانہ خود اپنے مسئلے کے حل کے لیے نکلے تو پھر آپ خود چلے جایئے اور اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کیجیے۔"

حکیم سرفراز حسین نے حتمی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا۔"

"تو پھر کیا بیٹی کو تنہا ہی بھیج دیں گے؟"

"اس سلسلے میں اسے جو امداد چاہیے دے دی جائے میرا خیال ہے رحمن میاں کو اس کے ساتھ کر دیا جائے۔ اگر وہ قبول کرے۔"

رحمن میاں ایک غیر متنازعہ شخصیت تھے' اس گھر کے پرانے وفادار ملازم لیکن سب ہی ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ سمجھدار اور زیرک آدمی تھے' اس عزت کے باوجود اپنے آپ کو ہمیشہ ملازم ہی سمجھا اور مرچ مصنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ اس بات کا احترام ہر دل میں تھا۔ رضوانہ کے سامنے جب رحمن میاں کا نام آیا تو اس نے بخوشی گردن ہلا دی۔

"ہاں مجھے کسی سہارے کی ضرورت ہے کیونکہ زندگی میں کبھی تنہا گھر سے باہر قدم نہیں نکالا لیکن اب یہ ہمت کی ہے' رحمن میاں اگر پسند کریں تو میرے ساتھ چلیں لیکن انہیں جائے کہ انہیں کہاں جانا ہے۔"

رحمن میاں خلوص دل سے تیار ہو گئے تھے بلکہ ایک لحاظ سے وہ رضوانہ کے مؤقف کے قائل بھی تھے چنانچہ یہ طے ہوا کہ روانہ ہو گیا اور رضوانہ نے آگرے سے دہلی کے لیے رخت باندھا۔ ریل پر سوار ہوتے ہوئے اس نے اپنے ہمدردوں اور کہا۔

"میرے لیے دعا کی جائے۔" پھر وہ ریل کے زنانہ ڈ جا بیٹھی۔ رحمن میاں نے اسے بتا دیا تھا کہ ہر ایسے اسٹ جہاں ریل کچھ زیادہ وقت رکے گی وہ آکر اس سے خیر کریں گے۔ بہرحال رحمن میاں پہلے بھی کئی بار حکیم حسین کے کام سے دہلی آچکے تھے اور یہاں ان کے کچھ ذا بھی تھے جو انہی کی حیثیت کے لوگ تھے اس طرح رض تھوڑا سا تحفظ مل گیا۔ اگر رحمن میاں بھی ساتھ نہ آتے کہا جا سکتا تھا کہ دہلی جیسے بڑے شہر میں اس پر کیا گزر راستوں سے ناواقف تھی' لیکن اب اس کے دل کو ہو ہو گئی تھی۔ دوران سفر وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ انسان مسئلے پر خلوص دل سے قدم اٹھائے تو راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذہن میں ناظم خاں کا تصور تھا بس ایک جھلک دیکھی تھی ناظم خاں صاحب کی اور جھلک اس کے جاں میں بسی ہوئی تھی' یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں یہ ایک المیے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ خود ناظم خاں نے رضوانہ حد تک دیکھا تھا یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا۔ بہرطور ریل جاری رہا' رحمن میاں دو تین اسٹیشنوں پر اس کے پاس پوچھنے آئے۔ آگرے سے دہلی تک کا سفر اتنا بہت طویل تھا۔ الغرض دہلی کا اسٹیشن آگیا اور رحمن میاں نے رضوانہ کو ریل سے اتار لیا اور اس کے بعد ایک تانگے کر حوض قاضی چل پڑے۔ ان کا شناسا عبدالرفیق حوض ہی رہتا تھا۔ ایک چھوٹا موٹا کارخانے دار تھا' بیوی بچے رحمن میاں کا دور کا رشتے دار بھی تھا' لیکن رحمن میاں آگرے سے یہاں آتے اسی کے ہاں قیام کرتے' سوغا اور اس طرح یہ دوستی اچھی خاصی گہری تھی۔ تانگا حو پہنچ گیا اور عبدالرفیق کی بیوی زلیخا نے رحمن میاں کا رضوانہ کو دیکھ کر محبت سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو رحمن بتا دیا کہ آقا زادی ہیں۔ بڑے احترام سے رضوانہ کو ایک میں ٹھہرایا گیا اور رضوانہ ان لوگوں کی بہت ممنون ہوئی عبدالرفیق واپس آیا تو دونوں دوست گلے ملے۔ عبدال رحمن کے ساتھ اس کی آقا زادی کی آمد کے بارے میں تو رحمن نے کہا۔

"میاں رفیق بات سینہ راز میں رکھنے کی ہے۔"

چاہتا کہ زلیخا بہن کو اس بارے میں تم کچھ بتاؤ' بات یوں ہے کہ عورتیں زیادہ متجسس ہوتی ہیں' رضوانہ سے سوالات کریں گی زلیخا بہن اور رضوانہ سوچے گی کہ میری رسوائی کا سامان کیا گیا

"کیا واقعہ کیا ہے؟"

"واقعہ تو شاید تفصیل سے میں تمہیں بھی نہ بتا سکوں بس سمجھ لو کہ رضوانہ کو نئی چاوڑی تک لے جانا ہے۔"

"کیا؟" عبدالرفیق کا جملہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں۔"

"اماں رحمن میاں' کیا کہہ رہے ہو' نئی چاوڑی کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہو یا نہیں؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"وہاں طوائفیں رہتی ہیں عزیزی' کس نے بھٹکا دیا ہے؟"

"معلوم ہے رفیق میاں۔"

"تو پھر یہ اپنی آقا زادی کو طوائفوں کے محلے میں کیوں لے جا رہے ہو؟"

"طوائفوں کے محلے میں ایک صاحب رہتے ہیں ان سے ملنا ہے۔"

"عجیب مسئلہ ہے' دماغ الجھا کے رکھ دیا ہے خراب یہ تمہارا معاملہ ہے تم جانو اور تمہارا کام' کب جانا ہے وہاں؟"

"میرا خیال ہے کل دن کا وقت بہتر رہے گا' ویسے عبدالرفیق میاں مجھے کچھ معلومات بھی درکار ہیں وہاں کے سلسلے میں۔"

"میاں قسم اللہ کی' ہوش وحواس کے عالم میں نئی چاوڑی کے سامنے سے بھی نہیں گزرے' کبھی جھونک میں نکل گئے ہوں گئے ہوں اور پھر اس گلی میں داخلہ! اماں جتنے سالے ہیں ہمارے' سالوں نے دیکھ لیا تو الٹا دیں گے ہم سے کم از کم نئی چاوڑی کے بارے میں گفتگو نہ کرنا۔" رحمن میاں ہنسنے لگے پھر بولے۔

"چلو ٹھیک ہے ہم تمہاری عزت پر حرف نہ آنے دیں گے یہ سوچ رہے ہیں کہ پہلے جا کے کچھ معلومات حاصل کر لیں یا پھر براہ راست ہی چلے جائیں۔"

"اب ہم اس سلسلے میں کیا مشورہ دے سکتے ہیں' کوئی بات اگر علم میں ہوتی تو کہتے؟" عبدالرفیق نے ایک جائز بات کہی بہرحال رحمن میاں اس سارے کام کو اپنی ذمے داری سمجھ رہے تھے۔ رضوانہ سے بات ہوئی تو رضوانہ نے کہا۔

"نہیں رحمن میاں آپ پریشان نہ ہوں' میں خود جاکر معلومات حاصل کر لوں گی۔"

"دیکھو رضوانہ بیٹا ہم تمہیں کوئی حکم نہیں دے سکتے اس حیثیت کے آدمی نہیں ہیں ہم' لیکن جب ہم ساتھ آئے تو تھوڑا سا ہم سے بھی تعاون کر لو۔"

"کیوں نہیں رحمن میاں' مگر مجھے بتایئے کیا کروں میں؟"

"بس تھوڑا سا انتظار کر لو صرف اتنا معلوم کر آتے ہیں ہم کہ یہاں نئی چاوڑی میں ناظم خاں نامی کوئی صاحب رہتے ہیں یا نہیں اور رہتے ہیں تو کس جگہ رہتے ہیں' وقت ملاقات کیا ہے بس یہ ساری باتیں معلوم کر لیں اس کے بعد تم جس طرح مناسب سمجھو کرنا' پھر ہم تمہاری راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔"

"ٹھیک ہے آپ یہ کر لیں۔" رضوانہ نے کہا۔

الغرض رحمن میاں نئی چاوڑی پہنچ گئے' بھلا ناظم خاں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کونسا مشکل کام تھا' پہلے ہی شخص سے پوچھا تو اس نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"نواب ناظم خاں صاحب' وہ ہے نا سامنے ان کا احاطہ۔"

"کس وقت ہوتے ہیں احاطے میں؟"

"میاں ہر وقت ہی ہوتے ہیں' اس وقت بھی موجود ہوں گے' بس کبھی کبھی ہی نکلتے ہیں وہ دیکھو وہ اس جگہ پیڑ کے نیچے ان کی فٹن کھڑی ہوئی ہے اور بس اسی فٹن کے ذریعے ہی پتا چل جاتا ہے کہ وہ موجود ہیں یا نہیں' جب نکلتے ہیں تو فٹن میں نکلتے ہیں۔"

رحمن میاں نے ٹھنڈی سانس لی' بہرطور معلومات حاصل ہو گئی تھیں واپس چل پڑے۔ ناظم خاں سے خود ملاقات کی کبھی جرأت نہیں کر سکتے تھے' معاملہ ہی بالکل مختلف تھا' ویسے ناظم خاں کے شناسا تھے' چہرہ دیکھ چکے تھے لیکن پھر بھی ان کے سامنے جانا رحمن میاں کے لیے مناسب نہیں تھا' چنانچہ معلومات کرنے کے بعد واپس چل پڑے اور پھر اسی دوپہر رضوانہ' رحمن میاں کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر نئی چاوڑی روانہ ہو گئی۔ دل کی دھڑکنیں نجانے کیا کیا کہانیاں سنا رہی تھیں' طبیعت پر ہول سوار تھا۔ جو قدم اٹھانے جارہی تھی وہ بے حد خوفناک تھا لیکن یہ خطرہ مول لے کر تو آگرے سے چلی تھی' اب ان لمحات میں بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

رونق آرا بیگم بالآخر سمن آرا کے گھر پہنچ گئیں۔ صبح صبح کا وقت تھا' راتوں کو جاگنے والے بھلا صبح کو جلدی کہاں جاگ سکتے تھے' ایک ویرانہ نظر آرہا تھا پورے علاقے میں۔ تانگے والے کو چاندی کا ایک روپیہ دے کر رونق آرا بیگم ان سیڑھیوں کو عبور کرنے لگیں' گھر کے نوکر چاکر تو بہرحال جاگے ہی تھے ان کی ذمے داریاں مالکوں کی ذمے داریوں سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ رونق آرا بیگم کے شناسا بھی تھے۔ جب رونق آرا بیگم دروازے پر پہنچیں اور دروازہ کھلا تو سب سے پہلے نصیبو ابا نظر آئی۔ یہ بہت پرانی ملازمہ تھی سمن آرا بیگم کی اور اسے علم تھا کہ رونق آرا سمن آرا کی بہن ہیں۔ سلام دعا ہوئی' بڑے احترام سے انہیں اندر لے گئی۔ رونق آرا بیگم نے سمن آرا کے بارے میں پوچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور سمن آرا کے کمرے کی جانب چل پڑیں۔ سمن آرا گہری نیند سو رہی تھیں لیکن جاگنے پر بہن کو دیکھا تو خوشدلی سے کھڑی ہو گئیں' بڑے پیار سے گلے لگیں' حیرت کا مظاہرہ کیا گیا' ملازموں کو حکم دیا گیا کہ لڑکیوں کو جگا دیں۔ کوٹھے پر تو لڑکیاں ہی سب سے بڑی حیثیت کی مالک ہوتی ہیں' چنانچہ سمن آرا کی بیٹیاں بھی ہنستی مسکراتی منہ پر چلو بھر پانی ڈال کر آگئیں اور رونق آرا کے گرد جمگھٹا لگ گیا' سب خالہ خالہ کہہ کر جان نچھاور کر رہی تھیں' لیکن خالہ کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ سمن آرا نے پوچھا۔

"ارے رونق آرا یہ بغیر کسی خیر خبر کے اچانک ہی یہاں پہنچ گئیں اور طلیہ بھی کچھ عجیب سا ہی ہو رہا ہے خیر تو ہے۔"

"بتا دوں گی سمن آرا جب خیر ہوتی ہے تو لوگ اس طرح کسی کے گھر نہیں آتے جاتے۔"

"اے ہو دل مت ہولاؤ کیا بات ہے' اللہ رکھے بچیاں تو خیر سے ہیں' سب ٹھیک تو ہیں؟"

"ہاں سب ٹھیک ہیں۔"

"خیر پوچھوں گی تم سے بعد میں' چلو نہا دھو لو' میں ناشتا لگواتی ہوں۔"

بڑی آؤ بھگت ہو رہی تھی رونق آرا بیگم کی' دوپہر ہو گئی' دوپہر کے کھانے پر تفصیلی بات چیت ہوئی چونکہ اس کے بعد مصروفیات کا دور شروع ہو جاتا تھا اور جو کاروبار سے مخلص نہ ہو وہ کسی سے مخلص نہیں ہو سکتا۔ سمن آرا کھانے کے بعد رونق آرا کو لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گئیں۔

"ہاں اب ہوں گی ذرا قاعدے کی باتیں ویسے سچ کہوں رونق آرا دل دھڑکا دیا ہے تم نے میرا' اس طرح تمہارا آنا' کیا لڑکیوں سے کوئی کھٹ پٹ ہو گئی' گھر سے ناراض ہو کر بگڑ کر چلی آئی ہو' یہی لگتا ہے چہرہ بھی یہی بتاتا ہے اے رونق کا تو نام نہیں ہے۔"

"ہاں سمن آرا رونق آرا کی رونقیں لٹ گئی ہیں۔"

"ہوا کیا کچھ بولو گی بھی' میں غیر ہوں کوئی' مجھے نہیں بتاؤ گی؟"

"بات بہت پرانی چل رہی ہے' مہ جبیں کے بارے میں تو شاید تمہیں کچھ معلوم ہو۔"

"نہیں بس اتنا پتا تھا کہ خیر سے بال بچہ ہونے والا تھا اس کے ہاں۔ تم نے ایک دفعہ خط میں لکھا تھا پھر کچھ پتا ہی نہیں چلا' اے بس یہ پیٹ ایسی کمبخت چیز ہے کہ انسان رشتے ناتوں کو بھول کر ایسا اس کے چکر میں پڑا رہتا ہے کہ بس اللہ ہی بھلی کرے۔ کیا بتایا جائے' کوئی خیر خبر ہی نہیں ملی تھی اس کے بعد۔"

"ہاں مہ جبیں کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تھی۔"

"تھی' اللہ خیر کرے' کیا مطلب؟"

"نہیں' ہے' لیکن مہ جبیں غلط داستوں پر جا نکلی تھی۔"

"غلط راستے؟"

"ہاں' عشق کا بھوت تو اس پر بہت پہلے سے سوار تھا کہ لیے ترستی رہتی تھی لیکن بعد میں خدا غارت کرے نا کو' ناظم خاں کے آنے کے بعد یہ ہوا کچھ زیادہ ہی تیز چل تفصیل سے کیا بتاؤں تمہیں' مہ جبیں گھر چھوڑ کر نکل گئی۔"

"نکل گئی کیا مطلب؟"

"گھر چھوڑ گئی وہ اور اب لاپتا ہے' ہر جتن کر لیا لگانے کے لیے لیکن کوئی خیر خبر نہیں مل سکی۔"

"الٰہی خیر' کہاں چلی گئی بچی' کسی کے گھر میں تو نہیں ارے یہ کمبخت مردوئے بڑے بڑے سبز باغ دکھاتے ہیں کے بعد دھتکار کر نکال دیتے ہیں۔"

"اللہ ہی جانے سمن آرا کچھ پتا نہیں چلا اور پھر خر دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑنے لگا' دو تین لڑکیاں آہستہ آ گئیں۔ کہنے لگیں بسن نے گھر چھوڑ کر کہیں گھر بسا لیا ہے گھر بسائیں گے' بس سمن آرا پہلے کمبخت ممتاز گئی اور بعد دلشاد کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔"

"کہاں؟"

"شادی کرلی ممتاز نے دلی کے ایک رئیس زادے پھر عدالت سے خود مختاری دلوا کر دلشاد کو بھی اپنے پاس

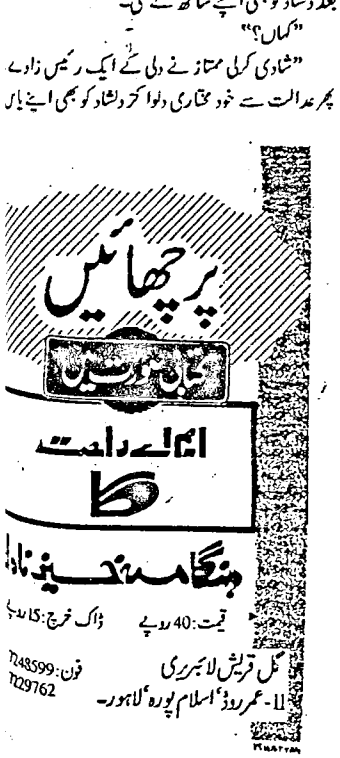

کریں تو اللہ کچھ زبان نہیں کھل سکتی اس بارے میں۔"

رونق آرا بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو سمن آ نے تڑپ کر کہا۔

"نہیں رونق آرا میں جو ہوں' یہ بچیاں تمہاری ہی ہیں گھر تمہارا ہی ہے پریشانی کی کیا بات ہے' یہاں رہو ٹھیک ہے گئیں جانے دو' ارے تمہارے لیے کیا کمی ہے یہاں اور پھر گھ بار بیچا ہو گا' زندگی بھر کماتی رہی ہو جمع جتھا کیا ہو گا وہ موجود ہے وہ بھی لے گئیں؟"

"نہیں' کچھ بھی موجود نہیں ہے۔"

"اے میرے مولا تو کیا فلاش کر گئیں تمہیں؟"

"فلاش انہوں نے نہیں کیا۔ فلاش تقدیر نے کیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا' کوٹھا تو تم نے اپنے ہاتھوں ہی بیچا ہو گا؟"

"ہاں بہت بڑی رقم ملی تھی اس کی اور بھی بہت کچھ میرے پاس' اتنا کہ میری زندگی کے لیے کافی ہوتا لیکن اب بھی نہ رہا۔"

"کیوں؟"

"ابھی تمہارے پاس آ رہی تھی ایک استاد جی ساتھ نیاز خاں کو تو تم جانتی ہی ہو گی' کمبخت سب کچھ لے کر کر اسٹیشن پر اتر گیا۔ سب کچھ لے گیا میرا سمن آرا بیگم' ہائے بالکل ہی فلاش ہو گئی۔" رونق آرا بیگم اپنی سسکیوں پر قابو نہ سکیں اور پھر بہت دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہیں۔ سمن آ عجیب سی نگاہوں سے رونق آرا کو دیکھ رہی تھیں۔ رونق آرا سسکیاں بہت دیر تک جاری رہیں پھر خود ہی آہستہ آہستہ ان رونا بند ہو گیا۔ سمن آرا مسلسل خاموش بیٹھی ہوئی تھیں ا کے بعد سے انہوں نے تسلی کا ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ ب دیر کے بعد وہ بولیں۔

"تو کیا پولیس میں رپٹ نہیں لکھواؤ گی؟"

"ارے سمن آرا کیا لکھواؤں گی رپٹ پولیس میں' کچھ اس سے' سب کچھ ہی تو برباد ہو گیا' ہزاروں روپیں لکھائی پولیس میں' لیکن کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں ہے میری بہن کسی کو پوچھنے والا نہیں ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے رونق آرا بیگم' اس میں تو کوئی شک ہے' انسان اپنے ہی بل پر جی سکتا ہے' ارے کوئی دو دن مہ رکھ لے گا چار دن مہمان رکھ لے گا اس کے بعد تو اپنا ہی کھانا ہوتا ہے اور اب تو تمہاری کوئی حیثیت ہی نہیں ر رونق آرا بیگم کیسے زندگی گزارو گی' کیا ہو گا اس زندگی آرا کا لہجہ اور الفاظ بدل گئے تھے۔ رونق آرا بالکل نہیں تھیں جو بسن کے بدلے ہوئے رویے کو بھی سمجھ باتیں۔ دکھ بھری نگاہوں سے سمن آرا

گئی۔"

"اے ہے خدا کی نیکی' تمہارا تو گھر اجڑ گیا رونق آرا بیگم۔"

"ہاں سمن آرا میرا گھر اجڑ گیا۔"

"پھر کچھ کر نہیں سکیں تم اس بارے میں' بڑے جاننے والے ہیں تمہارے تو بہت بڑے بڑے لوگ ہیں اور پھر دلی جیسی جگہ رہتی ہو۔"

"کچھ نہیں کر سکی' بس میرے پر کالک لگنی تھی سو لگ گئی' تقدیر تاریک ہونی تھی تو ہو گئی کچھ بھی نہیں کر سکی اور جب کچھ نہیں کر سکی تو پھر میں کوٹھا بیچ باچ کر یہاں چل پڑی اب تنہا جان کہاں تھمیتی رہتی وہاں کوٹھے پر۔"

"ہوں کوٹھا بیچ دیا؟"

"ہاں' تم بتاؤ کیا کرتی وہاں تنہائی میں؟"

"اے ٹھیک ہے بہت اچھا کیا مگر لڑکیوں نے دغا دیا' یہ تو ایک نئی ہی مثال قائم ہوئی۔ رونق آرا بیگم برا مت ماننا تمہاری تربیت میں ہی کچھ کمی رہ گئی ہو گی۔"

"ہاں اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے ایسی ہی بات ہو گی۔"

"بڑا افسوس ہوا اور لڑکیاں اپنی ہیں' کوس بھی تو نہیں سکتے مگر انہیں ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا' تمہارا تو بڑھاپا خوار کر دیا' اے پوری زندگی خدمت کرو بچوں کی اور بچے اگر ایسا سلوک

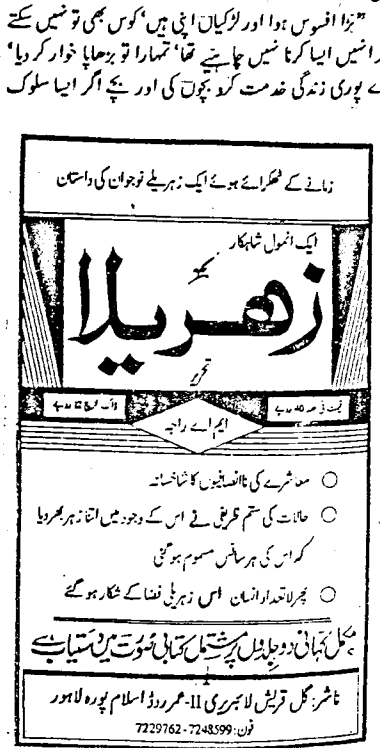
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راحت
○ معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
○ حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
○ پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

http://www.pdfbooksfree.pk

"ہاں سمن آرا بیگم ٹھیک کہتی ہو۔ دل کی دنیا میں چلتی ہے
بل پر جینا پڑتا ہے۔"

"اب دیکھو نا انسان کے حالات کیسے ہوتے ہیں' پیٹ بھرنا مشکل ہوتا ہے۔ اپنی ہی گزر بسر کرلے انسان تو بہت بڑی بات ہے۔ خیر کوئی بات نہیں' ہفتہ پندرہ دن یہاں رہو اس کے بعد دیکھ لینا سوچ لینا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ زندگی کیسے گزارنی ہے۔ اب اتنی بھی گئی گزری نہیں ہوں کہ ہفتے پندرہ دن تمہاری مہمان داری نہ کر سکوں' اچھا اب تم یوں کرو کہ آرام کرو' دوپہر کے کھانے کے بعد سونے کی عادی تو ہوگی۔ میں تو سوتی ہوں۔ چلتی ہوں۔" سمن آرا بیگم اٹھ گئیں اور رونق آرا بیگم ترسی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہیں۔ بس نے یہ نہ جان کر کہ رونق آرا بیگم کے پاس اب کچھ نہیں ہے' جس تپاک سے استقبال کیا تھا وہ سب صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ صاف صاف سنا گئی تھیں کہ ہفتے پندرہ دن سے زیادہ نہیں رکھ سکتیں اس کے بعد..... اس کے بعد کیا ہوگا۔ ایک تاریک مستقبل رونق آرا بیگم کے سامنے منہ پھاڑے کھڑا ہوا تھا اور اب کوئی راستہ نگاہوں کے سامنے نہیں تھا۔

فاخر علی واپس مراد آباد پہنچ گئے' جو کچھ کر کے آئے تھے اس سے بڑے دل برداشتہ تھے۔ ناصر علی تو پہلے ہی انہیں منع کرتا رہا تھا کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ ہو چکا ہے اسے کیوں دہرا رہے ہیں لیکن فاخر علی اپنے مؤقف پر اٹل تھے۔ ہاں اس کے نتیجے میں جو کچھ انہیں ملا تھا وہ بڑا افسوسناک تھا اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ کس طرح آسمان پر تھوکا منہ پر آتا ہے۔ ناظم خاں سے بھی مل لیے تھے اور حکیم سرفراز حسین سے بھی۔ حکیم سرفراز حسین نے تو خیر جو کچھ بھی کیا تھا وہ قابل برداشت تھا لیکن ناظم خاں نے جو دل پر زخم لگایا تھا وہ اتنا شدید تھا کہ فاخر علی خاں تڑپتے ہوئے پہنچے تھے۔ ناصر نے بتایا کہ عامر جرمنی گیا ہوا ہے اور شاید آج یا کل تک واپس پہنچ جائے۔ شاہ رخ اس کے ساتھ آرہا ہے پھر ناصر علی نے فاخر علی خاں سے ان کے دورے کے بارے میں پوچھا تو فاخر علی خاں آہستہ سے بولے۔

"ہاں' کچھ کامیابیاں ہوئی ہیں اور کچھ ناکامیاں بس میاں دیکھیں اللہ کو کیا منظور ہے۔"

"بھائی جان آپ میرے لیے جو کچھ ہیں اسے دہرانا میرا خیال ہے تصنع ہوگا' آپ کو خود اندازہ ہے۔ اصل میں آپ کی ان مشکلات سے میرا دل روتا ہے آپ کیوں اپنے لیے یہ الجھنیں مول رہے ہیں۔ جو گزر گیا وہ کل تھا اسے اب جانے دیجئے۔"

"ہاں ناصر میاں۔ جانے ہی دیں گے۔ دل چاہتا تھا کہ کچھ کرلیں لیکن..... لیکن....." فاخر علی ابھی ناصر میاں کو کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کسی طرح کوثر جہاں سے

Marfat.com

خیر ہر بات پر اختلاف ہی کریں گے' ہو سکتا ہے کوثر جہاں بھائی سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائیں' لیکن پھر یہ احساس بھی دامن گیر تھا کہ نتیجے میں جو کچھ ہوگا وہ بڑا اذیتناک ہوگا۔ اگر واقعی یہ سب کچھ درست ہے تو پھر کیا کریں گے سوائے اس کے کہ شرمندگی سے زمین دیکھیں لیکن اگر کا تصور تو اب ختم ہو گیا تھا' ہر جگہ سے تصدیق ہو چکی تھی اور یہ پتہ چل چکا تھا کہ ناظم خاں نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل درست ہے سب کچھ ہی صاف صاف کھل کر سامنے آگیا تھا۔ دل میں ایک ٹیس بھی اٹھتی تھی کبھی کبھی' اگر واقعی شاہ رخ نے اس طرح کوئی قدم اٹھالیا ہے اور اس کی یہ دیوانگی اس خاموشی کا نتیجہ ہے تو بھائی کو اس عمر بھر کی اذیت میں کیوں گرفتار کریں اس سے کھل کر کہیں کہ اپنی مشکل کو ٹالنے کے لیے جو کچھ بھی کرنا چاہے کرے۔ جب برداشت ہی کرنے کی بات ہے تو پھر سب کچھ برداشت کیوں نہ کیا جائے' بہرحال خاموشی ہی اختیار کیے رکھی ابھی سوچ کے دائروں کو وسعت دینا تھی' ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات ذہن میں آجائے۔

پھر شاہ رخ آگیا' بہت اچھی صحت ہو رہی تھی اتنا ہی حسین تھا جتنا کبھی پہلے اس گھرانے میں ہی نہیں بلکہ اس پورے خاندان میں اس سے زیادہ دلکش کوئی نوجوان نہیں تھا۔ نظر لگ گئی تھی کسی کی۔ دیکھنے والے اسے شہزادہ کہتے تھے لیکن شہزادہ ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ تاہم یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی حالت بہت بہتر ہو' صاف ستھرے لباس میں ملبوس شخصیت نکھر اور نکھر آئی تھی۔ صحت بھی اچھی تھی۔ فاخر علی کو سلام کیا فاخر علی نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور شاہ رخ گلے لگ گیا۔

فاخر علی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ایک طویل دو گزر چکا تھا شاہ رخ سے جدا ہوئے۔ بہت دیر تک شاہ رخ لپٹائے رہے اور پھر بھاری لہجے میں بولے۔

"کیسے ہو شاہ رخ؟"

"ٹھیک ہوں بھائی جان۔ آپ کے سامنے ہوں دیکھ لیں کتنی اچھی صحت ہو رہی ہے؟"

"دل لگ گیا تھا وہاں جرمنی میں۔" فاخر علی خاں نے پو اور شاہ رخ مسکرا دیا۔

"دل۔ شاید لگ ہی گیا تھا۔"

"وطن واپس آنے کو جی نہیں چاہتا تھا؟"

"دل۔ جی۔ میرا خیال ہے بھائی جان میں ان منزلوں گزر چکا ہوں۔"

"ہوں' چلو لباس وغیرہ تبدیل کرو۔ اب تم واپس نہیں گے۔ چلو سب لوگ آرام سے بیٹھو' تفصیل سے بات ہوگی عامر وغیرہ بھی لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔ شاہ رخ کافی بعد تیار ہو کر کرتے پائجامے میں ملبوس وہاں پہنچا۔ تما

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگئے تھے اور اس کی آمد سے بڑی خوشگوار فضا پیدا ہوگئی تھی۔ فاخر علی چور نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کو بہت زیادہ تسلی ہورہی تھی کہ شاہ رخ کی حالت کافی بہتر ہے۔ جب یہاں سے گیا تو منتشر تھا لیکن اب اس کی باتوں میں کافی ٹھہراؤ محسوس ہوتا تھا۔ عامر علی نے بھی اس کی تصدیق کی۔ شاہ رخ ہنس دیا۔ فاخر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ جرمنی میں تو تم نے کافی شناسائیاں پیدا کرلی ہوں گی؟"

"ہاں بھائی جان خیر شناسائیاں جیسے شناسائی بہرطور بہتر رہتی ہے۔"

"طبیعت کیسی ہے تمہاری۔ ٹھیک رہتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے غم
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں"

شاہ رخ نے جواب دیا اور فاخر علی کا دل ڈوبنے لگا پھر وہ بولے۔

"بیٹے تم تو دنیا کے خوش قسمت ترین لوگوں میں سے ہو' کوئی مشکل نہیں ہے تمہیں اور اگر انسان کی زندگی میں کچھ مشکلیں ہوتی ہیں تو ان کا حل بھی موجود ہوتا ہے۔ تمہاری زندگی میں اگر کوئی مشکل ہے تو اپنوں پر بھروسا کیا ہوتا۔ سب ہی تمہارے اپنے ہیں بھلا کوئی کسی مشکل میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیتا ایسا تو ممکن ہی نہیں تھا۔"

"شاید۔" شاہ رخ نے جواب دیا۔ فاخر علی خاں تنہائی میں شاہ رخ کو ٹٹولنا چاہتے تھے اور جلد بازی سے گریز کررہے تھے بہرحال ایک انوکھی فضا ہوگئی تھی شاہ رخ کی واپسی سے۔ زندگی میں روانی پیدا ہوگئی تھی لیکن فاخر علی کے دل میں جو کچھ تھا وہ ابھی تک باہر نہیں آسکا تھا۔

کئی دن گزر گئے' حالات معمول پر آگئے۔ ناصر علی نے بھائیوں کو بتایا کہ صورت حال ایک خراب رخ اختیار کرگئی ہے۔ تفصیل پوچھنے پر ناصر علی نے کہا۔

"اصل میں غور کیا جائے تو بات بے ایمانی کی ہے۔ کاروبار میں بے شک ہر حربہ جائز ہوتا ہے' لیکن ہم نے حاجی عبداللہ کو بالکل ہی زمین بوس کردیا تھا۔ سوچتے تو ضرور ہوں گے کہ کچھ ہونا چاہیے اور بالآخر انہوں نے ایک حل نکال ہی لیا۔"

"حل....." عامر نے پوچھا۔

"ہاں عامر میاں۔ ایک شخص ہے فیروز نام کا کانپور سے یہاں آیا ہے اور یہاں آکر اس نے حاجی عبداللہ کا کاروبار سنبھال لیا ہے' سنا ہے بہت زیرک اور خطرناک آدمی ہے۔ اصل بھٹکے ہوئے ہم ہی تھے ہم نے کاروبار کے لیے غلط طریقہ کار کرلیا تھا۔ حاجی عبداللہ کو بے شمار نقصانات پہنچ رہے تھے ہماری وجہ سے' بس یہ شخص یہاں آکر حالات پر قادر ہوگیا۔ ہیرا لال جو ہمارے لیے کام کرتا رہا ہے میرے پاس آیا تھا اس کا تعلق احمد علی سے تھا' جو حاجی عبداللہ کے کاروبار کا مقامی نگراں تھا۔ احمد علی ہی سے اسے تفصیل معلوم ہوئی اور ہیرالال نے فیروز کا دماغ درست کرنے کے لیے ایک بدمعاش کا سہارا لیا جو اس کے لیے ہمیشہ ہی کام کیا کرتا تھا لیکن پتا یہ چلا کہ اس شخص نے غلام جانی کو درست کرکے رکھ دیا۔ خوب مارا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی کوئی خطرناک غنڈا ہی ہے اصل میں' عامر میاں اب اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمیں ہی سنبھلنا پڑے گا ٹھیک ہے کم کھائیں گے' جینا تو ہوگا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جو کاروبار ہم نے پھیلا لیا ہے اس پر کسی اور کی اجارہ داری' یوں سمجھ لیجئے ہمارے لیے کاروباری تباہی کا باعث ہوگی۔"

"نہیں۔ میں نے خوب غور کرلیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اب ہمارے بہت سے معاہدے ختم ہو جائیں گے لیکن پھر بھی بات اصولوں کی ہے۔ وہ شخص ہمیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا رہا۔ وہ تو بس اپنے کاروبار کو سنبھالا دینا چاہتا ہے۔"

"تو پھر کیا کریں گے ناصر بھائی؟"

"سوچ رہا ہوں' غور کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے اس سے ملاقات کرنا ہوگی۔ اگر باہمی معاہدے ہو جائیں تو کچھ فائدہ ہو سکتا ہے' مقابلے پر آگیا تو ممکن ہے زیادہ بہتر مقابلہ کرسکے۔"

عامر پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔ فاخر علی اب کاروبار میں بہت زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے چنانچہ ان معاملات میں انہوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ البتہ اس رات وہ شاہ رخ کے کمرے میں اس وقت داخل ہوگئے جب کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرکے وہ آرام سے لیٹ گیا تھا۔ فاخر علی کو دیکھ کر ادب سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تشریف لائیے بھائی جان۔"

"بھئی شاہ رخ بہت سے مسئلے ہیں جن پر تم سے گفتگو کرنا تھی۔ کوثر جہاں کو بھول گئے کیا؟"

"باجی کو۔ باجی بھی کوئی بھولنے کی چیز ہیں۔"

"پوچھا نہیں تم نے ان کے بارے میں؟"

"تفصیل عامر بھائی نے بتا دی تھی اس لیے بات نہیں کی۔"

"خیر خدا نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ ہاں میاں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں تم سے....."

"جی بھائی جان۔"

"مہ جبیں نامی کسی لڑکی کو جانتے ہو؟" فاخر علی نے سوال کیا اور شاہ رخ کے پورے وجود کو جیسے ایک شدید جھٹکا لگا ہو۔ فاخر علی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

شاہ رخ کچھ دیر تک تھرتھراتا رہا پھر اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور آہستہ سے بولا۔

"جی جانتا ہوں۔"

"کون ہے وہ.....؟"

"دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا یہ تصویر یار دل کے آئینے سے نکل کر ہماری نگاہوں تک نہیں پہنچ سکتی۔"

شاہ رخ نے مسہری سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں اور اس کے بعد دوبارہ آنکھیں نہ کھولیں۔ فاخر علی اس سے بہت سے سوال کرتے رہے لیکن اس نے کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا بس آنکھیں بند کیے ساکت پڑا رہا یہاں بھی تصدیق ہوگئی تھی۔ شاہ رخ اپنے بڑے بھائی کو اپنی ایسی کسی کمزوری کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا اس لیے خاموشی اختیار کرلی تھی اس نے۔ جب فاخر علی اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے اور اس کی جانب سے کوئی جواب نہیں ملا تو اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولے۔

"خیر ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہارا بھائی ہوں دشمن نہیں ہوں۔ اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتا دینا تمہارے کام آؤں گا۔ اچھا اب آرام کرو۔" فاخر علی خود ہی اٹھ کر باہر نکل گئے تھے لیکن دل کی وہی کیفیت تھی' جس طرح بھی بن پڑے گا شاہ رخ کو زبان کھولنے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ اس سے معلومات حاصل کرنا ہوں گی اور اس کے بعد..... لیکن اس کے بعد کے جو تصورات تھے وہ خود فاخر علی خاں کے لیے نہایت ہولناک تھے۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا۔ فاخر علی گہری نیند میں ڈوب چکے تھے کہ اچانک کسی نے ان کا پاؤں پکڑ کر زور سے ہلایا اور فاخر علی چونک کر اٹھ بیٹھے۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے موجود شخص کو دیکھا۔ شاہ رخ تھا عجیب سی کیفیت ہورہی تھی' اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے' مسہری کے قریب بیٹھ گیا۔ فاخر علی نے تڑپ کر اسے اٹھایا اور اپنے پاس بٹھالیا۔

"کیا بات ہے شاہ رخ' نیند نہیں آئی بیٹے' شاہ رخ کیا بات ہے' یہ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں رواں ہیں؟"

"نیند اس کی خیال اس کا ہے۔ راتیں اس کی۔ بس نیند نہیں آئی' جس کی راتیں ہیں اس کی نذر کردیں۔"

"کون ہے وہ.....؟"

"آپ نے مہ جبیں کا نام لیا تھا؟"

"ہاں۔"

"آپ کیسے جانتے ہیں انہیں.....؟"

"دیکھو شاہ رخ زبان کھول دو' دل کے دروازے کھول دو۔ میں دھندہ کرچکا ہوں کہ تمہارے کام آؤں گا۔"

"آہ نجانے..... نجانے..... دل کے یہ بند دریچے کب کھلیں گے۔ معافی چاہتا ہوں آپ کی نیند میں مخل ہوا۔" وہ اٹھا اور تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ فاخر علی خاں اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

❀

سمن آرا تو چاردن اخلاق بھی نہیں نبھا سکی تھی۔ ایسی آنکھیں بدلی تھیں اس نے کہ طوطا چشمی کا محاورہ تو بے مقصد ہوگیا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ رونق آرا پٹا ہوا مہرہ ہیں بس ایک بوجھ ہیں اس دنیا پر۔ نہ آگے نہ پیچھے۔ زندگی گزارنے کا کوئی وسیلہ بھی نہیں ہے اپنے بوجھ کو کون اپنے سر پر لادے۔ ہاں کچھ لے کر آتیں تو بات دوسری تھی انسان ہمیشہ اپنے مل ہی جیتا ہے رشتہ تا کون نبھائے۔ رشتے بھی انہی لوگوں سے سجتے ہیں جن کی اپنی کوئی حیثیت بھی ہو۔ بے حیثیت رشتے دار تو رشتے دار کہلانے کے مستحق بھی نہیں ہوتے۔

ماں کا یہ انداز بیٹیوں نے دیکھا۔ ماں نے انہیں صورت حال سمجھائی بھلا کسے بری تھی کہ رشتوں کو یاد کرتا۔ ویسے بھی کون سی یاد اللہ تھی۔ کبھی مل لیے سو مل لیے اور پھر اس بازار میں تو رشتہ انہی سے ہوتا ہے جس کی چمک دمک نظر آئے۔ ملازموں کو بھی منع کردیا گیا تھا کہ حد میں رہیں۔ کھانے پینے کے لیے اتنی اہمیت نہ دیں۔ اگر روٹیاں منہ کو لگ گئیں تو پھر جانے

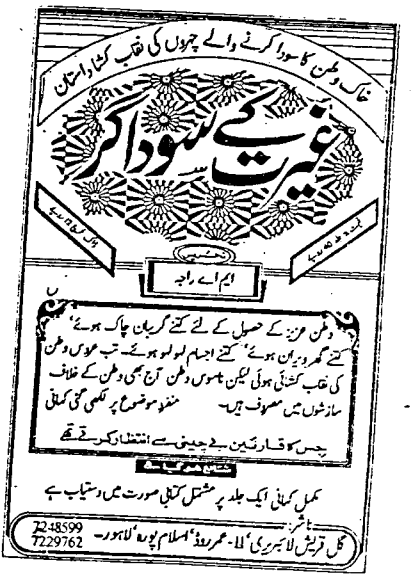
ننگ وطن کا سودا کرنے والے چوہوں کی غضب کہانی داستان
غیرت کے سوداگر
ایم اے راحت
وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے' کتنے گھر ویران ہوئے' کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب موس وطن کی غضب کہانی ہوئی لیکن ہاسوس وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی
جس کو قارئین بے چینی سے انتظار کررہے تھے
عنقریب شائع ہوگا
مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر
گل قریشی لائبریری' لا۔ عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
7248599
7229762

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی نہ ہوں گی۔ دس پندرہ دن کا مہمان کہا تھا منہ سے لیکن یہ احساس چوتھے ہی روز سے دلانا شروع کردیا تھا کہ رونق آرا بیگم کے لیے یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ احمق نہیں تھیں ایک لمحے میں محسوس کرلیا تھا کہ یہاں انگوٹھے چُبھے ہیں' کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ راتوں کی تنہائیوں میں بے بسی سے اپنے بارے میں سوچتی تھیں۔ بہت سے احساسات دل میں جاگتے تھے' ایسے ہی موقعوں پر گناہ یاد آتے ہیں' انہیں بھی اپنے سارے گناہ یاد آرہے تھے۔ اب تو کھیل ہی بگڑ گیا تھا۔ دو کوڑی کی نہ رہ گئی تھیں۔ نہ کوئی پرانا شناسا پہچان پائے گا' نہ کوئی اور سہارا دے گا۔ آہ یہ کیا ہوگیا کہاں غلطی ہوئی ہے' کس جگہ سے کام خراب ہوا ہے۔ اب کس کے پاس جاؤں اب کس کا سہارا تلاش کروں۔ سمن آرا نے ایسی بے عزتی کی کہ جینا مشکل ہوگیا۔ کلیجا منہ سے باہر آنے لگا' نکل بھاگنے کو جی چاہا۔ کہتی تو رہتی ہی تھیں کہ گھر میں جگہ کہاں ہے اور پھر سچی بات یہ ہے کہ کون کسی کا عمر بھر ساتھ دے سکتا ہے پوچھتی بھی تھیں کہ رونق آرا اب کیا کروگی اور جواب میں رونق آرا کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں آتا تھا لیکن آج کچھ زیادہ ہی کھری کھری سنادیں سمن آرا بیگم نے۔

"بی جو مجھے افسوس ہے کہ تم پر یہ پتا پڑی لیکن آنسو ہی ہر بات کا جواب نہیں ہوتے' ہم اپنا گزارہ جیسے کرتے ہیں ہمارا دل جانتا ہے اب یہ بتاؤ ایک آدمی کا اچھا خاصا کھٹ راگ ہوتا ہے رہنے کی جگہ' کھانا پینا' ناشتا' بیماری' کپڑے لتے' پان چھالیا..... نہ بوا نہ برا مانو یا اچھا ہم کچھ نہیں کرسکیں گے۔ دو چار دن اور گزار لو یہاں لیکن کوئی ٹھکانا سوچو۔"

رونق آرا نے پاس بھرپور نگاہوں سے سمن آرا کو دیکھا۔ آنکھوں سے سب کچھ کہا لیکن زبان نہ کھولی۔ کیا بھیک مانگتیں' کیا کسی سے کچھ کہتیں' سمن آرا اپنی جھکی چلی گئیں۔ رونق آرا بیگم نے سوچا کہ اگر بھیک ہی مانگنا ہے تو پھر سڑکیں کیا بری ہیں۔ سر پر آسمان کی چھت ہے۔ زمین پر عمدہ گدا کا بستر ہے' ایسی بے عزتی سے جینے سے تو کم از کم ناشتا ساس کا احسان زیادہ اچھا..... بھیک ہی مانگنا پڑے گی تو مانگ لیں گے لیکن ایسے اپنوں سے نہیں۔ باہر والوں سے مانگ لیں گی۔ دیکھیں گی جو کچھ بھی ہوگا لیکن یہاں رہنا ممکن نہیں ہے۔ خاموشی سے باہر نکلیں' سمن آرا کے کمرے میں پہنچیں' سمن آرا نے دیکھ کر ناک منہ چڑھالیے۔

"کوئی ضرورت پڑ گئی ہے کیا.....؟"

"نہیں سمن آرا۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"جس جارہی ہوں یہاں سے۔ تلاشی لے لو میری۔ کہیں بعد میں یہ نہ کہہ دینا کہ پیچھے سے نکل گئی۔ یہ لے گئی وہ لے گئی۔ کچھ نہیں ہے تمہارا میرے پاس۔"

"ارے ہم اتنے کمی کمینے نہیں ہیں کہ ایسی بات کہہ دیں..... اللہ حافظ..... اللہ بیلی۔" سمن آرا نے کہا اور رونق آرا بیگم ٹھنڈی سانس لے کر باہر نکل آئیں۔ مراد آباد کی سڑکیں' گلیاں اور بازار زیادہ شناسا نہیں تھے۔ عزت سے آتی تھیں عزت سے جاتی تھیں۔ تانگے ہوتے تھے کوئی نہ کوئی ساتھ ہوتا تھا۔ آج بے یارومددگار لمبی سڑکیں تھیں اور وہ۔ چلتی رہیں نجانے کہاں سے کہاں تک۔ آنکھوں میں ویرانی تھی' دل میں سناٹا تھا' وجود پر تھکن تھی۔ ایک درخت کے نیچے جاکر بیٹھ گئیں۔ ٹھنڈی چھاؤں میں تنے سے پشت لگالی اور بیٹھی خلا میں گھورتی رہیں۔ یا الٰہی کائنات کبھی اس طرح تنہا بھی ہوجاتی ہے' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھرے پرے گھر اس طرح چھن جائیں۔ آہ کیا ایسا ہوتا ہے کبھی۔ کیسے..... آخر کیسے.....؟ مہ جبیں تجھ پر ظلم کیا میں نے۔ ممتاز' دلشاد بالا تو اچھی طرح سے تھا' زبان کی بے شک خراب تھی' نقصان تو کوئی نہیں پہنچایا تھا تمہیں لیکن نہیں۔ اپنی ہی اولادوں کا مسئلہ تھوڑی ہوتا ہے۔ باقی کیا کچھ نہیں کیا میں نے۔ خوب چالیں چلیں۔ شریفوں کو غنڈوں سے پٹوایا' نجانے کتنے گھر لوٹے۔ رونق آرا بیگم کو جوانی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ گزگزاتی ہوئی عورتیں۔ وہ پیروں پر ٹوپیاں رکھنے والے مرد جو اپنی اولادوں کا صدقہ مانگتے تھے' بھیک مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ انہیں معاف کردیا جائے۔ رونق آرا کی وجہ سے ان کے گھر بگڑے ہوئے ہیں اور رونق آرا نخوت سے کہہ دیتیں کہ اپنوں کو سنبھالو۔ غیروں کے کیوں منہ کو آرہے ہو۔ ہاں آہیں تو بہت سی لی تھیں' بہت ہی' جن کا شمار نہیں تھا۔

رونق آرا بہت کچھ سوچتی رہیں۔ آس پاس سے اِدھر اُدھر سے لوگ گزرتے رہے' کوئی پیسہ ڈال دیتا کوئی دھیلا اور ان کے آگے تھوڑے سے پیسوں کا ڈھیر لگ گیا تھا لیکن وہ ٹس جو تھوڑے فاصلے پر رک گئی تھی۔ غالباً کسی ایسے دریا دل کی تھی جو کسی غریب کو بہت کچھ دینا چاہتا تھا۔

ٹس میں بیٹھا ہوا شخص نیچے اترا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ قریب پہنچا' بیٹھ گیا۔ بغور رونق آرا کو دیکھا۔ دن بھر کی گرد اور تھکن نے آنکھیں دھندلا دی تھیں لیکن سماعت بحال تھی۔

دھندلی آنکھیں تو اس چہرے کو نہ پہچان سکیں لیکن جب آواز کانوں میں ابھری تو بری طرح چونک پڑیں۔ الفاظ ہی ایسے تھے کسی نے بڑی حیرت سے کہا تھا۔

"ننو تم.....؟"

رونق آرا نے آنکھیں پھاڑیں۔ دھندلاہٹوں کو دور کیا۔ سماعت پر زور دیا۔ آواز شناسا محسوس ہوئی' آنکھوں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھا۔ پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

ہاں دودھ جیسا سفید چہرہ' شفاف اور حسین سبک نقوش' گلابی ہونٹ' روشن چمک دار آنکھیں جن کی پتلیاں نیلے کنچوں کی طرح چمک رہی تھیں' سر پر سیاہ بالوں کے گچھے۔ یہ چہرا جنبی تو نہیں ہے۔ یہ چہرہ۔ پھر کسی نے ان کے بازو پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"ننو یہ تم ہی ہو نا۔"

رونق آرا کے حلق سے بھنچی بھنچی چیخ نکلی لیکن اسے انہوں نے ہونٹوں میں بھینچ لیا۔ آنکھوں سے آنسو دھار کی شکل میں بہنے لگے۔ تب ہی ایک مضبوط ہاتھ نے ان کے بازو کو سہارا دیا اور پوری قوت سے اٹھا کر کھڑا کردیا۔

"یہ تم ہی ہو ننو۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے ننو میں فیروز ہوں تمہارا اپنا فیروز۔ ننو تم یہاں بیٹھی کیا کررہی ہو اور یہ پیسے۔ ننو کیا تم بھیک مانگ رہی ہو....."

رونق آرا کے حلق سے کراہیں اور کرناک چیخیں نکلنے لگیں۔ اس وقت ان کراہوں کے ساتھ ان آوازوں کے ساتھ ان کا کلیجا بھی منہ سے باہر آنے کو بے چین تھا۔

فیروز نے انہیں مضبوطی سے سہارا دیا اور چیخ کر کوچوان سے بولا۔

"اے منہ کیا دیکھ رہے ہو' نیچے آؤ۔" کوچوان دوڑتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

"انہیں سہارا دے کر ٹس میں لے چلو۔"

"جی سرکار۔" کوچوان نے جواب دیا اور رونق آرا بیگم کو

غیرت کے سوداگر

ایم اے راجہ

وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے' کتنے گھر ویران ہوئے' کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب موروثی وطن کی خطہ کشائی ہوئی لیکن ناموس وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی

جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کررہے تھے

مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔ 7248599 7229762

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان

ایک انمول شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راجہ

- معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
- حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھردیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہوگئی
- پھر لاقانون انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہوگئے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور

فون: 7229762 - 7248599

ایک حسن نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

ایک اور پُرتحیر' سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے
شائع ہوگیا

ناشر: گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور

فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بٹھالیا گیا۔ فیروز ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ [illegible]

ے کہا۔

ر واپس چلو۔"

ضرور۔" کوچوان نے فٹن کا رخ موڑ دیا۔ فیروز نے

ی بیگم کا سر اپنے شانے سے لگالیا۔

ں فیروز ہوں تمہارا۔ تمہارا اپنا فیروز ہوں میں۔ نجو تم

ں میں تمہیں اور لوگ تمہارے سامنے پیسے کیوں ڈال

ں کرتی تھیں' نجو کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ'

ے نجو دلی سے کب آئیں' نجو کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ'

تمہیں' خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ خود کو سنبھالو نجو'

ے لیے۔ اگر تم نے خود نہ سنبھالا تو میں بھی تمہارے

وں گا نجو۔ تمہارا اپنا ہوں میں' کیا ہوگیا ہے تمہیں'

یہاں۔ نجو تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" فیروز بے

یاں۔ نجو کیا ہوا ہے تمہیں' کیا ہوگیا ہے تمہیں'

ں سوال کررہا تھا لیکن رونق آرا کے دل پر جو بیت رہی

ی جانتی تھیں۔ یہ وہ تھا جس سے انہوں نے ہمیشہ نفرت

یہ وہ تھا جس کے لیے بددعاؤں کے سوا ان کے پاس کچھ

یہ وہ تھا جو کھانا کھانے بیٹھتا تو رونق آرا بیگم کی آنکھوں

ں اتر آتا۔ ایک ایک نوالے کا افسوس ہوتا تھا انہیں۔

وہی تھا۔ یہ فیروز ہی تھا جس کے لیے کبھی انہوں نے کوئی

ں مانگی تھی لیکن اس وقت فیروز نے انہیں جو سہارا دیا تھا

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب خدا کے سامنے کیسے زبان

دعاؤں کے لیے۔

شرمندہ تھیں اپنے آپ سے اس لیے منہ سے کوئی آواز

نکل رہی تھی۔ فیروز نے کہا۔

"نجو میں یہیں رہتا ہوں۔ میں نے ایک گھر بنالیا ہے' اس گھر

بڑی آسائشیں ہیں کوئی دقت کوئی تکلیف نہیں ہے۔ نجو

ے گھر میں تین ملازم ہیں۔ ایک فریدہ بوا ہیں' دو نوکر ہیں۔

ے کام وہی لوگ کرتے ہیں۔ میں اکیلا رہتا ہوں اس گھر

۔ نجو میں تمہیں گھر لینے چل رہا ہوں۔ وہ تمہارا گھر ہے۔

ر، فیروز کا۔ تم میری نجو ہو۔ میں تمہیں بھول تھوڑی سکا

چپ ہوجاؤ خدا کے لیے نجو۔ اب نہ روؤ' اگر کوئی پریشانی

مجھے بتاؤ۔ میں جو ہوں تمہارے لیے۔ ساری پریشانیوں کو

ل جاؤ۔ نجو بالکل فکر مت کرو۔ نجو' نجو۔" فیروز بے قرار

ر پکار رہا تھا اور رونق آرا بیگم یہ سوچ رہی تھیں کہ زندگی

شاید غلطی سے کبھی کوئی نیکی بھی کرڈالی ہے ورنہ اس کا یہ صلہ

ملتا۔ تھوڑی دیر کے بعد فٹن ایک خوب صورت مکان کے

ے رک گئی۔ کوچوان کو اندازہ ہوچکا تھا کہ جس شخصیت کو

گیا ہے وہ بہت قابل احترام ہے' چنانچہ اس کے اشارے پر

ے ملازم دوڑ پڑے۔ فریدہ بوا نے رونق آرا بیگم کو سنبھالا۔

وڑنے حکم دیا۔

"انہیں اندر لے چلو۔ ان کی طبیعت خراب ہے فریدہ بوا

ں کا چہرہ وغیرہ دھلواؤ اور میں..... میں انتظار کررہا ہوں' جیسے ہی ان کی حالت بہتر ہو مجھے بلالینا اور سنو میرے برابر کا جو کمرا ہے وہ ان کے آرام کے لیے تیار کروایا جائے۔ میں تمہیں بتادوں گا کہ نجو کیا کیا چیز پسند کرتی ہیں۔" فیروز ایک ایک ملازم کو ہدایت دے رہا تھا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اس نے کہ رونق آرا بیگم بھکارنوں کی طرح درخت کے سائے میں بیٹھی ہوئی ہیں اور لوگ ان کے آگے پیسہ دھیلا ڈال رہے ہیں۔ یہ سب کیسے ہوا؟ آخر یہ سب کیسے ہوا لیکن رونق آرا کے علاوہ اس بارے میں اور کون بتاسکتا تھا' رونق آرا ذرا حواس میں آجائیں اس کے بعد ہی ان سے سوال کرنا مناسب ہوگا۔ ماضی فیروز کے ذہن میں تھا' اپنے ساتھ رونق آرا کا رویہ بھی نہ بھولنے والی بات تھی لیکن فیروز کے دل پر اب ذرہ برابر میل نہیں تھا بلکہ وہ رونق آرا کی اس کیفیت سے دکھی تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ نجانے بیچاری نجو پر کیا بیتی جو وہ اس حال کو پہنچ گئیں۔ اس کی حیرت عروج پر تھی اور ادھر رونق آرا اپنے بدن میں چٹکیاں لے لے کر خود کو یہ یقین دلانے کی کوشش کررہی تھیں کہ جو کچھ نگاہوں کے سامنے ہے خواب نہیں حقیقت ہے' بات ہی ناقابل یقین تھی' فیروز کے ٹھاٹ باٹ' یہ عیش و عشرت اور یہ سب کچھ۔ یہ تو مراد آباد ہے دہلی کی بات اور تھی' دہلی میں فیروز کو ناظم خاں کا سہارا حاصل تھا ہوسکتا ہے یہاں بھی ناظم خاں ہی نے فیروز کے لیے یہ سارے انتظامات کیے ہوں' بہرحال جو کچھ بھی ہے فیروز نے پرانی باتوں کو بھلا کر انہیں سہارا دیا ہے' یہ معمولی کام نہیں ہے۔ رونق آرا دل ہی دل میں کٹ رہی تھیں' ملازمین رونق آرا کی جو ناز برداریاں کررہے تھے جس طرح ان کی ایک ایک ضرورت کی تکمیل کی جارہی تھی' رونق آرا سمجھتی تھیں کہ یہ ان کا حق نہیں ہے۔ فیروز کو انہوں نے گالیوں' جھڑکیوں اور کوسنوں کے سوا دیا ہی کیا ہے ہمیشہ ہی اس کا برا چاہا بلکہ جب وہ مشکلوں میں گرفتار ہوا تو رونق آرا بیگم کو دلی خوشی ہوتی تھی آج وہی ان کے کام آیا ہے لیکن کون جانے یہ سہارا کتنی دیر قائم رہے گا' فیروز کو حقیقت ضرور معلوم ہوگی اور جب اسے حقیقت معلوم ہوگی تو چوٹی پکڑ کر گھر سے باہر نکال دے گا۔ خدایا رحم کر' خدایا رحم کر' اب تو واقعی سڑکوں پر بھیک مانگنے کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا ہے میری زندگی میں۔ رونق آرا گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگیں۔ جب ان کی کیفیت بہتر ہوئی تو فیروز ان کے پاس پہنچ گیا۔ رونق آرا بیگم نے اسے دیکھ کر مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔

"نجو کیسے حال ہیں تمہارے' یہاں آکر کیسا محسوس کررہی ہو؟" رونق آرا بیگم نے نگاہیں اٹھائیں اور اس کے بعد پھر خاموش ہوگئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بولتی کیوں نہیں ہو نو' یہ سب کیا ہے تم سڑک پر بیٹھی بھیک مانگ رہی تھیں؟"

"ہاں فیروز میرے بچے ایسا ہی تھا۔"

"کیوں' لیکن کیوں تم نے دلی کیوں چھوڑ دیا۔ مراد آباد کیوں آگئیں سب لوگ کہاں گئے سب نے تمہیں اکیلا کیوں چھوڑ دیا؟"

"اس لیے فیروز کہ میں اس قابل نہیں تھی۔ مجھے بہت بدترین حالات سے گزرنا چاہیے۔ انسان جب دوسروں کے لیے برا کرتا ہے تو یہ بھول جاتا ہے کہ اس پر بھی کوئی برا وقت آسکتا ہے۔ فیروز میرے برے وقت کا آغاز ہو گیا ہے۔ بیٹے پتا نہیں تیرے اندر کون سا ظرف ہے کہ تو عزت سے مجھے یہاں تک لے بھی آیا ورنہ تیرے ساتھ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کے تحت تو تو اپنی یہ فخن میرے اوپر ہی چڑھا دیتا تو بہتر تھا۔ کیا کیا ہے ہیں نے تیرے ساتھ؟"

"پاگلوں جیسی باتیں مت کرو نو' تم نے کچھ بھی نہیں کیا میرے ساتھ۔ پتا نہیں کیا خیال ہے تمہارے دل میں۔ بس تھوڑا سا جھٹرک ہی دیا کرتی تھیں تو بچوں کو جھڑکا ہی جاتا ہے۔ تمہارا خون ہوں میں' تمہارا نواسہ ہوں۔ مہ جبیں کا بیٹا ہوں میں نو اور مہ جبیں تمہاری بیٹی ہے' مجھ پر فرض ہے تمہارا بلکہ تم شاید یقین نہ کرو اس بات پر کہ آج میری ایک بہت بڑی دلی آرزو پوری ہوئی ہے۔ نو یہ آرزو تو نجانے کب سے میرے دل میں تھی کہ میں ایک گھر بناؤں' اس گھر کو بساؤں' تم خالہ دلشاد' خالہ ممتاز اور باجی میرے ساتھ ہوں۔ مہ رخ بھی ہو تم یہاں آئی ہو تو یوں لگتا ہے مجھے نو جیسے کوئی میرا سرپرست میرے پاس آیا ہو۔ نو اب آگئی ہو تو کبھی جانے کا نام مت لینا' اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گا۔ یہ تمہارے فیروز کا گھر ہے۔"

"فیروز بیٹے' میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ ایک پیسہ نہیں ہے میرے پاس' بھیک مانگنے پر مجبور ہونا پڑا ہے مجھے اس کے باوجود تم مجھے یہاں رکھو گے۔"

"یہ تو اور اچھی بات ہے نو' اگر تمہارے پاس دولت ہوتی تو تم پھر یہاں سے بھاگ جاتیں' کچھ نہیں ہے یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے۔ یہاں سب کچھ ہے اور یہ سب کچھ نو سب سے پہلے تمہارا ہے۔ میں جانتا ہوں تم میری باجی کی ماں ہو۔" رونق آرا بیگم کی آنکھوں سے پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ انہوں نے کہا۔

"جب تم میرے کرتوت سنو گے تو نکال باہر کرو گے مجھے۔"

"کبھی نہیں کروں گا نو' وعدہ کرتا ہوں تم سے ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ اب مجھے وہ حالات بتاؤ جنہوں نے تمہیں یہاں تک پہنچا دیا۔" رونق آرا بیگم کچھ دیر سوچتی رہیں پھر انہوں نے کہا۔

"حالات کچھ بھی نہیں ہیں فیروز بس یوں سمجھو برائی مجھ پر منڈلا رہی تھی جو [illegible] شرم آتی ہے۔ مہ جبیں بالآخر مجھ سے تنگ آگئی جب تمہاری کوئی خیر خبر نہیں ملی مہ رخ کو لے کر گئی فیروز اب تو کسی کی قسم کھانے کے قابل بھی نہیں ہی بڑھاپے' اپنی ہی بے بسی اور اپنی موت کی قسم کہ جو کچھ میں تجھ سے کہہ رہی ہوں میرے بچے بالکل نہیں ہے۔"

"نہیں نو' میں تمہیں اس وقت بالکل جھو گا بے دھڑک کہو۔"

"فیروز' مہ جبیں مہ رخ کو لے کر نکل گئی نے ہر جتن کر لیا لیکن مہ جبیں کا پتا نہیں چل سکا دل سے صاف بھی نہیں ہوا تھا کہ ممتاز کا تعلق سے ہو گیا اور ممتاز بھی مجھے دھوکا دے گئی۔ کم از کم میرے دل میں امید کے کچھ چراغ تو روشن شادی کر لی۔"

"شادی کر لی۔" فیروز کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا میرے دل کو یقین ہوتا ہے وہ ضرور ہوتی ہے۔ میرا دل ہے کہ میری باجی زندہ سلامت ہیں' نو وہ بہت اچھی کھلے میرے ساتھ کہ بس میرا جی ہی جانتا ہے۔ دلشاد نے عدالت سے اور دلشاد کو بھی پٹی پڑھا گئی۔ دلشاد نے ضرور کسی گوشے میں پناہ لی ہو گی اور مہ رخ کی اور وہ بھی ممتاز کے پاس جا رہی ہو گی۔ بمن' بمنو کہاں ہو تم سنو نو دیکھو یہ کوٹھی میری نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کے ساتھ' اکیلی جان کو جو دکھ نہ پہنچے کم ہے۔ اس میں کام کرتا ہوں ان کی کوٹھی ہے' لیکن اب میرے پاس کیا کرتی بیٹھ کر' بمن میاں بھاگ گئے۔ نیاز خاں کل موجود ہیں جن سے میں اپنی کوٹھی تعمیر کر سکتا ہوں' رہا۔ وفاداریاں دکھاتا رہا مگر وہ جو کہتے ہیں کہ برا نوکر کا اعتبار کرنا نو اس بارے میں تم سے کوئی مذاق اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں۔ نیاز خاں نے بھی [illegible] تمہیں اتنی شاندار کوٹھی بنا کر دوں گا جہاں تم کو سمن آرا کے گھر چل پڑی۔ خیال تھا کہ باقی زندگی گی لیکن نیاز خاں راستے میں سب مال و اسباب لوٹ آرا ایک بار پھر روپڑیں' اپنی جگہ سے انہیں آگے چھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑی میرے پاس' لٹی پٹی سمن آرا اور پھر انہوں نے لپک کر فیروز کے پاؤں پکڑ لیے۔ فیروز پہنچی تو سمن آرا نے بھی طوطے کی طرح آنکھیں خیال میں بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ رونق آرا بیگم ایسی بے عزتی کی میری کہ اللہ ہی جانتا ہے' بس یوں گھبرا گیا جلدی سے بیٹھ گیا اور بولا۔

"یہ کیا کر رہی ہو نو؟"

"معاف کر دے مجھے فیروز' بچے دل سے معافی مانگ رہی ہوں۔ اس سے بھی معافی مانگوں گی تمہیں' ایک کو بھی کی آرزو تھی نا کہ جو کچھ میں نے ایک کو بھی چاہتی تھیں نا تم اپنے نام' میں بنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاں کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں نکل گئی ہمارے منہ سے' مگر کہاں' کہاں سے نکلی تھی' ارے ہم تو اس کی وجہ سے ولی چھوڑ بھاگے تھے اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ہمارا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا اس میں۔"

"نہیں خاں صاحب' پتا نہیں اس بیچارے کی کیا کیفیت ہے؟"

"اشتہار دیے ہوئے بھی کئی دن ہو گئے' کوئی اتا پتا نہیں چلتا۔"

اس وقت بھی دوپہر کے کوئی سوا دو بجے تھے' ناظم خاں وغیرہ کھانا کھا کر آرام کر رہے تھے کہ دروازے کی کنڈی بجی۔ عظمن خاں دروازے کے قریب ہی موجود تھے' بڑھے اور دروازہ کھول دیا' ایک برقعہ پوش خاتون تنہا کھڑی ہوئی تھیں۔ عظمن خاں نے حیرت سے انہیں دیکھا اور بولے۔

"کیا بات ہے بہن کس سے ملنا ہے آپ کو؟"

"ناظم خاں صاحب یہاں رہتے ہیں۔" ایک لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"جی ہاں یہ انہی کا گھر ہے۔"

"میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اندر آجائیے' یہ جگہ یہ علاقہ آپ جیسی معزز بہن کے لیے نہیں ہے لیکن یقیناً کوئی مشکل ہی آپ کو یہاں لائی ہو گی۔ آجائیے بہن اس گھر میں پانچ افراد رہتے ہیں۔ وہ پانچوں کے پانچوں آپ کے لیے بھائی کا درجہ رکھتے ہیں۔"

عظمن خاں نے سادگی سے کہا۔ لہجے میں بڑی نرمی اور شفقت تھی' برقعہ پوش خاتون اندر داخل ہو گئیں۔ عظمن خاں نے دروازہ بند کیا اور بولے۔

"آیئے یہاں برآمدے میں مونڈھے پر بیٹھ جایئے کچھ اتا پتا بتا دیں آپ تو ناظم خاں سے جا کر کہہ دیں۔"

"نہیں آپ صرف ناظم خاں سے یہ کہہ دیجئے کہ ایک عورت ان سے تنہائی میں ملنا چاہتی ہے' کسی ایسی جگہ جہاں کوئی اور نہ ہو۔"

"بس ذرا ایک لمحے آپ آرام کیجئے' ناظم خاں صاحب سے بات کیے لیتا ہوں۔" عظمن خاں نے موقعے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ناظم خاں کے آرام میں بھی مخل ہونے میں قباحت نہ سمجھی۔ ویسے ناظم خاں سو نہیں رہے تھے بلکہ آنکھیں موندے کروٹ لیے ہوئے تھے۔ عظمن خاں نے کہا۔

"وہ خاں صاحب ایک برقعہ پوش خاتون آئی ہیں کہتی ہیں تنہائی میں آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"برقعہ پوش خاتون۔" ناظم خاں صاحب نے چونک کر کہا۔

"جی۔"

"میرا خیال ہے مہ جبیں نہیں ہے اس کی آواز تو میں بھی

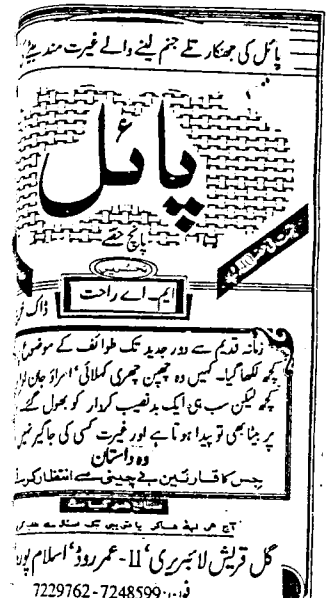
پائل کی جھنکار تلے جنم لینے والے غیرت مند ہیرے
پائل
پانچ حصے
ایم۔ اے راحت
زمانہ قدیم سے دور جدید تک طوائف کے موضوع
کچھ لکھا گیا۔ کہیں وہ چھپن چھری کہلائی' اسراؤ جان ادا
کچھ لیکن سب ہی ایک بدنصیب کردار کو بھول گئے
پر بیتابی تو پیدا ہوتا ہے اور غیرت کسی کی جاگیر نہیں
وہ داستان
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر
گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پور
فون: 7229762-7248599

پہچانتا ہوں۔"

"اندر آکر نقاب اٹھایا؟"

"جی نہیں بالکل نہیں بڑی شرم و حیا ہے لیے میں' میں نے بہن کہہ کر مخاطب کیا ہے۔"

"کون ہو سکتا ہے' خیر باہر چلیں ہم با انہیں سکتا ہے کوئی بیچارنی مشکل کی ماری ہو بلاؤ بلاؤ بات نہیں ہے۔"

ناظم خاں صاحب نے اپنا حلیہ درست کر انتظار کرنے لگے۔ برقعہ پوش خاتون اندر داخل ہ ناظم خاں اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ عظمن پہنچا کر واپس نکل گئے۔ ناظم خاں نے کہا۔

"آپ پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ بری جگہ ہے یہ' اچھے خاندانوں کی خواتین کو چاہیے۔ خیر کوئی بات نہیں آپ آرام سے بیٹھ آپ کو بالکل محفوظ سمجھئے۔" برقعہ پوش عورت صاحب تھوڑے فاصلے پر دیوار سے ٹیک کر بولے۔

"جو کام ہے بے دھڑک بتا دیجئے ہمیں ٹیک تکلیف کی ہے تو یوں سمجھ لیجئے کہ آپ

ہے ہم اس کے لیے سینہ کھول کر کھڑے ہو جائیں گے۔ آپ بتایئے کیا پریشانی ہے' آپ کو کوئی تنگ کر رہا ہے' کسی نے کوئی دھمکی دی ہے' کہاں رہتی ہیں اور آپ کون ہیں؟"

"اجازت ہو تو نقاب الٹ دوں؟"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے' ہم آپ کا چہرہ دیکھیں یا نہ دیکھیں آپ ہمیں اپنی مشکل بتایئے' ہم تو صرف وہ جاننا چاہتے ہیں۔"

"مجھے نقاب اٹھنے کی اجازت دیجئے۔"

"میں نے کہا نا یہ آپ کی مرضی ہے۔" خاتون نے چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ بدلیوں سے چاند نکل آیا تھا جیسے' ایسا حسن کبھی دیکھا نہ سنا۔ آنکھوں کے سامنے چکا چوند سی پیدا ہو گئی تھی۔ سنجیدہ اور پروقار چہرہ' بڑی بڑی پلکوں سے بوجھل سمبھیر آنکھیں جو شکوہ بھری نگاہوں سے ناظم خاں کو دیکھ رہی تھیں۔ ناظم خاں کی نظریں جھک گئیں' کہنے لگے۔

"آپ نقاب نہ بھی الٹتیں تو ہم نے تو آپ سے عرض کر ہی دیا تھا کہ ہم آپ کی خدمت میں کوئی فروگزاشت نہ کریں گے۔"

"میرا نام رضوانہ ہے۔"

"جی۔" خاں صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"میں حکیم سرفراز حسین کی بیٹی ہوں اور آگرے سے آئی ہوں۔" برقعہ پوش خاتون نے کہا۔

"جی۔" ناظم خاں صاحب بدستور نظریں جھکائے ہوئے بولے اور پھر جیسے ان کے بدن کو کرنٹ چھو گیا۔ دیوار سے ہٹے لڑکھڑائے' گرتے گرتے بچے ایک صوفے کا سہارا لیا' مسہری کی جانب بڑھے' پیروں کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی تھی ان پر۔ کانوں نے جو کچھ سنا تھا ناقابل یقین تھا۔ شدت حیرت سے ایک لمحے کے لیے ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ بمشکل تمام مسہری کا سہارا لے کر مسہری پر بیٹھ گئے اور عجیب سی نگاہوں سے خاتون کو دیکھنے لگے۔ خاتون بغور ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"پہچان لیا آپ نے ہمیں؟" رضوانہ نے کہا لیکن ناظم خاں صاحب تو نجانے کیسی کیسی کیفیتوں سے گزر رہے تھے۔ ایک لفظ منہ سے نہ نکال سکے' بس مگر مگر رضوانہ کو دیکھتے رہے۔ رضوانہ نے کہا۔

"آپ نے تو ہماری صورت پر تھوک دیا لیکن ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا' کیا آپ منصفی فرما سکتے ہیں' کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ جو کچھ ہوا اس میں ہمارا کیا قصور تھا؟"

ناظم خاں صاحب تو نجانے کون سے جہانوں کی سیر کر رہے تھے' دل و دماغ پر ابھی تک قابو ہی حاصل نہیں ہوا تھا۔ بس سکتے کے سے عالم میں بیٹھے تھے۔ رضوانہ نے پھر کہا۔

"ہم اپنی مرضی سے تو آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ جس طرح یہ سب کچھ ہوتا ہے اسی طرح ہوا ہے۔ ہمیں تو کچھ بھی معلوم نہ تھا صرف ایجاب و قبول کے وقت ہم سے پوچھا گیا تھا۔ ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ ہم سے کہا گیا ہاں کہہ دیں ہم نے ہاں کہہ دیا کیونکہ یہ سب کچھ اس طرح ہوتا ہے۔ ہم نہیں جانتے تھے۔ اس کے بعد کیا مدارج ہوتے ہیں۔ للہ ہمیں ہمارا قصور بتا دیجئے۔ ہم نے تو صرف وہ کیا جو ہمارے جیسی لڑکیاں کرتی ہیں مگر بعد میں ہمیں بتایا گیا کہ ہم آپ کے قدموں میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔"

خاں صاحب اپنے آپ پر قابو پاتے جا رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ذہنی قوتیں بیدار ہو رہی تھیں اور انہیں احساس ہو رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے کیا سامنے آگیا ہے' وہ جس کے بارے میں کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا۔

ڈری ڈری نگاہیں اٹھائیں' رضوانہ کو دیکھا سب کچھ یاد آگیا۔ ماضی کی کہانی تھی لیکن عجیب لمحات تھے یہ۔ رضوانہ کو تو انہوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پہچان نہیں پائے تھے۔ بات سچ ہی کہہ رہی تھی ایک طرح سے لیکن آہ کیا ہو سکتا ہے۔ کیا کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلے میں' بمشکل تمام خود پر قابو پایا اور آہستہ سے بولے۔

"آپ..... آپ حکیم سرفراز حسین کی صاحبزادی ہیں؟"

"ہاں میں وہی بدقسمت ہوں' جس کی چوڑیاں پہننے سے پہلے ہی توڑ دی گئی تھیں۔ میں نے تو آنکھیں کھولیں تو نوٹی چوڑیاں ہی دیکھیں۔"

"مم مگر آپ یہاں کیوں آگئیں۔ آپ جانتی ہیں یہ کیسی جگہ ہے۔ یہاں..... یہاں شریف زادیاں نہیں آتیں۔ یہ شریفوں کا علاقہ نہیں ہے آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"جہاں آپ موجود ہوں وہاں میرے لیے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اللہ اور رسولؐ کے نام کے ساتھ آپ کا تحفظ حاصل کیا ہے۔ جب مجھے علم ہوا کہ آپ کا قیام یہاں ہے تو یہ جگہ میرے لیے سب سے زیادہ محفوظ ہو گئی۔ بتایئے غلط کہہ رہی ہوں میں۔"

"ہماری بات اور ہے۔" اچانک ہی ناظم خاں کا لہجہ بدل گیا۔ اس لہجے میں ایک زہریلا تاثر پیدا ہو گیا تھا۔

"کیوں آپ کی بات کیوں اور ہے؟"

"وہ جو کہا ہے نا کسی نے "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا" کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہم اس جگہ کے رہنے والے ہیں۔ یہی ہمارا مسکن ہے اور یہی ہمارا مدفن۔ ہمارا کیا ہے ہمیں تو یہیں ہونا چاہیے تھا لیکن آپ شریف زادی ہیں۔"

"اگر آپ طنز میں یہ الفاظ کہہ رہے ہیں تو ہماری چند باتوں کا جواب دے دیجئے گا۔ جب کوئی شریف زادی اللہ کی مرضی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ کسی کے ساتھ منسلک کر دی جاتی ہے تو پھر کیا وہ اپنے دل میں کوئی اور تصور بھی لا سکتی ہے۔ وہ الفاظ جو پروردگار کے نیک نام کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں' کیا ساری زندگی ایک دوسرے سے منسلک نہیں کر دیتے' کیا دو اجنبی زندگی کی آخری سانس تک کے لیے یکجا نہیں ہو جاتے؟ ناظم خاں صاحب ہمیں آپ کے نکاح میں دیا گیا تھا۔ آپ کے وکیل نے دو گواہوں کی موجودگی میں ہم سے پوچھا تھا کہ ناظم خاں ولد کاظم خاں کے عقد میں آپ کو بعوض مہر اتنا اتنا دیا جاتا ہے کیا آپ نے قبول کیا! ہمیں تین بار گردن جھکانا پڑی تھی اور اس کے بعد ہم نے یہ گردن ہمیشہ کے لیے جھکا لی تھی۔ آپ بتایئے آپ نے ہم سے یہ حق کیوں چھین لیا۔ ہم نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ کہاں سے آپ کا خمیر اٹھا ہے۔ ہم نے تو بس ایک ہی بات جانی تھی کہ اب زندگی کا آخری لمحہ ہمیں آپ کے قدموں میں گزارنا ہو گا۔ ہم نے تو بس ایک دعا مانگی تھی کہ جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں تو آپ کے ہاتھ ہمیں سنبھالے ہوئے ہوں۔ آپ نے ہمیں اپنے آپ ہی سے رخصت کر دیا۔ آپ جو کچھ بھی تھے جو کچھ بھی ہیں ہمیں کیا معلوم تھا۔ اگر کوئی ہمیں بتاتا تو ہم اس سے کہتے کہ ہم نے اقرار کیا ہے۔ بات ختم ہے۔ اب کسی کو ہمارے درمیان مداخلت کا حق نہیں ہے۔ آپ جب ہمیں طلب کرتے ہم دل و جان سے آپ کی خدمت پر حاضر ہو جاتے۔ ہمیں کچھ نہ بتایا گیا۔ ہم سے صرف اتنا کہا ہمیں ہمارے مجازی خدا نے قبول نہیں کیا۔ ہمیں زندگی کی خوشیاں نہیں مل سکتیں جو انسان کا مقدر ہوتی ہیں۔ بہت اور گزار لیا ہم نے' ہم دو سروں کے رحم و کرم پر رہے' طنز نگاہ کا شکار رہے ہمیں تو کچھ علم بھی نہیں تھا۔ آپ بتایئے صرف بتا دیجئے کہ ہم کیا کرتے' آخر ہم کیا کرتے؟"

خاں صاحب عجیب سی کیفیت کا شکار تھے۔ رضوانہ کے الفاظ کا ان کے پاس واقعی کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کا ایک ایک لفظ سچ تھا لیکن یہ بغلی گھونسا اس طرح پڑے گا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ نواب فاخر علی خاں یاد آئے جو ان کے پاس پہنچے تھے۔ اس بات کی تو توقع تھی کہ کہہ نہ کچھ ہو گا لیکن ذہن نواب کاظم علی خاں کی جانب تھا' یہ اندازہ نہیں تھا کہ رضوانہ اس طرح آجائے گی۔ الجھے رہے پھر بولے

"ہمیں ایک بات کا جواب دیجئے' آپ کو ہمارا پتا کس نے بتایا؟"

"آپ کے سامنے حیات کے کسی بھی مرحلے پر جھوٹ نہیں بولوں گی۔ نواب فاخر علی خاں صاحب آگرہ آئے تھے' میرے والد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کے بارے میں

ایک دوشیزہ کی سچی کہانی ایک مجاہدے کی زبانی

حضرت جان

قاضی عبدالستار

قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔ لفظوں کی سیپ میں روشن دیپ' تحریر کے غازی' نام کے قاضی نے حضرت جان میں روشن کئے ہیں جو زبان و بیاں کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے۔ جس کو قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک سٹال یا ہم سے طلب کریں

ملنے کا پتہ: ناشر

گل فریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔ فون: 7248599-7229762

ہاسوس ڈائجسٹ اور عروس آزاد کی متوقع ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت

شائع ہو گیا ہے

دشمن

تحریر

ایم اے راحت

- جولیٰ کی لازوال حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
- دیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
- جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک سٹال یا ہم سے طلب کریں

قیمت 40 روپے ڈاک خرچ علیحدہ

ناشر گل فریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7248599-7229762

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تفصیلات بتائیں۔ اب شاید دل کو جرم کا احساس ہو رہا ہے اور اپنی عاقبت سدھارنے میں مصروف ہیں۔ والد صاحب کو آپ کے بارے میں بتا کر یہ التجا کی کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جس سے ان کی لگائی ہوئی آگ سرد پڑ سکے۔ والد صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ان کا قصور نہیں تھا۔ بے گناہی کی یہ سزا وہ عمر بھر کاٹیں گے لیکن چونکہ کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو ان کے ذریعے ہو سکے اس لیے وہ اس سلسلے میں کچھ کرنے سے معذور ہیں۔ انور فاخر علی خاں کو نہایت بے رخی سے اپنے گھر سے چلے جانے کے لیے کہا اور وہ چلے گئے لیکن ہم نے یہ گفتگو سن لی تھی اور بہت غور و خوض کر کے ہم نے یہ سوچا کہ اب اپنی تقدیر بنانے کے لیے خود باعمل ہونا چاہیے۔ ہم نے والد صاحب قبلہ سے کہا تو وہ ہم کو لعنت ملامت کرنے لگے اور بولے کہ کیسے یہ سب کچھ کرو گی، کیسے وہاں جاؤ گی جہاں خاں صاحب مقیم ہیں۔ ہم نے کہا کچھ بھی ہے وہ ہمارے محافظ ہیں، انہوں نے بے شک ایک قدم اٹھا لیا ہے لیکن ہم کم از کم ان سے جا کر التجا تو کر لیں کہ آپ نے ہمارا تحفظ کیوں چھوڑ دیا۔ دنیا بری ہے ہم تو برے نہیں بس ہم یہاں آ گئے۔"

"اس کے باوجود تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا رضوانہ بیگم۔"

"ہمیں کیا کرنا چاہیے تھا اس کا مشورہ بھلا کس نے دیا ہمیں، کیا آپ نے کبھی ہماری جانب رخ کیا، ہمیں تو اب آپ ہی مشورہ دے سکتے تھے زندگی بھر کے لیے۔"

"میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟ نہیں رضوانہ بیگم۔ اب اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا، ہم کیا کر سکتے ہیں، آپ خود بتائیے۔"

"ہم آپ کو مجبور کرنے نہیں آئے، التجا دل میں تھی آپ کے سامنے پیش کر دی بعد کی زندگی کے لیے ہم نے خود فیصلہ کر لیا ہے کم از کم اور کچھ نہ ہو گا تو ایک نگاہ آپ کو دیکھ تو لیا کریں گے۔"

"لک..... کیا مطلب؟" ناظم خاں صاحب بوکھلا کر بولے۔

"اگر کرے سے ہم یہ سوچ کر چلے تھے کہ نئی چاودڑی آئیں گے، خدا کرے آپ ہمیں مل جائیں، آپ تک پہنچیں گے اور اگر آپ نے ہمیں قبول نہیں کیا تو اب ہم یہاں سے نکل کر سیدھے کسی کوٹھے والی کے پاس جائیں گے اس سے کہیں گے کہ ہم جوان ہیں، شکل و صورت کے بھی ایسے ہیں کہ کوئی ہم پر تھوکنا گوارا نہ کرے گا، ہمیں گانا بجانا سکھا دیا جائے، ہم انہی ہزاروں کہانیوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو ہم جیسی بدنصیب

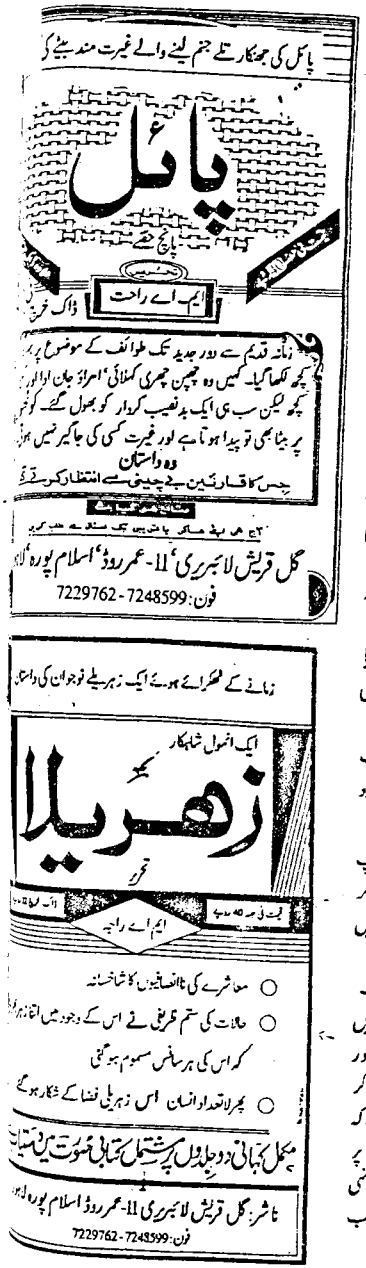
پائل کی جھنکار تلے جنم لینے والے غیرت مند بیٹے کی
پائل
پانچ حصے
ایم۔ اے راحت
ڈاکٹر خرچ
زمانہ قدیم سے دور جدید تک طوائف کے موضوع پر
کچھ لکھا گیا۔ کہیں وہ چھن چھری کنائی، امراؤ جان ادا اور
کچھ لیکن سب ہی ایک بدنصیب کردار کو بھول گئے۔ کو
پر بیتا بھی تو پیدا ہوتا ہے اور غیرت کسی کی جاگیر نہیں ہو
وہ داستان
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ
فون: 7229762 - 7248599
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک اصول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راحت
معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر
کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب
ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

لڑکیوں کی کہانیاں ہوتی ہیں۔"

"لک..... کیا بکواس، کیا بکواس ہے یہ؟" خاں صاحب نے بری طرح بوکھلا کر کہا۔

"جی ہاں، ہم نے یہی سوچا ہے کہ ہم طوائف بن جائیں گے، بے شمار کہانیاں ایسی ہوتی ہیں ناظم خاں صاحب جن میں بے گناہ لڑکیاں دوسروں کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار ہو کر بالآخر کوٹھے پر پہنچ جاتی ہیں۔ ہم نے بھی ایک ایسی ہی کہانی منتخب کر لی ہے۔"

"آپ کا دماغ خراب ہے کیا، آپ جانتی ہیں کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"آپ کو ہمارے یہ الفاظ برے لگے بخدا ہمارے دل پر ٹھنڈک کی پہلی بوند پڑی ہے، گویا آپ کو یہ بات گوارا نہ ہو گی کہ ہم کوٹھوں پر ناچیں گائیں۔"

"رضوانہ بیگم، فضول باتیں کر رہی ہیں آپ، دیکھئے یہ الفاظ شریف زادی کی زبان سے زیب نہیں دیتے۔"

"کوئی ہمیں شریف زادی رہنے تو دے۔ آپ خود بتائیے ہم کیسے شریف زادی رہیں؟"

"آپ کا گھر ہے، آپ کے والد ہیں اور اور ہماری جو ذمے داریاں ہیں وہ میرا مطلب ہے....."

"آپ کا مطلب صرف یہ ہے کہ دھن دولت سے آپ ہماری مدد کریں۔ یہی نا۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

"آہ کاش اتنے اتنے الفاظ کہنے کے بعد آپ یہ الفاظ نہ کہتے، اگر دولت ہی دنیا میں سکون کا نعم البدل ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہر شخص دولت سے سکون خرید لیتا۔ خیر ہم آپ تک آئے، آپ کو زحمت دی اس کے لیے معافی کے خواستگار ہیں۔ آپ اگر ہمیں قبول کر سکیں تو ہماری عزت افزائی کر دیجئے ورنہ اس کے بعد..... اس کے بعد ہم چلتے ہیں اور پھر ہمیں ہماری منزل تلاش کرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔" رضوانہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور بدن کو اس طرح جنبش دی جیسے اٹھنے والی ہو۔ خاں صاحب وحشت زدہ لہجے میں بولے۔

"بیٹھئے رضوانہ بیگم، بیٹھئے تو سہی، بیٹھئے بیٹھئے۔ لک..... کیا کیا احمقانہ فیصلہ کیا ہے آپ نے، بخدا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، ارے آپ بیٹھئے تو سہی آپ اٹھ کیوں رہی ہیں؟"

"آپ حکم دیتے ہیں تو بیٹھ جاتے ہیں۔ ابھی تو ہم آپ کے حکم کی تحویل میں ہیں۔"

"آپ بہت جذباتی معلوم ہوتی ہیں، میں نے..... میں نے کبھی، خیر چھوڑیے ان باتوں کو، آپ یہ بتائیے کہ آپ کیا ہیں گی، آپ تنہا وہاں سے آئی ہیں؟"

"نہیں رحمن میاں ایک ملازم کو زبردستی ہمارے ساتھ کر دیا گیا تھا۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"واپس بھیج دیا ہم نے ظاہر ہے ہم جو فیصلہ کر کے آئے تھے اب یہ اس کی انتہا تھی۔"

خاں صاحب اس وقت نہایت احمق نظر آ رہے تھے۔ کبھی سر کھجانے لگتے، کبھی ادھر اُدھر دیکھنے لگتے، خاصے پریشان تھے پھر بولے۔

"اچھا دو منٹ رکیے گا آپ، صرف دو منٹ ہم ابھی آئے۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے۔ باہر پہنچے تمام ملازمین پریشان وہیں کھڑے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ خاں صاحب نے کہا۔ "جلدی جلدی موٹر تیار کرو فٹن نہیں موٹر۔"

"جی خاں صاحب کون ہیں یہ کیا بات ہے؟"

"اماں جلدی کرو یار بلاوجہ کون اور کیا کا پہاڑہ پڑھ رہے ہو؟"

خاں صاحب جھلا کر بولے اور رؤف خاں دوڑ گئے۔ موٹر تیار ہونے میں دیر ہی کتنی لگتی، رؤف خاں اسے اسٹارٹ کر کے دروازے پر لے آئے۔

"آیئے۔" ناظم خاں صاحب واپس رضوانہ کے پاس جا کر بولے اور رضوانہ پوچھے بغیر اٹھ گئی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔ خاں صاحب نے رضوانہ کو عقبی سیٹ پر بٹھایا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر خاں سے بولے۔ "تم لوگ یہیں رہو میں ذرا جا رہا ہوں۔" حواری خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد خاں صاحب نے موٹر اسٹارٹ کی اور چل پڑے۔ رضوانہ خاموش اور پرسکون بیٹھی ہوئی تھی۔ موٹر خاں صاحب کی کوٹھی پر جا کر رکی اور زبیدہ بیگم کے ساتھ ساتھ دوسرے ملازمین بھی باہر آ گئے۔ اتفاق سے بیگم تنہا ہی تھیں۔ دونوں بیٹیوں میں سے کوئی نہیں آئی ہوئی حالانکہ یہی ہوتا تھا۔ سامنے ہی دوسری کوٹھی اور بیٹیاں اور سسرال آنے میں کوئی دقت نہیں محسوس کرتی تھیں۔ بھی اچھے ملے تھے اس لیے بڑی اچھی چھن رہی تھی۔ زبیدہ نے خاں صاحب کے ساتھ ایک برقعہ پوش خاتون کو دیکھ حیران رہ گئیں۔ آگے بڑھیں یہ بات تو اچھی طرح جانتی تھیں خاں صاحب جسے بھی لائے ہوں گے وہ کوئی ایسی ہی شخصیت ہو گی جس کا یہاں آنا بے حد اہم اور ضروری ہو گا۔ آگے بڑھ کر بولیں۔

"آیئے ناظم بھائی یہ کون ہیں؟"

"اندر چلئے زبیدہ بیگم اندر چلئے۔" خاں صاحب پر عجیب سا انداز طاری تھا۔ زبیدہ بیگم ان کے ساتھ اندر آ گئیں۔ رضوانہ کو ایک بڑے سے کمرے میں لایا گیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ں سے کہا۔ "آپ تشریف رکھیے۔"

سکون سے بیٹھ گئی۔ زبیدہ اندر آنے سے ہچکچا رہی
صاحب نے انہیں خود ہی آواز دے لی۔ بہت
ظر آرہے تھے وہ' زبیدہ بیگم نے یہ بات محسوس کی

ہے ناظم بھیا خیریت تو ہے؟"

بیگم آپ کو اتفاق کی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے
ت زیادہ تفصیلات نہیں بتائیں' بہرحال آپ بہت
ں' آپ نے ہمیشہ ہمارا مان رکھا ہے ہم اس بارے
نہیں کہیں گے یہ رضوانہ بیگم ہیں' ہماری.....
ماری بیوی ہیں اور..... اور یہ بس یوں سمجھ لیجئے
آپ ان سے پوچھ سکتی ہیں اور رضوانہ بیگم ہماری
پ کو اجازت ہے کہ زبیدہ بیگم کو سب کچھ بتا دیجئے
آپ جانتی ہیں یا جوان کی تسلی کر سکتا ہے۔ ہمیں
ی ہو گا۔" رضوانہ پر کیف و سرور کی کیفیت طاری ہو
م خاں صاحب نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ یہ
ں۔ بس اس بات کو تسلیم کرنا ہی اس کا مظہر تھا کہ
ک ہے اور وہ تاریکیاں چھٹ گئی ہیں جنہوں نے
روں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ خاں صاحب نے کہا۔
لتے ہیں زبیدہ بیگم اور نئے زبیدہ بیگم' بفضل تعالیٰ
چھ موجود ہے' رضوانہ بیگم کو ذرہ برابر تکلیف نہیں
۔ باقی ہم بعد میں آئیں گے۔ بعد میں یہ سوچیں گے
ں کیا کرنا ہے اور ہاں سنئے۔" وہ واپس پلٹ کر

ظم بھائی۔" زبیدہ بیگم مسکرا کر بولیں۔
ذرہ برابر تکلیف نہ ہونے پائے۔ ان کی دلجوئی
کو بھی بلا لیجئے گا تاکہ ان کا دل بہل جائے۔ ہم چلتے
ں صاحب پلٹے دروازے سے ٹکرائے۔ پیچھے ہٹے
اور اس کے بعد باہر نکل گئے۔ زبیدہ عجیب سی
انہیں دیکھ رہی تھیں۔

*

رخصت ہو گئے۔ بھائیوں نے بہت کوشش کی تھی کہ
اب تو قیر حسین یہاں رہائش کا ارادہ ملتوی کر دیں۔
اور وہ دنیا پھر سے آباد ہو جائے جس میں ایک انتشار
ہے لیکن یہاں آنے کے بعد بھی حالات میں بہتری کی
نظر نہیں آئی تھی۔ بیگمات کے اپنے اپنے رنگ اور
مفاہمت کی گفتگو کے بجائے ایسے انداز اختیار کیے
سے ظاہر ہوتا تھا کہ جو شیرازہ منتشر ہو چکا ہے اب
وہ شیرازہ بندی ممکن نہیں رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے
ازت طلب کرلی۔ زاہد حسین نے فراخ دلی کا مظاہرہ

کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ میرے بھائی ہیں' والد صاحب قبلہ یہاں تشریف پذیر ہیں' میں خوش دلی سے آپ سب سے کہتا ہوں کہ جب جی چاہے جب وقت اور فرصت ہو یہاں آسکتے ہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ خوش آمدید کہوں گا۔"

بہرحال مہمان چلے گئے۔ مہتاب جہاں فطرت کی کھری تھی۔ جب تک مہمان رہے اس نے کوٹھی میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ویسے بھی پھوپی جان جی جان تھیں۔ مہ رخ کلیجے کا ٹکڑا جس کی تمام ذمے داریاں مہتاب نے سنبھال لی تھیں اور مہ رخ کی شکل وصورت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ مہ جبیں اسے دیکھتی اس کی باتوں کا خیال آتا تو کلیجا منہ کو آجاتا۔ وہ لمحہ تو شاید اب زندگی میں کبھی نہ آئے جب فیروز اس کے قریب ہو لیکن مہتاب جہاں' آہ مہتاب جہاں نے جو حالات بتائے تھے وہ فیروز کے علاوہ کسی اور کی نشاندہی نہیں کرتے تھے۔ بس ایک عجیب سی کیفیت تھی ایک عجیب سا انداز تھا' کوئی ایک بات جو سمجھ میں آتی ہو لیکن مہ جبیں نے اب ہر عالم میں صبر کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اظہار حسین کو اللہ نے ایسی نرم دلی عطا فرمائی تھی کہ رفتہ رفتہ انہوں نے یہ احساس ہی دل سے مٹا دیا تھا کہ دونوں کے درمیان سگے بہن بھائیوں کا رشتہ نہیں ہے۔ پہلے بند بند تھے' اب مکمل گئے تھے۔ اپنی ہر ضرورت' ہر فرمائش مہ جبیں سے کہہ دیا کرتے تھے دوسرے لوگوں کو بھی اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اظہار حسین جو بیوی کی موت کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہی ہو گئے تھے ایک بار پھر دنیا دار ہو گئے ہیں۔ اب ان پر یہ احساس شدت سے سوار تھا کہ ایک بچی کے ماموں بھی ہیں اور ان پر اس بچی کے مستقبل کی ذمے داری ہے۔ جب وہ ان ذمے داریوں کا اظہار تشویش بھرے لہجے میں کرتے تھے تو مہ جبیں کے دل میں ٹھنڈک اترتی تھی۔ وہ یہ سوچتی تھی کہ دیکھو اللہ کتنا کارساز ہے' کہاں سے کس کے لیے کیا کرنا چاہتا ہے وہی جانتا ہے۔ اپنے بندوں کو کبھی بے یارومددگار نہیں چھوڑتا' خود ان کا حامی وناصر رہتا ہے' کیا اچھا بندوبست کیا ہے اس نے' میرے اور میری بچی کے مستقبل کے لیے' بہرحال یہ سارا کارخانہ حیات اسی طرح چل رہا تھا۔ نواب ابراہیم بھی خوش تھے اور مہ جبیں بھی اب دکھوں سے نکل آئی تھی۔ ماضی کی ان کہانیوں کو بھولنا تو خیر ممکن ہی نہیں تھا لیکن یہ درخواست خود اظہار حسین نے بھی کی تھی کہ مہ جبیں اب یہ تصور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذہن سے نکال دے کہ اس کا ماضی کیا تھا کوئی اگر اس کے ماضی کے بارے میں کریدنے بھی کرے تو وہ صاف جواب دے دے کہ ماضی بھول جانے کی چیز ہوتی ہے اور اب اسے ماضی یاد نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا شناور جو اس کے ماضی سے واقفیت رکھتا ہے اس کے ماضی کے بارے میں بتائے تو اس کے منہ پر تھوک کر یہ بات کہے کہ برائیاں انسان سے بے شک

لپٹی رہتی ہیں لیکن اچھائیوں کی جانب اس کا سفر جاری رہتا ہے اور اگر اس سفر میں اسے کامیابی حاصل ہو جائے تو پھر برائیوں کی جانب دیکھنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو اس کے ماضی سے کوئی دلچسپی ہے تو وہ اپنی دلچسپی کے تحت جو چاہے کرتا رہے' اسے اس سے غرض نہیں ہو گی۔ یہ وہ اعتقاد تھا جس نے مہ جبیں کو دلی طور پر پُرسکون کر دیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اب اس کے لیے کوئی راستہ مشکل نہیں رہا ہے۔ بہرحال مہتاب جہاں کی محبت بھی اپنی جگہ اور باقی لوگوں کی یگانگت بھی' مہ جبیں بڑے سکون سے گزارہ کر رہی تھی۔ ہاں اگر دل میں کوئی دکھ تھا تو صرف فیروز کے لیے' اس کی ہمیشہ یہ آرزو تھی کہ فیروز ایک بار مل جائے اور دل کے پرے ان انتہائی گوشوں میں جو اب ایک ویرانہ بن چکے تھے وہ یاد بھی مسلسل کھٹکتی رہتی تھی۔ وہ یاد جس میں ایک آرزو تھی ایک حسرت تھی۔ ایک چبھن تھی لیکن اب اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اب یہ یاد بڑی مختاط ہو گئی تھی اور وہ دنیا جہاں سے چھپ کر اسے یاد کرتی تھی۔ مہتاب جہاں نے کہا۔

"چھوپی جان ایک بات بتاؤں آپ کو؟"

"ہاں۔"

"سترھویں آرہی ہے۔"

"ہاں ہاں واقعی سلطان جی کے مزار کی رونق بڑھنا شروع ہو گئی ہو گی۔ تم بھی گئی ہو سترھویں میں۔"

"کبھی نہیں گئی' بس تو دلچسپ بات ہے۔"

"بڑا لطف آتا ہے وہ سب کچھ ہوتا ہے جو انسان کی روح کو نئی تازگی عطا کرے۔"

"دوسری بات بتاؤں؟"

"ارے ارے بہت سی باتیں جمع ہو گئی ہیں کیا؟"

"جی ہاں' ادا ابو اور نواب ابراہیم خاں صاحب دونوں باتیں کر رہے ہیں' کچھ سترھویں کے بارے میں کھسر پھسر ہو رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی ہم لوگ بھی سترھویں شریف میں شرکت کریں گے۔" مہتاب جہاں نے کہا اور مہ جبیں کے دل پر گھونسا سا پڑا ایک لمحے تک چکرائی چکرائی سی رہی پھر بولی۔

"ہم لوگوں سے کیا مراد ہے تمہاری؟"

"میرا مطلب ہے پورا خاندان وہاں جائے گا۔ غالباً یہ طے ہوا ہے کہ دہلی میں کوئی موٹر بندوبست ابھی سے کرلیا جائے کیونکہ سترھویں شریف کے موقعے پر وہاں پورے ہندوستان بھر سے لوگ آتے ہیں اور تمام جگہیں پُر ہو جاتی ہیں جہاں خاندان قیام کر سکیں۔"

"ہوں' پھر۔"

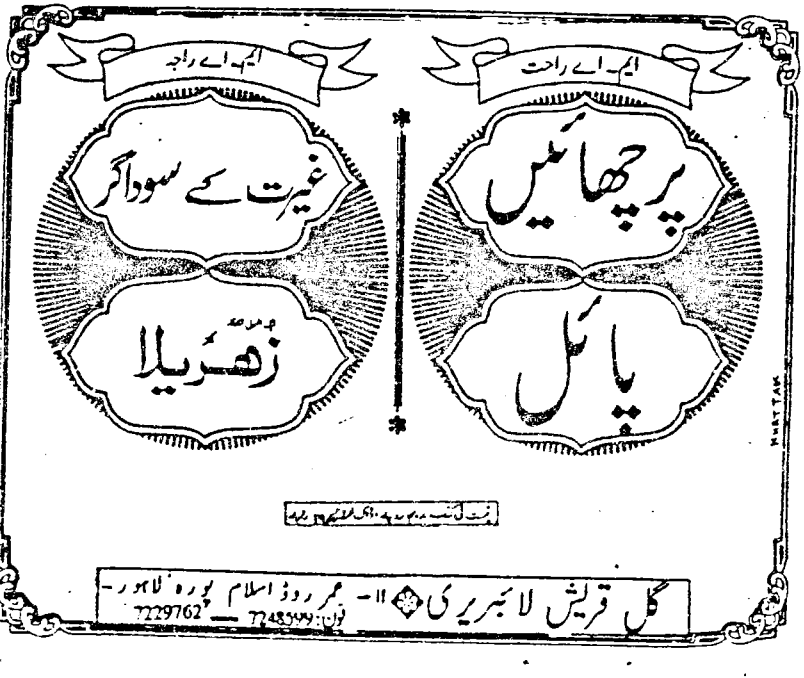

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بس نواب ابراہیم خاں صاحب نے کہا ہے کہ یہ تو کوئی کام ہی نہیں ہے۔ وہ فوراً" بندوبست کرلیں گے۔"

"مگر سب لوگ جائیں گے کیا؟"

"سب لوگ ظاہر ہے سب لوگ اور مزہ بھی پھوپی جان اس وقت آئے گا جب سب لوگ ساتھ ہوں۔"

"مم..... میں میں تو نہ جاسکوں گی۔" مہ جبیں گھبرا کر بولی۔

"ارے کیوں؟"

"نب..... بس مم..... میں جانا نہیں چاہتی وہاں۔"

"کیسی باتیں کررہی ہیں پھوپی جان' سلطان جی کسی کو بلائیں اور وہ نہ جائے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔"

"مم..... میں میں۔"

"ارے مزہ آئے گا چھوڑیے آپ ان باتوں کو ہم چلیں گے۔ ایک بات کہوں میں نے تو تیاریاں بھی شروع کردی ہیں۔"

مہ جبیں عجیب سی نگاہوں سے مہتاب جہاں کو دیکھتی رہ گئی۔ کیا کہتی' کیا نہ کہتی۔ دہلی کی جانب رخ کرنا ہی اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا۔ نجانے کون کون مل جائے' نجانے کیا ہوجائے لیکن اب یہ ساری باتیں ان لوگوں سے تو نہیں کہہ سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ وقت گزرا تو یہ احساس ہوا کہ تمام لوگ واقعی سنجیدہ ہیں۔ اظہار حسین نے مہ جبیں سے کہا۔

"مہ جبیں بیگم تیاریاں مکمل کرلیجیے' سترھویں شریف میں حرکت کے لیے چل رہے ہیں۔"

"جی۔" مہ جبیں نے گردن جھکا کر کہا۔

"کسی شے کی حاجت ہو تو کسی کو بھی بتا دیجیے گا سب لوگ آپ کے اپنے ہیں لیکن بہرطور تیاریاں مکمل ہونی چاہئیں اور ہاں ذرا دیکھیے میرے لباس وغیرہ کا بھی بندوبست کردیجیے۔ کم از کم ایک درجن کرتے' پائجامے' شیروانیاں وغیرہ درکار ہوں گی۔"

"جی اچھا۔"

"اور آپ کے لیے کوئی ایسی ضرورت؟"

"نہیں سب کچھ ہی تو ہے۔" مہ جبیں نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور ہماری مہ رخ کے لیے؟"

"جی بھائی جان اس کے لیے کچھ لباس بنانا پڑیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں رفاقت حسین کو بھیج دوں گا۔ وہ یہاں آکر بچی کے ناپ وغیرہ لے جائیں گے اور آپ سنئے ان کے سارے سائز وغیرہ کے بارے میں بتا دیجیے گا جو بھی ضرورت ہو گی وہ خود ہی مہیا کرلیں گے۔ ہمارا ان سے بہت پرانا رشتہ ہے۔"

"جی۔" مہ جبیں نے مدھم لہجے میں کہا لیکن اظہار حسین کے جانے کے بعد اس کے دل پر شدید بوجھ سوار ہوگیا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ دہلی ایک بار پھر اسے آواز دے رہی ہے۔ حالانکہ اب خوف کی کوئی اہم وجہ نہیں تھی۔ وہ اپنے طور پر ایسے لوگوں کے درمیان تھی جو اسے مکمل طور سے جانتے تھے اور ہر طرح سے اس کی دلجوئی کرتے تھے۔ اب اپنے آپ کو چھپانے کا کوئی مسئلہ تو درمیان میں تھا ہی نہیں لیکن وہاں اتنے بہت سے لوگ تھے۔ رونق آرا بیگم تھیں' نواب ناظم خاں صاحب تھے۔ وہ تمام لوگ تھے جو اسے مہ جبیں کی حیثیت سے جانتے تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی نظر آہی جائے کس طرح سامنا کرے گی ان کا۔ کہیں کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے حالانکہ دل کی بات کسی سے بھی کہہ سکتی تھی۔ سبھی اس کی سننے والے تھے لیکن اپنی شرم بھی کوئی چیز ہوتی ہے بہرحال کشمکش میں مبتلا تھی لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہاں جانے سے انکار کردیتی' ان لوگوں کی ہر خوشی میں شرکت اس نے اپنا ایمان بنا لیا تھا۔ ہر بات کان دبا کر سنتی تھی اور اس پر عمل کرتی تھی تاکہ انہیں یہ احساس نہ ہو سکے کہ وہ منحرف ہے۔ طوائف زادی تھی ذرا بھی کہیں لغزش ہوتی تو ایک ہی خیال ذہنوں میں جاتا کہ آخر طوائف طوائف ہی ہوتی ہے اور اس سے وفا ممکن نہیں' یہ جملے کبھی کسی کی زبان پر نہیں آنے دینا چاہتی تھی اپنی عزت بنانے کے لیے بڑی احتیاط کرنا ہوتی ہے۔ یہ فرشتہ صفت لوگ اس کے ماضی کو بھول کر اس کے حال سے محبت کررہے تھے تو حال کو اتنا ہی شگفتہ ہونا چاہیے کہ انہیں اپنی محبت کا افسوس نہ ہو' تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ سب کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ مہ رخ بھی خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ اب وہ اتنی سمجھدار ہوگئی تھی کہ ایسی باتوں کو سمجھ سکے کہ کہیں جا

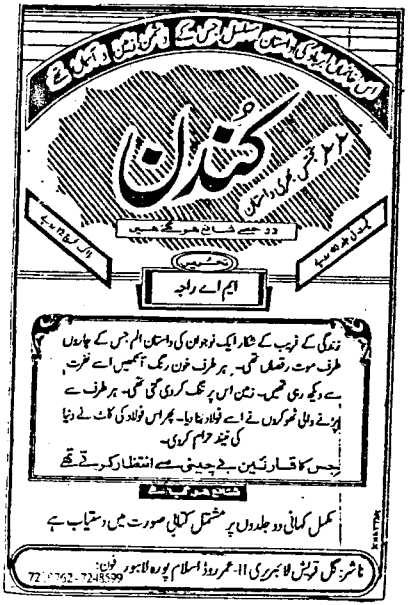
کندن
ایم اے راحیلہ
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے جہازوں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کردی گئی تھی۔ ہر طرف سے اڑنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کاٹ نے دنیا کی نیند حرام کردی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کررہے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل فریش لائبریری ۱۱۔ عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7248599

ہے یہاں وہاں لطف آئے گا اور پھر مہتاب جہاں تو مہ رخ کے ساتھ بچی ہی بن گئی تھی اور بچوں کی طرح اسے چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ بچوں کی باتیں کرتی تھی۔ غرض کہ سترھویں شریف میں ہر قسم کی تیاریاں مکمل ہوگئیں حالانکہ وہاں بارہ پوری ہاؤس بھی جانے کی تیاریاں وہاں قیام پذیر ہوا جا سکتا تھا لیکن شکر تھا کہ اس طرح آسانی اور بے تکلفی سے کسی سے رابطہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ نواب ابراہیم خاں صاحب نے اپنے کسی دوست کی کوٹھی حاصل کرلی تھی۔ نوابوں کے لیے ایسے کام بالکل مشکل نہیں ہوا کرتے اور ان لوگوں کو بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ ریل کا ایک پورا ڈبا بک کرایا گیا تھا اور اس کے ذریعے سفر شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ دہلی کا جانا پہچانا اسٹیشن نگاہوں کے سامنے آگیا۔ مہ جبیں کو وہ دن یاد آرہا تھا جب مہ رخ کو کاندھے سے لگائے دہلی سے ریل میں سوار ہوئی تھی۔ بے یارومددگار' بے آسرا' آنکھوں کے سامنے مکمل تاریکی' بس اللہ کا نام لے کر بیٹھ گئی تھی۔ ریل کے ڈبے میں اور اس کے بعد جن جن حالات سے گزرنا پڑا' مہ جبیں کو سب کچھ یاد آرہا تھا۔ آج دہلی کے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہی اس کے پاؤں لرز رہے تھے۔ اظہار حسین نے شاید دور سے اس کی یہ کیفیت محسوس کرلی' فوراً" ہی یاد آگیا کہ مہ جبیں دہلی ہی کی تو رہنے والی ہے' قریب پہنچ گئے۔ بڑا دلاسا دے کر کہا۔

"مہ جبیں بہن کیا بات ہے' آپ کی طبیعت شاید کچھ خراب ہورہی ہے۔"

"نہیں بھائی جان' دہلی آکر کچھ عجیب سا محسوس کررہی ہوں۔ آپ کو علم ہے کہ دہلی کی تاریخ سے میرا کیا تعلق ہے؟" اظہار حسین صاحب نے اس سچائی کو خلوص دل سے تسلیم کیا' کہنے لگے۔

"ہاں مجھے احساس ہے لیکن بہن کیا بھائی پر بھروسا نہیں ہے؟" اظہار حسین کے ان الفاظ میں اور اس انداز میں اتنی اپنائیت اور اتنا اعتماد تھا کہ مہ جبیں کو اپنے سلگتے وجود میں ٹھنڈک کا احساس ہوا' ممنونیت سے کہا۔

"جی بھائی جان مکمل اعتماد ہے۔"

"تو پھر آئیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کے ہر مسئلے کو سنبھالنا میری ذمے داری ہے۔ آئیے۔" اور مہ جبیں کسی قدر اعتماد سے چل پڑی۔

مہتاب جہاں کی تو خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا۔ اس لڑکی کی کیفیت بھی بہت عجیب سی تھی۔ ہر مسئلے میں انتہا پسند' کسی بات سے خوش ہوتا تھی تو اتنی کہ انگ انگ سے خوشی پھوٹے۔ غمزدہ ہوتو رو رو کر دریا بہا دے۔ الغرض کوٹھی پہنچ گئے۔ دہلی کے ایک خوبصورت علاقے میں یہ شاندار اور قیمتی کوٹھی واقع تھی۔ یہاں ملازمین وغیرہ موجود تھے۔ جن صاحب سے یہ کوٹھی حاصل کی گئی تھی وہ غالباً" دہلی میں نہیں رہتے تھے۔ کہیں اور کے تھے لیکن ملازموں کو خصوصی ہدایت کردی گئی تھی کہ معزز مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تمام تیاریاں بھی مکمل تھیں اور کسی قسم کی کوئی پریشانی دامن گیر نہیں تھی۔ سترھویں کا آغاز ہوا۔

دربار نظام الدین اولیا کی رونقوں کا کیا ٹھکانا' یہ رونقیں کراچی مہ جبیں نے بارہا دیکھی تھیں۔ رونق آرا بیگم کو بڑی عقیدت تھی سلطان جی سے' ویسے ہی تقریباً" ہر جمعرات کو آنا جانا ہوتا تھا لیکن سترھویں شریف کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ایک ایک قدم پر مہ جبیں کو وہ تمام باتیں یاد آرہی تھیں جن کا تعلق یہاں سے تھا۔ دربار سلطان جی کی وہی رونق' وہی انداز' روایات میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ پھول والوں کی گلی سے گزرنے کے بعد مزار اولیا پر پہنچی اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ مہتاب جہاں نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ مہ رخ کو اظہار حسین نے اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔ قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ تمام مدارج طے ہوئے' دربار شریف کے قریب پہنچ کر جالی کے پاس بیٹھ گئی اور سلطان جی کی آرام گاہ کی جانب نگاہیں اٹھیں۔ ایک عجیب ہی کیفیت آنکھوں میں سمٹ آئی۔ مہتاب جہاں بھی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی لیکن دونوں ایک دوسرے کی کیفیات سے بے نیاز تھیں۔ مہ جبیں کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ نقاب الٹ کر یاس بھری نگاہوں سے دربار اولیا کو دیکھا اور اس کے منہ سے آہستہ سے آواز نکلی۔

"ملا دے بس ایک بار ملا دے' ایک بار ملا دے دلی۔ انکھیاں ترس گیاں ہیں' ایک بار ولی بس ایک بار وہ چہرہ دکھا دے جسے دیکھنے کی آرزو قبر میں بھی ساتھ جائے گی۔" ہولے ہولے یہ الفاظ اس کے منہ سے نکل رہے تھے اور وہ یہ الفاظ اپنے ہی دل میں سن رہی تھی۔ بہت دیر تک دعائیں مانگتی رہی پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ نگاہیں مہتاب جہاں کی جانب اٹھ گئیں۔ مہتاب جہاں روضے کی جالیاں پکڑ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ مہ جبیں اس کی مدھم سرگوشیاں سن کر چونک پڑی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"ملا دو ولی' بس ایک بار ملا دو اس سے' اس کی زندگی کی دعا کرو' اس کی صحت کی دعا کرو تم ولی ہو' میرے دل میں وہ جتنی گہرائیوں تک اتر گیا ہے اب ان گہرائیوں سے نکلنا اس کے بس کی بات ہے اور نہ اسے نکالنا میرے بس کی بات۔ مجھے اس سے ملا دو ولی' مجھے اس سے ملا دو۔" یہ الفاظ سن کر مہ جبیں پر ایک عجیب ہی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسے ایک دم سے یہ احساس ہوا کہ جو دعا اس نے نہیں مانگی وہ مہتاب جہاں مانگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی ہے۔

ناصر علی اور عامر علی کو مکمل طور سے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ سب کچھ جاری نہیں رہ سکے گا جو اب تک چل رہا تھا۔ درحقیقت کاروبار اپنی جگہ لیکن حاجی عبداللہ کو ان کے ذریعے جو نقصانات پہنچے تھے وہ بہت شدید تھے۔ کم از کم مراد آباد سے ان لوگوں نے حاجی عبداللہ کے پاؤں اکھاڑ دیے تھے۔ یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ حاجی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ اپنے کاروبار کو سنبھالا دے سکے' لیکن انسان جب برائی کرتا ہے تو اس کے دل کے گوشوں میں اس برائی کا احساس ضرور ہوتا ہے اور پھر خاندانی طور پر برے لوگ بھی نہیں تھے۔ چنانچہ بھائیوں نے مل کر یہ طے کیا کہ اب حاجی عبداللہ سے مفاہمت زیادہ بہتر ہے۔ ادھر کاروباری طور پر وہ اثرات ظاہر ہونے لگے تھے جس کا ذمے دار اسی نوجوان کو قرار دیا جا سکتا تھا جس نے حاجی عبداللہ کے کاروبار کو سنبھالا تھا۔ اس نے جو کارروائیاں شروع کی تھیں ان سے نہ صرف حاجی عبداللہ کی ساکھ بحال ہوتی جا رہی تھی بلکہ حاجی عبداللہ کے کاروبار کو زیادہ فوقیت حاصل ہو رہی تھی اور اس کے نشانات صاف ظاہر ہونے لگے تھے۔ ایک طرف تو حاجی عبداللہ کے مال کی پروڈکشن بہت زیادہ بڑھی تھی اور دوسری طرف بیوپاریوں نے تقاضے شروع کر دیے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اب وہ سب کچھ کیوں نہیں ہو رہا جو ہوتا رہا ہے۔ ناصر علی کے پاس ان کے لیے کوئی جواب نہیں تھا اور اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ تیز طرار نوجوان اس کاروبار کو تباہ کر دے گا۔ غرض کہ شدید پریشانیاں لاحق تھیں۔ نواب فاخر علی تو شاہ رخ میں اس طرح گم ہو گئے تھے کہ انہیں کسی اور طرف دھیان دینے کی مہلت ہی نہیں مل رہی تھی۔ شاہ رخ بہت بہتر عالم میں تھا عالم میں اسے بھیجا گیا تھا اب وہ اس پر بالکل ظاہر تھی۔ سنجیدہ متین اپنے آپ میں کھویا ہوا۔ نجانے فاخر اس سے کیا کیا معاملات چل رہے تھے۔ بہرحال یہ سارا اپنی جگہ۔ عامر علی اور ناصر علی مل کر یہ کاروبار سنبھالا آخری گفتگو میں یہ بات طے پائی کہ فیروز سے مل لیا جائے کر اس سے بات کی جائے اور کہا جائے کہ اگر وہ پسند کر کاروبار مل جل کر جاری رکھا جائے۔ دونوں ایک دوسرے مفادات کا خیال رکھیں اور ایمانداری سے ہر کام کریں۔ مقابلہ ختم کر رہے ہیں۔

یہ تمام معاملات طے کرنے کے بعد بالآخر دونوں بھ کے ہاں چل پڑے۔ یہ جانتے تھے کہ اگر پہلے اس بارے اطلاع دی تو فیروز ان سے ملنا پسند نہیں کرے گا۔ تمام حاصل کر لی تھیں اور اس وقت فیروز کی کوٹھی پر پہنچے فیروز اپنے گھر میں موجود تھا۔

دروازے پر کھڑے ہوئے چوکیدار سے انہوں نے ملاقات کی بات کی تو چوکیدار نے احترام سے انہیں ڈرائنگ میں لے جا کر بٹھا دیا۔ ڈرائنگ روم بڑی خوبصورتی سے آ گیا تھا۔ عامر علی نے ناصر علی سے کہا۔

"لگتا ہے حاجی عبداللہ کا کوئی بہت ہی قریبی عزیز حاجی صاحب نے اسے مکمل اختیار دے کر بھیجا ہے ورنہ ملازم کی یہ شان و شوکت نہ ہوتی۔"

فاخر علی نے گردن ہلائی تھی۔ ملازم اندر فیروز کو اطلاع کرنے چلا گیا تھا۔ فیروز کا معاملہ وہی تھا۔ اب ان دونوں کے پاس تھیں۔ رونق آرا بیگم کی تو ایسی دلجوئی ایسی

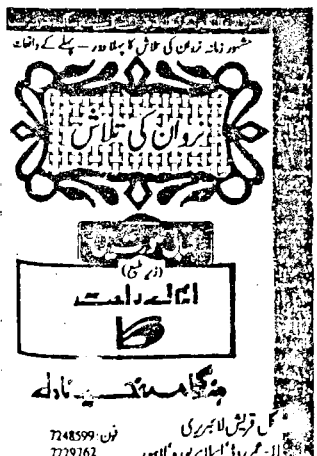

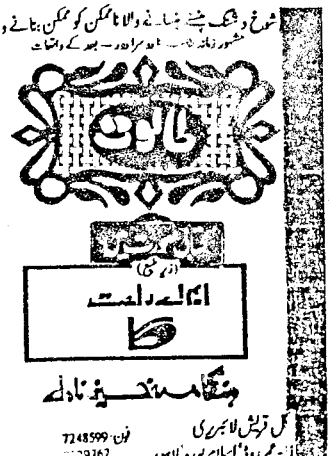

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی اس نے کہ رونق آرا بیگم کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ ان کا رواں رواں فیروز کا شکر گزار تھا جس نے ایسے وقت میں انہیں گندی نالی سے اٹھا، محفل میں رکھ دیا تھا جب گندی نالیاں ہی ان کا مقدر بن گئی تھیں اور اب انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ طوائف کچھ بھی ہو لیکن انسان ہے اور انسانوں کے مسائل یکساں ہوتے ہیں۔ کسی چیز کا رابطہ اگر پوری زندگی سے ہو تب بھی یہ لازم نہیں ہے کہ اس زندگی کو ابتدا اور انتہا سمجھ لیا جائے اس سے آگے پیچھے بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ فیروز سے صرف نفرت ہی روا رکھنا جائز نہیں تھا۔ کھوٹا بیٹا اور کھوٹا پیسا کبھی کبھی اس طرح کام آتا ہے کہ انسان سوچ نہ سکے۔

بہرحال فیروز کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تھی چنانچہ وہ تیار ہو کر ڈرائنگ روم کی جانب چل پڑا۔ عامر علی اور ناصر علی اس کے منتظر تھے۔ فیروز اندر داخل ہوا۔ دونوں احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن جب اس کے چہرے پر نگاہ پڑی تو دونوں شدت حیرت سے لڑکھڑا گئے۔

یہ تو شاہ رخ کا دوسرا روپ تھا۔ کوئی ایک نگاہ دیکھ کر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ شاہ رخ نوجوانی کے عالم میں ایسا ہی ہو گا۔ وہی گھنے گہرے سیاہ بل کھائے ہوئے بال۔ بالوں کو بنانے کا وہی انداز، اس کے نیچے ایک مخصوص ساخت کی کشادہ پیشانی، گہری سیاہ بھویں اور نیلی حسین آنکھیں جو دیکھنے والوں کو ایک نظر میں مسحور کر دیں۔ دودھ کی طرح شفاف اور بے داغ چہرہ، مسکراتے ہوئے گلابی ہونٹ، بلند و بالا قد، نوخیزی کی عمر لیکن چہرے پر ذکاوت اور حلاوت کا ایک ایسا امتزاج کہ دل کلیجا توڑ کر باہر نکل آنے کو بے چین ہو جائے۔ ایک عجیب شان تھی ایک عجیب انداز تھا۔ دیکھنے سے ہی کوئی نواب زادہ لگتا تھا لیکن شاہ رخ سے یہ مماثلت ناقابل یقین تھی۔ دونوں شدت حیرت سے منہ کھولے کھڑے ہوئے تھے۔ فیروز نے مسکرا کر کہا۔

"تشریف رکھیے آپ لوگ۔ بدقسمتی سے میرا آپ سے تعارف نہیں ہے۔ میرا نام فیروز ہے۔" اس نے اپنا سفید ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔ ناصر علی نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیا۔ عامر علی بھی حیران حیران اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ فیروز نے کہا۔

"تشریف رکھیے آپ لوگ، ویسے آپ سے میرا کوئی تعارف نہیں ہے لیکن آپ لوگ جس طرح چونک کر مجھے دیکھ رہے ہیں اس بات پر بے شک مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" بمشکل تمام وہ لوگ بیٹھے۔ فیروز ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔

"کیا منگواؤں آپ کے لیے۔ کچھ شربت وغیرہ سے شغل فرمائیں گے یا کچھ چائے وغیرہ پینے کا ارادہ ہے۔"

"عزیزی پہلے ہم اپنا تعارف کرا دیں۔ میرا نام ناصر علی ہے اور یہ میرے بھائی عامر علی۔ ہم آپ کے کاروباری حریف ہیں۔"

فیروز نے گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ چہرے کی

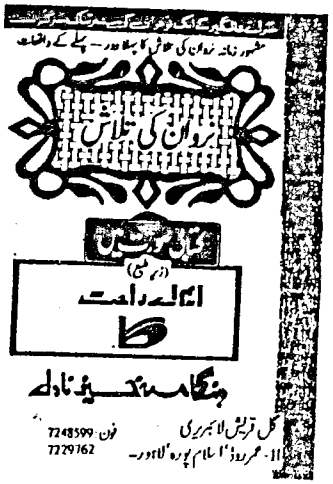

مسکراہٹ سنجیدگی میں تبدیل ہو گئی۔ ایک لمحے جیسے سوچ میں ڈوبا رہا پھر کہا۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ آپ یہ بتائیے آپ چائے پینا پسند کریں گے یا؟"

"ہمارے نام جاننے کے باوجود اگر آپ کچھ پلانا چاہتے ہیں تو پھر ٹھنڈے پانی کے ساتھ گرم چائے۔" ناصر علی نے کہا۔ فیروز نے گردن خم کر دی۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کے باہر ملازمین موجود تھے۔ مہمانوں کے آنے کے بعد ان کا مستعد رہنا ضروری ہوتا تھا۔ یہ ان کو فیروز کی طرف سے ہدایت تھی۔ چنانچہ فیروز نے ملازمین کو مہمانوں کی حسب منشا چیزیں لانے کے بارے میں کہا اور واپس کمرے میں آ گیا۔

"فیروز میاں یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ ہم آپ کے کاروباری حریف ہیں اور ہم وہی ہیں جن کے ہاتھوں آپ کو میرا مطلب ہے حاجی عبداللہ صاحب کے کاروبار کو کافی نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔"

فیروز کی مسکراہٹ پھر بحال ہو گئی، بولا۔ "یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ دشمن کسی کے گھر میں داخل ہو کر یہ بتائے کہ میں فلاں وہ دشمن ہوں جس کے تم شناسا نہ تھے۔ بہرحال دشمن کی یہ ایمانی بھی ہے اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس میں اس کا اعتراف بھی شامل ہے۔"

"ہاں میاں آپ نے درست کہا۔ ہمیں واقعی اعتراف ہے کہ کاروباری حریف، کاروباری حریف نہ رہے بلکہ بے ایمانی کی میں داخل ہو گئے اور جب انسان کو بے ایمانی کا احساس ہو جاتا تو ظاہر ہے دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو وہ ڈھٹائی سے بقیہ گزارنے پر کمربستہ ہو جائے یا پھر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر

"یہ تو بہت دیر کے بعد کر رہے ہیں آپ، اصولی طور پر ایسا بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔"

"نہیں ہو سکا۔ ہم اپنی تمام کوتاہیوں کا اظہار کر چکے ہیں اور ان کے لیے معافی کے خواستگار ہیں۔"

"دیکھیے بات اصل یہ ہے کہ جب مالی نقصانات ہوتے ہیں تو صرف معافیوں سے کام نہیں چلتا۔ آپ نے جو مالی زک حاجی عبداللہ کو پہنچائی ہے اس کی کمی پوری کر دیجیے۔ میرا خیال ہے میں حاجی صاحب کو اس کے لیے تیار کر لوں گا کہ وہ اپنے نقصانات کا معاوضہ لے کر آئندہ آپ سے کاروباری مفاہمت کر لیں۔"

"ہم خلوص دل سے تیار ہیں۔ معاوضہ کچھ بھی بنے اس کے نتیجے میں اگر ہمارا کاروبار بھی تباہ ہو جائے ہم بالکل روا نہیں کریں گے۔ آپ براہ کرم معاوضے کا تعین کر کے ہمیں بتا دیجیے گا۔ ہم وہ معاوضہ بخوشی ادا کرنے کو تیار ہیں۔"

"یہ مفاہمت کی بات ہے لیکن میں یقینی طور پر اس کا مجاز نہیں ہوں کہ اس سلسلے میں خود کوئی فیصلہ کر سکوں لیکن ایک اصولی فیصلہ میں نے کیا ہے۔ ہاں حاجی صاحب اگر یہ رقم لینے پر آمادہ نہ ہوں تو آپ یقین کیجیے کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔"

"بے شک۔ بے شک۔"

اتنی دیر میں ملازم نے چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات لا کر رکھ دیے تھے۔ ٹھنڈا پانی بھی موجود تھا۔ چنانچہ فیروز نے ان لوگوں کی خوب خاطر داری کی۔

ناصر علی اور عامر علی ہر ہر لمحے فیروز کی چال ڈھال اور اس کا ہر انداز دیکھ رہے تھے اور شدت حیرت سے چکرائے جا رہے تھے۔ صورتیں مماثل ہو جاتی ہیں لیکن ایسے بھی نہیں کہ نگاہوں کو یقین نہ آئے۔ بہرحال کچھ اپنے جذبات بھی دل میں بیدار ہو گئے تھے جن کا انداز بڑا نرم تھا اور جنہیں کسی بناوٹ سے پاک کہا جا سکتا تھا۔

بہت سی باتیں ہوئیں اور اس کے بعد ناصر علی نے کہا۔

"اس نوعمری میں آپ نے جس ذہانت سے حاجی عبداللہ کے کاروبار کو سنبھالا ہے فیروز میاں اس کی داد دینے کو جی چاہتا ہے اب ہمارے درمیان کم از کم اس قدر مفاہمت کی فضا پیدا ہو گئی ہے کہ کاروباری گفتگو سے ہٹ کر بھی کچھ کہیں۔"

"شکریہ۔" فیروز نے جواب دیا۔

"عزیزی تعلق کہاں سے ہے، کیا حاجی عبداللہ صاحب سے کوئی رشتہ بھی ہے آپ کا۔ یا صرف کاروبار؟"

فیروز نے مسکرا کر ان دونوں کو دیکھا پھر بولا۔

"بے شک مفاہمت کی راہ کھلی ہے لیکن میرا خیال ہے وہ ابھی ذاتیات کی حد میں داخل نہیں ہوئی۔ بہتر ہو گا کہ پہلے حاجی

[illegible] کی کوشش کریں۔"

فیروز نے گردن ہلائی اور بولا۔ "آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے، کرم اس بات کا خاص طور سے خیال رکھیے گا کہ اس وقت میرے گھر پر ہیں اور ہماری روایات میں یہ بات شامل ہے کہ آیا ہوا مہمان چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو بے حد معزز ہوتا اور اس کا احترام ایک فرض بھی ہے۔ آپ لوگ اپنے دل کی بات کہنا چاہتے ہیں، بے دھڑک کہیے۔ میں اس سلسلے میں اپنی کوئی بات نہ کہوں گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔"

"عزیزی دل میں تو نجانے کیا کیا تصورات پیدا ہو گئے ہیں پہلے کاروباری امور پر ہی گفتگو ہو جائے۔"

"جی بے شک۔"

"اب تک جو کچھ ہوتا آ رہا ہے ہم اس کا خلوص دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں ہماری کاروباری بدمعاملگیاں بھی تھیں اور ہم نے وہ سب کچھ کیا جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"یقیناً ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد میں نے یہی تجزیہ کیا ہے پھر اب اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"ہم اس بات کا اعتراف کر کے یہاں پہنچے ہیں کہ آپ نے مکمل طور پر ناکام بنا دیا ہے اور آئندہ ہم وہ طریقہ کار جاری نہیں رکھ سکتے جس کے تحت ہم اپنا کاروبار کرتے رہے۔"

"یقیناً آپ اب اپنا وہ طریقہ کار جاری نہیں رکھ سکتے۔ لوگوں نے ہر ممکن کوشش کر لی۔ غنڈا گردی بھی کرائی۔ کاروباری طور پر تمام حربے استعمال کیے اور آپ اس میں ناکام رہے ہیں۔"

"ہاں ہمیں اعتراف ہے۔"

"تو پھر اب آپ یہ فرمائیے کہ یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟"

"شکست قبول کرنا اور ہر وہ عمل منظور کرنا جس سے معافی مل سکے۔"

"آپ بہتر نرم لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں اور ویسے بھی [illegible] صورتا سے آپ لوگ زیادہ معلوم ہوتے ہیں بہت الجھ گیا ہوں کہ آپ سے کس انداز میں گفتگو [illegible] آپ نے جو غنڈے بھیجے تھے میں نے ان سے انہی کی [illegible] بات کی اور خدا کا شکر ہے کہ میری بات ان کی سمجھ [illegible] آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"اصل میں ہم لوگ چاہتے ہیں کہ آئندہ ہم مل جل کر کام [illegible] میرا مطلب ہے کہ حاجی صاحب جو کچھ کر رہے ہیں وہ [illegible] مقام بنائیں اپنے لیے ایک بازار، ایک منڈی بنائیں۔ [illegible] الگ بازار اور الگ منڈیوں کا تعین کریں۔ دونوں [illegible] کام کریں نہ ہم اس منڈی میں اپنا مال بھیجیں جہاں [illegible] جلتا ہے۔ نہ آپ ہمارے راستے کا میں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب مطمئن ہو جائیں۔ تعلقات تو لمحوں میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ باتیں پھر سہی میرا خیال ہے ابھی ہمیں ذاتیات تک نہیں آنا چاہیے۔"

"جیسا آپ بہتر سمجھیں۔ اصل میں ایک مشکل آپڑی ہے۔"

"کیا؟"

عامر علی نے ناصر علی کو اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ مزید تفصیل میں نہ جائیں۔ بڑوں سے مشورہ کر لینا ضروری ہے' عامر علی فوراً ہی بات کو سمجھ گیا اور اس نے کہا۔

"خیر تو پھر آپ یہ بتائیے کہ حاجی صاحب سے کب ملاقات ہو رہی ہے آپ کی' اور ہم سے کب ملاقات ہو رہی ہے۔"

"حاجی صاحب سے بہت جلد ملاقات ہو گی اور آپ سے ملاقات کا فیصلہ حاجی عبداللہ ہی کریں گے۔" فیروز نے جواب دیا۔

"اچھا میاں پھر اجازت۔" دونوں نے بڑی گرم جوشی سے فیروز سے مصافحہ کیا۔ فیروز اخلاق کے تقاضے سے مجبور ہو کر انہیں باہر تک چھوڑنے بھی آیا۔ دونوں نے کئی بار پلٹ کر فیروز کو دیکھا اور اس کے بعد اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے لیکن دونوں ہی گم تھے۔ ناصر علی نے عامر علی سے کہا۔

"مماثلت کو کیا اتفاق کہا جا سکتا ہے۔"

"میں خود حیران ہوں کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔"

"ایک ایسا ناقابل یقین منظر دیکھا ہے آج کہ عقل خبط ہو کر رہ گئی ہے۔"

"بے شک' بے شک۔" گھر پہنچے' نواب فاخر علی سے ملے' شاہ رخ کے پاس موجود تھے۔ گہری نگاہوں سے شاہ رخ کو دیکھا اور پھر فاخر علی سے کہنے لگے۔

"آپ کو معلوم ہے بھائی جان ہم فیروز سے ملنے گئے تھے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں صورت حال سے میں اس قدر بے خبر نہیں ہوں۔"

"ایک اتنا ناقابل یقین منظر دیکھا ہے کہ عقل تسلیم نہیں کرتی۔"

"کیا' خیریت؟"

"فیروز شاہ رخ کا دوسرا روپ ہے۔ اتنا ملتا جلتا کہ آپ بھی دیکھیں گے تو دیوانے ہو جائیں گے۔ ذرہ برابر فرق نہیں ہے شاہ رخ بھائی میں اور فیروز میں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟"

"آپ یقین کیجئے' ایک بار دیکھ لیں تو حیرت سے منہ کھول کر رہ جائیں گے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہ ہی تو سمجھ میں نہیں آتا' ہم لوگ یہی بات کر رہے تھے کہ چہرے مماثلت ضرور کر جاتے ہیں لیکن یہاں تو ایک کو بٹھاؤ اور دوسرے کو اٹھاؤ۔" دفعتہً فاخر علی کے ذہن میں جھماکا لگا تھا۔ ناظم خاں نے ایک اور بات بھی بتائی تھی ایسی انوکھی بات سن کر فاخر علی خاں شدت حیرت سے گنگ ہو گئے تھے اور آج یہ سب کچھ سن کر ان کے کانوں میں وہی آواز گونج رہی تھی۔ انہوں نے شاہ رخ کو دیکھا بھائیوں کو احساس ہو گیا تھا کہ فاخر علی خاں نے کوئی اہم بات سوچی ہے۔

*

ناظم خاں صاحب سے رخصت ہو کر اڑے ہوئے تھے۔ کو سب کچھ سمجھا کر وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ بدن خاں بوجھ کر ساتھ نہیں لائے تھے بہرطور ایک ذمہ داری تو بہت تو خیال کرنا ہی تھا۔ اندھا دھند موڑ توڑتے ہوئے نئی چاوڑی پہنچ گئے۔ حواری منتظر تھے آپس میں نہ جانے پیغامگیاں ہو چکی تھیں۔ ناظم خاں صاحب نے لمحہ نگاہوں سے دیکھا سب کے ہونٹوں پر دلی مسکراہٹیں تھیں بولے۔

"ابے کاہے کو تم لوگوں کی شامت آگئی ہے۔ ہوں اور تم لوگ مسکرا رہے ہو۔ کھوپڑی گھوم گئی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ سب کچھ کیا ہو گیا۔ خدا غارت ماموں کو سارا کیا دھرا انہی کا ہے۔ عجیب مصیبت میں ابے کچھ پھوٹو منہ سے تم لوگ کاہے کے مشیر ہو۔ تو انوکھی چال چلی ہے فاخر علی خاں نے۔ یہاں آکر ہے کہ بڑے میاں کتنے ظنطین ہیں۔ اب بتاؤ کوئی سے نمٹ بھی لیتے۔ ہم تو بڑی ہمت سے سینہ تانے تھے کہ دیکھ لیں گے آنے والوں کو مگر فاخر علی خاں کہاں؟"

"خاں صاحب بات دراصل یہ ہے کہ ہماری وفا ہیں ہم دل و جان سے آپ کے شیدائی اور پرستار ہیں ہیں کہ کسی مسئلے میں اگر ہم نے دل کی بات کہہ تمہیں آپ کو ناگوار نہ گزرے۔" رؤف خاں بولے

"دیکھو چندا' ہیر پھیر کی بات مت کرو اس وقت میں بھوسا بھرا ہو تو آدمی سے کوئی الٹی بات برداشت کچھ ادھر اُدھر کی کرو گے تو جلی کٹی سنو گے۔ ہیں تم سے کہ اس وقت ہم شدید ذہنی پریشانی کے ہیں کوئی ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی تو ہماری کرو۔ مشورہ دو ہمیں کہ کیا کریں ادھر اُدھر کی میری کھوپڑی گھوم جائے گی اور پھر جو بھی الٹی سیدھی سمجھ لو اس کی ذمے داری ہم پر نہیں تم پر ہو گی۔" بمشکل ہنسی روکے ہوئے تھے۔ رؤف خاں نے کہا۔

"بیٹھئے تو سہی آرام سے' آپ تو پریشانیوں کی انتہا کو پہنچے ہیں جبکہ بات اتنی پریشانی کی نہیں ہے۔"

"بے زیادہ مدبرمت بنو۔ بات اتنی پریشانی کی ہے کہ تمہیں کا اندازہ نہیں ہو سکتا' اب بتاؤ کیا کریں ان محترمہ کا۔ باتیں کرتی ہیں انہوں نے کہ کلیجا کاٹ کے رکھ دیا ہے۔ انسان تو مگر یہ تو کچھ نہ ہوا۔ ساری باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں اپنی جگہ لیکن کیا کریں جتے ہمارے بس میں کیا ہے۔"

"جب کچھ آپ کے بس میں ہے خاں صاحب بلکہ یہ کہنا کہ سب کچھ آپ ہی کے بس میں ہے۔"

"پھر بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟"

"کچھ نہیں' بھائی حضور کو عزت و احترام کی جگہ دیجئے' جو ہے انہیں دیجئے' لفظ لفظ درست ہے ان کا' ایک ایک کہہ رہی ہیں۔ خود ہی بتائیے آپ آگ کسی کی لگائی ہوئی کوئی بجھتے اور پھر کیا حکیم سرفراز حسین نے اس سلسلے میں کچھ کہا' کیا ان کے گھر کے' خاندان کے کسی فرد نے چڑھائی۔ وہ تو بے گناہ ہی مارے گئے منجھلے ماموں تو اپنا کر سیدھے ہو گئے۔ اب تو سوچ رہے کھا کر جی کو چلے ہیں بات چھوڑیں یہاں ان کی بات نہیں ہے یہاں تو مسئلہ مظلوم خاتون کا ہے جن کا واقعی "الف" سے لے کر کوئی قصور نظر نہیں آتا لیکن جو براہ راست اس کی زد میں آئی ہیں۔" ناظم خاں صاحب پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے پھر بولے۔

"بات خدا لگتی ہے سمجھ میں آرہی ہے' کچھ جلد بازی کر لیتے۔ ہم تو بڑی ہمت سے سینہ تانے تھے کہ دیکھ لیں گے آنے والوں کو مگر فاخر علی خاں کہاں؟"

"خاں صاحب بات دراصل یہ ہے کہ ہماری وفا ہیں ہم دل و جان سے آپ کے شیدائی اور پرستار ہیں ہیں کہ کسی مسئلے میں اگر ہم نے دل کی بات کہہ تمہیں آپ کو ناگوار نہ گزرے۔" رؤف خاں بولے

"دیکھو چندا' ہیر پھیر کی بات مت کرو اس وقت میں بھوسا بھرا ہو تو آدمی سے کوئی الٹی بات برداشت کچھ ادھر اُدھر کی کرو گے تو جلی کٹی سنو گے۔ ہیں تم سے کہ اس وقت ہم شدید ذہنی پریشانی کے ہیں کوئی ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی تو ہماری کرو۔ مشورہ دو ہمیں کہ کیا کریں ادھر اُدھر کی میری کھوپڑی گھوم جائے گی اور پھر جو بھی الٹی سیدھی سمجھ لو اس کی ذمے داری ہم پر نہیں تم پر ہو گی۔" بمشکل ہنسی روکے ہوئے تھے۔ رؤف خاں نے کہا۔

خاں نے کہا۔

"بہت چمک رہے ہو۔"

"بہت خوش ہیں خاں صاحب۔" عطن خاں بولے۔

"دماغ میں گوبر بھر گیا ہے۔" خاں صاحب نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب جو کچھ بھی کہیں۔"

"کوئی کام کی بات نہیں بتاؤ گے۔"

"حقہ پیش کرتے ہیں۔ آپ خود ہی کوئی بہتر حل سوچ سکتے ہیں۔" بدن خاں بولے۔ خاں صاحب خاموش ہو گئے تھے۔ بہت دیر تک کچھ سوچتے رہے۔ بدن خاں نے واقعی حقہ تیار کر لیا تھا اور اس وقت خاں صاحب کو یہ بہت اچھا لگا تھا۔ دوستوں کا کہنا درست تھا۔ بات سمجھ میں آتی تھی۔ ہر مسئلے کا حل ان کے سوا اور کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔ رضوانہ کی صورت یاد آئی۔ گلوگیر آواز میں وہ جس طرح فریاد کر رہی تھی وہ کلیجے میں اترتی تھی۔ واقعی اس کا یا کسی اور کا کیا قصور تھا۔ وہ اگر اس سارے معاملے کو قبول کرتی ہے تو ان لوگوں سے الجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے..... پھر سوچنے کا انداز بدل گیا اور بہت کچھ سوچا۔ ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو کر حقہ ایک طرف کر دیا۔

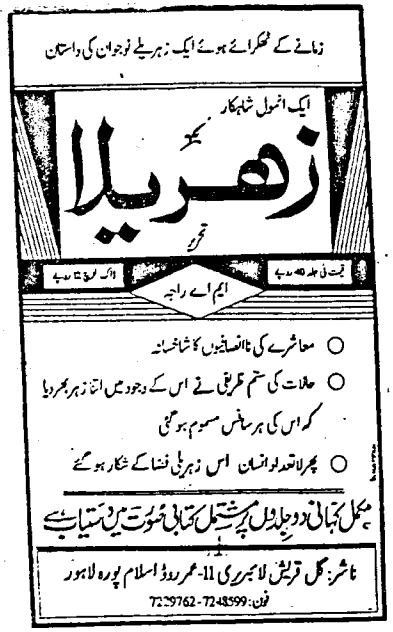
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راحیل
قسط وار چھپ رہا ہے
اگلا ایپی سوڈ ہے
معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
پھر اللہ کو انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اماں رؤف خاں سب کی بدمعاشی سمجھ رہا ہوں۔ آؤ اندر آجاؤ۔" وہ سب واقعی خاں صاحب کے گرد منڈلا رہے تھے بھرّا مار کر اندر آگئے۔

"فیصلہ ہوگیا خاں صاحب؟"

"کرنا پڑا۔"

"ہمیں سنایا جائے۔"

"اب تم یوں کرو وقت کم ہے۔ پیسے لے کر سرائے چلے جاؤ۔ دو چار اچھے زیور' اچھے کا مطلب سمجھتے ہو نا؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"کچھ زیور خرید لاؤ۔ کچھ کپڑے ستے۔ ہمارے شایانِ شان ہونے چاہئیں اور کسی درزن کو لے آؤ۔ اس سے کہو مشین لے کر چلے۔ رات بھر سلائی کرنی ہے منہ مانگے پیسے دیئے جائیں گے۔"

"چلو۔" رؤف خاں نے نعرہ لگایا اور سب باہر کی طرف بھاگے۔

"ابے سنو تو۔ پیسے کیا تمہارے چچا لے بیٹھے ہوں گے۔ رؤف خاں چابی لو اور ڈھنگ سے پیسے لے جانا کم پڑیں تو دکاندار کو چیک دے دینا صبح بینک سے لے لے گا۔"

حواریوں نے بھی دل کھول دیا تھا۔ صرف جوڑے ہی نہیں اور بھی بہت سا سامان لے آئے تھے۔ اس سے اچھا موقع اور کہاں مل سکتا تھا۔ موٹر بھری تھی۔ خاں صاحب کو پورا سامان پسند آیا۔ عظمن خاں نے کہا۔

"فیصلے کا اندازہ تو ہوگیا ہے لیکن کیا ہمیں بھی سنایا جائے گا۔"

"تمہیں نہیں سناؤں گا تو اور کسے سناؤں گا اور ہاں وہ درزن کا کیا ہوا؟"

"کہہ دیا ہے اسے۔ کوٹھی پہنچ جائے گی۔"

"کب تک؟"

"شام سات بجے تک۔"

"چلو ٹھیک ہے ہاں تو ہم نے غور کیا ہے۔ بات جی کو لگتی ہے کچھ جلد بازی ہوگئی تھی۔ ایک بار حکیم سرفراز حسین سے مل لیتے تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔"

"بالکل سچ ہے خاں صاحب۔"

"حکیم صاحب سے ملنا ضروری ہے۔"

"اب؟"

"ہاں۔"

"کیا بات کریں گے؟"

"ان سے ان کا مزاج پوچھیں گے۔ سوال کریں گے کہ اب ان کا کیا ارادہ ہے۔ وہ ہمیں دامادی میں قبول کرنے کو تیار ہیں یا نہیں۔"

"بھابی حضور کو لے کر جائیں گے۔"

"ہاں۔ ان سے کہیں گے کہ بیٹی کو عزت سے رخ کریں۔ ہم عزت و احترام سے لے جانے کے لیے تیار ہیں۔"

"نہ تیار ہوئے خاں صاحب تو؟"

"تو پھر میاں رضوانہ کا کیا قصور۔ اسے لے کر آجائیں گے۔ زندگی کے رنگ ڈھنگ بدلیں گے۔ کوٹھی ہے وہیں رہیں گے۔ تم لوگوں کی بھی شادیاں کرنی ہیں۔"

"زندہ باد کیا خوبصورت فیصلہ ہے۔"

"پھریوں کرتے ہیں بدن میاں کہ کل کے لیے تیار ہو۔ تم لوگ بھی ساتھ جاؤ گے۔ ہم ذرا ان کے پاس ہیں۔ بلکہ زبیدہ اور لڑکیوں کو کہتے ہیں کہ سب کے لیے کریں۔ رات کا کھانا وہیں کھانا۔"

"جی خاں صاحب۔"

خاں صاحب یہ ساز و سامان لے کر چل پڑے۔ گئے۔ زبیدہ کی دونوں بیٹیوں نے رونق لگا رکھی تھی اور تھیں۔ خاں صاحب نے سامان اتروا کر رضوانہ کے سپنجایا' لڑکیوں کو کھانا تیار کرانے کی ہدایت کی۔ پھر پہنچ کر بولے۔

"رضوانہ بیگم۔ ہم اندر آسکتے ہیں۔" رضوانہ نے دروازے کے پٹ کھول دیے۔ زبیدہ کی لڑکیوں نے اسے خوب سنوار دیا تھا۔ خاں صاحب نے دروازہ بند کردیا پھر بولے۔

"آپ کے لیے ہمارے دل میں بہت کچھ ہے۔ زندگی نے وفا کی تو دل کے ارمان نکالیں گے۔ یہ کچھ تحفے ہیں آپ کے لیے انہیں قبول کریں۔ بیٹھیے آپ سے کچھ باتیں کریں گے۔"

رضوانہ بیٹھ گئی۔ خاں صاحب اس کے سامنے بیٹھ کر بولے۔ "جو انکشاف ہم پر اچانک ہوا اس نے ہمیں چور چور کر دیا تھا رضوانہ بیگم۔ ہم سے اچانک ہی ہمارا وقار چھن گیا تھا بلکہ ہم بھی آپ کی طرح بے گناہ تھے۔ بس ہم برداشت نہ کرسکے۔ عالمِ جنون میں ہم نے گھر چھوڑ دیا اور سب سے منہ چھپا لیا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنی اعلیٰ ظرف خاتون ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے ہمیں قبول کیا۔ آپ کا شکریہ۔ اب آپ ہماری ہیں لیکن جب ہمیں آپ سے الفت ہے تو ہم کبھی نہ چاہیں گے کہ آپ پر آپ کے خاندان کا کوئی شخص انگلی اٹھائے۔ ہم کل آپ کو لے کر آگرے جائیں گے۔ حکیم صاحب سے ملاقات کریں گے۔ ان سے کہیں گے کہ ہم پورے احترام سے اپنی منکوحہ کو رخصت کرکے لے جائیں گے۔ اگر وہ تیار ہوگئے تو ٹھیک ہے۔ نہ تیار ہوئے تو کوئی فکر نہیں ہم آپ کو لے کر واپس آجائیں گے اور پھر آپ سے مشورہ مانگتے ہیں۔"

"آپ نے مجھے قبول کرلیا۔ میری محبت مجھ مل گئی۔ میں آپ کے قدموں کی خاک ہوں۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنے کے حقدار آپ ہیں جو آپ کو پسند وہی میری پسند۔" رضوانہ نے جواب دیا۔

"شکریہ۔ ہم آپ کو پاکر تقدیر سے سارے شکوے بھول گئے ہیں۔ بے حد شکریہ۔" خاں صاحب نے جواب دیا۔

فیروز نے رونق آرا بیگم کی زندگی ہی بدل دی تھی' بہت شاندار رہائش گاہ دی تھی حاجی عبداللہ نے اسے' ملازمین بھی تھے لیکن فیروز نے خاص طور سے ایک معمر ملازمہ اور اس کے بیٹے کو رونق آرا بیگم کے لیے رکھا تھا اور رونق آرا بیگم کے سامنے ان سے کہا تھا۔

"دیکھو بی شبراتن یہ میری نوحیں' میری سب کچھ اور میں ایک بات کا خیال رکھنا ہے۔ اگر انہیں کوئی تکلیف ہوئی تو پھر تمہارا یہاں رہنا میرے لیے بے کار ہوگا۔"

"صاحب آپ فکر نہ کریں ہم اپنا فرض پورا کریں گے۔" شبراتن نے کہا اور اس کے بعد رونق آرا بیگم کی ایک ایک چیز کی نگرانی کی جانے لگی۔ فیروز نے ان کے لیے نئے نئے کپڑوں کے انبار لگا دیے تھے۔ بہت سے زیورات بنوا کر دیے تھے انہیں۔

خاصہ یہودیوں سے ہر محفل پر برسرِ پیکار سرفروشوں کی لو رگ
اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ
جانباز
(۳ حصے)
تحریر: ایم اے راحت
○ سازشوں اور اسلام دشمن کلوشوں کے انکشاف
انوکھی دستاویز
○ قلم ادیب سے تربیت یافتہ سو سال کے بھیانک
قیمت: 40 روپے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام
فون: 7232762-7238599

درزن گھر پر آگئی تھی اور مشین رکھ کر سلائی کرنے بیٹھ گئی تھی۔ رونق آرا بیگم یہ ساری چیزیں دیکھ رہی تھیں اور ان کی کیفیت بہت عجیب سی تھی۔ ویسے بھی ابھی تک وہ بالکل گم صم تھیں۔ فیروز انہیں لے آیا تھا اور اس وقت فیروز کا سہارا انہیں نجانے کیا محسوس ہوا تھا۔ ایسے عالم میں جب سڑکوں پر بھیک مانگنے کی نوبت آگئی تھی کسی کو اتنا بڑا سہارا مل جائے تو ناقابلِ یقین بات تھی۔ رونق آرا بیگم کو اپنے سارے گناہ یاد آتے تھے۔ تقدیر نے تو ان کے ساتھ بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا جو کچھ زندگی بھر کرتی رہی تھیں اس کے صلے میں تو یہی ملنا چاہیے تھا جو ملا لیکن نجانے یہ سب کچھ کیا تھا۔ وہ سوچتی تھیں کہ انہوں نے تو کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا۔ ہمیشہ سازشیں' دولت کمانے کے ڈھنگ۔ آج وہ دولت کہاں گئی جس کے لیے نجانے انہوں نے کتنوں کی گردنوں پر چھری پھیری تھی۔ آج تو کچھ بھی نہیں ہے ان کے پاس لیکن فیروز کا جب بھی خیال آتا گھڑوں پانی پڑ جاتا۔ اچھی طرح یاد تھا انہیں اپنا رویہ' کیا کچھ نہیں کیا تھا فیروز کے ساتھ' بتا کچھ کرسکتی تھیں کر ڈالا تھا لیکن کیا کرتیں' کوٹھوں کے یہی دستور ہوتے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے منگروں نے' شاعروں نے' ادیبوں نے طوائفوں پر بہت کچھ لکھا ہے کوئی چھپن چھری' کوئی امراؤ جان ادا کوئی کیس سے بھٹک کر یا اغوا ہو کر کوٹھے تک پہنچی تو کسی نے کوٹھے پر ہی جنم لے کر وہاں کے اصولوں سے بغاوت کی' سب کچھ تو لکھا جا چکا ہے لیکن طوائف کے ہاں بیٹا بھی تو ہوتا ہے' اتفاقی طور پر بھٹکے ہوئے کسی رئیس زادے کی لغزش اسے طوائف کے کوٹھے تک لے جاتی ہے اور پھر وہاں وہ اپنی اولادیں چھوڑ آتا ہے۔ خون تو خون ہی ہوتا ہے' اس خون میں شرافت بھی ہوتی ہے اور گرمی بھی' اس کے بارے میں آج تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ اس کا اپنا مقام کیا ہونا چاہیے۔ بالاخانوں پر پیدا ہونے والے لڑکوں کا مقام بہت ہی گھٹیا ہوتا ہے۔ وہ یا تو طبلہ ٹھونکتے ہیں اور سارنگی بجاتے ہیں یا پھر دوسری گندگیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں' ان کا تو کوئی مستقبل ہی نہیں ہوتا۔ رونق آرا بیگم نے فیروز کے ساتھ کوئی نیا کام نہیں کیا تھا وہ تو بس خان صاحب تھے جنہوں نے فیروز کو نئی زندگی دے دی تھی۔ یہ سب کچھ تھا لیکن آج فیروز نے پرانی باتیں بھلا کر ان کے ساتھ جو بہتر رویہ اختیار کیا تھا' رونق آرا بیگم اسے کبھی نہیں بھول سکتی تھیں۔ وہ یہ ساری چیزیں دیکھتی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ کئی بار شبراتن نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ ہم نے آپ کو ہمیشہ اداس ہی دیکھا ہے' آپ اتنی اداس کیوں رہتی ہیں؟ آپ کا نواسہ تو بہت اچھا ہے۔"

"بی شبراتن اپنے کام سے کام رکھو۔ ذاتی معاملات کو نہیں کریدا کرتے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معافی چاہتی ہوں بیگم صاحبہ' میں نے تو یونہی آپ کا جی بہلانے کے لیے یہ سب کچھ پوچھ لیا تھا۔" شہراتن سنبھل گئی۔

رونق آرا بیگم نے شہراتن سے کہا۔

"شہراتن تمہیں نماز آتی ہے۔"

"جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئی ہوں بیگم صاحبہ' نماز کیوں نہیں آتی ہوگی؟"

"مجھے سکھا دو۔"

"بڑی آسان سی بات ہے' میں سکھا دوں گی۔" اور اس دن سے شہراتن نے رونق آرا بیگم کو نماز سکھانا شروع کر دی۔

رونق آرا بیگم نے فیروز سے کہا۔

"فیروز مجھے ایک مصلا چاہیے۔"

"آجائے گا نننو۔ آج ہی آجائے گا بلکہ میں شبیر سے کہے دیتا ہوں وہ لے آئے گا۔" اسی دن مصلا آگیا اور رونق آرا بیگم نے پانچوں وقت کی نماز پڑھنا شروع کر دی۔ فیروز انہیں نماز پڑھتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ ایک دن عشاء کے بعد نماز سے فارغ ہو کر کھانے کے کمرے میں پہنچتے ہوئے فیروز نے کہا۔

"نننو آپ کو میں نے ابھی تک ہنستے مسکراتے نہیں دیکھا کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتائیے۔ نننو آپ کو اندازہ نہیں کہ آپ میرے لیے کیا حیثیت رکھتی ہیں۔"

رونق آرا بیگم کی نگاہیں فیروز کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ اسے دیکھتی رہیں اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"ارے نننو ارے ارے' کیا ہو گیا بھئی' کوئی ایسی بات تو نہیں کہہ دی میں نے۔"

"معاف کر دے بیٹا مجھے۔ معاف کر دے فیروز۔ معاف کر دے مجھے۔"

"ارے نننو آخر ہوا کیا ہے؟"

"معاف کر بیٹا مجھے۔ بہت برا کیا ہے میں نے تیرے ساتھ اور تیری ماں کے ساتھ۔ پتا نہیں کیوں کم بخت ہمارے ذہن اس طرح پروان چڑھتے ہیں۔ دولت ہمارے لیے سب کچھ ہوتی ہے فیروز۔ پتا نہیں کیوں ہم ہمیشہ دولت کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں اور سارے انسانی اقدار بھول جاتے ہیں۔ تو مجھے معاف کر دے بیٹا' میں نے تیرے ساتھ بہت برے سلوک کیے ہیں۔"

"نننو میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا آپ نے کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر لیا کرتی تھیں تو میں جواب بھی تو دے دیا کرتا تھا آپ کو۔ ارے چھوڑیے۔ آیئے کھانا کھاتے ہیں۔ آپ کے دل میں کوئی بات ہو تو ہو ورنہ آپ خود سوچ لیجیے اگر میرے دل میں کوئی بات ہوتی آپ کے لیے' تو کیا میں آپ کو لے کر آتا۔"

"تو واقعی بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے فیروز۔ اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیتا ہے تو۔"

"اول تو آپ میری دشمن نہیں تھیں نننو۔ ہوتیں بھی تو واقعی آپ کو معاف کر دیتا میں۔ بہرحال اب آپ میرے گھر میں میرے بزرگ کی حیثیت سے رہیں۔ یہ رونا پیٹنا کیوں شروع کر دیا ہے آپ نے۔" یہ اچھی بات نہیں ہے نننو۔ کھانا کھاتے ہیں۔ فیروز رونق آرا بیگم کی خاطر مدارات کرتا رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"نننو آخر باجی کہاں گئی۔ کوئی اتا پتا تو ہو اس کا۔ کبھی کچھ نہیں چل سکا؟"

"نہیں۔ اپنی بچی کو کاندھے سے لگایا اور نکل گئی تھی۔ ہر طرح سے تلاش کروا لیا میں نے لیکن کہیں پتا نہیں چل سکا۔"

"ایسا تو نہیں ہوا نننو کہ وہ گھر سے نکل کر خان صاحب کے پاس چلی گئی ہو۔"

"نہیں بیٹا' خان صاحب سے معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے ہر وہ جتن کر لیا جو کر سکتی تھی لیکن میرا خیال ہے خان صاحب کو اس کے بارے میں معلومات تھی ہی نہیں کیونکہ میں نے کئی بار سنجیدگی سے محسوس کیا خان صاحب خود بھی اس تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔"

فیروز یہ الفاظ سن کر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ بہت تک وہ خاموش رہا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"باجی کے ساتھ ماہ رخ بھی چلی گئی' نننو وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔"

"یہ سب میرا کیا دھرا ہے بیٹا۔ کاش مجھے عقل آتی۔ کاش۔ کاش۔"

"خیر چھوڑیے۔ تلاش کریں گے ہم انہیں' مل جائیں گی نننو۔ دنیا اتنی پھیلی ہوئی نہیں ہے کہ اس میں اپنے نہ مل سکیں۔"

رونق آرا بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش رہی پھر فیروز نے کہا۔

"نننو تم کہہ رہی تھیں کہ خان صاحب کو بھی باجی کی تلاش تھی۔"

"ہاں۔ کئی بار میں نے یہ بات محسوس کی' وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اسے کہیں چھپا دیا ہے۔"

"نننو میں گیا تھا نئی چاولی۔"

"کب؟"

"کافی دن ہو گئے۔"

"ملے تھے ناظم خان سے۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس نننو جی نہیں چاہا۔ طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ باجی بھی وہاں نہیں ہیں' تمہارے بارے میں بھی کچھ باتیں معلوم ہوئیں بس جی نہیں چاہا چلا آیا۔"

"خان صاحب سے نہیں ملے؟"

"نہیں۔"

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس بارے میں؟"

"چھوڑو نننو دیکھا جائے گا جو کچھ بھی ہو گا۔ وقت خود اپنی کہانی طے کرتا ہے۔ ویسے تم کہو نننو تو تھوڑے دن کے لیے ممتاز خالہ اور دلشاد خالہ کو بلا لوں۔"

"ایں۔"

"ہاں یہاں تو ہم برے لوگ نہیں سمجھیں جائیں گے اور پھر نننو تم نے بھی کوٹھا چھوڑ دیا ہے۔ آخر وہ تمہاری بیٹیاں ہیں۔ ذرا سی رونق ہی ہو جائے گی۔"

رونق آرا بیگم سوچ ہی ڈوب گئیں پھر انہوں نے کہا۔ "پتا نہیں رئیس خان اور امتیاز انہیں بھیجیں گے یا نہیں؟"

"میرا خیال ہے انہیں بھیج دینا چاہیے۔ اگر صورت حال انہیں بتا دی جائے تو۔۔۔؟"

"سوچ لو۔"

"میں کوشش کروں گا اس سلسلے میں۔ تھوڑے دن کے لیے یہاں آجائیں۔ ہاں اور بات اصل میں یہ ہے نننو کہ اب ہم نے اپنا ماحول بالکل بدل لیا ہے تو پھر نجانے میں اس قسم کی تبدیلیاں بھی ہوتی رہتی چاہئیں۔" رونق آرا بیگم ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

*

خان صاحب نے تیاریاں مکمل کر لیں۔ حواریوں کے بغیر بھلا کوئی کام کیسے ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ تو خان صاحب کے ایسے ساتھی تھے کہ انہیں ان کے جسم کا حصہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ ہر قدم' ہر لمحے' ہر موقع' ہر جگہ ساتھ دیا تھا۔ دنیا چھوڑ دی تھی انہوں نے' اس طرح سوچتے تھے جس طرح خان صاحب وہ کرتے تھے' جو خان صاحب کو پسند ہو' بہرحال ناظم خان بھی انسان تھے' دوستوں کی اس وفاشعاری کو کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں۔ اگر بے جانے کے سلسلے میں ان لوگوں سے مفصل مشورہ کیا اور دل کی بات بتائی۔ بدن خان نے کہا۔

"ویسے تو سب ٹھیک ہے خان صاحب لیکن اگر حکیم سرفراز اس طرح نہ پیش آئے جس طرح انہیں پیش آنا چاہیے تو کیا آپ دماغ پر قابو رکھ سکیں گے۔"

خان صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔ "میاں بدن خان' سارے بل نکل گئے ہیں۔ صحیح معنوں میں اب ہم شادی شدہ ہو گئے۔ اب بھلا اکڑ دھکڑ کی کیا گنجائش رہ گئی ہے۔ ویسے بھی بدن خان ایک بات اور سوچ رہے ہیں ہم۔"

"کیا خان صاحب؟"

"میاں یہ نئی چاولی اب کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ سارا کھیل ہی ختم ہو گیا نئی چاولی کا' تو اب یہاں پڑے رہنے سے کیا فائدہ؟"

بدن خان تھوڑی دیر سوچ میں ڈوبے رہے پھر بولے۔ "خان صاحب ایک بات بتایئے۔ دلی ہی میں رہنے کا ارادہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ویسے تو ہمارے پاس کوٹھی موجود ہے لیکن کیا دلی میں ہی قیام کریں گے؟"

"اب یہ تو وقت کی بات ہے' دیکھیں کیا ہوتا ہے؟"

"اگر دلی میں رہیں گے خان صاحب تو پھر نئی چاولی سے تھوڑا بہت ربط تو رکھنا پڑے گا۔ آخر اتنے دنوں سے ان سب سے سلام دعا ہے سب ہی بے چارے محبت کرنے لگے ہیں۔ تھوڑے دن کے لیے ہٹ گئے تھے یہاں سے تو چرن جی آمرا تھا۔ ہماری یہاں موجودگی سے یہ لوگ سکون محسوس کرتے ہیں تو کیا ان لوگوں کو چھوڑ دینا مناسب ہو گا؟"

خان صاحب پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے پھر بولے۔

"ایک اور بات ہے بدن میاں' ذرا غور کرو۔ اب بات آگے بڑھے گی' ہماری کہانی آگے شروع ہو گی' ایسے حالات میں اگر صرف نئی چاولی میں ہی پڑے رہے تو کام کیسے بنے گا۔ یہاں اب کچھ دھندا پانی کرنا ہو گا۔ چھڑے چھانٹ تھے تو کوئی بات نہیں تھی۔ اب آگے دوسرے معاملات شروع ہوں گے۔ نئی چاولی میں جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ تو ختم ہی ہو گیا۔ بات سمجھ میں آتی ہے بھلا بے چاری رضوانہ بیگم کا کیا قصور۔ انہیں تو بلاوجہ ہی چھوڑ دیا تھا ہم نے۔ اب سب کچھ جاننے کے بعد وہ ہمارے پاس آئی ہیں تو میرے خیال میں انہیں یا ان کے گھر والوں کو کوئی سزا دینا اچھی بات نہیں ہو گی پھر رشتے داری چلے گی۔ میل ملتیں ہوں گی۔ حکیم سرفراز حسین کو یہ سننے کو ملے گا کہ داماد نئی چاولی میں بدمعاشی کرتا ہے' کیا خیال ہے تمہارا؟"

"یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں خان صاحب' خیر اس سلسلے میں آگے بھی باتیں ہوں گی۔"

"تو پھر تیاری کر لو۔ کل چل رہے ہیں۔"

دوسرے دن تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ موٹر سے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ایک موٹر تو اپنے پاس موجود تھی۔ دوسری کا انتظام کر لیا گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ خان صاحب نے سنبھالی تھی اور رضوانہ بیگم ان کے ساتھ تھیں۔ پچھلی گاڑی میں چاروں دوست آرہے تھے۔ یوں آگرے سفر کا آغاز ہو گیا۔ طے کیا گیا تھا کہ سیدھے حکیم سرفراز حسین کی رہائش گاہ پر چلیں گے اور وہاں کوششیں کریں گے۔ باقی ذمے داری حکیم صاحب کی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رضوانہ بیگم نے شوہر سے انحراف نہیں کیا تھا حالانکہ انہیں خوف تھا کہ حکیم سرفراز حسین انتہا پسندی سے کام لیں گے۔ اصل میں انہیں اس دوران جو مشکلات اٹھانا پڑی تھیں۔ ان مشکلات نے حکیم صاحب کو سخت برگشتہ کر دیا تھا اور وہ سختی پر آمادہ ہو گئے تھے ورنہ وہ بھی اتنے برے انسان نہیں تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن رضوانہ بیگم کو خان صاحب کی طرف سے جو پذیرائی ملی تھی۔ اس نے انہیں شاداں کر دیا تھا۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ کوششیں اس طرح بار آور ہوں گی۔ لاکھ لاکھ سجدے کرتی تھیں کہ معبود کریم میں اس قابل نہیں تھی جتنا تو نے مجھے نوازا۔ خان صاحب نے ابتدائی طور پر جو کچھ کیا تھا وہی اتنا تھا کہ تھوڑے بھی باہر اور پھر جس عزت و احترام سے انہوں نے رضوانہ بیگم کو قبول کیا تھا' وہ اپنی جگہ الگ تھا۔ راستے میں خان صاحب نے کہا۔

"رضوانہ کیا خیال ہے آپ کا' حکیم صاحب کا رویہ ہمارے ساتھ کیا رہے گا۔"

"میں اس خوف کا شکار ہوں کہ کہیں ابا میاں کی کوئی بات میری راہ میں کانٹا نہ بن جائے۔" خان صاحب ہنسنے لگے۔ پھر بولے۔

"بات اصل میں یہ ہے رضوانہ بیگم کہ ہم سخت جذباتی ہو گئے تھے۔ جب ہمیں اپنی حقیقت کا علم ہوا تو ہمیں یوں لگا جیسے ہمارے بے شمار ٹکڑے ہو گئے ہوں اور ہم زمین پر آپڑے ہیں۔ لوگ ہمیں روندتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہی اثرات تھے کہ ہم دیوانگی کا شکار ہو گئے۔ یہ دیوانگی آج بھی ہم پر مسلط ہے لیکن واقعات نے کچھ اس طرح ڈھارس دی ہمیں کہ بالآخر ہم مضبوط ہو گئے۔ آپ کا معاملہ جب آپ کی زبانی ہمارے کانوں تک پہنچا تو ہم نے اصولی طور پر آپ کے موقف کو تسلیم کیا اور دیکھئے اور جب انسان اصولی طور پر کسی موقف کو تسلیم کرے تو اسے ہر طرح اس پر قائم رہنا چاہیے۔ آپ اپنے خوف کو دل سے نکال دیجئے۔ آپ ہر طرح سے درست ہیں ہم ہی سے زیادتیاں ہو گئی تھیں اور آخری سچائی ہم آپ کو یہ بتائیں رضوانہ بیگم کہ آپ نے ہمیں ہماری اصل حیثیت جاننے کے بعد جس احترام کے ساتھ قبول کیا اور ہم تک قدم بڑھائے یہ سوچنے کے باوجود کہ ہم کون ہیں تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ دل جیت لیا آپ نے ہمارا اور جب ہمارا دل آپ کی مٹھی میں آگیا تو پھر کوئی بات ہی نہ رہ گئی۔ ہم نے پہلے بھی آپ سے کہہ دیا تھا کہ ہم آپ کو وہ احترام دینا چاہتے ہیں جو آپ کا حق ہے۔ اگر حکیم صاحب ہی اس سے منحرف ہو جائیں تو مجبوری ہے۔"

رضوانہ بیگم مسرور انداز میں گردن ہلا کر خاموش ہو گئی تھیں۔

دہلی سے آگرے تک کا سفر بڑا خوشگوار رہا۔ راستے میں بار گاڑیاں روکی گئیں۔ کھایا پیا گیا اور سفر کا صحیح لطف اٹھاتے بالآخر آگرے میں داخل ہو گئے اور حکیم سرفراز حسین کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ یہاں آنے کے بعد خان صاحب نے رضوانہ بیگم سے کہا کہ آپ اندر جائیں اور ہم لوگوں کی آمد کی اطلاع دیں۔

رضوانہ بیگم کا دل ضرور ڈر رہا تھا۔ لرزتی ہوئی اندر پہنچیں۔ رحمٰن میاں تو دہلی سے واپس آگئے تھے اور انہوں نے آگرہ پہنچ کر دیا تھا کہ رضوانہ بیگم خان صاحب کے پاس پہنچ گئی ہیں۔ چاوڑی کی کہانی بھی انہوں نے من و عن بیان کر دی تھی۔ مگر حکیم صاحب ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے۔ اب اس وقت بھی چونکہ ان کے مطب کا وقت نہیں تھا' اپنی آرامگاہ میں براجمان ہوئے تھے۔ رضوانہ بیگم سیدھی انہی کے کمرے کی جانب چلی گئیں۔ گھر کے دوسرے لوگوں نے رضوانہ بیگم کو دیکھا اور چونک کر ساکت ہو گئے۔ وہ یہی سمجھے تھے کہ رضوانہ بیگم اپنے کیے پر پچھتاتی ہوئی واپس آگئی ہیں۔ حکیم سرفراز حسین کی نگاہ ان پر پڑی تو حیرت سے گنگ رہ گئے۔ چند لمحے پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتے رہے پھر سرد لہجے میں بولے۔

"واپس آگئیں رضوانہ؟"

"نہیں ابا میاں۔ میرے ساتھ ناظم خان اور ان کے چار آدمی بھی آئے ہیں' کیا آپ انہیں اپنے گھر میں بلانے کی زحمت کریں گے۔"

حکیم سرفراز حسین اٹھ کھڑے ہوئے' ایک لمحے میں ہیجان کا شکار ہو گئے تھے پھر جلدی سے بولے۔

"کہاں ہیں وہ؟"

"باہر موٹروں میں موجود ہیں۔"

"یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"اگر آپ انہی سے معلوم کر لیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔" حکیم سرفراز حسین ایک لمحے خاموش رہے پھر تیزی سے باہر نکل آئے۔ مہمان آئے تھے۔ اب اتنے بدتمیز بھی نہیں تھے کہ مہمانوں کو گھر کے دروازے پر بھی خوش آمدید نہ کہتے۔ ہاں فاخر علی خان کا معاملہ کچھ اور تھا۔ "فورا" ہی ڈیوڑھی کھلوائی۔ ملازموں کو الرٹ کیا' باہر نکل آئے۔ ناظم خان صاحب کار سے اتر آئے تھے۔ حکیم صاحب نے انہیں ایک نظر دیکھا۔

کھلے نکلے کا نوجوان۔ دیکھنے دکھانے کے قابل' کیا شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ ایک نگاہ دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ نواب زادہ نہیں ہے' بس بگڑی تھی بگڑ گئی۔ چاروں حواری بھی نیچے اتر آئے تھے۔ خان صاحب نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ حکیم سرفراز حسین نے جواب دیا۔ مصافحہ کیا گیا اور پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صاحب انہیں لیے ہوئے اندر آگئے۔

ڈیوڑھی میں بندوست ہو چکا تھا۔ بٹھایا گیا اور کہا گیا کہ آرام سے بیٹھیں۔ ضروریات کی تمام چیزیں ابھی فراہم کی جاتی ہیں۔

رضوانہ بیگم سے اندر بہت سے سوالات کیے جا رہے تھے۔

انہوں نے یہ کہہ کر سب کی زبان بند کردی کہ اللہ نے ہمارا مستقبل سنوار دیا ہے' الجھن کی کوئی بات نہیں ہے' داماد سسرال آیا ہے۔ باقی باتیں انہی سے معلوم کی جائیں تو مناسب ہوگا۔ اشراف میں جس طرح مسلمانوں کی پذیرائی ہوتی ہے اسی طرح خان صاحب اور ان کے حواریوں کی خاطر مدارات کی جانے لگیں۔ ہر طرح کی آسائشیں فراہم کردی گئیں اور اس کے بعد حکیم صاحب نے رضوانہ سے پوچھا۔

"یہاں آمد کا مقصد کیا ہے' کم از کم یہ تو بتادو؟"

"ابا میاں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ناظم خان صاحب سے ہی پوچھ لیں۔ میں ان سے پہلے کچھ بتا کر ان کے مزاج کو برہم نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیا انہیں اندر بلا لیا جائے؟"

"یہ تو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

حکیم سرفراز حسین سخت پریشان نظر آرہے تھے۔ بہرحال ناظم خان کو اندر بلایا گیا اور ناظم خان حکیم سرفراز حسین کے کمرے میں پہنچ گئے۔ باقی لوگوں کو اجازت نہیں دی گئی تھی لیکن رضوانہ بیگم اندر آگئی تھیں اور ایک جانب سر جھکا کر بیٹھ گئی تھیں' حکیم سرفراز حسین نے کہا۔

"میاں ناظم خان اہل خانہ کے کیا احوال ہیں؟"

حکیم سرفراز حسین نے اپنی دانست میں بڑی چبھتی ہوئی بات کہی تھی۔

"اہل خاندان سے ہم نے رشتے توڑے ہیں حکیم صاحب کیونکہ ہمیں اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ بخدا ہمیں اپنے بارے میں کوئی علم نہیں تھا لیکن بہرحال ہم اپنے والدین کی جائز اولاد ہیں۔ بس اتنا سا فرق ہے ہم میں کہ ہماری والدہ کا تعلق کوٹھے سے تھا لیکن ہمیں ہر طرح سے جائز مقام دیا گیا تھا اور کہیں بھی حق تلفی نہیں کی گئی تھی۔ دنیا کی نگاہ ذرا مختلف ہوتی ہے نواب کاظم علی خان نے ہمیں جائز وارث قرار دیا تھا کیونکہ مرتے ہمیں منتقل کرگئے تھے اور جو جو ہمارا حق بنتا تھا' ہمارے حوالے کردیا گیا تھا۔ آپ کو یقینی طور پر تھوڑے بہت ذاتی حالات معلوم ہوں گے' جن خاتون کو ہماری دوسری ماں قرار دیا گیا تھا' ان کے سب سے بڑے بھائی نواب فاخر علی اس شادی کے خلاف تھے' ان کے کچھ گھریلو معاملات تھے انہوں نے اپنی دیوانگی ہماری طرف منتقل کردی اور یہ انکشاف کیا ہماری شادی کے وقت کہ اصل میں ہم طوائف زادے ہیں اور ایک طوائف کی اولاد ہیں' حکیم صاحب اس بات کی تردید نہ ہوئی اور ہم پر جنون طاری ہوگیا۔ ہم نے سوچا اگر ایسا ہے تو اس میں ہمارا قصور نہیں ہے' ہماری تو ساری شخصیت داغ دار کردی گئی' ایک ایسے جرم کا شکار بنادیا گیا ہمیں' جس کا ہم سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا' بس اس جنون میں ہم نے رام پور چھوڑ دیا اور بھٹکتے ہوئے دلی چلے آئے۔ پھر ایسا جنون سوار ہوا ہم پر کہ ہم نے سوچا کہ خاک وہیں پہنچے' جہاں کا خمیر ہے' سو ہم نے دلی کی نئی چاوڑی میں جگہ لے لی اور وہیں رہنے لگے۔ ہم اپنے آپ کو کچل رہے تھے' سزا دے رہے تھے کہ ہم ایک طوائف کی اولاد کیوں ہیں' بس' یہ تھی کہانی' ہم تصور بھی نہ کرتے کہ نئی چاوڑی چھوڑ دیں' اپنی اوقات ختم کردیں' اگر رضوانہ بیگم ہمارے پاس نہ پہنچ جاتیں۔ حکیم صاحب رضوانہ بیگم ہمارے پاس آئیں اور انہوں نے ایک شریف زادی کی طرح ہم سے کہا کہ ہمارا ان سے نکاح ہو چکا ہے اور وہ ہمارے نام پر زندگی وقف ہو کر چکی ہیں' انہوں نے ہم سے پوچھا کہ ان کا تصور کیا تھا تو ہمیں احساس ہوا کہ واقعی' دوہاتھیوں کی لڑائی میں رضوانہ بیگم بے چاری درمیان میں آگئیں اور حکیم صاحب جب ہم اصولوں پر غور کرلیتے ہیں تو نہ زندگی کی فکر کرتے ہیں نہ آن بان کی' باقی تو سب ثانوی چیزیں ہیں۔ ہم نے رضوانہ بیگم سے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور ان سے کہا' اگر وہ ہمیں ہماری حیثیت سے قبول کرتی ہیں تو ہم انہیں اپنی آنکھوں کی روشنی بنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ حکیم صاحب ہم نے رضوانہ بیگم کو ایک کوٹھی دے دی ہے' دلی کے ایک خوب صورت علاقے میں' ہم بھی نئی چاوڑی چھوڑ دیں گے' کیونکہ بہرحال ہمیں ہماری اصلی حیثیت جاننے کے بعد قبول کیا گیا ہے ہم اس قبولیت کا پورا پورا احترام کریں گے لیکن ہم رضوانہ بیگم سے ان کا کوئی مقام نہیں چھیننا چاہتے۔ ہمیں علم ہوا کہ فاخر علی خان صاحب نوسو حج پورے کرنے کے بعد' اب حج کے ارادے کررہے ہیں' ہمارے پاس بھی پہنچے تھے وہ مگر ہم نے انہیں ایک ایسی کہانی سنا کے رخصت کیا ہے کہ زندگی بھر تلملاتے رہیں گے پھر ہمیں پتا چلا کہ وہ یہاں آئے تھے' بہرحال ان لوگوں کے ذاتی مسائل ہیں' نہ ہمیں ان سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ آپ کو ہونی چاہیے' اصل میں ہم رضوانہ بیگم کو اس لیے لے کر آئے ہیں کہ اپنی تھوڑی سی غلطی کا ازالہ کردیں' ہم انہیں عزت و احترام کے ساتھ یہاں سے رخصت کرکے لے جانا چاہتے ہیں۔ بخدا' اللہ کا دیا ہمارے پاس سب کچھ ہے' ہمیں آپ سے ایک پیسے کی بھی نہیں چاہیے' آپ خود دیکھ لیں' سب کچھ مہیا ہوجائے گا رضوانہ بیگم کے لیے اور ہو چکا ہے لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان کا گھر ان سے نہ چھینیں' بیٹیاں ماں باپ کے پاس آتی رہتی ہیں تو ان کے دل کو ڈھارس رہتی ہے' ہمیں علم ہوا تھا کہ رضوانہ بیگم آپ کے تعاون کے بغیر ہمارے پاس پہنچی تھیں' ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم سے منسلک ہونے کے بعد یہاں سے ان کا رابطہ ٹوٹ جائے' اس لیے ہم انہیں لے کر آگئے ہیں اور اب ہماری خواہش ہے کہ آپ ایک چھوٹی موٹی سی تقریب کردیں' اپنے اہل خاندان کو بلالیں اور ہم ان کی موجودگی میں عزت کے ساتھ رضوانہ بیگم کو رخصت کرکے لے جائیں' اس غرض سے ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔" حکیم سرفراز حسین کے چہرے پر تکلیف دہ پیدا ہوگیا' ایک نگاہ ناظم خان صاحب کو دیکھا پھر رضوانہ کو اور اس کے بعد کہنے لگے۔

"میاں ناظم خان کیا ٹوٹی ہوئی چوڑیاں دوبارہ جڑ جاتی ہیں' عزت ایک مرتبہ جاتی ہے' بار بار تو نہیں جاتی ہماری عزت تو چلی گئی' اول تو ہمیں ابتدا میں یہ بات نہیں معلوم تھی کہ آپ طوائف زادے ہیں' اگر ہمیں علم ہوجاتا تو بخدا ہم اس شادی پر کبھی راضی نہ ہوتے' بات آپ ہی کے گھر سے کھلی اور ہم لپیٹ میں آگئے پھر اس کے بعد ہم تن بہ تقدیر ہوجاتے لیکن آپ نے کھیل شروع کردیا' گھر چھوڑ دیا اور ہمیں نظرانداز کردیا' اہل خاندان کو بھی اس بات کا علم ہوگیا اب اس کے بعد بتائیے' ہمارے پاس کیا رہ گیا اپنی عزت بچانے کے لیے۔ رضوانہ بیگم نے آپ کی خبر معلوم ہونے کے بعد آپ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تو ہم نے انہیں سمجھایا کہ ان کے لیے ہمارے پاس وہ سب کچھ موجود ہے جو ان کے مستقبل کی ضرورت ہو سکتی ہے' یہ نہ مانیں ضد کی اور چلی گئیں' ایک طرح سے ان سے ہمارا رابطہ تو ٹوٹ ہی گیا' اب آپ جو یہ سب کچھ کرنے آئے ہیں تو یہاں ہمارے لیے بے کاری ہے۔ کیا آپ ایسے انتظام کرسکتے ہیں کہ نواب کاظم علی خاں صاحب باقاعدہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ آئیں اور آکر سے رضوانہ بیگم کو رخصت کرکے لے جائیں' بتائیے کیا یہ ہو سکتا ہے؟ ناظم خان صاحب مہر و سکون سے یہ سب سن رہے تھے' انہوں نے چند لمحات کے بعد کہا۔

"نہیں' ہم چاہیں تو یہ کوشش کرسکتے ہیں' حکیم صاحب لیکن ہم تھوکا ہوا نہیں چاٹیں گے' یہ ہو سکتا ہے کہ رضوانہ بیگم کے زندگی میں شامل ہونے کے بعد ہم نواب کاظم علی خان صاحب کو بھی معاف کردیں لیکن اس کے لیے ایک وقت درکار ہوگا' اصل میں جو ہمارے دل میں تھا' آپ کی زبان سے ادا ہوگیا' آپ نے کہا کہ اگر آپ کو علم ہوجاتا کہ ہم طوائف زادے ہیں تو آپ یہ رشتہ منظور ہی نہ کرتے' بدقسمتی سے ہمیں بھی علم نہیں تھا' ورنہ ہم کبھی شریف گھرانے میں ایسا رشتہ نہیں ہوتے' یہی وہ داغ تھا' جس نے ہمیں برگشتہ کرکے گھر

ایک جرائم پیشہ کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر و غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

سیما غزل

کے سحر انگیز قلم سے ماہنامہ سچی کہانیاں ڈائجسٹ کا لازمی سلسلہ

ایک اور پُرتحیر سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

ایسی ناقابل فراموش داستان تحریر جو آپ کو لرزنے پر مجبور کردے گی۔

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہوگیا

ناشر: گل قریشی لائبریری
11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

پرچھائیں

ایک المیہ داستان

ہنگامہ خیز ناول

قیمت: 40 روپے
ڈاک خرچ: 15 روپے

گل قریشی لائبریری
11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7248599
7229762

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے نکال دیا لیکن ایک سوال ہم آپ سے ضرور کریں گے، حکیم صاحب قبلہ کیا وہ شخص جو طوائف کے کوٹھے پر پہنچتا ہے اس اولاد سے گناہ گار نہیں ہوتا جو اس کی ہوس کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ خیر ہم تو پھر بھی ایک ایسی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے جس سے نکاح کرلیا گیا تھا اور اسے ایک عزت کا مقام دیا گیا تھا، ہم ان بے شمار لوگوں کی بات کرتے ہیں جو بغیر نکاح ہی کے طوائف کے کوٹھے پر پیدا ہوجاتے ہیں اور زندگی بھر سر جھکا کر جیتے ہیں، خیر حکیم صاحب اس بارے میں آپ سے کیا گفتگو کریں، رضوانہ بیگم سے یہ کہہ کر آئے تھے کہ اگر حکیم صاحب نے ہماری یہ پیشکش قبول کرلی تو تھوڑے سے انتظامات کے بعد انہیں رخصت کرکے لے آئیں گے، آپ نے ایک بار پھر ہمارے زخم تازہ کیے ہیں، افسوس ہمارا تو آپ سے زندگی بھر کے لیے رابطہ ٹوٹ گیا، ہاں ازراہ انسانیت ہم آپ کو یہ اجازت دے کر جارہے ہیں کہ اگر کبھی بیٹی سے ملنے کو جی چاہے تو ہماری انا آپ کے آڑے نہیں آئے گی۔ چلئے رضوانہ بیگم، یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے پورا کیا۔ اب اس کے بعد یہاں کہ رکنا بے معنی ہے اٹھ جایئے۔"

رضوانہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کھڑی ہوگئی حکیم سرفراز حسین کو ایک دم احساس ہوا تھا کہ وہ سخت گفتگو کرگئے ہیں، سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا ازالہ کیسے کریں۔ جب ناظم خان اور رضوانہ بیگم دروازے کی جانب بڑھے تو حکیم صاحب نے کہا۔

"ہمارا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ اس طرح چلے جائیں اصل میں ہم یہ کہنا چاہتے تھے....." حکیم صاحب نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ناظم خان صاحب باہر نکل گئے اور حکیم صاحب کھسیا کر رہ گئے۔ کچھ دیر کے بعد دونوں موٹریں دہلی کی جانب واپس چل پڑی تھیں۔

☆

شاہ رخ کی کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک نظر آتا تھا، بس کبھی کبھی ایک مستی سی طاری ہوجاتی تھی۔ نواب فاخر علی خان اس سے مہ جبیں کا تذکرہ کرکے دیکھ چکے تھے۔ صاف ظاہر ہوجاتا تھا کہ کوئی بات ہے اس کے دل میں۔ ناصر اور عامر سے فیروز کے بارے میں سنا تھا اور حیران رہ گئے تھے۔ انہیں یہی خیال گزرا تھا کہ ہو نہ ہو یہ وہی لڑکا ہے جس کو ناظم خان نے گود لیا تھا۔

بہت گہرائیوں میں سوچا تھا۔ دل یہی کہہ رہا تھا کہ جب اس گناہ کا ازالہ کردیں گے تو سکون ملے گا۔ حکیم صاحب نے ذلیل کیا تھا۔ ناظم خان نے رسوا کیا تھا۔ سب کچھ تھا لیکن نواب صاحب نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ ابھی بیٹوں کو کچھ بتانا ٹھیک نہیں ہے۔ ذرا ایک نگاہ فیروز کو دیکھ تو لیا جائے اور یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

ناصر سے کہا۔ "میاں ناصر..... ذرا اس لڑکے کا پتا تو بتاؤ جو شاہ رخ کا ہم شکل ہے۔"

"ملیں گے اس سے بھائی جان!"

"ہاں۔ آخر دیکھیں تو سہی کہ قصہ کیا ہے۔" "کس حیثیت سے ملیں گے؟"

"دیکھو۔ یہ اس سے مل کر فیصلہ کریں گے۔"

"ہوسکے تو اس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیجئے۔"

"تم نے کوشش کی تھی۔"

"ہاں کی تھی۔"

"پھر۔"

"اس نوعمری میں ہی بہت کائیاں ہے۔ صاف ٹال گیا اور کہنے لگا کہ یہ ذاتی باتیں ہیں۔"

"بداخلاق ہے؟"

"بالکل نہیں بلکہ شاطر ہے۔ غالباً" اس نے سوچا ہوگا کہ اب شکست خوردہ ہوکر ہم اس سے راہ و رسم بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ تاوان نہ دینا پڑے۔"

"ملنے جلنے میں کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔ سچ جانئے بھائی جان اس سے ایک دلی انسیت محسوس ہوتی ہے۔ بار بار ملنے کو جی چاہتا ہے۔" ناصر علی نے کہا اور فاخر علی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

پھر انہوں نے تیاریاں کیں اور قطن میں بیٹھ کر فیروز کی کوٹھی چل پڑے۔ فیروز اس وقت موجود نہیں تھا۔ چوکیدار نے یہی بتایا تھا۔

"کس وقت آجائیں گے؟"

"بس تھوڑی دیر کے بعد۔"

"تو میاں ہم انتظار کرلیں گے۔ کوئی اور ہے گھر میں۔"

"بڑی بیگم صاحبہ ہیں۔"

"وہ کون ہیں فیروز میاں کی؟"

"مانی جان۔"

"میاں ان سے کہہ دو ان کا بھائی ان سے ملنا چاہتا ہے۔" چوکیدار نے اندر اطلاع کی اور رونق آرا نے فاخر علی کو بلالیا۔ فاخر علی ڈرائنگ میں جابیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد ملازم چائے لے آیا تو فاخر علی نے پوچھا۔

"بہن صاحبہ پردہ کرتی ہیں؟"

"آپ کون ہیں بھائی۔" اندر سے رونق آرا نے پوچھا۔

"میرا نام فاخر علی خان ہے نسیں۔ فیروز میاں سے ملنے آیا تھا۔ کچھ پریشانیاں ہیں میرے دل میں۔ کیا ایک بھائی کی کچھ مدد کریں گی؟"

"کیا بات ہے بھائی؟"

فاخر علی خان بے وقوف نہیں تھے۔ اس ارادے سے نہیں آئے تھے لیکن اچانک موقع ملا تو اس سے فائدہ اٹھانے پر تل گئے۔

"آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیجئے؟"

"آپ فیروز میاں کی حقیقی نانی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ کا نام رونق آرا بیگم ہے؟" فاخر علی خان نے کہا۔ یہ معلومات فاخر علی خان کو دہلی سے حاصل ہوئی تھیں۔

"جی۔ جی ہاں۔"

"آپ نے دہلی کب چھوڑی؟"

"تھوڑے سے دن ہوئے۔"

"مہ جبیں بیگم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔" فاخر علی خان نے سوال کیا اور رونق آرا دنگ رہ گئیں۔ یہ کون ہے جو ان کے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہے۔ معاً" خیال گزرا کہ شاید کوئی ایسی شخصیت ہے جو مہ جبیں کے بارے میں کچھ جانتی ہو۔ جلدی سے بولیں۔

"نہیں۔"

"مہ جبیں کہاں ہیں؟"

"اللہ جانے۔" رونق آرا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"کچھ سمجھے نہیں ہم۔"

"وہ۔ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

"کہاں؟"

"ہمیں نہیں معلوم۔"

"ناراض ہوگئی تھیں۔"

"ہاں۔"

"کیوں ناراض ہوگئی تھیں۔"

"آپ یہ سارے سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں؟" رونق آرا نے اضطراب سے پوچھا۔

"آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہتے ہیں بہن۔ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے سوالات آپ کے یا فیروز میاں کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں بلکہ ان سے فائدہ ہی حاصل ہوگا۔" رونق آرا کچھ دیر سوچتی رہیں پھر بولیں۔

"آپ جانتے ہیں ہم کون ہیں؟"

"ہم نے آپ کو کس نام سے پکارا ہے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمیں آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔"

"مہ جبیں کو مجھ پر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے ماحول سے

نفرت کرتی تھی۔"

"آپ نے بھی کوٹھا چھوڑ دیا؟"

"ہاں!"

"مہ جبیں آپ کی اکلوتی اولاد تھی۔"

"نہیں۔ دو اور بھی ہیں۔"

"وہ کہاں گئیں؟"

"انہوں نے بھی اپنے گھر بسائے۔ ایک نے نکاح کرلیا دوسری اس کے ساتھ ہے۔"

"فیروز مہ جبیں کا بیٹا ہے۔"

"ہاں۔"

"آپ لوگوں نے مہ جبیں کو تلاش نہیں کیا۔"

"بہت تلاش کیا۔"

"نہیں ملی۔"

"نہیں!"

اسی وقت فیروز ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔ اسے ملازم نے بتایا تھا کہ کوئی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اندر دوسرے کمرے سے رونق آرا بیگم مہمان سے باتیں کررہی ہیں۔ فاخر علی خان کھڑے ہوگئے۔ ان کے پورے جسم کا خون آنکھوں میں کھنچ آیا تھا۔ شاہ رخ کی ہو بہو تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور سکتے کے عالم میں تھے پھر ان کے دل میں محبت کی لہر پھوٹی اور وہ آگے بڑھے۔ فیروز نے انہیں سلام کیا تو وہ انہوں نے فیروز کا ہاتھ پکڑلیا۔

"تشریف رکھیے۔ آپ سے پہلی ملاقات ہورہی ہے۔"

"ہاں میاں۔" فاخر علی خان ٹھنڈی سانس لے کر بولے اور دوبارہ بیٹھ گئے۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔"

"یہاں آئے ہیں تو خدمت بھی لیں گے آپ سے۔ پہلے ضروریات سے فراغت حاصل کرلو۔"

"میں بالکل فارغ ہوں۔"

"تو پھر بیٹھ جاؤ۔ آج ہم تمہیں ایسی کہانیاں سنوائیں گے کہ تم دنگ رہ جاؤ گے۔ ویسے بخدا ہم اس ارادے سے نہیں آئے تھے تو جو اچانک ہم کرنے پر تل گئے ہیں لیکن تقدیر نے ہماری رہنمائی کی ہے اور ہمیں ہمارے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع عنایت کیا ہے۔"

"محترم! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ میرا آپ سے تعارف تک نہیں ہوسکا۔" فیروز نے کہا۔

"ہمارا نام فاخر علی خاں ہے۔"

"اوہ۔ آپ عامر علی اور ناصر علی کے بڑے بھائی ہیں۔" فیروز مسکرا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ مخالفوں سے پوری طرح باخبر رہنا ضروری ہوتا ہے۔" فیروز بدستور مسکراتا ہوا بولا۔ فاخر علی خاں اس بات پر مسکرا دیے پھر بولے۔

"ماشاء اللہ' ذہین نوجوان ہو۔ بے شک ناصر علی اور عامر علی کے حوالے سے فی الحال تم مجھے مخالفوں ہی میں تصور کر سکتے ہو لیکن سب سے پہلے میں یہ انکشاف کر دوں کہ نہ تو میں ان کے حوالے سے تمہارے پاس آیا ہوں اور نہ ہی میرا ان کے کاروبار سے کوئی تعلق ہے۔ حاجی عبداللہ صاحب اور ان لوگوں کے درمیان جو کوئی بھی مسئلہ کار فرما رہا ہے اس سے نہ تو پہلے میرا کوئی تعلق تھا اور نہ اب ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں شاید میں نے بے دھڑک الفاظ کا استعمال کر لیا ہے۔ اخلاقی طور پر مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور آپ کے ان الفاظ نے مجھے مزید شرمندہ کر دیا ہے۔ خیر آمد کی کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"ہاں فیروز میاں' بہت سا وقت لینا چاہتا ہوں آپ کا' پہلے آپ مجھے اپنی معصومیت کے بارے میں بتایئے۔"

"نہیں قبلہ' میں اتنا معصوف انسان نہیں ہوں۔ بس عام سا آدمی ہوں اور آپ کو علم ہو گا کہ ایک ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"عزیزم اگر وقت ہے تو میرے خیال میں ہمارے درمیان گفتگو ہونے والی ہے وہ نہایت کار آمد رہے گی۔ مجھے پوری طرح علم ہے کہ تم بدھ تک آرا کے نواسے اور مہ جبیں بیگم کے بیٹے ہو اصل میں بیٹے تمہارا ایک تعلق مجھ سے بھی ہے اور وہ بڑا انوکھا ہے۔ میرا خیال ہے دنیا کی تاریخ میں کبھی کسی نے ایسے کسی تعلق کا اظہار نہیں کیا ہو گا۔" فیروز کے جبڑے بھنچ گئے اور اس کی آنکھوں میں ایک سرد سی کیفیت ابھر آئی۔

"خوب' تو کیا آپ اس حوالے سے مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ظاہر کر کے کہ میں طوائف زادہ ہوں آپ مجھے ان کارروائیوں سے روکنا چاہتے ہیں جو میں نے عامر علی اور ناصر علی کے لیے کی ہیں۔"

"بخدا اگر ایسا کوئی شائبہ بھی مل جائے تمہیں تو میری ضعیفی کو نظر انداز کرو اور جس قدر برا سلوک چاہو میرے ساتھ کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر محترم اور کیا تعلق ہے میرا آپ سے؟"

"جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کھل کر کہہ دوں کہ بیٹے میں تمہارا تایا ابو ہوں' ہاں ایسا ہی ہے' میں تمہارا تایا ہوں۔" فیروز ان رشتوں کا مفہوم نہیں سمجھتا تھا۔ ماں کی طرف سے وہ خالہ اور نانی ہی کو جانتا تھا۔ باقی رشتے بڑے الجھے ہوئے تھے اس کے لیے۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے فاخر علی کو دیکھنے لگا۔ فاخر علی خاں نے آنکھیں بند کر لیں اور بولے۔

"تمہارے باپ کا نام شاہ رخ ہے اور اسے تم سے زیادہ تمہاری ماں جانتی ہو گی۔"

فیروز کو یاد آیا کہ مہ جبیں اکثر دعائیں مانگتی تھی شاہ رخ کے لیے۔ بچپن سے لے کر عمر کے ایک خاص حصے تک اس نے مہ جبیں کے منہ سے شاہ رخ کا نام سنا تھا۔ مہ جبیں نے اسے بتایا بھی تھا کہ اس کا باپ شاہ رخ ہے۔ معصومیت کے دور میں اس نے اپنے باپ کے بارے میں بے شمار سوالات کیے تھے اور پھر یہ سب کچھ اس کے ذہن میں مٹ گیا تھا کیونکہ جس بستی سے وہ تعلق رکھتا تھا وہاں باپوں کے نام کبھی نہیں لیے جاتے تھے۔ یہ تو مہ جبیں تھیں جس نے دل سے کبھی شاہ رخ کو نہیں بھلایا تھا۔ دربار اداکیا میں جگہ جگہ مہ جبیں غمزدہ ہوتی تو اس کے دل سے ایک ہی آواز نکلتی۔

"ملا دے ولا' ایک بار بس ایک بار آنکھیں ترستیاں ہیں' دل میں پیاس ہے۔ ایک بار ملا دے بس پھر کبھی کچھ نہ کہوں گی۔" یہ الفاظ آج بھی فیروز کے دل پر منجمد تھے اور وہی نام فاخر علی خاں کے منہ سے سن کر اس کے بدن میں ٹھنڈک کی

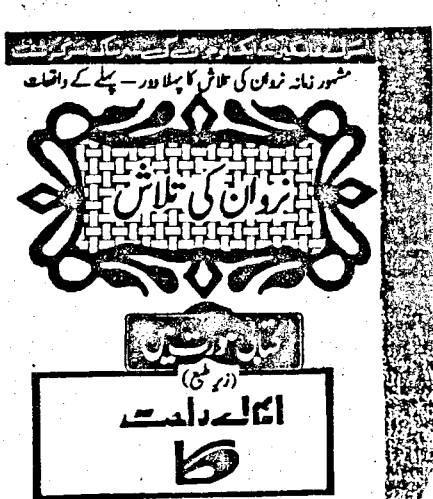

لہر دوڑنے لگی تھیں اور وہ تھوڑے سے اعصابی کھنچاؤ کا شکار ہو گیا۔ نواب فاخر علی خاں نے آنکھیں بند کیے کیے کہا۔

"ہاں بیٹے شاہ رخ تمہارا باپ ہے اور میں تمہارے باپ کا چچا زاد بھائی۔ بات بہت عجیب ہوئی تھی۔ شاہ رخ کا تمہاری والدہ سے تعلق ہو گیا اور اس کے بعد اس کی تم لوگوں سے جدائی ہو گئی۔ اس کا ذہنی توازن درست نہ رہا اور بحالت مجبوری اسے علاج کے لیے ملک سے باہر بھیج دیا گیا۔ شاہ رخ کے دل پر مہ جبیں کا نقش تھا اور اس کا دماغی توازن بھی مہ جبیں سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے بگڑا تھا۔ وہ ایک نیک نوجوان تھا لیکن اتفاقی طور پر بھٹک گیا تھا لیکن اس کے دل میں مہ جبیں کے لیے وہی جذبہ تھا جو کسی محبت کرنے والے شخص کا ہوتا ہے اور آج تک مہ جبیں کی غیر موجودگی نے اسے دماغی طور پر معطل رکھا۔ بیٹے میں تم سے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہوں گا۔ ساری کہانی ٹھنڈے دل سے سن لو' بڑی عجیب کہانی ہے۔ میرے چہرے پر بدنما داغ ہیں جو تمہیں اپنا سمجھ کر دکھا رہا ہوں کیونکہ تمہاری رگوں میں میرا خون ہے۔ شاہ رخ تو ملک سے باہر چلا گیا اور واقعات کروٹیں بدلتے رہے۔ یہ سب کچھ ہوا اور اس کے بعد میری زندگی میں ایک انوکھا وقت آگیا۔ بیٹے ہم چار بھائی ہیں۔ شاہ رخ سب سے چھوٹا ہے۔ عامر علی اور ناصر علی بھی میرے بھائی ہیں۔ ایک بہن سے ہماری جو اتفاق سے ایک ایسی جگہ بیاہ گئی جو مجھے ناپسند تھی۔ ایک ایسے شخص سے شادی کر دی گئی اس کی میری مرضی کے خلاف جو پہلے سے شادی شدہ تھا اور اس نے بھی ایک طوائف سے شادی کر رکھی تھی۔ اس کا بیٹا ناظم خاں بھی تمہاری طرح اس بات سے ناواقف تھا کہ وہ ایک طوائف زادہ ہے۔ طویل عرصے کے بعد جب اس شخص کی شادی ہوئی۔" نواب فاخر علی خاں نے اتنا ہی کہا تھا کہ فیروز ایک دم چونک پڑا۔

"کیا نام بتایا آپ نے؟"

"ناظم خاں' وہی ناظم خاں جو نئی چاوڑی میں رہتے ہیں۔"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔"

"ہاں مجھے علم ہے کہ تمہاری اور ناظم کی شناسائی ہی نہیں بلکہ تمہارے درمیان باپ بیٹوں جیسا رشتہ ہے۔"

"ناظم خاں طوائف زادے ہیں؟"

"ہاں بیٹے وہ بھی طوائف زادہ ہے پھر جب اس کی شادی ہوئی تو یہ انکشاف میں نے ہی کیا کہ وہ طوائف زادہ ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اپنا دلی بخار نکالنے کے لیے کیا تھا لیکن وہ بات بہت زیادہ بگڑ گئی اور پھر ناظم خاں نے اپنا گھر چھوڑ دیا اور اپنے چار بہترین دوستوں کے ساتھ گھر سے نکل کر گمنام طریقے سے نئی چاوڑی میں رہنے لگا۔ ناظم خاں کی منکوحہ ایک عزت دار شخص کی بیٹی تھی وہ بیچاری میری وجہ سے اپنا منصب حاصل کرنے میں ناکام

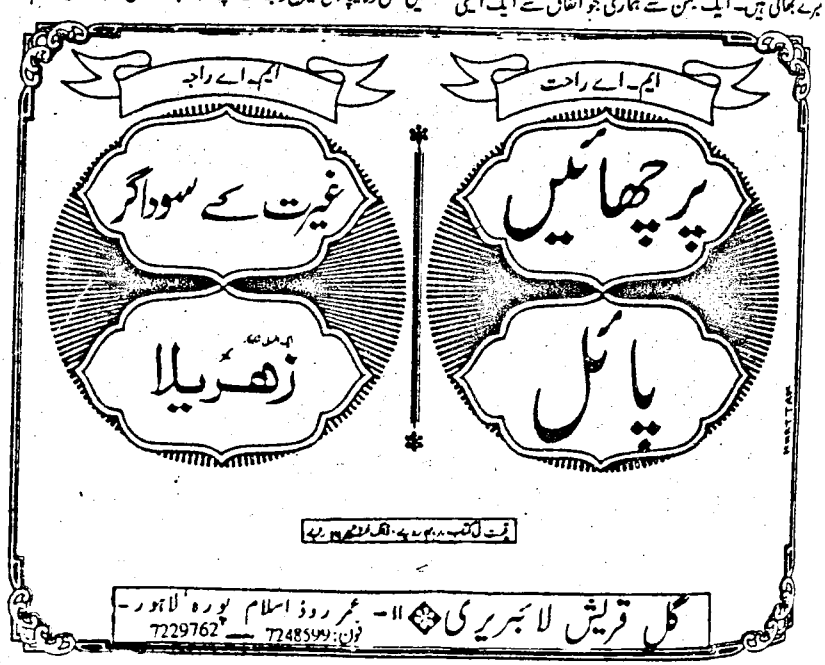

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی۔ تقدیر کو مجھے میری برائیوں کا نتیجہ دکھانا تھا سو اس نے بات آگے بڑھائی۔ فیروز میاں میں پہچاننے لگا۔ اپنی ان حرکات پر اور مجھے اپنے جرم کا احساس ہوا۔ یہ احساس اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ میرے دن رات بے چین ہو گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں۔ میں نے اس سلسلے کو ہموار کرنا چاہا لیکن کوئی میرا ہمنوا نہیں تھا۔ بالآخر میں خود ہی نکل کھڑا ہوا۔ ناظم خاں کے بارے میں مجھے کچھ سن گن مل گئی تھی۔ ناظم خاں سے ملا تو انہوں نے مجھے بہت برا بھلا کہا اور اس کے ساتھ ہی یہ انکشاف بھی کیا کہ ناظم خاں کو تو میں نے طوائف زادہ کہہ دیا لیکن اب یہ آگے خود میرے گھر تک پہنچ چکی ہے۔ وہیں سے مجھے اس بات کا علم ہوا۔ میرا بھائی شاہ رخ سہ جبیں کے عشق میں گرفتار ہے۔ ناظم خاں ہی نے مجھے بتایا۔ سہ جبیں اور شاہ رخ کا ایک بیٹا بھی ہے اور وہ بیٹا پہلے وہیں تھا اس کے بعد بچھڑ گیا ہے۔ فیروز میاں یہ ساری باتیں معلوم ہونے کے بعد مجھے شدید غم و اندوہ کا احساس ہوا۔ میری برائیوں کی سزا مجھے مل رہی تھی۔ میں نے حکیم سرفراز حسین سے ملاقات کی جو ناظم خاں کے سسر تھے اور ان سے کہا کہ ناظم خاں نئی چاوڑی میں موجود ہیں۔ اگر وہ ان سے رجوع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ حکیم سرفراز حسین بھی مجھ پر ہی ناراض ہوئے بہرحال یہ سب کچھ برداشت کر لیا۔ دل بے کل تھا بری طرح پریشان تھا اور اس فیصلے کو کرنے سے قاصر تھا کہ اب کیا کروں کہ عامر علی اور ناصر علی تم سے ملاقات کرنے یہاں آئے۔ یہاں انہوں نے تم سے مل کر جو کچھ دیکھا وہ ان کے لیے ناقابل یقین تھا۔ انہوں نے مجھے جا کر اس بارے میں بتایا اور میرے سوا یہ بات اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ اصلیت کیا ہے۔ میں تم سے ملنے چلا آیا۔"

فیروز سکتے کے سے عالم میں یہ ساری داستان سنا رہا تھا اور اس کی باتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے پھر ایک طرح سے اس پر ہیجان سا سوار ہو گیا تھا۔ ماں تو اس کے دل میں بہت بڑا مقام رکھتی تھی لیکن باپ کا تصور انوکھا تھا۔ اب دنیا سے اتنا ناشناس نہیں رہا تھا کہ باپ کی اہمیت کو نہ سمجھ پاتا مگر ایک عجیب سا تصور ایک عجیب سا کھنچاؤ اس کے وجود میں تھا۔ فاخر علی خاں پر کرنے لگے۔

"میں نے اس دوران شاہ رخ کو بھی بیرون ملک سے واپس بلا لیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ تقدیر آگے جو بھی فیصلہ کرے شاہ رخ کی موجودگی ضروری ہے۔ شاہ رخ اس وقت ہمارے پاس مراد آباد ہی میں موجود ہے۔ فیروز میاں میرے بھائیوں نے مجھے یہ بتایا کہ یہاں اس گھر میں انہوں نے جس شخص سے ملاقات کی وہ شاہ رخ کا انکا مشکل ہے کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ شاہ رخ کی جوانی ہے۔ نوعمری ہے، تم اپنے باپ کے اس قدر مشکل ہو فیروز کہ دونوں کو ایک جگہ کھڑا کر دیا جائے تو لوگ حیران رہ جائیں۔"

فیروز کے کانوں میں پھر وہی آواز ابھری جو سہ جبیں کی تھی۔ نیلی سچ جیسی آنکھیں۔ دودھ جیسا شفاف رنگ' بالکل اپنے باپ کا ہم شکل ہے یہ۔ یہ کہہ کر وہ اکثر فیروز کو چوما کرتی تھی۔ فیروز کے دل میں ایک ہوک سی اٹھنے لگی لیکن پھر حالات کا تابڑ توڑ دباؤ اس کے ذہن پر پڑا اور اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہا اور اس کے بعد آہستہ سے بولا۔

"لیکن فاخر علی خاں صاحب میں تو آپ کو تایا ابو کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ میں تو اپنے باپ کو باپ کہنے کا حق نہیں رکھتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے' میری دلی آرزو ہے کہ موت سے پہلے تمہیں وہ حق دلا کر جاؤں کہ تم مجھے تایا ابو کہہ سکو۔ ہاں بیٹے اگر تمہاری ماں مجھے مل جائے تو میں شاہ رخ کا اس سے نکاح کر دوں۔ بے شک یہ بعد از وقت ہے لیکن معاف کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ شاہ رخ تمہیں اپنا بیٹا تسلیم کر لے تمہاری ماں کا نکاح ہو جائے تو کم از کم دنیاوی طور پر لوگ تمہیں شاہ رخ کا بیٹا تسلیم کرنے لگیں گے باقی سب کچھ اللہ کی مرضی پر ہے۔ وہ بخشنہ نواز ہے اگر معاف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔" فیروز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

"آپ کی باتیں درحقیقت میری زندگی کی سب سے انوکھی باتیں ہیں۔ میں تو عالم تصور میں بھی نہیں لا سکتا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ یقین فرمایئے' میرے لیے ابھی تک ناقابل یقین ہے۔"

"لیکن یہ ایک سچائی ہے بیٹے' ہم سب تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہیں' کھلونے ہیں ہم سب' تقدیر ہم سے جس طرح چاہے کھیلتی ہے بہرحال یہ ہماری جدوجہد ہے میں اس جدوجہد میں تم سے تعاون چاہتا ہوں۔"

"میں کیا تعاون کر سکتا ہوں مجھے کچھ سمجھایئے تو سہی آپ نے تو خود مجھے بے کل اور بے چین کر دیا ہے۔"

"بے کلی اور بے چینی تمہارے لیے نہیں ہے بیٹے۔ تمہاری بے کلی دور کرنے والے تو ہم موجود ہیں۔ ہم سے پوچھو جو بے سہارا ہیں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

فیروز گردن جھکائے بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اب وہ ناسمجھ نہیں تھا حالات کو مکمل طور سے سمجھ سکتا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن فاخر علی خاں صاحب ایک اور مجبوری بھی تقدیر نے ہم پر لاد دی ہے۔ وہ یہ ہے کہ میری ماں گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ کاش میں اس کی وکالت میں آپ سے کچھ کہہ سکتا۔ اگر آپ اس وقت سچائیوں کے حوالے سے بات کر رہے ہیں تو ایک سچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے منہ سے بھی سن لیجئے' میری ماں بے شک کوٹھے پر پیدا ہوئی اور وہیں جینے کے لیے مجبور رہی لیکن میری اب تک کی عمر شاہد ہے کہ میری ماں نے کبھی کوٹھے کی زندگی پسند نہیں کی۔ اس نے ہر لمحے اپنے ماحول سے نفرت کی اور آپ یہ بھی یقین کر لیجئے اسی سچائی کے حوالے سے کہ میں اس وقت جھوٹ بولنا کفر سمجھتا ہوں کہ میری ماں نے ہمیشہ اس شخص کو یاد کیا جس کی اولاد میں ہوں۔ اس نے مزارات پر دیوں کے اور بزرگوں کے مزارات پر ہمیشہ ایک ہی دعا مانگی کہ ایک بار اسے اس شخص سے ملا دے جو اس کی زندگی میں پہلا اور آخری شخص تھا۔ نواب فاخر علی خاں صاحب اپنی اسی گمشدہ ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں آپ سے کہ اس نے ہمیشہ شاہ رخ کو یاد کیا۔ ہمیشہ ہی اس کے لیے روتی رہی۔" فیروز کی آواز گلوگیر ہو گئی اور اسی وقت رونق آرا بیگم باہر نکل آئیں ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہ رہے تھے۔

"ہاں یہ سچ کہہ رہا ہے فاخر علی خاں صاحب' میں وہ ڈائن ہوں جس نے ہمیشہ اس سلسلے میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ آہ دیکھو کیسی عجیب بات ہے۔ تقدیر برائیوں کا صلہ دیتی ہے اور اسے دیتی ہے کہ بعض اوقات انسان مر مر کر جیتا ہے۔ مر مر کر جی رہی ہوں۔ یہ بچہ جس نے آج مجھے گھر دیا ہے عزت و احترام دیا ہے لوگ مجھے بیگم صاحبہ کہتے ہیں' میں جو ہمیشہ کوٹھوں کی زینت رہی آج مجھے عزت کا وہ مقام دیا گیا ہے جو کسی شریف زادی کو حاصل ہوا ہے اور یہ مقام اس نے مجھے دیا ہے جسے میں نے ہمیشہ سنگ راہ سمجھا اس سے زیادہ میں نے اسے اور کوئی حیثیت نہیں دی۔ ہاں وہ بدنصیب میں ہوں جس نے مہ جبیں کے راستے میں رکاوٹ ڈالی۔ نواب فاخر علی خاں صاحب میں ہوں وہ ظالم عورت اور یہ ایک ٹھوس سچائی ہے شاہ رخ مجھے بھی یاد ہے بالکل اپنے بچپن کا ہمشکل تھا وہ۔ مہ جبیں اسے ہمیشہ یاد کرتی رہی۔ شاہ رخ خود نہیں آیا تھا بلکہ اس کے کچھ دوست اسے لے آئے تھے۔ شرمیلا سا نوجوان جو بس آگیا تھا۔ نواب فاخر علی خاں صاحب کیسی عجیب بات ہے۔"

"خود آپ اندر جائیے مجھے بات کرنے دیجئے۔" فیروز نے کہا۔

"نہیں بیٹا اب میں وہ خو نہیں ہوں جو کبھی تھی اب تو میں تمہاری ہر بہتری کے لیے دعا گو عورت ہوں اور میرے دل کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ کاش میری زندگی کی قیمت پر میرے ان گناہوں کا ازالہ ہو جائے جو میں کرتی رہی ہوں۔ افسوس نجانے کتنے گھر بگاڑے ہیں میں نے۔"

"بس صاحب' انسان بڑا کمینہ صفت ہوتا ہے جب خود پر پڑتی ہے تو تمام اقدار بھول جاتا ہے۔ عام حالات میں کوئی بھی آپ کو بس کہنے پر تیار نہ ہوتا لیکن آج دیکھ لیجئے انسان اپنی اصلیت میں آگیا ہے۔ خدا کے لیے فیروز سے کہئے کہ میرے ساتھ تعاون کرے۔ ان تمام واقعات کو معاف کرتے ہوئے سے گفتگو کرے دوستانہ طریقے سے۔"

"نہیں فاخر علی خاں صاحب میرے دل میں آپ کے کوئی برائی نہیں ہے اور پھر آپ نے کیا کیا ہے ہمارے لیے لڑ حیران کن بات یہ ہے کہ خاں صاحب کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ مجھے اب سب کچھ یاد آ رہا ہے۔ خود آپ کو علم ہوا کہ خاں صاحب مجھ پر نگاہ التفات کیوں کرتے تھے۔ اب آپ کو پتا گیا خود کہ میرے اور ان کے درمیان برائی کا کوئی رشتہ نہیں تو وہ چونکہ خود زخمی تھے اس لیے میرے زخموں پر مرہم رکھنا چا تھے۔ مجھے زخموں سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ وہ مجھے ایک باعز شخصیت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ خود یہ تھا صاحب کا مسئلہ' اب بتاؤ وہ کتنے برے آدمی تھے۔ جواب دو کتنے برے انسان تھے وہ۔"

رونق آرا بیگم رونے لگیں پھر بولیں۔ "انسان اتنا اندھا ہے بیٹے' اتنا ہے اگر کسی کو چشم بینا مل جائے تو یوں اسے دنیا کا خزانہ مل گیا۔ صرف اس ناقص عقل سے سوچنا جو بہت کم صحیح فیصلے کر پاتی ہے بس بیٹے کیا کہیں اور کیا کہیں۔"

"میرا مسئلہ تو اتنا گمبھیر نہیں ہے فاخر علی خاں صاحب تو میری ماں کا میرے باپ سے نکاح ہی نہیں ہوا۔ ناظم صاحب کو مجھ پر فوقیت تو حاصل ہے کہ وہ ایک نکاح میں آئی عورت کی اولاد تھے' میرا تو مسئلہ ہی الٹا ہے میں عزت کا وہ کہاں سے حاصل کر سکوں گا۔"

"بیٹے میرے تجربے سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ ایک بوڑ شخص کے تجربے سے۔"

"جی فرمائیے۔"

"دنیا کو یہ بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ شاہ رخ اور جبیں کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ دونوں یکجا ہو جائیں تو ہم نکاح پڑھا سکتے ہیں' تمہیں کسی سے یہ کہنے کی ضرورت ہی ہے کہ تمہاری ماں کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ ہاں ہم یہ کہنے سے گ نہیں کریں گے کہ مہ جبیں کبھی طوائف کے کوٹھے پر ہوا کر تھی۔ آخر طوائفیں بھی تو انسان ہوتی ہیں اگر زندگی میں انہیں صحیح طور سے جینے کا حق مل جائے تو ان کی کوئی نسل تو نہیں ہو ارے یہ تو انسان کے تراشے ہوئے بت ہیں۔ کسی کو کوئی نام دو' کسی کو کوئی نام' ناموں سے کچھ نہیں ہوتا۔ انسان اللہ تخلیق ہے انہی نوجوانوں میں' مردوں میں کوئی چور ہوتا ہے کوئی ڈاکو ہوتا ہے کوئی شہنشاہ ہوتا ہے سب یکساں ہی تو ہوتے ہیں جب وہ معصوم سے اس دنیا میں آتے ہیں تو معصوم ہی ہوتے ہیں دوسروں کے گناہوں کا مرتکب انہیں کیوں قرار دیا جائے کسی طوائف کو کوئی باعزت طریقے سے اپنے گھر میں پناہ دے

عاصب بھوریوں سے ہر محاذ پر برسرپیکار سرفروشوں کی لہو رنگ داستان
اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ
جانباز
(۳ حصے)
تحریر: ایم۔ اے راحت
○ سازشوں اور اسلام دشمن کلوشوں کے انکشاف سے پر ایک
انوکھی داستان
○ قبل ازیں سے تربیت یافتہ سوسائٹی کے بھیانک روپ
قیمت: 40 روپے ڈاک خرچ: 15 روپے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

لے تیار ہو جاتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ انسانیت کے ساتھ ایک بھلائی ہی ہے اور انسانیت کو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے سماج اور معاشرے کی سوچ کچھ اور ہو لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ایک بیمار کے لیے دوا ضروری ہوتی ہے ایک زخمی کے لیے علاج ضروری ہوتا ہے۔ اگر وہ صحت مند ہو جائے تو معاشرے کے لیے ایک اچھا انسان ثابت ہوتا ہے بجائے اس کے کہ اسے زخمی یا بیمار سمجھ کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے بہرحال یہ میرے اپنے خیالات ہیں تو بیٹے اگر تم اس بات سے اتفاق کرو تو ہم لوگ اپنے طور پر جدوجہد کر سکتے ہیں۔"

فیروز سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا' اس نے آہستہ سے کہا۔ "وہ جدوجہد کیا ہو سکتی ہے فاخر علی خاں صاحب؟"

"بیٹے دو کام کرتے ہیں۔ تمہارے اثرات اگر ناظم خاں صاحب پر بہت زیادہ ہیں تو ناظم خاں کو مجبور کرو کہ اپنے والد سے ملیں یا نہ ملیں لیکن کم از کم اس معصوم عورت کو ضرور عزت کو وہ مقام دیں جو بہرطور ان کی بیوی ہے اور کسی بھی طرح اس قابل نہیں ہے کہ اس پر ظلم ہو۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ہم مہ جبیں کو تلاش کرتے ہیں ضرور مل جائے گی وہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے تو اس کی تلاش بھی ناممکن نہیں ہو گی۔ فیروز میاں اس کے بعد تمہارا مستقبل بھی ہے میں اور میرے بھائی بے شک جھوٹی گواہی دیں گے لیکن وہ بیٹی کہیں گے کہ شاہ رخ نے مہ جبیں سے نکاح کر لیا تھا اور وہ مہ جبیں کا اور شاہ رخ کا جائز بیٹا ہے۔ بیٹے اس طرح تمہارے مستقبل کا معاملہ بھی مشکل میں نہیں پڑے گا۔ دیکھو بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو انتہائی مجبوری کے عالم میں کیے جاتے ہیں۔ اس گناہ کا ہم کتنا بڑا کفارہ ادا کر دیں گے لیکن اس سے بہت سی زندگیوں کو سہارا مل جائے گا۔ میرا شاہ رخ بھی ہوش و حواس پا لے گا۔ تمہیں بھی ایک گھر مل جائے گا بیٹے اور راستے میں کتنی ہی دشواریاں پیش آئی ہوں سب دور ہو جائیں گی۔ بولو کیا تمہیں یہ منظور ہے؟"

فیروز کی آنکھوں میں عجیب سے خواب در آئے۔ ایک حسین چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔ یہ مہتاب جہاں کا چہرہ تھا۔ ہاں یہ مشکل تو ہمیشہ ہی دامن گیر رہتی۔ بے شک وہ اپنے آپ کو ایک طوائف زادہ کہہ کر متعارف کراتا لیکن اب صورت حال تبدیل ہو جاتی وہ ایک رئیس زادے کا بیٹا کہلاتا جو ذہنی توازن کا شکار ہو گیا تھا۔ مستقبل میں بہت سے روشن سائے نظر آ رہے تھے۔ جدوجہد کی ضرورت تھی اور پھر خاں صاحب کا تعاون ہو تو کبھی مسکرانے پر مجبور کر دیتا اور کبھی اس میں افسردگی شامل ہو جاتی۔ خاں صاحب بھی ایسے ہی کسی المیے کا شکار ہیں۔ یہ بات فیروز کے لیے بہت زیادہ دلچسپیوں کا باعث تھی۔ کافی دیر تک وہ غور کرتا رہا پھر اس نے چونک کر کہا۔

"لیکن ایک بات اور درمیان میں ہے فاخر علی خاں صاحب۔"

"کیا بیٹے؟"

"میں حاجی عبداللہ کی ملازمت کر رہا ہوں۔ حاجی صاحب کو جو نقصانات پہنچے ہیں ان کا تاوان ادا کرنا ضروری ہے ورنہ جو دعوے کر کے وہاں سے آیا تھا وہ غلط ثابت ہو جائیں گے۔"

"ارے تم منہ سے تو کہو بیٹے۔ مجھے ابھی اور اسی وقت حساب بنا کر دو۔ کیا ادائیگی کرنی ہے۔ بیٹے تمہارے یہ زندگی قربان کرنے کو تیار ہوں۔ تم صرف دولت کی بات کرتے ہو۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

"آپ کو یہ سب کچھ بہت عجیب معلوم ہوا ہو گا فاخر علی خاں صاحب لیکن انسان اگر اپنی زبان سے مخلص نہ ہو تو میرا خیال ہے وہ کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتا۔"

"میں سمجھتا ہوں فیروز میاں لیکن یہ کوئی مشکل مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جو مسائل ہیں۔ پہلے ہم ان کا حل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دریافت کریں۔"

فیروز گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ خود اس کے اپنے دل میں بھی ہلکی ہلکی گدگدیاں ہو رہی تھیں۔ یہ تصور بڑا دلنواز تھا کہ اپنے والدین کے ساتھ تو اتیر حسین کے ہاں پہنچے اور مہتاب جہاں کے لیے رشتہ دے۔ آہ کاش ایسا ممکن ہو سکے پھر ناظم خاں کا معاملہ۔ وہ ان سارے معاملات میں پوری طرح دلچسپی لینے کو تیار تھا بے شک تھوڑا سا جھوٹ بولنا پڑے گا لیکن اگر اس طرح دل کے داغ مٹ جائیں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"تو پھر اس سلسلے میں میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کیا اس سلسلے میں تم مجھ سے تعاون کرو گے۔"

"جی ہاں۔ سارے معاملات میرے لیے اتنے ہی تجسس آمیز ہیں جتنے میرے جیسے کسی انسان کے لیے ہونے چاہیے تھے۔ میں اس بات سے بھی انکار نہیں کرتا کہ اس میں میرا بہتر مستقبل بھی چھپا ہوا ہے اور خان صاحب کے لیے تو میں اپنا رواں رواں قربان کے لیے تیار ہوں۔ آہ کاش میں ان کے لیے کچھ کر سکوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ہمیں ابھی اپنے آپ کو مکمل طور سے خاموش رکھنا ہوگا اس سلسلے میں بہتر منصوبہ بندی کرتے ہیں اور دوسری ملاقات میں یہ طے کرتے ہیں کہ اب ہمارا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔" فیروز نے بے اختیار کہا۔

"میں اپنے ابو کو ایک نگاہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیسی غیرت کی بات ہے میرے لیے کہ میں آپ کو تایا ابو اور انہیں ابو نہیں کہہ سکتا لیکن میں ہٹ دھرم انسان ہوں' جس بات میں میرا کوئی قصور ہی نہیں تھا۔ اس پر میں شرمندگی اپنے اوپر کیوں طاری کروں؟"

"تم مجھے تایا ابو اور شاہ رخ کو ابو کہہ سکتے ہو اگر تم چاہو تو اور جہاں تک شاہ رخ کو دیکھنے کا سوال ہے تو ابھی تھوڑا سا توقف اختیار کرو۔ میں کوئی بہتر منصوبہ بنا کر تمہارے سامنے پیش کروں گا۔ اطمینان رکھو تمہارے مشورے کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔"

"بہتر ہے۔"

بعد میں جب فاخر علی خاں رخصت ہونے لگے تو انہوں نے بے اختیار ہاتھ پھیلا دیے اور فیروز ان کے گلے سے آلگا۔ ایک نئی اور انوکھی لذت کا احساس ہوا تھا اسے۔ وہ لمس جس کا آج تک اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا' آج اسے اس لمس کا احساس ہوا تھا۔ یہ اس کے خاندان کا دوسرا حصہ تھا۔ بے حد اتوکھا انتہائی دلچسپ۔

رئیس خاں کا گھرانا ماضی میں جو کچھ بھی رہا ہو اور پھر ابھی نہیں تھا۔ کھاتے پیتے لوگ تھے دبلی کے۔ ایک مناسب حیثیت افراد' خاندان بھی اچھا خاصا وسیع رکھتا تھا لیکن رئیس خاں نے ایک طوائف زادی سے عشق کیا اور اس کے بعد اس طوائف زادی کو گھر میں بسا لیا۔ سارے خاندان میں تھو تھو ہو گئی۔ لوگوں کے انداز فکر بھلا کہاں بدل سکتا ہے لیکن رئیس خاں ہٹ کے پکے تھے۔ پوری عمر گزار دی خاندان والوں سے الگ رہ کر لیکن انہوں نے بھی وہ ساتھ نبھایا کہ مخالفوں کی زبانیں بند ہی رہیں۔ کسی کو انگلی نہ اٹھا سکا۔ رئیس خاں کا موقف تھا کہ انسان بہرحال انسان ہی ہوتا ہے اس کے اندر نیکیوں کا عنصر زیادہ ہوتا ہے اور دوسری بات ہے کہ اسے برا تصور کر کے برائیوں کی جانب جاتا رہے۔ کمزور فطرت کا یہ انسان بہرطور بعض اوقات دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتا ہے لیکن رئیس خاں نے ایک زندگی قائم کی تھی اور اتفاق کی بات یہ کہ تاریخ نے ایک بار اپنے آپ کو دہرایا تھا۔ خاندان کی رئیس خاں نے کبھی کوئی نہیں کی تھی جن لوگوں سے رشتے ٹوٹ گئے تھے ٹوٹ گئے حالانکہ بعد میں کچھ رشتے داروں نے ملنے کی کوشش بھی کی یہ وہ لوگ تھے جو زمانہ ساز تھے اور جانتے تھے کہ رئیس خاں دولت میں کچھ ان کا حصہ بھی ہو سکتا ہے لیکن رئیس خاں سمجھدار آدمی تھا' صنعتکار تھا' وہ اور صنعتکار کبھی احمق نہیں ہوتا۔ وہ حقیقتوں کو عام لوگوں سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے چنانچہ اس نے ایسے کسی شخص کو منہ نہیں لگایا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی۔ امتیاز نے اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جب ایک طوائف زادی کو اپنانا چاہا تو عام لوگوں کے برخلاف رئیس خاں اور اس کی بیوی نے اپنے بیٹے کا بھرپور ساتھ دیا اور ممتاز گھر میں آگئی۔ اب یہ خوش بختی ہی تھی اور ممتاز بھی ایسے ماحول سے گزر کر آئی تھی جس میں ایک لڑکی نے بغاوت کا سنگ بنیاد رکھا تھا اور اس ماحول سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے وہاں سے فرار حاصل کیا تھا۔ یہ بات دونوں بہنوں کے ذہنوں میں سرایت کر گئی تھی۔ ممتاز نے رشداد کی بھی مدد کی تھی اور اللہ بھی یہاں آگئی تھی۔ رئیس خاں کائیاں آدمی تھا اپنی بیوی کے بارے میں وہ کھلے دل سے یہ بات کہہ سکتا تھا کہ وہ بازار شریف زادیوں سے بہتر ہے لیکن ان دونوں لڑکیوں کا تجزیہ کرنا ضروری تھا اور پھر جب اس نے تجزیہ کر لیا تو اس کی خوشی انتہا نہ رہی اس کی طرح اس کا بیٹا بھی خوش نصیب تھا کہ بہت الگ فطرت کی مالک تھی۔ تمام ادب و آداب ہر طرح قرینہ' سلیقہ۔ اس نے اپنے آپ کو ایک شریف زادی کے سے تھوڑے ہی دنوں میں منوا لیا تھا۔ گھریلو امور میں اس کی دلچسپی لیتی کہ خود رئیس خاں کی بیوی بھی حیران رہ جاتی اور کہ بیٹی اگر اپنے آپ کو اس گھر میں منوا رہی ہو تو یہ بھلا نہیں ہے لیکن اتنی محنت نہ کیا کرو کہ بیمار پڑ جاؤ۔ جواب

ممتاز ہنستی کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ ایک ایک شخص کے دل میں گھر کرے۔ جواب میں رئیس خاں کی بیوی مسکرانے لگی پھر ایک دن ممتاز اپنی ساس سے کہنے لگی۔ "اماں جان اگر میرا نام بدل دیں تو کیسا رہے؟"

رئیس خاں کی بیوی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا

"کیوں ماضی بھول جانا چاہتی ہو؟"

"ماضی بھولنا تو مشکل ہوتا ہے اماں جان لیکن یہ نام کوٹھے پر لایا جاتا ہے۔"

"دیکھو بیٹی انسان کو حقیقتوں سے نہیں بھاگنا چاہیے۔ ویسے اگر تم چاہو گی تو میں تمہاری خواہش کی تکمیل کر دوں گی لیکن ہم جن لوگوں کے سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں تو صحیح معنوں میں ہمارا کام وہ ہوتا ہے۔ ممتاز کا نام بدلنے سے ممتاز نہیں بدل جائے گی' ممتاز کی فطرت میں جو کچھ ہے اس پر نگاہ رکھو۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

غرض یہ کہ بہت خوب گزر رہی تھی اور تو اور رشاد بیگم نے بھی غضب ڈھانا شروع کر دیا تھا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان دونوں لڑکیوں کا تعلق کبھی ناچنے گانے سے بھی رہا ہوگا۔ سادگی شرم و حیا اسی طرح اپنائی تھی انہوں نے کہ کبھی ملنے جلنے والے آتے اور رئیس خاں کی بیوی انہیں حقیقت بتاتی تو وہ دنگ رہ جاتے۔ رئیس خاں کی بیوی کا مسئلہ بالکل ہی مختلف تھا چونکہ وہ اپنے ماحول کی دو لڑکیاں اور لے آئی تھی اس لیے مخیر طور پر شریف زادوں کو بتایا کرتی تھی کہ برائی کسی کی فطرت میں نہیں ہوتی بلکہ ماحول برا ہوتا ہے اور ماحول ہی برائیاں دیتا ہے۔ ایک دن رئیس خاں کو نجانے کیا سوجھی۔ امتیاز سے کہنے لگے۔

"میاں امتیاز ذرا رونق آرا کے کوٹھے کا حال تو معلوم کرو۔" امتیاز نے بھونچکے ہو کر رئیس خاں کو دیکھا تو رئیس خاں ہنس کر بولے۔

"ہاں جو کہانی اب تک ہمارے علم میں آئی ہے اس میں بڑی دلچسپیاں ہیں۔ بڑی بی اب اکیلی رہ گئی ہوں گی۔ کم از کم ان کے بارے میں اندازہ تو لگا لو۔ بچیوں کی ماں ہیں۔ باقی تو جو کچھ ہے سو ہے اگر بے کسی و کسمپرسی کا شکار ہیں تو انہیں بھی کیوں نہ لے آؤں۔"

"سوچ لیجیے! ابا میاں مناسب ہوگا یا نہیں۔"

"میاں غیر مناسب کیا ہوتا ہے' یہ تو انسان کی اپنی فطرت پر منحصر ہے۔ دیکھو اگر بوڑھی عورت کو مدد کی ضرورت ہے تو ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے۔" امتیاز تیار ہو گیا' رونق آرا بیگم کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ حرفوں کی بنی ہوئی ہیں اور انتہائی مزاج رکھتی ہیں ایک بار جو کچھ کرا چکی تھیں کہیں دوبارہ نہ کرا دیں لیکن پھر بھی باپ کا حکم تھا اس نے جانا ضروری سمجھا اور نئی چاوڑی میں چل پڑا اور تو کوئی تھا نہیں سیدھا رونق آرا کے کوٹھے پر پہنچا۔ دروازے پر تالا لگا ہوا دیکھا اور سوچ میں ڈوب گیا بہرحال معلومات کرنے آیا تھا تو معلومات حاصل کیے بغیر واپس تو نہیں جا سکتا تھا۔ ایک دکان کے سامنے رک کر اس نے دکاندار سے رونق آرا بیگم کے بارے میں پوچھا۔

"یہ رونق آرا بیگم کا کوٹھا بند کیسے پڑا ہوا ہے۔ کہیں گئی ہوئی ہیں؟"

"وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔" دکاندار نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"رونق آرا بیگم سدھار گئیں۔"

"کک..... کیا ان کا انتقال ہو گیا؟"

"یہاں سے تو منتقل ہو گئیں۔ منتقل ہو کر کہاں پہنچیں یہ اللہ جانے۔"

"کسی کو کچھ بتا کر نہیں گئیں؟"

"نہیں۔"

"کوئی پتا نہیں دیا؟"

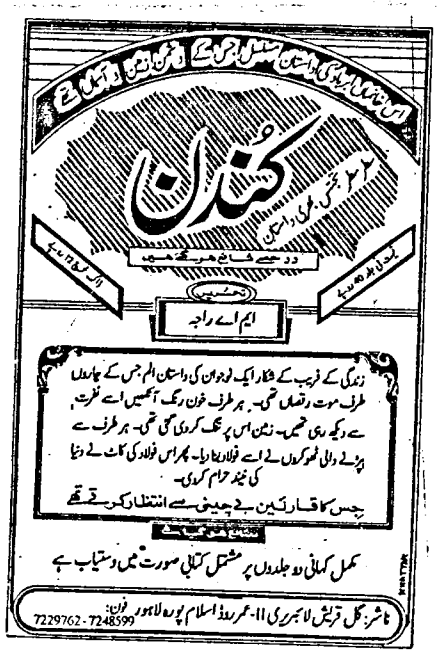
کندن
ایم اے راجہ
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے چاروں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے پڑنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کاٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گلی قریشی لائبریری ۱۱۔ عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔"

"اوہو اچھا' یہ نہیں پتا چل سکا کہ کہاں گئیں؟"

"اماں بھائی یاروں کو آم کھانے سے مطلب ہوتا ہے۔ درخت کون گنتا ہے اور پھر اتنی معلومات کسی کو نہیں۔ رونق آرا بیگم ویسے بھی چپ چپاتے گئے ہیں کہاں گئی یہ کچھ نہیں معلوم۔"

امتیاز مختلف طریقوں سے کوشش کرتا رہا لیکن رونق آرا بیگم کے بارے میں کہیں پتا نہیں چل سکا تھا' وہ واپس گھر پہنچ گیا اور اس نے رئیس خاں کو ساری تفصیل بتا دی۔ رئیس خاں کچھ دیر سوچتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنی بیوی کو یہ تفصیل بتائی اور اس سے یہ بات ممتاز اور دلشاد کو منتقل ہوئی۔ دونوں چند لمحات کے لیے آزردہ ہو گئیں پھر ممتاز نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خدا جانے اماں کہاں گئی ہوں گی لیکن اچھا ہی ہوا اچھا ہی ہوا' اگر ان کا ماحول بھی بدل جائے تو ہو سکتا ہے وہ بھی انسان بن جائیں بہت لالچی تھیں آج ان سے دور رہنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ان کی نگاہوں میں محبتوں کا کوئی تصور نہیں تھا بس دولت ہی سب کچھ تھی۔"

رئیس خاں کی بیوی نے دونوں بہنوں کے چہرے پر آزردگی دیکھی تھی۔ آگے بڑھ کر محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"مجھے تو کچھ معلوم بھی نہیں تھا۔ تمہارے ابا جان نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر رونق آرا بیگم بالکل تنہا رہ گئی ہیں اور کوئی نہیں ہے ان کا تو پھر اگر وہ مناسب سمجھیں تو ہم انہیں بھی یہاں لے آئیں گے۔"

دونوں بہنوں نے چونک کر رئیس خاں کی بیوی کو دیکھا۔ ممتاز نے آہستہ سے کہا۔

"ویسے تو آپ جو فیصلہ کرتیں اماں جان ہم اس سے گردن نہ اٹھاتے لیکن اگر آپ ہم سے مشورہ کرتیں تو ہم کبھی آپ سے یہ نہ کہتے کہ آپ ایسا کریں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے اماں جان کہ اگر ہماری اماں اس قابل ہوتیں یا ذہنی طور پر وہاں سے ہٹنے کے لیے تیار ہو جائیں تو ہم ان کے ساتھ ہی کہیں نکلتے ہم انہیں نہ چھوڑتے۔ وہ اگر یہاں آجاتیں تو یہاں کا ماحول خراب کرتیں۔"

رئیس خاں کی بیوی خاموش ہو گئی تھی پھر اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"ہاں بعض لوگ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں کنوئیں کے مینڈک وہاں سے ہٹنا ہی پسند نہیں کرتے کہاں گئی ہوں گی وہ کون سی ایسی جگہ ہے۔"

"اللہ ہی جانے ویسے مراد آباد میں ہماری خالہ رہتی ہیں سمن آرا نام ہے ان کا' اماں کی انہی سے زیادہ لگاؤ لپیٹ تھی سکتا ہے وہاں چلی گئی ہوں۔"

"معلومات کرائیں۔"

"رہنے دیجئے اماں جان آپ یقین کریں کہ کچھ بھی ہے وہ ہماری ماں ہیں۔ ہم ان کی یاد کو تو اپنے دل سے نہیں نکال سکتے لیکن اللہ نے ہمیں ماحول اور آپ جیسے اچھے لوگ عطا کیے ہم انہیں ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں ہماری زندگی بھیجئے آپ کی بے حد مہربانی ہوگی۔"

رئیس خاں کی بیوی ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

☆

وہ جو کہتے ہیں کہ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری نہیں جاتا۔ راؤ برکت علی خاں کی مثال بھی بالکل ویسی ہی تھی وہ ایک دولت مند لفنگا تھا۔ یہ مثال اس پر ہی صادق آتی تھی سو جوتوں سے کم رتبہ عالی نہیں ہوتا۔ سو جوتے کیا ناظم خاں نے مار مار کر اس کا برا حال کر دیا تھا۔ پٹ پٹا کر چلا آیا تھا لیکن پرور انسان تھا جو کچھ اس پر بیتی تھی اسے مرتے دم تک نہ بھول سکتا تھا اور اس کا بدلہ لینے کے لیے دن رات بے چین رہتا تھا حالانکہ چھتیس کوششیں کر ڈالی تھیں۔ ہر طرح کی ناکامی سے دوچار ہوئی تھی لیکن کبھی یہ خیالی ذہن سے نہیں نکل سکا تھا اب تو وہ اپنے ان پرانے دوستوں سے بھی نہیں ملنا چاہتا تھا جو اس کے سامنے خاں صاحب نے گنجا کر دیا تھا۔ البتہ لچا انداز آوارہ گرد اور غنڈوں کو لفنگے مل جانا کوئی نئی بات نہیں ہوتی۔ ایک بار پھر دہلی کا رخ کیا۔ دہلی میں سترھویں کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں اور خوب گہما گہمی ہو رہی تھی۔ سترھویں کا دن زیادہ دور نہیں اس نے ایک مناسب جگہ قیام کیا' پرانے دوستوں سے ملاقات ہی کی تھی لیکن ایک دن راستے میں ست پال نظر آگیا۔ ست پال کے بارے میں بھی اسے معلوم تھا کہ خاں صاحب کا دشمن اور اس سے بھی تھوڑا گٹھ جوڑ رہ چکا تھا۔ آگے بڑھ کر ست پال کے سامنے پہنچ گیا۔

"ارے راؤ صاحب جے رام جی کی۔" ست پال نے جوڑ کر کہا۔

"کیئے لالہ جی کیا حال چال ہیں؟"

"بھگوان کی دیا ہے' سترھویں کرنے آئے ہوں گے آپ؟"

"ہاں سترھویں کرنے بھی آیا ہوں لیکن بڑا اچھا ہوا آپ مل گئے۔ آیئے کہیں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

"آیئے مہاراج غریب کے گھر پر ہی کچھ جل پانی ہو جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے لالہ جی آپ اور غریب۔" راؤ برکت علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ کے مقابلے میں تو غریب ہی ہیں۔ آپ نواب ہم بنئے۔" ست پال عاجزی سے بولا اور راؤ برکت علی کو اپنے گھر لے آیا۔ راؤ برکت بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ست پال جی کہئے اپنے پرانے دوستوں کے کیا حالات ہیں؟"

"ہمارے پرانے دوست۔"

"ہاں آپ کے پرانے دوست بھی ناظم خاں صاحب ہی تھے۔"

"ارے وہ کمینہ ہمارا دوست کہاں سے ہو گیا۔"

"سنا ہے آپ نے کوئی بہت ہی اونچا قدم اٹھا دیا تھا۔"

"اٹھایا تو تھا پر بات بن نہیں سکی۔"

"کیا مطلب؟"

"بس انگریز راج ہے اور انگریزوں کے پٹھو مزے کر رہے ہیں ان کی نظر جس پر سیدھی ہو جائے اسے کون نقصان پہنچا سکتا ہے۔ خاں صاحب اسکول بلا کر بھاگ گئے تھے اب تو بات بھی بہت پرانی ہو گئی۔ آرام سے واپس آ گئے۔ انگریزوں سے بات چیت کی سب ٹھیک ہو گیا۔"

"ہوں یہ تو خیر ٹھیک ہے اس قسم کے نچلے لفنگوں کے تعلقات ہی تو انہیں سنبھالے رکھتے ہیں لیکن لالہ جی یہ سب کچھ ہمارے منہ پر جوتے کی طرح ہے۔"

"ہے تو سہی مگر کون لڑے اب ہماری تو ہمت نہیں رہی۔"

"ہوں چپ بھی لالہ جی دشمن کے سامنے ہار مان لینا اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"ہے تو سہی پر کیا کیا جائے؟"

"آپ نے کوئی معلومات حاصل کرائی خاں صاحب کے بارے میں۔"

"بھیا بس اتا ہی پتا چلا تھا کہ وہ پھر سے نئی چاودی میں آ گئے ہیں۔"

"ذرا کوشش کیجئے کسی طریقے سے پتا چل سکے۔"

"مگر تم بھی چلے گا تو ہم کریں گے کیا؟"

"آپ کچھ نہ کریں لالہ جی کروں گا میں جو کچھ کرنا ہے مجھے۔ میں ہی کروں گا۔ آپ بس معلومات کرائیے۔"

"ہوں کون ہو سکتا ہے ایسا جو وہاں کے بارے معلومات حاصل کرے۔ ارے ہاں یاد آیا اپنے بانکے بہاری لعل جی کیسے رہیں گے؟"

"ہمت بڑھا رہیں گے۔"

"آپ ٹھہرے کہاں ہیں؟"

"لال کنوئیں کے پاس گھر ہے اپنا بس وہیں ہوں۔"

"تو پھر ہم بانکے بہاری لعل کو لے کر وہیں آ جاتے ہیں راہ آپ سے بات چیت ہو جائے گی۔"

"ست پال' بانکے بہاری لعل کو لے کر راؤ علی خاں کے گھر لال کنوئیں پہنچ گیا۔ بانکے بہاری لعل نے ہاتھ جوڑے اور رہ گیا۔

"کیا بات ہے بانکے بہاری بڑی تیزی سے بوڑھے ہوتے رہے ہیں؟"

"بس سرکار' جب بڑے لوگوں کی نگاہیں ہٹ جائیں بوڑھے نہ ہوں گے تو کیا ہوں گے۔ ہمارا تو جو کچھ بھی دال دلیا ہے آپ ہی لوگوں سے چلتا ہے آپ ہی اگر سی کام سے نہ رہے اب جینے کا کیا مزا؟"

"ارے نہیں بانکے بہاری آپ تو بڑے اچھے آدمی ہیں ہمیشہ وقت پر کام آنے والے' آپ بے فکر رہیں۔ آپ کو کام ملے گا اور جیسے بھی' ہاں ذرا اپنے ناظم خاں کے بارے میں کچھ معلومات چاہئیں مل سکیں گی؟"

بانکے بہاری لعل کا چہرہ اتر گیا۔ کام بھی ملا تو کیسا ملا۔ ناظم خاں تو نام ہی بھیانک تھا۔ کہنے لگے۔

"سرکار نئی چاوڑی سے تو رشتہ ہی ٹوٹ گیا ہے ہمارا ویسے آپ کو پتا ہے کہ رونق آرا بیگم کا کوٹھا تو اجڑ گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"چلی گئیں وہاں سے۔"

"کیوں؟"

"بس جی نہ مہ جبیں رہی' نہ دونوں لڑکیاں نہ رونق آرا کو بک گیا ہے۔"

"ارے کہاں گئے یہ سارے کے سارے؟"

"پتا نہیں سرکار کہاں چلے گئے۔"

"ہوں' تب تو پھر واقعی ناظم خاں کے بارے میں معلومات حاصل کرانا بیکار ہے۔ اگر کبھی موقع ملا تو ان سے دو دو ہاتھ کر لیں گے۔ ہم تو مہ جبیں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اس سے بڑا جی جلتا ہے۔ طوائف زادی اپنے آپ کو نجانے کیا سمجھتی ہے نظر آ جائے ایک بار' کچھ پتا نہیں چل سکا بانکے بہاری لعل جی کہ یہ لوگ گئے کہاں ہیں۔ کیا رونق آرا بیگم دونوں لڑکیوں کو لے کر کہیں اور چلی گئی ہیں؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا سرکار اس بارے میں۔"

"ٹھیک ہے بانکے بہاری پھر بھی آپ ہمارے کام آتے رہتے ہیں۔ یہ تھوڑے سے پیسے رکھ لیں۔ باقی ساری باتیں ہو جائیں گی۔" بانکے بہاری لعل کا کچھ نا کچھ تو کام ہو ہی گیا تھا لیکن راؤ برکت علی بھی سوچ رہا تھا کہ کرنا کیا چاہیے کچھ بھی نہ ہوا۔ مہ جبیں ہی ہاتھ سے نکل گئی تو خاں صاحب

کیا اچار ڈالنا ہے۔ جہاں تک لڑائی جھگڑے اور لچے لفنگے پن کی بات تھی تو اس کا تو کھیل ہی الگ تھا۔ کہیں بھی کسی جگہ چھپ کر بھی وار کیا جا سکتا ہے۔ دل کی بھڑاس نکالی جا سکتی ہے۔ اصل مسئلہ مہ جبیں کا تھا اور راؤ برکت علی کو اس کی غیر موجودگی سے خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

❋

خاں صاحب آگرے سے واپس چل پڑے۔ رضوانہ بیگم تو موم کی گڑیا بن گئی تھیں۔ مشرقی لڑکی کے لیے شوہر کا گھر دنیا کی سب سے قیمتی جگہ ہوتی ہے۔ وہی اس کی جنت' وہی اس کی دنیا' حالانکہ حکیم سرفراز حسین نے بہت سی باتیں کہی تھیں سب کچھ دینے کو کہا لیکن یہ سب کچھ اس کے لیے بیکار تھا۔ شادی شدہ نہ ہوتی۔ رشتہ نہ ملتا اللہ اور رسول کے احکامات کے تحت نکاح نامے پر دستخط نہ کر دیے ہوتے تو کوئی تصور بھی نہ ہوتا۔ کنواری رہ کر زندگی گزاری جا سکتی تھی لیکن پورا خاندان جانتا تھا کہ نکاح ہوا ہے۔ رخصتی ہونی باقی تھی اور اس کے بعد گھر بیٹھ گئی۔ یہ ساری زندگی کا روگ تھا۔ اسے ہزاروں طعنے سننا پڑتے۔ طرح طرح کی باتیں کہی جاتیں۔ کہنے والوں کی زبان بھلا کون روک سکتا ہے کوئی منحوس کہتا تو کوئی سبز قدم ان تمام باتوں سے بچنا بہت ضروری تھا۔ جرات مندی سے کام لیا۔ ناظم خاں کا پتا ملا۔ فاخر علی خاں اس سلسلے میں اس کے لیے فرشتہ رحمت ہی ثابت ہوئے تھے۔ نہ وہ آتے نہ یہ بیل منڈھے چڑھتی۔ ملنے سے حقیقتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ خاں صاحب کے بارے میں کسی نے کچھ بھی کہا ہو اول تو اس نے سنا ہی نہیں تھا۔ اپنی سوچ کو سنبھالے بیٹھی ہوئی تھی لیکن اب جب خاں صاحب سے ملی تھی تو اچانک ہی یہ احساس ہوا کہ وہ تو بڑی عظیم شخصیت ہے ایک مضبوط اور طاقتور پہاڑ کے مانند جس سے پشت لگا کر زندگی سکون سے گزاری جا سکتی ہے۔ نرم لہجہ' نرم رویہ مردانہ شان اور وقار۔ کون کہتا ہے کہ اس شخص میں کوئی کھوٹ ہے۔ وہ شریف زادے' جن کی داستانیں سڑکوں' گلیوں' بازاروں اور گھروں میں بکھری ہیں ایسے تو صرف شریف زادے ہی ہوتے ہیں۔ اندر سے کیا ہیں یہ تو دنیا ہی جانے لیکن خاں صاحب نے اپنی شان مردانگی نبھا دی۔ چاہتے تو اسے ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیتے کہ لی اپنا رستہ ناپو۔ میں نے اپنوں کو چھوڑ دیا تو تم کیا چیز ہو لیکن کتنی محبت کے ساتھ دیا۔ ہر طرح سے دلجوئی کی۔ ایک شریف انسان کی حیثیت سے ہاتھ تھاما اور تو اور رہنے کے لیے اتنی خوبصورت کوٹھی دی۔ بھلا انہیں کیا غرض تھی کہ کسی کی عزت سنبھالنے کے لیے دوڑے چلے جاتے۔ آگرے گئے حکیم سرفراز حسین سے وہ سب کچھ کہا ہو گا جو ایک شریف انسان کہہ سکتا تھا لیکن حکیم صاحب نے یہاں ذرا انتہا پسندی سے کام لیا تھا۔ باپ کو دل میں برا تو نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی حکیم صاحب کو اپنے ان چک پیدا کرنی تھی۔ دنیا کا کیا ہے۔ برائیوں کی کھوج میں رہتی ہے۔ جو ہو گیا تو وہ تو ہونا ہی تھا۔ مان لیتے' ناظم خاں کا موقف بالکل درست تھا۔ باپ کا گھر چھوڑ آئے تھے۔ ان سے گلہ تھا کیا شرافت کے جال میں الجھ کر اپنی انا ہی کھو بیٹھتے۔ دل جانے کیا کیا سوچتی ہوئی واپس دلی پہنچی تھیں۔ خاں صاحب چہرے پر شکن تک نہیں تھی۔ کوٹھی میں لے گئے۔ زبیدہ پذیرائی کے لیے موجود تھیں۔ زبیدہ نے خود اپنی اور اپنی بچیوں کہانی اپنی زبانی رضوانہ بیگم کو سنائی اور رضوانہ دنگ رہ گئی تھی یہاں بھی انسانیت کا ایک عظیم معیار سامنے آیا تھا۔ ایک ا بات نگاہوں کے سامنے تھی۔ ایک بھلیارن کو جس نے صاحب کی بے لوث خدمت کی تھی خاں صاحب نے زمین اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا تھا اور سب سے متاثر کن حصہ زبیدہ دونوں بیٹیوں کا تھا جن کی خاں صاحب نے شادیاں کی تھیں آج ارشادنی اور رحمانی زندگی کے اچھے دن گزار رہی تھیں۔ دونوں بھی کوٹھی میں موجود تھیں اور ان لوگوں کی واپسی سے حد خوش ہوئی تھیں۔ دونوں محبت اور احترام سے رضوانہ بیگ اندر لے گئیں۔ زبیدہ بیگم کو اب مان ہو گیا تھا۔ خاں صاحب ہمیشہ ہی انہیں بہن کا درجہ دیا تھا۔ یہ بھول کر کہ ان کی اصلیت کیا ہے لیکن اصلیت صرف لوگوں کی نگاہوں میں ہوتی ہے اصل وہی ہوتا ہے جو قول نبھا دے۔ زبیدہ بیگم نے خاں صاحب سے پوچھا۔

"کیا ری بھابی جی کیا کہا حکیم سرفراز حسین نے۔۔۔۔۔"

"بی زبیدہ بیگم وہ ذرا سختی پر مائل نظر آئے کہنے لگے ہمارے گھر سے بارات آئے۔ ابا شریک ہوں' خاندان وا شریک ہوں' اب ہمیں کوئی تماشا تو لگانا نہیں تھا۔ بس رخصتی کا معاملہ تھا پہلے ہی سے طے کر کے گئے تھے کہ وہ نا تو رضوانہ بیگم کو لے کر چلے آئیں گے۔"

"اچھا ہوتا مان جاتے خیر حالات خود بخود سدھر جا گے۔"

"ہمیں تو بس رضوانہ بیگم کا خیال تھا جب انہیں اپنا لیا تو پھر بھلا ان کے دل پر میل کیوں رہے۔" زبیدہ بیگم خاموش گئیں۔ بدن خاں' عظن خاں وغیرہ موجود تھے۔ کہنے لگے۔

"اب آگے کی کیا منصوبہ بندیاں ہیں خاں صاحب؟"

"ہاں میاں بیٹھ کے تم سے کچھ مشورے کرنے تھے۔" صاحب نے کہا اور دوستوں کو لے کر ایک سمت جا بیٹھے۔ کچھ سوچتے رہے پھر بے اختیار مسکرا دیے۔ رؤف خاں نے شہ زبان کھولی۔

"اس مسکراہٹ کے پیچھے یقیناً کوئی خاص بات ہے صاحب۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں میاں بس یوں سمجھو چڑھا ہوا دریا اتر گیا ہے۔ اب
تا ہے' خاں صاحب لیکن دریا بہرحال دریا ہوتا ہے۔ چڑھتا
ی رہتا ہے۔" خاں صاحب قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔
"میاں جل ٹھنڈے ہو گئے۔"
"کیا مطلب؟"
"جل ٹھنڈے ہو جانے کا مطلب جل ٹھنڈے ہی ہوتا
"
"مگر یہاں تو گندھک کا چشمہ نیچے ہی موجود ہے۔ جل عارضی
ٹھنڈا ہو سکتا ہے۔"
"اللہ نے خوشی دکھائی ہے ناظم خاں تو خوش کیوں نہ
"
"سوچ لو بیٹا کیا کہہ رہے ہو؟"
"سچ کہہ رہے ہیں ہماری بھابی گھر آگئیں۔ اس سے زیادہ
ی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ وہ تو یوں گئے کہ درمیان میں
اور باتیں آگئی تھیں ورنہ ہم تو اب تک جشن منانے کی
ں کر رہے ہوتے۔"
"تو پھر ہماری بھی ایک خوشی پوری کر دو تم لوگ....."
"آپ کہہ کر دیکھیں خاں صاحب' گردن کاٹ کر قدموں
رکھ دیں گے قسم اللہ کی۔" تمن خاں نے کہا۔
"سوچ لو میاں ساری تمن خانی نکل جائے گی اگر جو رد گھر
تو....."
"نہیں اب ایسا بھی کیا..... آپ کی تمن خانی تو اب بھی
کی وسیع ہے۔"
"میں تمہاری تمن خانی کی بات کر رہا تھا۔"
"ہم..... مگر جو رد تو آپ کی آئی ہے خاں صاحب۔"
"یہی تو اصل بات ہے۔"
"کیا مطلب؟" بدن خاں منہ پھاڑ کر بولے۔
"وہ جو کہتے ہیں نا میاں کہ لومڑی کی دم کٹ جاتی ہے تو پھر
کی آرزو ہوتی ہے کہ جنگل کی تمام لومڑیوں کی دمیں کٹ
ا کیا سمجھے....."
حواری سمجھ گئے تھے کہ خاں صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں
۔ خاں نے ہنس کر کہا۔
"تو ہمارا کون سا نکاح ہو گیا ہے خاں صاحب؟"
"میاں زبیدہ بیگم سے کہتے ہیں چار لڑکیاں چاہئیں۔ اب یہ
ہیں کرنا ہی ہو گا۔"
"ارے رہنے دیجئے خاں صاحب عورت بیچ میں آگئی تو
ی دوستیوں میں ٹانگ اڑا دے گی۔"
"میاں سوچ سمجھ کر لائیں گے کسی نیک اللہ کی بندی کو
ساتھ ساتھ رہیں گے۔ اب دیکھو اکیلے تھے تو ساتھ تھے۔ اب یہ
طعنے سننے کو تو نہیں ملیں گے ہمیں کہ خاں صاحب جورو کے پنڈے
سے لگے بیٹھے ہیں۔" ناظم خاں نے کہا اور سب لوگ ہنسنے لگے
اور مذاق کرنے لگے۔ احترام اپنی جگہ' لیکن بہرطور خاں صاحب
کے دوست تھے۔ ہر اچھے برے وقت کے ساتھی۔ انہوں نے ہمیشہ
ہی ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ سنجیدہ ہو کر بولے۔
"نہیں رؤف خاں جسے سچ کہہ رہا ہوں دیکھو اب تم لوگوں کو
بھی شادی شدہ ہو جانا چاہیے۔"
"تو ابھی کون سے ہو رہے ہیں آپ کہیں گے تو ہم انکار تو
نہیں کریں گے۔" رؤف خاں نے کہا۔
"تو بھئے رؤف خاں تو تیار بیٹھے ہیں۔ آج تک زبان صرف
اس لیے بند کر رکھی تھی کہ خاں صاحب کا مسئلہ حل ہو جائے۔"
"تو سچی بات ہے میاں' مرد بچے ہیں۔ کوئی تالیاں بجانے
والے تھوڑی ہیں۔ شادی تو کرنی پڑے گی تمرا پنے خاں صاحب
مشکل میں تھے۔ شادی تو شادمانی کا نام ہوتا ہے جب یہ شاد نہیں
تھے تو ہم بھی کہاں سے شاد ہوتے اب جیسا یہ کہیں گے مان لیں
گے۔"
"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ اب یہ کام بی زبیدہ اور رخسانہ بیگم
کریں گی ہم اس کا انتظام کر لیں گے۔ فی الحال تم یوں کرو جسے کہ

ناموس وطن اور عروس آزادی کی متوالی ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت

شائع ہو گیا ہے

دشمن

تحریر

ایم اے راحت

- جوانی کی امنگ حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
- دیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
- جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے

آج ہی اپنے بکر یا قریبی بک سٹال یا ہم سے طلب کریں

قیمت 40 روپے

ڈاکٹر فرخ

فاؤنڈیشن گلی قریشی لائبریری ۱۱۔ عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7248599

احاطے سے ضروری سامان اٹھوالو۔ میرا مطلب ہے ایسی چیزیں'
جن کی یہاں ضرورت پیش آتی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے سوچا تھا
کہ احاطہ خالی کر دیں تو تم لوگوں نے اس کے بارے میں منع کر
دیا۔ خالی تو نہیں کرتے ہم احاطہ۔ البتہ آنا جانا کر لیں گے وہاں
تاکہ نئی چاودڑی والیوں کو پھر کوئی لفنگا پریشان نہ کرے۔"
"ٹھیک ہے خاں صاحب جیسا آپ پسند کریں اس کے علاوہ
اور کوئی حکم....."
"نہیں کچھ بھی نہیں۔" خاں صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
رؤف خاں' تمن خاں' بدن خاں تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے
چل پڑے۔ یہ اندازہ تو انہیں تھا کہ ناظم خاں اب پوری طرح
مطمئن اور مسرور ہیں۔ اگرے والی کوشش بھی محبت تمام کرنے
والی بات تھی' حکیم سرفراز نہ مانے نہ سہی لیکن اب مسئلہ یہ تھا
کہ ناظم خاں کے لیے کیا کیا جائے۔ اصولی طور پر یہاں تو سنبھالا
ہو گیا تھا۔ پھر ناظم خاں صاحب اس سنبھالے سے محروم کیوں
رہیں۔ راستے میں مشورے کرتے رہے تھے۔ تمن خاں نے کہا۔
"ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ خود جا کر نواب ناظم خاں سے مل
لیتے اور انہیں ساری تفصیلات بتا دیتے۔"
"ہاں نہیں تمن خاں' کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔
پتا ہے تمہیں ناظم خاں بھی غصے میں ناظم خاں سے کم تھوڑی
ہیں۔ ہم لوگوں کی تو پوری پوری شامت آئی ہو گی۔ انہیں سب
کچھ پتا ہو گا کہ ہم ناظم خاں کے ساتھ ہیں۔ شکل دیکھتے ہی بدک
جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے نمک حرامی کی۔ آخر ہم نے
انہیں پہلے کیوں نہیں بتایا کہ ناظم خاں کہاں ہیں۔ اب بتانے
آئے ہیں اور پھر ناظم خاں سے پوچھے بغیر یہ کیسے ممکن ہے۔
" خاں صاحب تو ڈھیلے نظر نہیں آتے ورنہ حکیم سرفراز
حسین کی بات ہی نہ مان لیتے۔"
"ہاں یہ تو ہے۔"
"نہیں بھائی یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم آہستہ آہستہ خاں
صاحب کو راہ پر لائیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی اجازت
کے بغیر اور ان کے علم میں لائے بغیر رام پور پہنچ جائیں اور
نواب کاظم خاں کو ساری تفصیلات بتا دیں۔ اس طرح خاں
صاحب بھی ناراض ہوں گے اور کاظم خاں کی تو خیر بات ہی
مختلف ہے۔ دوستوں کا یہ خیال تقریباً درست ہی تھا۔

*

فاخر علی خاں' فیروز سے ملاقات کر کے عجیب و غریب آثار
میں ڈوبے ہوئے گھر پہنچ گئے۔ دل چل رہا تھا۔ دماغ بے قابو
تھا۔ فیروز نے بہت اچھی باتیں کی تھیں۔ نظر آرہا تھا کہ اس
طبیعت کا مالک نوجوان ہے اور پھر اس کی تروتازگی' اس کی
شخصیت نے فاخر علی خاں کو بہت متاثر کیا تھا۔ گھر کے حالات

بدستور تھے' لڑکوں کو بتا کر نہیں گئے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں
ویسے تمام بھائیوں کی محبت بے مثال تھی اور بلاشبہ قابل حر
کہی جا سکتی تھی۔ سب ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ فا
علی خاں کا جو مقام بھائیوں کی نگاہ میں تھا اس سے فاخر علی خ
بھی واقف تھے۔ کچھ منتظر ہو کر اپنے کمرے میں جا بیٹھے۔
برخ ٹہلتا ہوا ان کے پاس آگیا۔ سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ فاخر
خاں کی نگاہیں شاہ رخ پر جم گئیں۔ دیر تک دیکھتے اور غور کر
رہے پھر نجانے کیا خیال آیا کہ بولے۔
"میاں شاہ رخ وہاں جرمنی میں کسی سے ایسی یا اللہ
نہیں ہو گئی کہ یہاں آکر یاد آتا ہو؟"
نہیں آتی تو ان کی یاد برسوں تک نہیں آ
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں
بھائی جان یادوں کا تعلق نجانے دماغ کے کون سے
سے ہوتا ہے۔ کچھ یادیں دماغ میں بند ہو جاتی ہیں اور جب
ذہن کے دریچے مخصوص ہوا کے جھونکے سے کھلتے ہیں تو یاد
اس طرح ریلگتی ہوئی اندر آجاتی ہیں کہ انسان پر دیوانگی
طاری ہو جاتی ہے۔
فاخر علی خاں بہت مسرور ہوئے۔ بڑی عمدہ گفتگو کر ر
اس وقت شاہ رخ پھر بولے۔
"تمہارے ذہن میں بھی ایسی کوئی یاد موجود ہے شاہ رخ
"ہاں بھائی جان کچھ ہے۔ اکثر کبھی کبھی راتوں کو
دبے ہوئے دماغ دروازے پر دستک دیتا ہے اور جب در
کھولتا ہوں تو ہوا کا ایک جھونکا سامنے سے گزر جاتا ہے اس
کچھ خوشبوئیں رچی ہوئی ہوتی ہیں۔ کچھ چہرے لیے ہوئے ہو
ہیں' بھائی جان کیا ہوا اس کے اس بند من کو کھولا جا سکتا ہے
یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ جو چھوا کے غلاف میں لپٹا ہوا تھا وہ
کا تھا' بس بے چین کر جاتا ہے کم بخت ہوا کا یہ جھونکا۔ وہ
نہیں دکھاتا جس کے لیے دل مضطرب ہوتا ہے۔"
"شاہ رخ کبھی زندگی میں کوئی ایسا لمحہ آیا جس میں تم
سے جھجک محسوس کی ہو۔"
"سمجھا نہیں بھائی جان۔"
"کوئی ایسا لمحہ یاد کرو جسے ہم سے چھپانے کے لیے تم
پر بوجھ لے لیا ہو۔"
شاہ رخ گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ بہت دیر تک غور کرتا
پر بولا۔
"کچھ ہے بے شک کچھ ہے لیکن وہ ذہن کے گوشوں کو
چھوپاتا بس روپوش ہے دل کے نہاں خانے میں یہ باہر آجا
مشکل ہی نہ دل ہو جائے۔"
فاخر علی خاں ایک ٹھنڈی سانس لے کر سوچ میں
گئے۔ بھائی کو سب کچھ دے سکتے تھے جو بھی ان کے ہاتھ آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قہ سوں میں نچھاور کر دیتے۔ کاش مہ جبیں کا پتا چل
ی طرح بھی بن پڑتا اسے لا کر بھائی کے سامنے پیش کر
گی ہے ہی کیا چیز' سانسوں کا ایک مختصر سا حلقہ اور اس
ب کچھ منتشر۔ اس چھوٹی سی عمر میں اگر محرومیاں بھی
یں تو جینا بے مزہ ہی ہو جاتا ہے۔ آہ کاش شاہ رخ کبھی
بارے میں بتا دیتا تو اپنی انا ہی تو کھونا پڑتی لیکن گناہ'
کا ایک پھل بھی تو ہوتا ہے۔ سیانے بے کار ہی تو یہ مثال
ڑ گئے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی کا برملا وجود تو ہے اور یہ
ان کے سامنے تھا لیکن شاید توبہ قبول ہو رہی تھی کفارہ
جا رہا تھا۔ جو حالات پیدا ہوتے جا رہے تھے وہ اس بات
ہی کرتے تھے کہ برا وقت ٹلنے کو ہے۔ کوئی صبح یقینی
خوش خبری کی حامل ہو گی۔ ضرور ہو گی۔ انشاء اللہ۔
نے دل ہی دل میں سوچا۔ پھر بولے۔
ایک بار ہم نے تم سے کسی مہ جبیں کے بارے میں پوچھا

مہ جبینوں کی بات کیا کیجئے بھائی جان۔ نجانے کون مہ
ماں ہے لیکن نجانے کیوں ذہن پر ایک ضرب سی پڑتی ہے
م کے ساتھ۔"

ایک جرمِ غیر کی داستانِ الم جو چوتھی راتوں
میں قہرِ غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

سیما غزل

نئے سرِ نو تحریر' دلچسپ بھی کہانیاں' ڈائجسٹ کا کہانی سلسلہ

ایک اور پُرتحریر' سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

ایسے ماحول میں پلنے والے لوگ جنہیں
آپ اکثر دیکھتے ہیں مگر ان سے ملنے
سے ڈرتے ہیں۔

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہو گیا

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور
فون: 7229762 - 7248599

ایم۔ اے راحت

پرچھائیں

پائل

ایم۔ اے راحت

غیرت کے سوداگر

زہریلا

گل قریش لائبریری ◆ 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 — 7248599

"ہوں۔" فاخر علی خاں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ اس سے زیادہ بھائی سے کیا بیان کرتے۔ شاہ رخ تھوڑی دیر بعد چلا گیا لیکن فاخر علی خاں کے لیے سوچوں کے دروازے کھول گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ عامر اور ناصر پہنچ گئے۔ ناصر نے محبت بھری نگاہوں سے بھائی کو دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہے بھائی جان کچھ متفکر اور ملول بیٹھے ہوئے ہیں۔"

فاخر علی خاں چند لمحات انہیں دیکھتے رہے پھر بولے۔

"وہ اصل میں ہم فیروز سے ملنے گئے تھے جب سے تم نے یہ بات بتائی تھی کہ فیروز شاہ رخ کا ہم شکل ہے ہم پر بڑا اضطراب طاری ہو گیا تھا۔ اور ..... اور ..... اور وہی نکلا جس کے متوقع ہم تھے۔"

"کیا؟" عامر نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ' سوچو گے کہ بھائی کی شکل میں ایک جنجال گلے پڑ گیا ہے۔ ہر بار ایک نئی کہانی' ہر لمحہ ایک نئی داستان۔ بہت الجھنوں کا شکار ہیں ہم۔ بڑی پریشان کن سوچیں ہیں ہماری۔"

"بھائی جان ہمارے ہوتے ہوئے۔ ہم لعنت نہیں بھیجیں گے خود پر' اگر ہماری زندگی میں آپ پریشانیوں کا شکار رہے۔ بتا بھی تو سہی اصل بات کیا ہے۔" دونوں بھائیوں نے مضطرب لہجے میں کہا۔

"گناہ ہمارا ہے۔ سنے کس سے کہیں' کیا کہیں' گناہ گار تو شرمندہ ہی ہوتا ہے۔ فخر سے اپنے گناہوں کی کہانی بیان نہیں کرتا چاہتا جانا' مختصراً تو تمہیں بتا چکے ہیں کہ نواب کاظم خاں کے ساتھ ہم نے جو کچھ کیا وہ جی کا غبار تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ فساد کی جڑ نواب وحدت علی خاں تھے۔ ہماری بہن کو ہم سے چھین لیا۔ یہ ظاہر کرنا چاہا تھا انہوں نے کہ سوتیلے بھائی ہیں۔ لڑکے تو خیر رو پیٹ کر پل ہی جائیں گے۔ لڑکی کو انہوں نے ہمارے اوپر نہ چھوڑا کہ انہیں ہم پر اعتماد نہیں تھا اور یہ تو فطرت کا ایک حصہ ہے کہ انسان جس سے منسلک ہو جائے اس سے محبت کرتا ہے۔ کوثر جہاں بیگم نے بھی کبھی آزمانے کی کوشش نہیں کی' یہ نہ سوچا کہ جب چھوٹے بھائیوں کو کلیجے سے لگا کر پال رہے ہیں فاخر علی خاں تو بہن سے انہیں کیا گلہ ہو سکتی ہے۔ یہاں اللہ گواہ ہے بھی سگے سوتیلے کا تصور ہی ذہن میں نہیں آیا۔ ہمارا خون ہو۔ خون کا ہر قطرہ نچھاور کر سکتے ہیں تم پر۔"

"آپ یہ الفاظ ادا کر کے ہمیں شرمندہ کیوں کرتے ہیں بھائی جان۔ اگر نواب وحدت علی خاں نے غلط سوچا کوثر جہاں بیگم نے غلط سوچا' تو ہم کون سے ٹلے ان سے' بتائیے آپ' ہم نے بھی تو انہیں دل و دماغ سے نکال پھینکا۔"

"نہیں عامر میاں' بیٹے کوئی بھی اپنے خون کو دل سے نہیں نکال سکتا۔ لمحوں کی دوریاں بے شک ہو جاتی ہیں لیکن وہ بے حقیقت ہوتی ہیں' جب بھی دریائے محبت جوش میں آتا ہے تو بات جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں پر ختم ہو جاتی ہے تو اصل میں ہمارا گناہ تھا کہ اس بات سے برگشتہ ہو کر موقع کی تاک میں رہے اور جیسے ہی ہمیں علم ہوا کہ کاظم علی خاں کے صاحبزادے بھی طوائف زادے ہیں تو ہم نے انتقامی کارروائی کر ڈالی اور مجمع عام میں حقیقتوں کا اظہار کر دیا۔ بات صرف کاظم علی خاں تک تھی ہم خاندان والوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ دیکھو کاظم علی خاں کس پائے کے نوجوان ہیں لیکن بدقسمتی سے کچھ دوسرے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ان میں سب سے زیادہ متاثر حکیم سرفراز حسین صاحب ہوئے تھے۔ جن کی بیٹی سے کاظم علی خاں صاحب کے بیٹے کی شادی ہوئی تھی۔ رخصتی باقی تھی۔ ہمارے انکشاف نے خیر کاظم علی خاں کی گردن تو جھکائی لیکن ان کا وہ بیٹا' جس کا نام ناظم علی خاں تھا سخت برگشتہ ہو کر گھر سے چلا گیا اور اس بچی کو بھی چھوڑ دیا اس نے جس سے اس کا نکاح ہوا تھا۔ اس لڑکے کا موقف تھا کہ اسے یہ بات کیوں نہیں بتائی گئی تھی۔ میاں تفصیل میں جا رہے ہیں لیکن کیا کیا جائے دل کی بھڑاس تو ایسے ہی نکلے گی۔ ناظم علی کے بارے میں ہمیں علم ہوا کہ نئی چاندنی میں جا کر رہنے لگا ہے بات سمجھ میں آ گئی۔ لڑکا جذباتی تھا۔ وہاں اس لیے جا کر رہا کہ باپ کو بتانا چاہتا تھا۔

"مگر پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا" بہرحال اس کی اپنی سوچ تھی ہم کیا کہتے۔ ہم اس سے ملنے جا کر۔ اپنے ان گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اور وہیں سے ہمارے منہ پر آسمان کا تھوکا آ گرا۔

"جی....."

"ہاں۔"

"کیا ناظم خاں نے آپ سے بدتمیزی کی.....!"

"نہیں بالکل نہیں لیکن اس نے ایک ایسا انکشاف کیا جس نے ہمارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔"

"وہ کیا....."

"بس عامر میاں بتا نہیں پائے تمہیں دلی سے واپس آنے کے بعد۔ وہ انکشاف ایسا ہی تھا کہ ہم اپنے آپ کو بتاتے ہوئے بھی جھجک رہے تھے۔ ہم نے شاہ رخ کا بلاوہ ایسے ہی بھیج دیا تھا لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہمیں کچھ ایسی باتیں بھی سننے کو ملیں گی۔"

"آخر کیا بھائی جان خدا کے واسطے بتائیے تو سہی۔"

"نوجوانی کی عمر معصومیت کی عمر ہوتی ہے۔ لغزشیں اگر اس عمر میں بھی نہ ہوں تو انسان کو فرشتہ ہی کہا جائے۔ ہمارے شاہ رخ سے بھی ایک لغزش ہو گئی تھی۔"

"وہ کیا؟"

"دوستوں کے بہلاوے میں آ کر ایک دن دلی کی نئی چاندنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا پہنچے تھے۔"

"نئی چاؤڑی.....!" ناصر علی نے حیرت و معصومیت سے پوچھا اور فاخر علی اس معصومیت پر بے اختیار مسکرا دیے۔

"ہاں پریوں دیوؤں کا علاقہ ہے۔"

"کچھ سمجھا نہیں بھائی جان.....؟"

"میاں' بالا خانے ہیں وہاں' اب سمجھ گئے اور سمجھاؤں۔"

"نن..... نہیں..... ٹھیک ہے۔" عامر علی نے گردن جھکا کر کہا۔ پھر چونک کر بولا۔

"شاہ رخ..... شاہ رخ۔"

"ہاں' بس اس لیے کہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ بری صحبتوں سے بچے۔ تین افراد شامل تھے اس میں۔ مرزا مظاہر بیگ' نواب منصور علی خاں اور شیخ کلن۔ تینوں کے تینوں پرانے تماشبین۔ میرے شاہ رخ کو وہ لوگ نہ جانے کس طرح گھیر گھار کر لے گئے اور پھر وہاں شاہ رخ کی ملاقات مہ جبیں نامی ایک خاتون سے ہوئی جو اس بالا خانے کی رقاصہ تھی۔"

"پھر....." عامر علی نے حیرانی سے پوچھا۔

"جوانی کی نا سمجھی رنگ لائی۔ شہ رخ مہ جبیں سے متاثر ہو گئے اور اس سے عشق کر بیٹھے' سنا ہے کہ مہ جبیں بھی ان کی دیوانی ہو گئی تھی لیکن اس ایک رات کے بعد شاہ رخ کو کبھی وہاں جانے کا موقع نہیں مل سکا۔ دل ہی دل میں گھٹتے رہے اور یہ گھٹن اتنی شدید ہوئی کہ ذہنی توازن کھو بیٹھے۔"

"یہ ان دنوں کی بات ہے۔"

"ہاں لیکن اپنی اس لغزش کا ایک ثمر بالا خانے پر چھوڑ آئے۔"

"ثمر....."

"ہاں میاں تمہیں تو بچوں کی طرح کہانیاں سنانا پڑتی ہیں۔" نواب فاخر علی خاں جھلا کر بولے۔ عامر علی اور ناصر علی پریشان نگاہوں سے بڑے بھائی کو دیکھتے رہے۔ نواب فاخر علی خاں نے کہا۔

مہ جبیں کے بطن سے ایک بیٹا ہوا جو شاہ رخ کا تھا۔"

نواب فاخر علی خاں کے اس انکشاف نے دونوں بھائیوں کو جھنجھنا کر رکھ دیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فاخر علی خاں کو دیکھنے لگے اور دوسری بار ان کے ذہن میں ایک شدید دھماکہ سا ہوا ان کے جسم ہل کر رہ گئے۔ دونوں کی آنکھوں میں مزید حیرت کے آثار نمودار ہو گئے تھے' اچانک ہی ان کا ذہن فیروز کی جانب چلا گیا اور پھر انہیں یہ باور کرنے میں دقت پیش نہیں آئی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ بھائی صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں۔ ناصر علی نے شدید حیرت سے پوچھا۔

"تو کیا فیروز..... فیروز..... اوہ میرے خدا۔ اوہ میرے خدایا۔"

"ہاں میاں فیروز وہ ہی بچہ ہے' مہ جبیں کے بطن سے پیدا ہونے والا' شاہ رخ کا بیٹا۔"

دونوں دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے بڑے بھائی کو گھورتے رہے پھر ناصر علی نے کہا۔

"لیکن..... لیکن بھائی جان۔"

"ہاں میں سمجھتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ یہ ایک بدترین المیہ ہے' ایک جرم ہے جو ہمیں گناہ کے طور پر کرنا ہوگا۔"

"کک کیا مطلب....."

"عجیب و غریب حالات ہیں' یہ علم مجھے کاظم علی خاں کے بیٹے' ناظم علی سے ہوا اس نے طنزیہ طور پر کہا کہ منجھلا ماموں جو کہانی میری ہے وہی کہانی آپ کے گھر میں بھی جنم لے چکی ہے بعد میں ہر جگہ سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ ہمیں یہ کڑوی گولی نگلنی ہی پڑے گی کیونکہ یہ ایک سچائی ہے مگر بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ مہ جبیں موجود نہیں ہے۔"

"کک کیا انتقال ہو گیا اس کا....."

"نہیں میاں بس قدرت کی کہانیاں بھی عجیب و غریب ہوتی ہیں انسان نیکیاں کرنا چاہتا ہے بعض اوقات' لیکن راستے اس طرح رک جاتے ہیں کہ وہ خلوص دل سے نیکی بھی نہیں کر سکتا۔ مہ جبیں خود ذرا مختلف مزاج کی عورت تھی کوٹھے کا ماحول اسے پسند نہیں تھا۔ دیوانوں کی طرح شاہ رخ کو چاہنے لگی تھی وہاں کے ماحول سے فرار حاصل کرنے کے لیے وہ گھر چھوڑ گئی اور اس کے بعد سے اس کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔"

"کیا فیروز کو بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے؟"

"بس اتنا معلوم ہے کہ مہ جبیں گھر میں موجود نہیں ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ تو واقعی بڑی سنسنی خیزیات ہے۔ بھائی جان آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کے لیے بتائیے تو سہی۔"

"جانتا تھا کہ تم یہی کہو گے کہ اس بات کو چھپا جاؤں' شہ رخ کو دیوانہ رہنے دوں۔ خاموشی اختیار کر لوں مگر میرے بھائیو میرے بیٹے کی طرح عزیز بھائیو' مجھ بوڑھے شخص کو کان سے کر نکال باہر کرو اس میں تمہاری عزت ہے اور اس طرح تم اپنی عزت کو بچا سکو گے' کیونکہ میرے دل میں جو جذبے جاگے ہیں مجھے سکون پذیر نہ ہونے دیں گے میں اس وقت تک سکون نہ پا سکوں گا جب تک کے اپنے دل کی آواز پوری نہ کر لوں۔ مشکل ہے خود کو سنبھالنا' بڑا مشکل ہے۔"

"نہیں بھائی جان آپ ہمیں اپنی زندگی سے زیادہ عزیز جو آپ کرنا پسند کریں گے سمجھ لیجئے کہ ہمیں اس پر اعتماد ہے۔ بات نہ ہم جذباتی طور پر کہہ رہے ہیں نہ اوپری دل سے۔ پرورش آپ نے کی ہے' ہمیں عزت یا ذلت جو بھی ملے گی سے ملے گی۔ آپ نے ہمیں عزت کا یہ مقام دیا ہے تو ہم آپ کو آپ سے جدا کیوں سمجھیں ہم تو آپ کے دست و بازو

آپ جو مناسب سمجھیں گے جو بہتر جانیں گے وہی کریں گے اور ہم اس سلسلے میں آپ سے کبھی انحراف نہیں کریں گے۔ یقین کریں کبھی نہیں کریں گے۔"

بھائیوں کے اس ایثار پر ان کی محبت بھرے الفاظ پر فاخر علی کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

"میں نے کوثر جہاں سے بھی اپنے آپ کو چھین لیا ہے اور شاہ رخ میری وجہ سے اپنی دنیا گنوائے بیٹھا ہے۔ اگر اسے میرا خوف نہ ہوتا' تو اتنا عرصہ دنیا سے کٹ کر نہ گزارتا۔ نہیں میرے پاس میں جو کھو چکا ہوں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شاہ رخ کو اس کا ذہن واپس ملنا چاہیے اور کوثر جہاں کو اس کا مقام۔"

ناصر علی اور عامر علی خاموشی سے بیٹھے ہوئے گہری سوچوں میں گم تھے۔ بھائی نے سچ ہی کہا تھا۔ اپنے لیے بے چارے نے کیا کیا۔ جب بھی سوچا انہی کے بارے میں سوچا' انہی کے لیے کیا۔ درحقیقت ایک بلند پہاڑ تھے فاخر علی خاں اپنے بن بھائیوں کے لیے..... بہت دیر تک خاموشی طاری رہی پھر ناصر علی نے کہا۔

"بھائی جان ہمیں بھی اس جذبے میں شریک کر لیجئے' بات کچھ عجیب سی ہے لیکن بہرحال ہے اور ہمارے خاندان کا اس سے تعلق ہے آپ یہ بتائیے کہ اگر مہ جبیں مل جائے تو کیا شاہ رخ کا نکاح....."

"ہاں میاں اول کام یہی ہے میرا۔"

"فیروز کو اس کی اصلیت معلوم ہے؟"

"مجھ سے بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی ہے اس کی' بہت نفیس نوجوان ہے' تم لوگ خود بھی اسے جانتے ہو مل چکے ہو اس سے اگر دل کی باتیں اس سے کرتے تو تمہیں بہ سا لگتا۔ وہ خود بھی مسرتوں کا مارا ہوا ہے۔ اس سے آگے کی دلچسپ داستان سنو۔ ناظم علی محرومیوں کا شکار ہو کر نئی چاؤڑی میں جا بسے۔ وہ اس موقعے پر تھے کہ جہاں کا خمیر تھا وہیں پر جا پہنچے۔ اس خیال کے تحت انہوں نے نئی چاؤڑی میں رہنا شروع کر دیا۔ نئی چاؤڑی میں ناظم خاں کو بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے خیر آدمی تو واقعی وہ نفیس ہے جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں سردار علی کی حیثیت سے اس نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔ فراخ دلی اور سرد مہری کا جو عالم ہے اس کے بارے میں بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔ ناظم علی خاں کو جب فیروز ملا تو ان کے ذہن میں معاً یہ خیال آیا کہ یہ خوب صورت بچہ کسی اچھے گھرانے کا خون ہے اور ناظم علی اس بات پر تل گئے کہ فیروز کو بہتر زندگی دیں گے گویا ناظم علی کا فیروز سے بھی یہ واسطہ رہا ہے۔ بعد کی تفصیل کیا ہے اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم' بس روداد ہی میں اتنا ہی پتا چل سکا تھا۔

"مگر کوثر جہاں کے سلسلے میں آپ کیا کریں گے؟" ناصر علی نے پوچھا۔

"میاں ایک سمت تو یہ ساری کارروائی ہو رہی ہے دوسری سمت میرے ذہن میں یہ خیال بھی ہے کہ اگر کاظم علی کو بھی اس معاملے میں شریک کر لیا جائے اور انہیں ناظم علی خاں کے بارے میں بتا دیا جائے تو ہو سکتا ہے ہمارے تعلقات میں بہتری پیدا ہو جائے۔ میں اپنی جانب سے یہ کارروائی کرنا چاہتا ہوں اللہ کا نام لے کر۔ نتیجہ جو کچھ بھی نکلے؟"

"فیروز کو آپ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ ہم دونوں؟"

"ہاں اب میں اسے سب کچھ بتا کر آیا ہوں اس نے مجھے تایا ابو کہہ کر پکارا ہے مگر سنو ایک کام کرو۔ سب سے پہلے فیروز کو وہ رقم ادا کر دو جو حاجی عبداللہ کی وساطت سے تمہارے پاس آئی ہے وہ تاوان نہیں ہوگا بلکہ ایک طرح سے دوستی کی راہ میں پہلا قدم ہوگا۔ وہ رقم اسے ضرور واپس کر دو۔

"وہ رقم میں نے منگوا کر رکھ لی ہے بھائی جان اگر آپ چاہیں تو اپنے دست مبارک سے؟"

"نہیں یہ کام تمہیں ہی سرانجام دینا ہے بہتر ہوگا' اگر رقم منگوالی ہے تو جلد از جلد اس کارروائی کو مکمل کر لو۔ اس کے بعد باقی باتیں ہوں گی۔"

خاک و خون کا سودا کرنے والے چہروں کی نقاب کشا داستان
غیرت کے سوداگر
ایم اے راحت
وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے' کتنے گھر ویران ہوئے' کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب عروس وطن کی نقاب کشائی ہوئی لیکن بدقسمتی وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر:
گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
7248599
7229762

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کا آگے کیا ارادہ ہے؟"

"رام پور جاؤں گا ایک بار پھر کاظم علی خاں سے زبردستی ملاقات کروں گا اور اس کے بعد انہیں حقیقت بتاؤں گا۔ تم لوگ بس دعا کرنا۔"

"اور اگر وہاں آپ سے کوئی الٹی سیدھی بات کی گئی۔"

"میاں جا چکا ہوں وحدت علی کی موت کے بعد کاظم علی خاں بہرطور صاحب اقتدار آدمی ہے پہلے بھی بس اس نے مجھ سے پہلو تہی کی۔ کس قسم کی کوئی بدتمیزی نہیں کی اور دیکھو عزیزم پہلے بھی بتا چکا ہوں تمہیں کہ نیک کام کی راہ میں جس قدر مشکلات ہوتی ہیں برائی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتیں جو کچھ بھی ہوگا اسے بھگتوں گا۔ اب جب اس راہ میں قدم اٹھانے دیے ہیں تو جو کچھ بھی ہو مجھے اس کی فکر نہیں ہے۔"

"تو پھر جو حکم۔ کیا شاہ رخ کو بھی اس بارے میں کچھ بتا دیا گیا ہے؟"

"شاہ رخ کے دل و دماغ میں بس وہی ایک گھٹن ہے اگر کسی طرح اس کی یہ گھٹن نکل جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ قدرت اس کی ذہنی صحت بحال کر دے گی۔"

"فیروز کو شاہ رخ کے بارے میں معلومات حاصل ہیں؟"

"میں نے بتا دیا ہے۔"

"کچھ کہہ رہا تھا۔"

"ہاں۔"

"کیا بھائی جان؟"

"کہہ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے باپ کو ایک نگاہ دیکھ سکتا ہے؟"

"اس لڑکے پر تو واقعی اس طرح طبیعت ریجھ گئی ہے کہ ہم آپ کو بتا نہیں سکتے' ہم بھی اس کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

"کیا کہوں اور کیا نہ کہوں' کہتے ہوئے بھی ڈر تا ہے کہ مذہب کے منافی بات ہے' سماج اور معاشرے کے خلاف عمل ہے لیکن جذبات ہیں کہ بے قابو ہوئے جا رہے ہیں اور سماج اور معاشرے کے بنائے ہوئے اصولوں سے انحراف کرنے کو تیار ہیں۔ پتا نہیں قدرت اس بارے میں ہمیں معاف کرے گی یا نہیں لیکن ہم جذبات سے مجبور ہیں اور پھر وہ نوجوان درحقیقت جس کا کوئی قصور بھی نظر نہیں آتا اپنے طور پر نجانے وہ کیا محسوس کر رہا ہوگا۔

"بہرحال بھائی جان آپ اپنے طور پر جو بھی منصوبہ بنائیں بنا لیجئے۔ ہم اس منصوبے میں آپ کے ساتھ ہیں آپ نے یہ سارا بوجھ اپنے دل پر کیوں لیا۔ ہمیں غیر سمجھا آپ نے....."

"آپ اور زیادہ شرمندہ نہ کرو مجھے۔ تم سب سے پہلے کوشش کر کے یہ رقم فیروز تک پہنچا دو اور دیکھو مجھے شرمسار نہ کرنا۔ میں کسی طور اب اپنے آپ کو اس سے جدا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کسی مناسب موقع پر اس کی ملاقات شاہ رخ سے کرا دیں گے' مجھے رام پور بھی جانا ہے تاکہ اس بکھرے ہوئے شیرازے کو جمع کر سکوں۔"

دونوں بھائیوں نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی تھی۔

خاں صاحب خوش نظر آتے تھے جب نئی چاؤڑی میں تھے تب بھی عمدہ لباس میں ملبوس رہا کرتے تھے' اپنی شان و شوکت میں انہوں نے کبھی کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔ دیکھنے والوں کو بھی اندازہ ہو جاتا تھا کہ کیسے کے نواب ہیں' لیکن طلے کے معاملے میں انہوں نے ایک فرق رکھا تھا رام پور کے روایتی منچلوں جیسا لباس پہنتے تھے لیکن رضوانہ بیگم کے آجانے کے بعد انہوں نے تھوڑی سی تبدیلی پیدا کی تھی اور اب ان کے لباس ذرا مختلف ہو گئے تھے۔

ادھر رضوانہ بیگم کے ذاتی لباس کا تو مسئلہ ہی الگ ہو گیا تھا۔ درزن کو مستقل ملازمت دے دی گئی تھی نئے نئے لباس آتے اور درزن رضوانہ بیگم کے کپڑے سیتے بیٹھ جاتی۔ نئے نئے جوتیاں' غرض دنیا کی ہر وہ شے جو کسی کی پسند ہو سکتی ہے رضوانہ بیگم کے لیے آتی ہی رہتی تھی۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے لیکن ان چند ہی دنوں میں خاں صاحب نے رضوانہ بیگم کو بہت سے سونے کے نئے سیٹ لا کر تحفتاً دیے تھے۔ چمیلی کو ہدایت تھی کہ روزانہ گجرے بنا کر لائے اور چمیلی یہ کام باقاعدگی سے کر رہا تھا۔

رضوانہ بیگم سحر میں گرفتار تھیں۔ کہاں تو شوہر کے ہم کا تصور ہی ایک حسرت بن کر رہ گیا تھا۔ کہاں شوہر ملا تھا۔ ایسا رضوانہ بیگم کو زمین پر پاؤں نہ رکھنے دے۔ خاں صاحب نے شوہریت ایسا نبھایا کہ مثال بن جائے۔ رضوانہ بیگم کو شوہر کی جنبش میں خوشی محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ وہ خاں صاحب کو منع کرنا چاہتی تھیں لیکن اس تصور سے باز رہتیں کہ کہیں یہ ان گراں نہ ہو۔

اس وقت بھی خاں صاحب بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے' حویلی کی چھت پر شیلے کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی بکھری ہوئی تھی ارشادی اور رحمانی اپنے سسرال والوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئی تھیں ان دونوں کو یہاں ایسی ہی حیثیت حاصل تھی جیسی سگی بھانجیوں کو ہوتی ہے' ان کے شوہر بھی بہت مطمئن اور مسرور تھے اور زبیدہ بیگم کا پلو ہمیشہ دعاؤں کے لیے پھیلا رہتا تھا درحقیقت انہیں ان کی اوقات سے بہت کچھ بڑھ کر ملا تھا۔ خاں صاحب کا منہ بن کہتے کہتے نہ سوکھتا تھا۔ سب ہی عزت افزائی کرتے تھے اور زبیدہ بیگم کی صورت بدل گئی تھی۔

ادھر خاں صاحب کے ساتھی تھے کہ وہ بھی مطمئن اور مسرور۔ نئی چاؤڑی کی خبر ضرور لے لی جاتی تھی۔ خاں صاحب

کا باقاعدہ واپسی کا کوئی اعلان نہیں کیا تھا' خود بھی دوبار گئے تھے' دکان والوں سے' مٹھ داروں سے خیریت پوچھی تھی' بس خاکہ بس کچھ مصروف ہیں لیکن کوئی فکر نہ کریں جانے والوں کا خیال رکھا جائے اور اگر کوئی خاص ان سے کہہ دیا جائے کہ انتظار کرے۔ یوں گزر رہی

چھت پر چہل قدمی کرتے ہوئے رضوانہ بیگم نے

عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

ان تھوڑے ہی دنوں میں میرے لیے جو کچھ کر لیا کہ شاید میں پوری عمر میں اس کا تصور نہیں کر سکتی بندی چاہتی ہوں اور گھر سنوارنا بھی' کیا یہ ممکن کہ اب میرے لیے تحائف کا یہ سلسلہ بند کر دیا جائے ہے' اسے ہی سنبھالے دیا جائے' خاں صاحب ہنسے

رضوانہ بیگم' وہ جو کہا گیا ہے کہ اولاد باپ کی تقدیر سے اور دولت ماں کی' میرا مطلب ہے بیوی کی' خیر اولاد کی بھی ہم مالا مال ہوں گے' جہاں تک باقی دولت کا سوال ان دنوں سے تمہاری آمد سے پہلے ہی ہم تک پہنچنے لگی

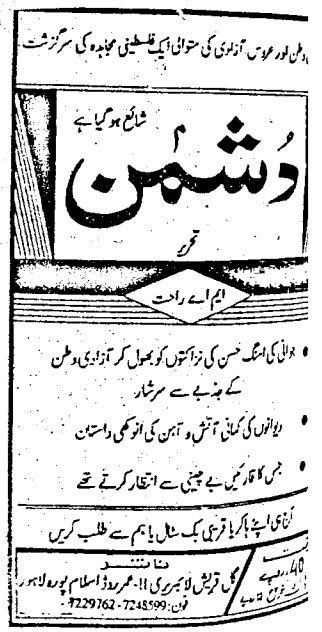
شائع ہو گیا ہے
دشمن
تحریر
ایم اے راحت
• حویلی کی الھڑ حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
• دیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
• جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
اپنی اپنے ہاکر یا قریبی بک سٹال پر ہم سے طلب کریں
فون: 7229762 - 7248599

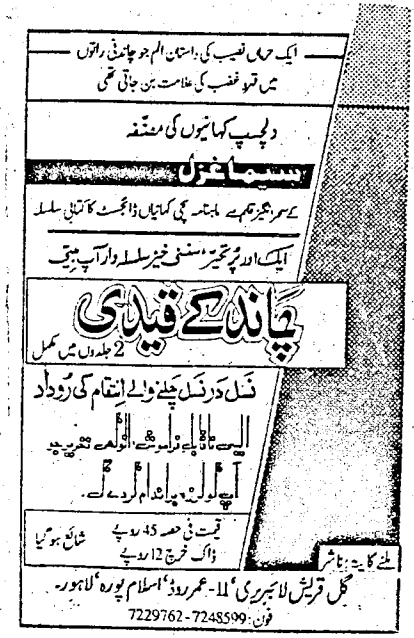
ایک حرماں نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قبر غضب کی علامت بن جاتی تھی
دلچسپ کہانیوں کی منفرد
سیمافون
سے سرہ میر تمام سے وابستہ بھی کہانیاں ڈائجسٹ کا تازہ سلسلہ
ایک اور پر تحیر' سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی
چاند کے قیدی
2 جلدوں میں مکمل
نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد
قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے
شائع ہو گیا
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں تو بسرطور ہمارا تعلق کاظم ملی خاں سے ہے' خیریہ کھوٹ تو ہے ہمارے اندر لیکن تمہارے سلسلے میں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے رضوانہ بیگم کہ ہمارے اندر جو کمی ہے اگر وہ کبھی تمہارے سامنے آجائے تو نہ غصہ کریں گے ہم تم پر اور نہ ہی تمہیں کوئی تکلیف ہونے دیں گے۔ دیکھو نا! جو کمی ہے ہمارے اندر وہ ہمیں احساس تو دلاتی رہے گی' اگر کوئی شریف زادہ ہوتا تو اس کے پاس شرافت کی صفت ہوتی' ہمارے پاس یہ صفت نہیں ہے۔ رضوانہ تڑپ گئی' رک گئی' خاں صاحب کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا' آگے بڑھی اور بیٹھ کر ان کے قدم پکڑ لیے۔"

"ارے' ارے رضوانہ بیگم' یہ کیا کرتی ہو۔"

"اپنے باپ کے قصور کی معافی مانگ رہے ہیں' اگر انہوں نے ایسی بات سوچی ہے تو ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں' ناظم کہ ہم تاحیات ان کا منہ نہیں دیکھیں گے' انہوں نے ہمارے شوہر کو اگر ایک بار بھی ہلکی نگاہوں سے دیکھا ہے تو ہم اولاد ہوتے ہوئے' ان کی عزت کبھی نہیں کریں گے۔ ہم آگرے کا نام بھول جائیں گے' خود کو آگرے کا کہتے ہوئے شرما میں گے' اگر آپ کے بارے میں کسی کے دل میں یہ تصور ابھرا۔"

"ارے' نہیں' نہیں' اب ایسی بات بھی نہیں۔"

"ایسی بات ہے ناظم' ایسی ہی بات ہے' ہماری زندگی کے مالک کو کوئی میلی نگاہ سے دیکھے گا' تو بخدا ہم اس کی عزت کبھی نہ کرپائیں گے' ہم بھی ہٹ کے پکے ہیں۔ ناظم خاں ہنسنے لگے' رضوانہ بیگم کے شانے پر ہاتھ رکھا اور انہیں ساتھ لے کر چہل قدمی کرتے ہوئے بولے۔

"بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں' جن کا کوئی علاج نہیں ہوتا' رضوانہ بیگم' ہم نے اس کمی کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا اب دیکھ لو! بہت سی جنسوں پر پھول اگ آتے ہیں' یہ جنسیں گندگی میں ہوتی ہیں' کیچڑ اور جوہڑ بھی' پھول تو زمین کی نمود ہوتے ہیں' اپنی مرضی سے کہیں نہیں آگے' جہاں زمین میں نمی پائی سر ابھار لیا' ان میں پھولوں کا قصوروار تو نہیں ہوتا لیکن اگر اسے قصور بنا دیا جائے' تو یہ زیادتی ہے' چھوڑو کہاں کا فلسفہ لے بیٹھے' اصل میں اس وقت ایک اور بھی یاد آگیا تھا۔

"کون' رضوانہ بیگم نے کہا؟"

"ہماری ہی طرح جوہڑ میں اگ آنے والا ایک پھول تھا جب ہم نئی چاوڑی میں رہتے تھے' میرا مطلب ہے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا' ہاں جب ہم نئی چاوڑی میں آئے تھے تو ایک دن پان کی دکان پر خریداری کرتے ہوئے' ایک بچہ نظر آیا' بس کیا بتائیں رضوانہ بیگم کیا چہرہ تھا انسان ایک نظر دیکھ لے تو نگاہ ہٹانے کو جی نہ چاہے۔ پیارے سے بچے کے چہرے پر ایک دیو زاد ضرب لگانا چاہتا تھا کہ ہم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا' اسے روکا بچے سے اس کے

دوسرا دن بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گیا۔ تیسرے دن سترھویں شریف کا پہلا دن تھا' اہل دہلی دل والے ہمیشہ کے مانند سترھویں شریف کو ایک عظیم تہوار کے طور پر منانے پر آمادہ' وہ سارے لوازمات تو بہت عرصے ہی سے شروع ہو گئے تھے جو سترھویں شریف کا حصہ تھے۔ بدن خاں عظن خاں وغیرہ بھی پوری پوری تیاریوں میں تھے' صبح آنکھ کھلنے کے ساتھ ہی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں اس بار ایک خاص بات بھائی حضور تھیں جن کے لیے سارے انتظامات کیے جا رہے تھے' عظن خاں اور تمن خاں پہلے سے روانہ ہو گئے تھے تاکہ وہاں کے معاملات کی نگرانی کر سکیں' بہتر جگہ بنالیں لیکن سترھویں شریف سب کی' اس دن نہ کوئی بڑا نہ چھوٹا دلی کی رونقیں شباب پر تھیں' ساری کی ساری سڑکیں بھری ہوئی' فن تیار معمول کے مطابق وقت پر زبیدہ بیگم رحمانی اور ارشادی تمام کے تمام ساتھ ساتھ خاں صاحب نے سب کو ساتھ رکھا تھا۔ تقریباً ہر ایک ہی گروہ کے شکل میں جانا تھا چنانچہ سب کے سب چل پڑے' درگاہ اولیاء شریف' درگاہ سلطان جی' اپنی تمام روایتوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے کھوے سے کھوا چھل رہا' سروں کے سمندر بہ رہے تھے۔ ناظم خاں صاحب بھی چل پڑے' ارشادی اور رحمانی کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ رضوانہ بیگم کو ساتھ رکھیں' حواریوں نے حصار بنا رکھا تھا' خاں صاحب مسرور شاہاں سلطان جی کے مزار اقدس کی جانب رواں دواں' نجانے کون کہاں کہاں سے آیا ہوا تھا' ہندوستان ہی جمع ہو جاتا تھا پورے کا پورا اور پھر دلی والوں کی شان دیکھنے کے قابل' منچلوں کی ٹولیاں مستیوں میں جھومتی ہوئی ہر شے ہوں کی توں' لگتا تھا سال بھر پہلے کی تصویر دوبارہ آویزاں کر دی گئی ہو' خدا خدا کر کے مزار سلطان پر پہنچنا نصیب ہوا' عقیدت مندوں کے غول کے غول منتوں مرادوں میں مصروف' قوالوں کے الاپ غرض ہر شے جوں کی توں' باؤلی کا کھیل باؤلی کی جگہ ہو رہا تھا' خاں صاحب بھی پھول چڑھانے کے بعد جالیوں کے قریب پہنچے نجانے کس سوچ میں گم ہو گئے جی میں فیروز کا خیال ہی آیا تھا' بڑی محبت تھی انیس اپنے لاڈلے سے آج جبکہ انیس ان کا منصب مل گیا تھا تو دل میں حزن و ملال کی ایک چادر سی کھینچ گئی تھی' اگر فیروز کو بھی اس کا مقام مل جاتا' اگر وہ اپنی اس کوشش میں بھی کامیاب ہو جاتے تو زندگی میں شاید اور کوئی طلب باقی نہ رہتی' رؤف خاں اور عظن خاں اس وقت قریب ہی موجود تھے' نگاہیں خاں صاحب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں یہ جائزہ لینا چاہتے تھے کہ خاں صاحب اس وقت کس سوچ میں گم ہیں' خاں صاحب نے فاتحہ پڑھی اور دور نگاہیں ڈال کر عورتوں کی جانب دیکھنے لگے' رضوانہ بیگم کا خیال تھا' ایک طرف نگاہ اٹھی کوئی برقعہ اوڑھے تھوڑی سی نقاب اٹھائے مزار اولیاء کی جانب دیکھ

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راحیل
معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں انتقام کا زہر بھر دیا
کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
پھر اتفاق سے انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل رومانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب
ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599
حضرت جان
قیمت: 40 روپے
قاضی عبدالستار
قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔
لفظوں کی سیپ میں روشن دیپ' تحریر کے غازی' قاضی نے حضرت جان میں روشن کیے ہیں جو دل و جاں
یہاں کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور

رہا تھا' نام تھا فیروز' مہ جبیں نامی طوائف کا بیٹا تھا رضوانہ بیگم اس کی ذات میں ہم موجود تھے۔ ہم نے اپنے آپ میں دیکھا اور اچانک ہی ہمیں اپنے آپ سے بہت ہمدردی ہم نے اس ہمدردی کو آگے بڑھایا بہت عرصے تک ہمارا ساتھ رہا بعد میں بچھڑ گیا وہ ہم سے' یہ آرزو تھی زندگی کی سب سے بڑی آرزو کہ ہم اسے باپ کی کراس دنیا میں کسی کے سامنے سر نہ جھکانے دیں کو منظور نہیں تھا۔ نجانے کہاں ہے کہانیاں تو بہت سی لیکن بات بن نہ سکی۔" خاں صاحب کے لہجے کی محسوس کی جاسکتی تھی۔ رضوانہ بیگم دیر تک فیروز کے ان سے معلومات حاصل کرتی رہی اور پھر اس نے کہا۔

کیے ہم اللہ کے ایک گناہ گار بندے ہیں' پتا نہیں ہم نے کوئی نیکی کی ہے یا نہیں لیکن انسان کو کبھی کبھی ایک کا احساس ہوتا ہے اپنے پروردگار کہ اسے یقین ہوتا جو کچھ مانگے گا اسے مل جائے گا' آپ کو پانے کے لیے ایک بار دل سے دعا مانگی تھی اور کیا کہیں' کیسے کہیں' شکر کے وہ الفاظ ہمارے پاس نہیں جو ادا کر سکیں' ہماری دعا آج اس کھلے آسمان کے نیچے چند لمحے ایک بار پھر اللہ مانگ رہے ہیں کہ وہ بچہ ہمیں دوبارہ مل جائے اور آپ کیے فیروز ہمیں مل جائے گا۔ وہ ہمیں ضرور مل جائے

خاں صاحب نے محبت بھری نگاہوں سے بیوی کو دیکھا اور گہری سانس لی اور اس کے بعد رضوانہ بیگم کے شانے سے لگائے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

رضوانہ بیگم کے خلوص نے دل پر بڑا اچھا اثر کیا تھا' ویسے رضوانہ بیگم کی ہر بات سے مطمئن تھے' بہت دیر تک سوچ سوچ کر پھر چاند کی طرف دیکھ کر بولے۔

"آج کالیا" چاند کی پندرہ ہے' پرسوں سترھویں ہوگی۔"

بیگم کبھی سترھویں شریف میں آئی ہیں آپ۔"

"ہاں کئی بار۔"

گا بار ہمارے ساتھ سترھویں شریف کیجئے گا' بہت اچھا

گنہ کا شرف ہے کہ ہمیں اس کا موقع ملا۔" رضوانہ بیگم اگر کلمہ بہت دیر تک چاہتوں اور اداسیوں کے درمیان تاریخی جاری رہی خاں صاحب بھی کافی خوش تھے پھر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا' آنکھیں نمناک تھیں' وجود لرز رہا تھا' فاصلہ بے شک زیادہ تھا لیکن خاں صاحب کی نگاہوں میں بجلی سی کوند گئی' یہ چہرہ نگاہ آشنا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ آگے تھا' ہاں اگر بھول نہیں کر رہے۔ اگر آنکھوں کی بینائی اب بھی اتنی ہی وسعت میں ہے تو یہ مہ جبیں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ شریفانہ لباس میں ملبوس' برقعہ اوڑھے ہوئے وہ سو فیصد مہ جبیں ہی تھی۔ خاں صاحب کا دل دھک سے رہ گیا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر دیکھا اور بھی لڑکیاں بالیاں ساتھ تھیں۔ پتا نہیں مہ جبیں کے ساتھ تھیں یا اس سے الگ لیکن ہر نگاہ ایک ہی جواب دے رہی تھیں۔ وہ مہ جبیں ہے' سو فیصد مہ جبیں' محویت کے عالم میں مزار اقدس کی جالیاں پکڑے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ خاں صاحب کے بدن نے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوڑ دیا۔ مہ جبیں کی تلاش تو بہت عرصے سے تھی۔ یہ مہ جبیں ہی ہے سو فیصد مہ جبیں۔ ایک دم پاس بیٹھے حواریوں کا خیال آیا۔ جلدی سے بولے۔

"میاں عظمن خاں رؤف خاں ذرا ادھر دیکھو ہمنے' جلدی کیجئو کہیں وہ نقاب نہ ڈال لے۔"

"کدھر خاں صاحب کدھر؟" رؤف خاں نے کہا۔

"میاں وہ' وہ جو ایک خاتون سفید جالی کا برقعہ اوڑھے ہوئے ہیں ان کے دوسری طرف وہ کالا برقعہ دیکھو جلدی کیجئو نظر آئی؟"

"ارے وہ وہ....؟"

"ہاں ہاں۔"

"مہ جبیں ہے خاں صاحب' قسم اللہ کی مہ جبیں ہی ہے۔" رؤف خاں جلدی سے بولے۔

"عظمن خاں تم بتاؤ۔"

"سو فیصد مہ جبیں ہے خاں صاحب بالکل مہ جبیں ہے۔"

"ارے اب کیا کیا جائے' پتا نہیں کس کے ساتھ ہے ویسے دیکھو ٹھیک ٹھاک نظر آرہی ہے۔ مہ جبیں ہی ہے نا۔"

"بالکل اب تو اس میں کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔" رؤف خاں اور عظمن خاں نے تصدیق کردی۔ خاں صاحب نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا پھر بولے۔

"اب دیکھو یہ تمہارا کام ہے کہ تم اسے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ بالکل اوجھل نہ ہونے دو اور..... اوز....."

"عورتوں میں تو جانہیں سکتے تھے خاں صاحب؟"

"یہ تو مجھے پتا ہے یوں کرو ایک آدمی باہر نکل جاؤ اور انتظار کرو دوسرا آدمی اس کے پیچھے پیچھے لگا رہے یہ دیکھے کب نکلتی ہے کس کے ساتھ نکلتی ہے اور پھر جب تم باہر جاؤ گے تو باہر کھڑے ہوئے عظمن خاں یا رؤف خاں تم دوسرے کو بتاؤ گے کہ مہ جبیں آگئی ہے اور پھر اس کا پیچھا کرو گے مگر دیکھو بڑی ہوشیاری سے کسی کو شبہ نہ ہونے پائے۔"

"اس کے پاس جائیں خاں صاحب۔" عظمن نے پوچھا۔

"ہاں بودم ہو نرے جانے کی بات ہوتی تو پر آوازیں نہ لگا دیتے۔ وہ جیسے پراسرار طریقے سے آئی ہے۔ اس کے بارے میں اسی طرح معلوم کرنا ہے ہوشیاری سے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے کہ سے اوجھل نہ ہونے دینا کون روک رہا ہے یہاں؟"

"میں۔" رؤف خاں نے جواب دیا۔ عظمن خاں کھڑے ہو گئے۔

"تو پھر میں چلتا ہوں خاں صاحب۔ رؤف خاں مجھے بتانا میں تانگا تیار رکھوں گا تاکہ ہمیں پیچھا کرنے دشواری نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" رؤف خاں نے کہا اور باہر چلے گئے۔ خاں صاحب نے پھر نگاہیں اس طرف لیکن برقعہ پوش چہرے پر نقاب ڈال چکی تھی اور اور جگہ سے اٹھنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ خاں صاحب اضطراب سے بھنچ گئیں۔ اگر وہ مہ جبیں ہے تو کہیں بھی انکشاف ہو جائے۔ ایک ہیجانی سی کیفیت پیدا

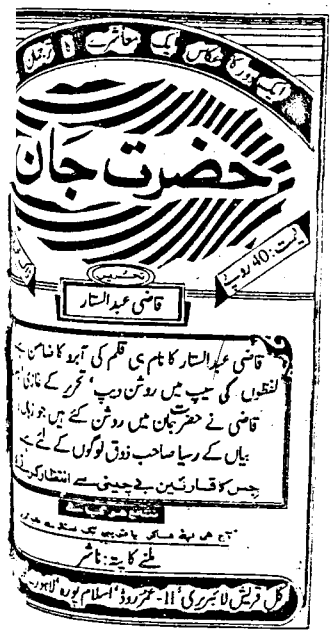

لیکن اس کیفیت کو سنبھالنا تھا۔ ایک نگاہ پھر عورتوں کی طرف ڈالی۔ رضوانہ بیگم دونوں ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہی تھیں۔

بقیہ

حاجی عبداللہ صاحب پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ پچھلے دنوں جن مشکلات کا شکار ہو گئے تھے گلزار ستو کی وجہ سے اب اللہ کے فضل و کرم سے وہ بھی دور ہو چکی تھیں۔ خصوصاً" مراد آباد میں پھیلے ہوئے کاروبار کی وجہ سے پریشان تھے کیونکہ بڑی آمدنی وہیں سے تھی اور پھر ایک ساکھ تھی جو بری طرح بگڑ گئی تھی۔ ہر جگہ سے کاروباریوں کی شکایت موصول ہو رہی تھیں اور انہیں پوری طرح اندازہ تھا کہ مراد آباد میں کیا ہو رہا ہے۔ خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کالی خاں کو کہ اس نے ایک ایسا ہیرا دے دیا تھا۔ جس نے ہر محاذ پر حاجی عبداللہ کو سنبھال لیا تھا ورنہ گلزار ستو کے چنگل سے عبداللہ صاحب کی لاڈلی کو نکال لانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ ڈاکٹر فیاض نے اور حاجی صاحب نے مراد آباد کے سلسلے میں جس طرح فیروز کا انتخاب کیا تھا انہیں اب اس پر ناز ہوتا تھا کہ کیا ہی اچھا فیصلہ ہوا کہ آثار تھوڑے ہی دنوں میں نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ہر طرف سے کاروباریوں کے خطوط موصول ہو رہے تھے اور حاجی صاحب کی ساکھ بحال ہوتی جا رہی تھی۔ بے حد ممنون تھے وہ فیروز کے جس نے مراد آبا جا کر ہاتھیوں کو پچھاڑا تھا۔ حاجی صاحب پرانے کاروباری آدمی تھے اچھی طرح جانتے تھے کہ کون کیا کر رہا ہے لیکن بدقسمتی سے اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ معاوضے پر تو لوگ مل جاتے ہیں کام بھی کرتے ہیں لیکن سچائی اور خلوص کا فقدان ہی ہوتا ہے۔ کون کسی کی آگ میں کودے' اپنا فائدہ سب سے پہلے مدنظر رکھا جاتا ہے لیکن اب جس شخص کو وہاں بھیجا تھا وہ دہری صفات کا حامل تھا۔ جہاں جوتے کا کھیل ہو وہاں اس کا جوتا سب سے زیادہ وزنی اور باقی معاملات تو خیر تھے ہی۔ یہ جو ایک دم ہے ہندوستان بھر کے کاروباریوں کے لبوں میں فرق آیا تھا۔ بے سمجھ نہیں معلوم ہوتا تھا بلکہ اس کی وجہ وہ ڈنڈا ہی تھا جو فیروز نے مراد آباد جا کر سنبھال لیا تھا اور لوگوں کا حلیہ درست کر دیا تھا۔ ڈاکٹر فیاض سے ملاقات ہوئی تو حاجی صاحب فیروز کا نام زبان پر لائے بغیر نہ رہ سکے۔

"میاں فیاض بڑے مخمصے میں ہوں کیا کروں کیا نہ کروں؟"

"خیریت حاجی صاحب۔"

"کچھ زیادہ خیریت ہو گئی ہے بھئی یہ فیروز میاں نے مراد آباد جا کر صورت حال ایسی سنبھال لی ہے کہ ہم تو دنگ رہ گئے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"چونکہ یہ تمہارا شعبہ نہیں ہے ہم بزنس مین بہت سی مشکلوں سے گزرتے ہیں۔ مراد آباد کا کاروبار جیسا کہ کم از کم ہمیں اتنا تو علم ہے کہ ہمارے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ریڑھ کی ہڈی بری طرح زخمی ہو رہی تھی۔ پچھلے دنوں تو اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے لیکن کاروبار میں جب تک استحکام نہ ہو اس کی پائیداری مشکوک رہتی ہے۔ مراد آباد کے کاروبار سے تقریباً" ہاتھ ہی دھو بیٹھے تھے اور پچھلے دنوں سے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر وہاں بالکل ہی پھنس گئے تو مشکلات کا شکار ہو جائیں گے۔ ایسے لمحات میں فیروز کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا اور نتیجہ حسب توقع نکلا۔ جس طرح گلزار ستو کی شامت آئی تھی اسی طرح وہاں ہمارے مخالفوں کی شامت آگئی ہے۔ ہم نے خود تو جا کر نہیں دیکھا لیکن جو اطلاعات مل رہی ہیں چاروں طرف سے وہ ایسی ہیں کہ فیروز نے ایک بار پھر مراد آباد میں ہمارے کاروبار پر ہماری اجارہ داری قائم کر دی ہے۔ اب پریشانی یہ لاحق ہے کہ اس کے صلے میں ہم اسے کیا دیں گے۔" ڈاکٹر فیاض ایک لمحے کے لیے آزردہ ہو گئے۔ پریشان سے بیٹھے رہے اور پھر دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"فیروز کو ہم کیا دے سکتے ہیں حاجی صاحب' وہ لینے والوں میں ہے ہی نہیں۔ پتا نہیں قدرت کے کھیل بھی بعض اوقات قطعی کچھ سمجھ میں نہیں آتے۔ اتنا نیک نفس بچہ ہے' بے لوث بے غرض اور ایک طرح سے معصوم فطرت۔ بڑی دکھ کی بات ہے کہ ہم اسے اس کی ذہنی قوتیں واپس نہیں دے سکے۔ حاجی صاحب اس کے نام کے ساتھ ایک دکھ بھری کہانی وابستہ ہے۔ وقت نے اسے وہ کہانی بھلا دی ہے لیکن پھر بھی ہر انسان کی اپنی ایک شناخت ہوتی ہے۔ اپنے حواس کھونے سے پہلے وہ اپنے بارے میں جانتا ہی ہو گا کون کون بچھڑ گیا ہے اس سے' کون جانے' میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کئی بار اس بارے میں سوچا ہے کہ اسے اس کی اصلیت سے روشناس کرا دوں' پھر یہ سوچتا ہوں کہ کہیں دکھوں کا شکار نہ ہو جائے۔ آپ بتائیے کیا کیا جائے جہاں تک اسے کچھ دینے کا معاملہ ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں ہم کہ اسے بہتر زندگی کی جانب لے چلیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو' میں سوچ رہا ہوں۔ مراد آباد کا ایک چکر لگا لوں۔"

"بڑی اچھی بات ہے چلے میں بھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ' بہت دن سے میں بھی سوچ رہا تھا کچھ لوگ ہیں جن سے ملنا چاہتا ہوں۔ بہت قریبی دوست ہیں میرے۔ زندگی تو یوں سمجھ لیجئے کہ فرصت کے لمحات ہی نہیں دیتی۔ یہ لمحات نکالنے پڑتے ہیں کیا خیال ہے آپ کا چلا جائے؟"

"میں تو خلوص دل سے تیار ہوں۔ ویسے بھی جا کر ذرا وہاں کے معاملات دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ فیروز کو اس کی حقیقتوں سے آگاہ کر دوں بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا اللہ مالک ہے۔ ہم اسے سہارا دیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اب وہ ہمارے لیے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدمت بتائیے۔"

حاجی عبداللہ سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے چلے چلتے ہیں۔" وقت اور دن طے ہو گیا اور پھر ایک دن حاجی عبداللہ اور ڈاکٹر فیاض مراد آباد چل پڑے۔ سفر طے ہوا۔ حاجی صاحب کافی دن کے بعد یہاں آئے تھے۔ بہت نہیں ہوئی تھی۔ پہلے ڈاکٹر فیاض کے دوست کے ہاں قیام کیا گیا۔ یہاں کے حالات معلوم کیے گئے اس کے بعد حاجی عبداللہ نے طے کیا کہ کچھ مخصوص لوگوں سے ملاقات کر کے ہی حالات معلوم کیے جائیں۔ یہ مخصوص لوگ حاجی عبداللہ کے کاروباری ساتھی نہیں تھے بلکہ دوسرے کاروبار کرتے تھے اور کاروباری آدمی صورت حال جانتا ہے۔ حاجی عبداللہ ڈاکٹر فیاض کے ساتھ جس شخص سے ملے اس کا اپنا بھی مراد آباد میں خاصا بڑا کاروبار تھا۔ رفیق حسین نے خوشگوار حیرت کے ساتھ حاجی عبداللہ کا استقبال کیا اور بڑے تپاک سے ملا۔

"واہ حاجی صاحب واہ۔ کیا پانسا پلٹا ہے آپ نے مراد آباد میں' ہر جگہ آپ کی فراست اور ذہانت ہی کے تذکرے ہو رہے ہیں آج کل۔ ساری مارکیٹ الٹی کر ڈالی آپ نے تو۔"

"ارے نہیں رفیق حسین میں کیا اور میری بساط کیا۔"

"ارے صاحب صحیح معنوں میں آپ نے ہاتھیوں کو پچھاڑا ہے۔ ناصر علی اور عامر علی تو ایک طرح سے چت ہو کر رہ گئے ہیں' سنا ہے تاوان ادا کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔"

"تاوان۔"

"تو اور کیا؟"

"میاں اتفاق کی بات ہے رفیق حسین کہ ہم بھی کچھ ایسے معروف رہے کہ یہاں کے معاملات کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔ ذرا کچھ سناؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟"

"ارے کمال ہے' یقین آپ کو اپنے نئے منتظم کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں۔"

"چلو تم بتا دو کیا فرق پڑتا ہے؟"

"بھئی بڑی افواہیں گردش کر رہی ہیں' سنا یہ گیا ہے بلکہ سنا کیا گیا ہے ایسے لوگوں نے تصدیق کی ہے کہ جو تمہارے اپنے آدمی ہیں لیکن ہمارے بھی ہیں' وہ تمہارا نیا منتظم عالیا" کوئی نوجوان لڑکا ہے لیکن کیا ذہانت اور فراست پائی ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لوگوں سے ان کی زبانی میں بات کرنا جانتا ہے اور یہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے کسی شخص سے اس کی صحیح زبان میں بات کر لی جائے تو فیصلے آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے جو داستان سنی ہے وہ یہ ہے کہ نئے منتظم نے آنے کے بعد سارے کارخانوں کا جائزہ لیا۔ تمہارا خاص ہرکارہ احمد علی اصل میں ان لوگوں کا تکلہ کار تھا اور وہی فساد کی جڑ یہاں ہیرا لعل نامی ایک شخص ہے جو بیچ کا آدمی ہے اسی کے ذریعے ہندوستان بھر کے کاروباری حلقوں سے رابطے ہوا کرتے تھے پھر سنا گیا کہ تمہارے اس منتظم اعلیٰ نے احمد علی کا نرخرہ دبا لیا اور اس سے پوچھا کہ یہ بیٹا یہ سارا کھیل کیا ہو رہا ہے۔ احمد علی ہیرا لعل پر پھولتا تھا اور ہیرا لعل غلام جانی ایک بدمعاش پر جو یہاں بڑی حیثیت رکھتا تھا بس جناب جو کہانیاں علم میں آئیں وہ یہ رہیں کہ احمد علی نے ہیرا لعل کو پکڑا اور ہیرا لعل نے لگا دیا غلام جانی کو تمہارے منتظم کے پیچھے اس نے پہلے احمد علی کو مرتا بنایا پھر ہیرا لعل کی شامت آئی اور ہیرا لعل کی صحیح معنوں میں ٹھکائی ہو گئی حالانکہ بڑا تیس مار خاں تھا لیکن پیٹ لیا اس نے۔ آخری مرحلہ غلام جانی کا تھا۔ وہ معرکہ سنا ہے آخری معرکہ ہوا تھا اور غلام جانی نے اسے تسلیم کر لیا۔ بدمعاشوں میں یہ بات تو ہوتی ہے کہ جسے مان لیا پھر اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔ یہی ہوا غلام جانی چت ہوا تو سمجھو سب کچھ چت ہو گیا۔ احمد علی کو اس نے بھگا دیا۔ ہیرا لعل کو بھنگی بنا دیا اور اب اس کا ہاتھ سیدھے کاسید حافظ خر علی خاں کے گریبان تک جا پہنچا۔ خیر حافظ خر علی خاں تو اب بوڑھے شیر ہو گئے ہیں خود کچھ نہیں کرتے۔ بھائیوں پر ہی ساری معاملات چھوڑے ہوئے ہیں اور یہ نوجوان لڑکے خاصے تیز و طرار ہیں مگر بھیا وہی جو کہتے ہیں کہ زور آور کی لاٹھی سب سے بھاری' جھکا لیا سب کو اپنے قدموں پر اور اب سب سے زیادہ دولت کی بات یہ ہوئی ہے ان کے لیے کہ فیروز نے ان سے تاوان طلب کیا ہے جو سنا ہے دیا جا رہا ہے۔ تو حاجی صاحب یہ ہیرا کہاں سے ڈھونڈ کر نکالا آپ نے' ہم تو ان گئے۔"

حاجی صاحب کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ مسرت سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

"میاں اللہ کی دین ہے اور یقین کرو یہ سب کچھ تم نے سنائی ہمیں' ہمارے تو فرشتوں کو بھی اتنی خبر نہیں تھی تاوان دے رہے ہیں وہ لوگ مگر کیسا تاوان اور تمہیں اس بارے میں کیسے معلوم؟"

"یہ بھی بڑی بات ہے لونڈا طرف کا ہے' سنا ہے کسی سے کچھ نہیں کہا۔ یہ بات عامر علی اور ناصر علی ہی کی فیکٹریوں سے اڑی ہے کہ اب تاوان دے کر جان چھڑائی جا رہی ہے۔ تاوان یہ ہے کہ پچھلے دنوں جو کاروباری بدمعاشی کی گئی ہے اور حاجی عبداللہ کا جو نقصان ہوا ہے وہ پورا کیا جائے ورنہ پھر کاروبار ہتھکنڈے استعمال ہوں گے اور ہندوستان بھر میں مقابلہ ہو گا۔ وہ لڑکے تاب نہیں لا سکے کیونکہ اس طرح آگے کا کاروبار بھی ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ مان گئے اور اب شاید اداائیگیاں ہونے والی ہیں۔"

"بھئی رفیق حسین خوب سنائی۔" حاجی عبداللہ مسرور لہجے میں بولے۔ ساری معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔

اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر حاجی عبداللہ نے ڈاکٹر فیاض سے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سنا تم نے اب بولو؟"

"میں کیا بولوں؟" ڈاکٹر فیاض نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بس اس کے لیے پریشان ہوں کہ اسے اس کا صلہ کیا دوں؟"

"اسی سے پوچھ لیں گے۔"

"تو پھر چلو چلتے ہیں۔" حاجی صاحب نے کہا اور پھر وہ دونوں فیروز کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑے۔

☆

درگاہ نظام الدین اولیاء پر ہندوؤں کے آنے جانے کی پابندی کہاں' ہر طرح کے لوگ موجود ہوتے تھے' کچھ عقیدت مند تو کچھ تماش بین بھی اور بعض تماش بین ایسے بھی جو نظربازی کے شوقین ہوں اور درگاہ کی حرمت کو داغدار کریں' یہ دوسری بات ہے کہ بدترین سزائیں پائیں لیکن برائی کا عمل بہرطور موجود' راؤ برکت علی بھی اتفاق سے اس وقت وہیں موجود تھا۔ جب مہ جبیں چہرے سے نقاب ہٹائے بے خودی کے عالم میں دل کی مراد مانگ رہی تھی۔ اگر ایک سمت ناظم خاں کی نظر اس پر اٹھی تو دوسری طرف سے بدکار راؤ برکت علی نے بھی اسے دیکھ لیا اور دیکھ کر اچھل پڑا۔ مہ جبیں ہی تھی' باقی دوسرے بھی ہوں گے لیکن اور کوئی شناسا چہرہ اسے نظر نہیں آیا۔ یہاں تک کہ اس نے ناظم خاں کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ مہ جبیں کو دیکھ کر دل میں دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ بات کچھ بھی نہ تھی۔ مہ جبیں جیسی بے شمار کلیوں کو پامال کر چکا تھا۔ بدکاری اس کا شعار تھی لیکن مہ جبیں کے تصور کے ساتھ جو بے عزتی وابستہ تھی اسے نہیں بھول سکا تھا آج تک' ناظم خاں پر تو بس نہیں چلا تھا لیکن اس نکبائی نے جس طرح اپنے آپ کو پارسا ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی وہ کسی طور برداشت نہ ہو پا رہا تھا اور اس وقت بھی راؤ برکت علی کے دل کو ایسی تسکین ملی کہ سناٹے میں آگیا' وہاں ہی دھواں بھر گیا اس کے اندر' چنانچہ تاک میں لگ گیا۔ ایک سمت رؤف خاں اور عظن خاں مہ جبیں کے بارے میں جاننے کے لیے کوشاں تھے تو دوسری طرف راؤ برکت علی بھی اپنی تمام تر شیطانی طاقتوں کے ساتھ کھوج میں لگ گیا تھا اور جب نواب تنویر حسین' زاہد حسین' رضیہ بیگم' مہتاب جہاں اور باقی افراد کے ساتھ واپس چلے تو راؤ برکت علی کی موٹر بھی مست روی سے ان کے پیچھے چل پڑی' رؤف خاں اور عظن خاں نے تعاقب کا جو بھی بندوبست کیا ہو راؤ برکت علی اس سے بھی بے خبر تھا۔ بہرطور یہ تعاقب اس جگہ تک جاری رہا جہاں تک ان لوگوں نے سفر کیا اور پھر راؤ برکت علی نے اس اعلیٰ درجے کی رہائش گاہ کو بغور دیکھا اور دیکھنے کے بعد وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ اس کا ذہن شیطانی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ست پال دال کھاؤ اس سلسلے میں معاون نہیں ثابت ہو سکتا تھا۔ جو کچھ کرنا تھا خود ہی کرنا تھا اور جلد از جلد کرنا تھا۔ وہاں سے واپس پلٹ کر بہت دیر تک موٹر میں بیٹھا سوچوں میں گم رہا اور اس کے بعد ایک بار پھر اسی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا۔ وہاں لوگوں کی آمد و رفت دیکھتا رہا۔ پھر ایک ایسی شخصیت پر نظر آگئی جو اس کی شاطر نگاہوں نے بھانپ لی۔ جوان العمر لڑکا تھا۔ کسی کام سے باہر نکلا تھا۔ راؤ برکت علی نے ہمت کر کے اس کے پیچھا کیا اور کچھ فاصلے پر ملازم کو جالیا۔

"عبدالغنی عبدالغنی بات سنو۔" اس نے ملازم کو آواز دی اور ملازم رک کر اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"میاں تمہارا نام عبدالغنی ہے نا؟"

"نہیں صاحب ہمارا نام تو شکور ہے۔"

"کمال ہے تم میرے ایک بہت اچھے دوست عبدالغنی کی صورت رکھتے ہو۔ تمہیں دیکھ کر وہ یاد آگیا۔ بڑا اچھا انسان ہے میاں اس سفید رنگ کی کوٹھی میں نوکری کرتے ہو کیا؟"

"جی صاحب۔"

"بھئی شکور تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں اور یہ نہ سوچنا کہ باتیں بلاوجہ ہی ہو رہی ہیں۔ تمہارے ہی کام کی باتیں ہیں وقت ہے تمہارے پاس۔"

"جی صاحب۔" شکور نے حیرت سے راؤ برکت علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ راؤ برکت علی اسے ایک سمت لے گیا اور پھر موٹر کا دروازہ کھول کر اسے اس میں بٹھالیا۔

"تنخواہ تو بہت کم ملتی ہوگی شکور' ضرور تمیں پریشان رہتی ہوں گی۔"

"جی صاحب' بس جو تقدیر میں ہے وہ مل جاتا ہے۔"

"تمہاری تقدیر میں تو مجھے یہ نوٹ ہی نظر آتے ہیں۔" شکور نے حریص نگاہوں سے نوٹوں کو دیکھا اور جھینپ کے ساتھ بولا۔

"کیوں مذاق کر رہے ہو صاحب۔ اتنی رقم تو ہم نے خواب میں بھی نہیں دیکھی۔"

"خواب جھوٹے ہوتے ہیں جو کچھ میں تمہیں دکھا رہا ہوں وہ حقیقت ہے شکور۔ یہ نوٹ سمجھو تمہارے ہیں بلکہ لو انہیں جیب میں رکھ لو۔" راؤ برکت علی نے وہ نوٹ شکور کی ہتھیلی پر رکھ دیے پھر کہا۔

"اور اتنے ہی نوٹ تمہاری اس دوسری جیب میں آسکتے ہیں۔"

"صاحب خوشی سے مرجائیں گے ہم ایسی باتیں سن کر۔"

"جب تمہاری ایک جیب بھر گئی شکور تو دوسری جیب کیا وقت ہو سکتی ہے لیکن رقم پانے کے لیے محنت کرنی ہے۔"

"آپ حکم کرو صاب' اتنی رقم کے بدلے تو کسی کی گردن کر آپ کے پیروں میں رکھ سکتے ہیں۔"

"واہ جیتے رہو ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی مجھے۔ تمہیں میرے کچھ کام کرنے ہوں گے شکور۔"

"حکم کرو صاب۔" شکور موم بن گیا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس سفید کوٹھی میں کون رہتا ہے؟"

"صاحب' یہاں کچھ لوگ باہر سے آئے ہیں۔ سترھویں کے لیے' کرائے پر لی ہے یہ کوٹھی' ہم تو شیخ فرید کے نوکر شیخ فرید اس کوٹھی کے مالک ہیں اور ہم اس کوٹھی کی دیکھ کرتے ہیں۔ میرا کام صفائی ستھرائی اور سودا سلف لانا ہے۔ ل تو کرائے دار ہیں جو سترھویں کے لیے آئے ہیں۔"

"ان کرائے داروں میں جو لڑکیاں ہیں ان کے بارے میں نتے ہو؟"

"ہاں صاب بھی سے واقفیت ہو گئی ہے۔ سب کوئی نہ کوئی م لیتے ہیں ہم سے۔ اچھے لوگ ہیں۔"

"مہ جبیں کو جانتے ہو۔"

"وہ بی بی جو زیادہ تر مہتاب کے ساتھ رہتی ہیں۔"

"میں تمہیں ان کا حلیہ بتاتا ہوں۔" راؤ برکت علی نے کہا رمہ جبیں کا حلیہ دہرایا۔

"جی صاب بڑی اچھی بی بی ہیں وہ۔"

"جہاں رہتی ہیں اس جگہ کے بارے میں تفصیل معلوم ہے نہیں؟"

"جی صاحب۔"

"بس تو یہ سمجھ لو شکور کہ مجھے وہ بی بی چاہیے۔"

"جی۔" شکور حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں اور اگر تم نے یہ کام کر دیا شکور تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری دوسری جیب بھی اتنے ہی نوٹوں سے بھر جائے گی۔"

"کٹھن صاب کیسے؟"

"میں بتا دوں گا کہ تمہیں تم کوٹھی میں کہاں رہتے ہو؟"

"ہمارا کمرا ہے صاب کوٹھی کے احاطے کی دیوار کے ساتھ۔"

"یہ تو اچھی بات ہے رات کو کسی بھی وقت میں دیوار کود کر تمہارے پاس آجاؤں گا اور اس کے بعد تم میری مدد کرو گے۔ اس بی بی کو بے ہوش کر کے ہمیں موٹر تک لانا ہے۔ دروازے پر چوکیدار ہوتا ہے کیا؟"

"نہیں صاب کوئی چوکیدار نہیں ہوتا۔ میں ہی گیٹ بند کر کے سو جاتا ہوں۔ یہ آخری ڈیوٹی میری ہوتی ہے۔"

"یہ سب سے اچھی بات ہے شکور لیکن ایک بات اور دماغ میں رکھنا۔ اگر میرے کام کے لیے تیار ہو تو یہ پہلی رقم رکھ لو اور دوسری رقم اس وقت مل جائے گی جب لڑکی میری موٹر میں پہنچ جائے گی اس سے پہلے اگر بات کھل گئی تو شکور میں تمہیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں کوئی شریف آدمی نہیں ہوں دشمنی میں گردنیں کاٹ سکتا ہوں۔"

"تو پھر صاب شکور بھی آپ کو زبان کا پکا ملے گا لیکن صاب کام بہت مشکل ہے۔ بی بی کو اٹھا کر لانا آسان نہیں ہوگا۔"

"تم مجھے اس کے کمرے تک لے جاؤ گے۔ تمہیں یہ ضرور معلوم ہوگا کہ وہ سوتی کب ہے اور گھر کے باقی لوگ کب تک سوتے ہیں؟"

"ہاں صاب یہ تو ہے۔"

"وہ اکیلی ہی ہوتی ہے اپنے کمرے میں۔"

"نہیں صاب وہ دوسری بی بی جن کا نام ہم نے مہتاب لیا ہے وہ ان کے کمرے میں ہوتی ہیں۔"

"مجھے کسی اور سے کوئی غرض نہیں ہے بس میں اپنا کام کرنا چاہتا ہوں اور تم بے فکر رہو ساری ذمے داری میری ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے صاحب آپ ہمارے ساتھ چلو۔ احاطے سے اندر داخل ہونے کے لیے ایک ٹوٹی دیوار ہے وہاں سے رات کو ہمارے کمرے میں آجاؤ اور پھر موقع ملتے ہی اپنا کام کر ڈالو۔ ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" راؤ برکت علی نے کہا اور شکور کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

کوٹھی کے احاطے کی وہ ٹوٹی ہوئی دیوار راؤ برکت علی نے دیکھی۔ وہاں سے تمام صورت حال کا جائزہ لیا' شکور کا شانہ تھپتھپایا اور اپنی کار کی جانب واپس چل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں رات کے بھیانک منصوبے لہرا رہے تھے اور شاید مہ جبیں کی زندگی میں کوئی اور انقلاب آنے والا تھا۔

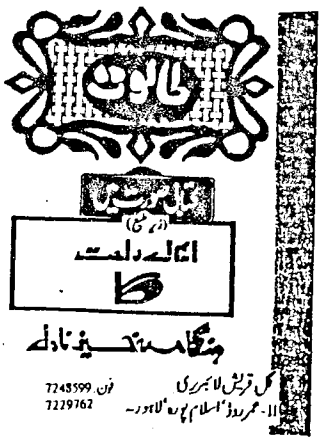

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہ جبیں درگاہ نظام الدین اولیاء سے واپس آگئی۔ سارے زخم ہرے ہوگئے تھے۔ اتنے عرصے میں دل کو جو سہارے دیے تھے ایک دم سے ختم ہوگئے تھے ماضی کا ایک ایک لمحہ جاگ اٹھا تھا اپنے کمرے میں آکر دروازہ بند کرکے لیٹ گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں ہوگیا۔ ایک ایک لمحہ ذہن میں منجمد ہو رہا تھا۔

پھر ایک دن وہ پانچ دوست آئے جو دیکھنے ہی میں صاحب حیثیت معلوم ہوتے تھے اور وہ خوبصورت سا نوجوان جس کی جھکی جھکی نگاہیں بتاتی تھیں کہ زندگی میں پہلی بار کسی ایسے جال میں پھنسا ہے' پھر جب یہ جھکی جھکی نگاہیں انھیں تو رونق آرا بیگم بھی دل میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکیں کہ درحقیقت وہ دلوں کو لوٹ لینے والوں میں سے ہے اور کوئی بھی شوقین مزاج اس کے لیے قتل ہو سکتا ہے' لیکن یہ نیلی کنچے جیسی آنکھیں مہ جبیں کی آنکھوں سے ٹکرائیں تو مہ جبیں سارے سر بھول گئی۔ الٹا سیدھا گانے لگی۔ سرشناسوں نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی نگاہوں کا مرکز پا لیا۔ ادھر آنے والے کی بھی کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ مہ جبیں کو دیکھے جا رہا تھا لیکن ان آنکھوں میں پاکیزگی تھی۔ برائی نہیں تھی پھر جب محفل ختم ہوئی تو اس کے دوستوں نے اسے بھی اٹھانا چاہا لیکن اس پر نیم دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ اس نے صاف کہہ دیا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" دوستوں نے ردوقدح کی۔ کمر پر کرتے رہے اور پھر رونق آرا بیگم سے کہا۔

"معاف کیجئے گا رونق آرا بیگم بات بڑی عجیب و غریب ہے لیکن بس جوانی کی ضد ہے۔ کیا آپ ان دونوں کو تنہائی دے سکتی ہیں؟" رونق آرا بیگم نے بھویں اٹھا کر انہیں دیکھا اور کہنے لگیں۔

"اگر کوٹھوں کے آداب آپ کو معلوم ہیں تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ایسی تنہائیاں کیا قیمت رکھتی ہیں؟"

"آپ قیمت لگائیے آپ کو نقد ادا کردی جائے گی۔"

"تو پھر آپ سن لیجئے اگر ایسی ہی دوست کی پذیرائی کرنا چاہتے ہیں تو جو کچھ آپ کو ادا کرنا ہے ذرا اس کی تفصیل بتا دیجئے۔" رونق آرا بیگم نے اتنا کچھ کہا کہ ممکن نہ ہو سکے۔ ارادہ نہیں تھا ابھی کہ مہ جبیں کی نتھ اتروائی جائے لیکن کچھ محسوس کر رہی تھیں کہ دونوں طرف چاہت ہے اور پھر برج ہی کیا جو کہ ہونا ہے سو آج ہو جائے۔ البتہ جو کچھ انہوں نے بتایا تھا انہیں امید نہیں تھی کہ اس کی ادائیگی ہو جائے گی' لیکن ادائیگی ہو اور اس کے بعد انہیں زبان سے مجبور ہونا پڑا۔

پھر وہ خلوت میں آیا۔ لرزتا ہوا' کانپتا ہوا رعب حسن۔ مسحور کرنے لگا۔

"آپ نے یقیناً میری اس بدتمیزی کا برا مانا ہوگا' لیکن

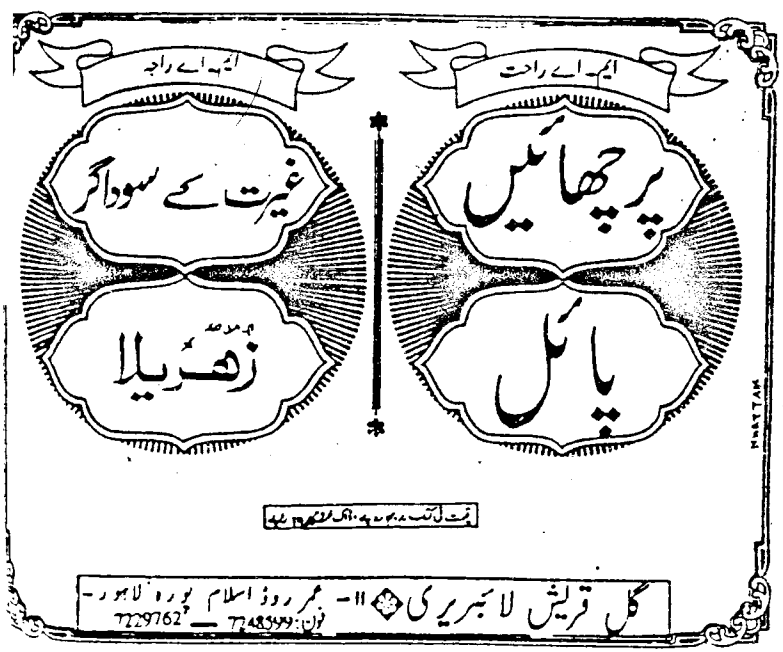

دیوانی مجھ پر سوار ہوگئی کہ میں آپ سے تنہائی میں ملنے کی ضد کر بیٹھا۔" مہ جبیں خود بھی اسی دیوانگی کا شکار تھی کہنے لگی۔

"آپ سوچیں گے کہ طوائفوں کے کوٹھے پر جو سکھایا جاتا ہے وہی میں آپ کے سامنے دہرا رہی ہوں۔ بخدا یہ حقیقت نہیں ہے۔ میرا خود آپ سے تنہائی میں ملنے کو جی چاہتا تھا۔ کسی حوصلہ مل گیا کہ میری آرزو پوری ہوگئی۔"

پھر حجاب اٹھتے چلے گئے اس نے دنیا جہان کی باتیں کیں۔ مہ جبیں نے اپنا دل و جان اس پر وار دیا اور صبح ہوگئی۔ ایک ہی صبح جو دونوں کے لیے روح کا عذاب تھی۔ اس نے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"اور اب مجھے آپ کو چھوڑ کر جانا پڑے گا۔"

"اور مجھ پر یہ دنیا تاریک ہو جائے گی۔"

"ایسا کیسے ہوگیا؟"

"خدا جانے۔"

"اب کیا ہوگا؟"

"آپ آتے رہیے گا۔"

"میرے لیے مشکل ہو جائے گا۔"

"کیوں؟"

"میرا خاندانی پس منظر ایسا نہیں ہے یہ لوگ مجھے بس ایسے ہی دھوکا دے کر لے آئے تھے' لیکن لگتا ہے میری تقدیر کو یہ دھوکا کھانا تھا۔"

"پھر کیا کریں گے آپ؟"

"کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک ایسے خاندان سے تعلق ہے کہ اگر کسی کو یہ علم ہوگیا کہ میرے قدم اس جانب اٹھ گئے ہیں تو بے شمار افراد خودکشی کرلیں گے پورا خاندان کھو بیٹھوں گا میں۔"

"خدا نہ کرے۔ آپ جیتے رہیں آپ کے اہل خاندان جیتے رہیں۔"

"آپ کے بغیر میرا جینا مشکل ہے۔"

"تو پھر مجھے بتائیے میں کیا کروں؟"

"میں ہی کچھ سوچوں گا۔"

"میں ہر شام آپ کا انتظار کروں گی۔"

"ہوسکتا ہے کچھ وقت لگ جائے لیکن میں ضرور آؤں گا۔"

میں نے کہہ دیا کہ جو آگ میرے سینے میں لگا گئے ہیں آپ وہ کبھی نہ بجھے گی یہ وعدہ کرتی ہوں آپ سے۔"

اور اس کے بعد وہ چلا گیا۔ نجانے کیسے نجانے کیسے اور پھر لاقصہ پارینہ بن گیا۔ پھر فیروز کا وجود سامنے آیا۔ رونق آرا بیگم نے پہچانا یا نہیں' لیکن وہ نوزائیدہ کو پہچان گئی تھی۔ شاہ رخ واپس آگیا تھا' لیکن اس شکل میں نہیں جس شکل میں واپس گیا تھا۔ وہ ایک ننھے سے وجود کی شکل میں واپس آگیا تھا۔ وہی چہرہ' وہی آنکھیں' وہی نقوش سارا وجود وہی تھا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم سے بھی شاہ رخ ہی کی خوشبو آتی تھی اور مہ جبیں نے اسے کلیجے سے لگا کر پالنا شروع کردیا اس تصور کے ساتھ جو اس کے سینے میں موجزن تھا۔

پھر وقت گزرتا رہا۔ حالات بدلتے رہے اور اس کے بعد نوبت یہاں تک آگئی۔ ہاں ذہن و دل سے وہ کوٹھے کی اسی دن سے نہ رہی تھی جس دن سے شاہ رخ کا اس کا سامنا ہوا تھا اور پھر بیتے لمحات نے ہزاروں کہانیاں تشکیل دیں اور نتیجے میں ایک بار پھر وہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر یہ دعا مانگنے پر مجبور ہوگئی۔

ملا دے ولی ایک بار ملا دے۔ اب اس چاہت میں کوئی لذت آمیز طلب نہیں تھی بس روح کی مانگ تھی اور آج تک روح کی مانگ کے ہاتھوں ہی زخموں سے چور چور زندگی بسر کرتی رہی تھی۔ لیکن اس وقت یہاں درگاہ اولیاء پر آکر اس کے دل کے وہ زخم پھر سے کھل گئے تھے جنہیں اس نے بمشکل سنبھالا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہتے رہے' ہونٹوں سے مدھم مدھم آوازیں نکلتی رہیں۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونک پڑی۔

"کون ہے؟"

"پھپھو دروازہ کھولیے۔" باہر سے ایک رندھی ہوئی آواز سنائی دی اور اس نے مہتاب جہاں کی آواز پہچان کر فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ مہتاب جہاں کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اسے مہتاب جہاں سے ایسی ہی محبت ہوگئی تھی جیسی مہ رخ سے تھی۔ اس نے مہتاب جہاں کا چہرہ دیکھا اور مہتاب جہاں بسورتی ہوئی اندر آگئی پھر اس نے حیرت سے مہ جبیں کی صورت دیکھی اور بولی۔

"پھپھو آپ رو رہی ہیں۔"

"نن..... نہیں..... کک..... کہاں رو رہی ہوں؟"

"مجھ سے چھپا رہی ہیں پھپھو؟"

"نہیں مہتاب' بھلا تجھ سے کیا چھپاؤں گی لیکن تجھے کیا ہوا۔ تو کیوں پریشان ہے سونے کے لیے نہیں لیٹی ابھی؟"

"پھپھو' پھپھو مجھے نیند نہیں آرہی۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں مہتاب؟"

"بس پھپھو میں پریشان ہوں۔"

"مجھے نہیں بتائے گی؟"

"پھپھو میں کیا بتاؤں آپ کو۔" مہتاب جہاں بری طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ نجانے کتنی دیر وہ روتی رہی۔ دل آنسوؤں سے خالی ہوا تو ہلکا ہوگیا۔ اس نے مہتاب جہاں کے سر کو سینے سے لگائے لگائے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بری بات ہے بیٹا بڑوں سے کہہ دیا کرتے ہیں اگر کوئی بات دل میں ہوتی ہے آخر تجھے رونا کیوں آرہا ہے ویسے تو بہت خوش تھی۔"

"پھپو وہ مجھے بہت یاد آرہا ہے۔ وہ آج میں نے اس کے لیے بہت دعائیں مانگی ہیں۔"

"کس کے لیے؟" مہ جبیں درد بھرے لہجے میں بولی۔

"فیروز کے لیے پھپو آپ نہیں سمجھتیں میں اسے کتنا یاد کرتی ہوں پھپو وہ اٹھتے بیٹھتے میرے دل میں رہتا ہے مجھے اس کی ایک ایک جنبش یاد آتی ہے اتنا سیدھا اتنا بھولا اتنا معصوم اور پھپو اگر تم اس کا چہرہ دیکھ لیتیں تو یقین کرو اسے دل سے دور نہ کرپاتیں۔ اتنا ہی پیارا تھا وہ اس کی معصومیت اس کے چہرے سے ہم آہنگ معلوم ہوتی تھی۔"

"کون آخر کون؟" وہ مہتاب جہاں کے منہ سے بار بار فیروز کا نام سننا چاہتی تھی۔

"فیروز۔" مہتاب جہاں نے جواب دیا۔

مہ جبیں کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ دیر تک وہ اپنے جذبات پر قابو پائے رہی لیکن بند آنکھوں سے بھی آنسوؤں کے قطرے آہستہ آہستہ باہر رینگتے رہے اور پھر جب مہتاب جہاں نے اسے جھنجوڑا۔

"پھپو پھپو آنکھیں کھولیے آنکھیں کھولیے پھپو۔" تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ رکے ہوئے آنسو ایک دم رخسار پر بہنے لگے اور مہتاب جہاں بھی بے قرار ہوگئی۔

"پھپو مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔ آپ بھی رو رہی ہیں۔ مگر کیوں" مہتاب جہاں نے اسی انداز میں پوچھا اور مہ جبیں کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

"پھپو میری پھپو۔ میری پیاری پھپو خدا کے لیے مجھے بتا دیجیے آپ کیوں رو رہی ہیں؟"

"مجھے بھی تو وہ یاد آرہا ہے مہتاب۔"

"کون پھپو کون یاد آرہا ہے آپ کو؟"

"فیروز۔" مہ جبیں نے جواب دیا اور مہتاب جہاں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کو' آپ' آپ کو بھی فیروز یاد آرہا ہے۔ آپ نے تو پھپو اسے دیکھا بھی نہیں ہے۔"

"مہتاب مجھے وہ بہت یاد آرہا ہے۔" مہ جبیں اب بے اختیار ہوگئی تھی اور مہتاب جہاں حیرت سے اس کا منہ تک رہی تھی۔

فیروز میرا بیٹا ہے میری ہی اولاد ہے۔ مہتاب وہ گھر سے نکل آیا تھا وہ یقیناً پھر اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہوگا۔ مہتاب وہ میرا بیٹا ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا ہے وہ۔"

مہتاب پھٹی پھٹی آنکھوں سے مہ جبیں کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

"پھپو' فیروز آپ کا بیٹا ہے۔"

"ہاں' بیٹھ جا میں تجھے فیروز کی کہانی سنا رہی ہوں۔ میں کب تک اپنے دل کے دروازے بند رکھوں اور پھر تجھ سے زیادہ میرا راز دار اور کون ہو سکتا ہے۔" اور مہتاب جہاں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

*

رؤف خاں اور عظن خاں نے بڑی ہوشیاری سے مہ جبیں کا تعاقب کیا وہ پیچھے پیچھے گئے اور انہوں نے اس عمارت کو دیکھ لیا تھا جس میں مہ جبیں داخل ہوئی تھی۔ عالیشان عمارت تھی اور خاصے لوگ مہ جبیں کے ساتھ اس عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ چنانچہ رؤف خاں اور عظن خاں نے جب وہ عمارت دیکھ لی تو دونوں نے مشورہ کیا۔

"اماں بھیجے اب بتاؤ کیا کریں؟ جگہ تو دیکھ لی ہے' لیکن صرف جگہ دیکھ کر ہی چلے جانا تو کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"تو پھر کیا کرو گے۔" عظن خاں نے پوچھا۔

"یہ چوکیدار نظر آرہا ہے۔ سامنے والی عمارت کے گیٹ پر کیا خیال ہے ہمارے کام کا ہوگا۔"

"اگر نہیں بھی ہوگا تو کام کا بنا لیں گے۔ عظن خاں نے کہا اور دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے چوکیدار کے پاس پہنچ گئے اور رؤف خاں نے اسے سلام کیا۔ چوکیدار نے بڑے خلوص سے سلام کا جواب دیا تھا۔

"بھائی صاحب کیا محمد علی خاں یہیں رہتے ہیں اسی سامنے والی عمارت میں؟"

"نہیں صاحب یہاں محمد علی خاں تو کوئی نہیں رہتے۔"

"لیکن ہم نے انہیں اس عمارت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"نہیں صاحب یہ تو باہر سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ جو یہاں مہمان ہیں۔"

"دیکھو بھائی بات یہ ہے کہ ہم بھی باہر ہی سے آئے ہیں سترھویں شریف کرنے کے لیے اور ہمیں محمد علی خاں کا پتہ چاہیے۔ ہم تمہیں انعام دیں گے اگر تم ہمیں ذرا تفصیل بتا دو کوٹھی تو یہی ہے۔ نمبر بھی یہی ہے مگر وہاں کوئی چوکیدار وغیرہ نہیں نظر آرہا۔"

"صاحب آپ یقین کرو' ہمیں انعام کا لالچ نہیں ہے۔ اللہ دیتا ہے وہی ہمارے لیے کافی ہے' لیکن اس کوٹھی میں محمد علی خاں کوئی نہیں رہتے۔"

"تو پھر یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔"

"یہ صاحب لوگ شمس آباد سے آئے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ شمس آباد کے کوئی نواب ابراہیم صاحب ہیں۔

آباد سے ہے۔"

"شمس آباد سے؟"

"ہاں۔"

"اور مہ جبیں کا ان سے کیا تعلق ہے؟"

"یہ معلوم ہونا تو بہت مشکل کام تھا۔"

"تو پھر کیا معلوم کر کے آئے ہو ذرا یہ بتاؤ؟"

"صرف اتنا معلوم کیا ہے ہم نے چوکیدار سے کہ آنے والے شمس آباد سے آئے ہیں اور اس گروپ کے سربراہ نواب ابراہیم ہیں۔ جو شمس آباد کے رہنے والے ہیں۔ باقی سب ان کے خاندان کے لوگ ہیں۔"

"مہ جبیں بھی۔" خاں صاحب نے تعجب سے پوچھا؟

"ظاہر ہے۔"

"اوہ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ خاں صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے بہت دیر تک خاموش رہے پھر بولے۔

"سمجھ میں نہیں آتا۔ مہ جبیں کا ان لوگوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"اب کیا کہا جا سکتا ہے خاں صاحب؟"

"اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہو سکا رؤف خاں کہ ذرا اس بارے میں اور کچھ معلومات ہو جاتیں۔

"کوشش کر سکتے تھے خاں صاحب' مگر ایک بات سوچ کر یہ ارادہ ترک کر دیا۔"

غاصب یہودیوں سے ہر محاذ پر برسرپیکار سرفروشوں کی لہو رنگ داستان
اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ
جانباز
(۳ حصے)
تحریر: ایم۔ اے راحت
○ سازشوں اور اسلام دشمن کلوشوں کے انکشاف سے پر ایک انوکھی داستان
○ تل ابیب سے تربیت یافتہ موساد کے بھیانک روپ
قیمت: 40 روپے ڈاک خرچ: 15 روپے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا؟"

"مہ جبیں اگر واقعی اپنی مرضی سے ان لوگوں کے درمیان جا کر روپوش ہوئی ہے تو وہ کبھی یہ بات نہیں چاہے گی کہ اس کی کہانی منظر عام پر آئے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات ذہن میں آئی ہے خاں صاحب۔"

"ہاں ہاں بتاؤ بتاؤ۔ وہ کیا؟" خاں صاحب نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آپ خود سوچئے مہ جبیں اس خاندان میں اہل خاندان کی طرح رہ رہی ہے وہ شرفاء ہیں اور جتنا ہمیں معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ نواب وغیرہ بھی ہیں اگر مہ جبیں اپنی اصلیت ظاہر کر دیتی ان لوگوں پر تو کیا وہ اسے رکھتے؟"

خاں صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے' پھر بولے۔ "لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مہ جبیں نے کسی سے تعلق قائم کر لیا ہو؟"

"اب یہ بات تو نہیں معلوم۔"

"حالانکہ وہ ایسی ہے نہیں۔"

"کیا مطلب خاں صاحب کہ وہ ایسی نہیں ہے۔ ہے تو طوائف زادی ہی۔"

"بھتیجے دیکھو ہم بہت زیادہ جانکاری کے دعوے کبھی نہیں کیا کرتے۔ اس عورت میں بہت سی برائیاں ہوں گی لیکن ایک بات ہم جانتے ہیں کہ جب سے ہم نے اس کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ ایک بیٹی اور بیٹے کی ماں ہے اور فیروز کو ایک اچھی زندگی درکار ہے۔ تو ہم نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں شرم و حیا پیدا ہو گئی ہے۔ خیر ہو سکتا ہے کہ ہم غلط سمجھ رہے ہوں اور تم لوگ ہی صحیح کہہ رہے ہو مگر اب یہ بتاؤ کہ آگے کیا کیا جائے۔"

"خاں صاحب اس سلسلے میں آپ ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

دن گزر گیا تھا رات ہو گئی اور رات کو رضوانہ بیگم ان کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد خاں صاحب آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ وہ گہری سوچوں میں تھے۔ رضوانہ بیگم نے شوہر کی مزاج شناسی کافی حد تک حاصل کر لی تھی کہنے لگیں۔

"ایک سوال کروں برا تو نہیں مانیں گے آپ' خاں صاحب چونک کر رضوانہ بیگم کو دیکھنے لگے تھے' پھر ان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی کہنے لگے۔

"نہیں رضوانہ بیگم آپ سے پہلے بھی کہہ دیا تھا ہم نے جو زیادتی ہم سے آپ کے ساتھ ہوئی تھی اس کے نتیجے میں ہم نے آپ پر سو خون معاف کر دیے ہیں۔"

رضوانہ ہنس پڑی کہنے لگی۔ "اللہ نہ کرے' میں بھلا کب کسی کا خون کر سکتی ہوں۔"

"خون مختلف قسم کے ہوتے ہیں رضوانہ بیگم۔ جذبات کا خون سب سے بڑا خون ہوتا ہے۔ انسان کو مار دو مر جائے گا۔ قبر میں سو جائے گا۔ دنیا کی فکروں سے آزاد ہو جائے گا لیکن اگر کسی کو اس کی جذبات کی مار دو تو پھر وہ جیتا رہے گا' اور مرتا رہے گا ہزاروں بار۔"

"ارے نہیں نہیں' بخدا میرا کوئی ایسا ویسا مقصد نہیں تھا میں تو بس بہت دیر سے آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ کچھ پریشان' پریشان سے نظر آتے ہیں درگاہ شریف سے واپسی کے بعد۔"

"ہاں اور یہ ایک اچھی بیوی کی پہچان ہے کہ آپ نے ہماری اس بے کلی اور بے چینی کو محسوس کر لیا۔"

"خدانخواستہ خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے۔" خاں صاحب چند لمحات خاموش رہے پھر بولے۔

"خیال نہیں آیا تھا رضوانہ بیگم کے اس موضوع پر آپ سے بات کی جائے۔ واقعی نصف بہتر والی بات ابھی ابھی یاد آئی ہے۔"

"آپ مجھے بتایئے کاش میں آپ کے کسی کام آسکوں رضوانہ بیگم اپنی جگہ سے اٹھ کر خاں صاحب کے قدموں میں آبیٹھیں۔" خاں صاحب نے کمال مہربانی سے انہیں اپنے قریب بٹھایا اور کہنے لگے۔

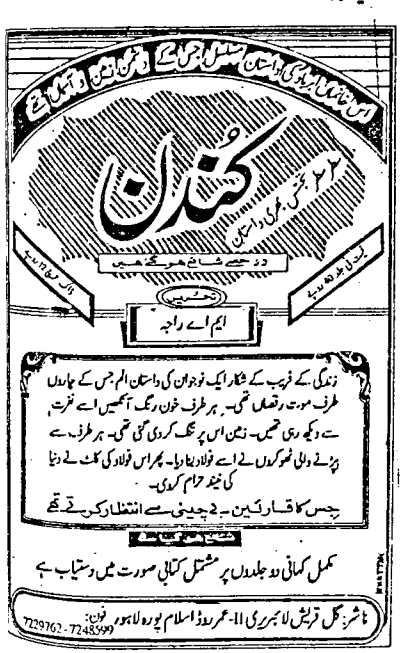
اس خاندان پر بیتی کی داستان مسلسل جس کے دامن میں ہیں
کندن
۲۲ ویں قسط شائع ہوئی ہے
ایم اے راجہ
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے چاروں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے پڑنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریش لائبریری ۱۱- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762 - 7248569

"زندگی کی تقریباً" تمام ہی باتیں آپ کو بتا چکے ہیں رضوانہ بیگم۔ مہ جبیں کے بارے میں بھی تذکرہ کیا ہے نا ہم نے آپ سے؟"

"اڑتی اڑتی سی چند باتیں میرے کانوں تک پہنچیں تھیں لیکن زیادہ نہیں۔"

"ارے توبہ پھر تو یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے ایک انتہائی اہم واقعہ سے آپ کو بے خبر رکھا لیکن آپ یقین کیجئے اس میں بس بے خیالی ہی تھی کوئی اور وجہ نہیں تھی۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"نئی چاؤڑی آنے کے بعد گوناگوں دلچسپیوں سے ہمارا واسطہ رہا۔ وہاں کا ماحول دیکھا وہاں کے لوگ دیکھے ایک بی رونق آرا بیگم تھیں نئی چاؤڑی میں زمانے بھر کی مکار۔ زمانے بھر کی شاطر خاتون۔ تین بیٹیاں تھیں ان کی اور ان میں سب سے بڑی بیٹی کا نام مہ جبیں تھا۔ مہ جبیں کا ایک بیٹا بھی تھا فیروز جس کا ہم آپ سے تذکرہ کر چکے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ فیروز کو تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرا مطلب ہے جتنا آپ نے بتایا ہے۔"

"بس یوں سمجھو رضوانہ بیگم کہ فیروز میں ہم نے اپنے آپ کو دیکھا۔ بہت دور تک دیکھا اور سوچا ہم نے۔ ہم طوائف زادے تھے۔ ایک طوائف کے ہاں پیدا ہوئے تھے ہم اگر ہمارے والد نواب کاظم علی خاں اس طوائف سے نکاح نہ کر لیتے تو ہماری زندگی فیروز سے مختلف نہ ہوتی ہم بھی کسی بالا خانے کے پروردہ ہوتے۔ دوسروں کی آنکھیں دیکھتے ان کی خدمت گزاری کرتے اور زمانے کی ٹھوکریں کھاتے۔ فیروز کو ہم نے ایسا ہی پایا' اتنا حسین اتنا پیارا اتنا خوبصورت بچہ کہ بس دیکھو اور دیکھتے رہو۔ ہم نے سوچا کہ ہمارے باپ نے کم از کم ہماری ماں سے شادی تو کر لی تھی اور ہم اپنے ماں باپ کی ناجائز اولاد نہیں تھے لیکن وہ بے چارہ زمانے کی ٹھوکروں میں پلے بڑھے گا اور ساری ہی زندگی زمانے کی ٹھوکروں میں گزار دے گا۔ ہم نے اس کی نگرانی کی ذمے داری سنبھال لی۔ تعلیم و تربیت دلائی اسے اور کچھ ایسے واقعات پیش آئے رضوانہ بیگم کہ ہماری انگریز سے ٹھن گئی۔ فیروز کو طوائف زادہ قرار دے کر اسے دلی کے ایک بڑے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔ ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی کیونکہ ہم نے فیروز کی ولدیت میں اپنا نام لکھوایا ہوا تھا اور ہم نے اس اسکول کو ہی جلا کر راکھ کر دیا۔ مجرم قرار پائے اور ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑا۔ راستے میں ریل کا حادثہ ہوا اور اس حادثے میں فیروز ہم سے جدا ہو گیا بس کیا بتائیں رضوانہ بیگم۔ ہمیں اس کی زندگی کی خبر تو مل گئی ہے لیکن نجانے کتنے عرصے تک ہم اس کے لیے تڑپتے رہے ہیں۔ رضوانہ بیگم مہ جبیں اسی فیروز کی ماں تھی۔ ہم نے کئی بار اسے بلایا اور سرزنش کی کہ دیکھ تیرا بیٹا ہے اور ایک بیٹی بھی ہے ان کے لیے اپنے آپ کو سنبھال ہم تجھے بہتر زندگی کی ضمانت دیں گے اور کچھ نہیں کر سکے تیرے لیے تو کم از کم اتنا ضرور کر دیں گے کہ تجھے رہنے کے لیے جگہ دے دیں۔ اپنا کوٹھا چھوڑ دے اور ہماری پناہ میں آجا' کہیں نہ کہیں تیرا بندوبست کر دیں گے۔ جو تیرے لیے نہیں فیروز کے لیے ہو گا۔ دل سے آمادہ تھی وہ کم بخت' مگر ایک مرض کا شکار تھی۔ فیروز کے باپ کو اس نے زندگی میں پہلی بار ایک مرد کی حیثیت سے دیکھا تھا اور اس کی چاہت کا دم بھرتی تھی اس کے لیے جی رہی تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ طوائف کے کوٹھے پر پروان چڑھ رہی تھی اور وہاں کے مزاج سے الگ نہیں ہو سکتی تھی پھر یہ ہوا کہ اس حادثے کے بعد فیروز تو گم ہو گیا۔ ہم بھی بہت عرصے تک مارے مارے پھرتے رہے پھر ہمارے ایک انگریز دوست نے ہماری مدد کی اور سارا معاملہ ہموار کرا دیا۔ ہم تو واپس آگئے نئی چاؤڑی لیکن فیروز کا کہیں پتا نہ چل سکا۔ بعد میں پتا چلا کہ مہ جبیں نے بھی کوٹھا چھوڑ دیا ہے اور اپنی ننھی سی بچی کو شانے سے لگا کر کہیں چلی گئی ہے۔ بڑے لمبے قصے ہیں رضوانہ بیگم۔ مہ جبیں جانتی ہو کس سے محبت کرنے لگی تھی اور فیروز کس کا بیٹا تھا۔"

"نہیں' مجھے نہیں معلوم۔"

"منجو ماموں۔ میرا مطلب ہے نواب فاخر علی خاں کے تین بھائی ہیں۔ عامر علی' ناصر علی اور شاہ رخ۔ فیروز شاہ رخ کا بیٹا تھا۔"

"ایں؟"

"ہاں۔"

"یعنی یعنی...؟"

"ہاں۔ خاں صاحب مسکرا کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔" پھر بولے۔ "قسمت نے کچھ عجیب کھیل کھیلا۔ رضوانہ بیگم منجو ماموں نے بھری محفل میں ہم پر کیچڑ اچھالی اور ہمارے بارے میں جو انکشاف کیا اس سے ہم دلبرداشتہ ہو گئے اور ہم نے اتنا عرصہ بن باس لے کر گزارا لیکن ہمیں تفصیلات معلوم ہوئیں کہ منجو ماموں کا اپنا بھائی جسے وہ دل و جان سے چاہتے تھے اس مشکل کا شکار ہو گیا اور اس طرح شکار ہوا کہ اپنا ذہنی توازن ہی کھو بیٹھا ہم نے منجو ماموں کو ساری تفصیل بتا دی۔ دل پر گہرا گھاؤ لے کر گئے وہ۔ خیر یہ ساری باتیں اپنی جگہ' فیروز کی وجہ سے ہمیں مہ جبیں سے بھی الفت تھی اور ہم اس بے چاری کو بھی عزتی کی زندگی سے نجات دلانا چاہتے تھے لیکن ہمیں اس کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ ابھی ہم نے سترھویں شریف میں مہ جبیں کو دیکھا ہے اسے دیکھنے کے بعد ہمارے دل میں بہت سے زخم تازہ ہو گئے ہیں۔ بچہ فیروز سے ہمیں اس طرح الفت ہے جس طرح اپنی سگی اولاد سے ہو سکتی ہے اس کے لیے اتنے بے چین ہیں ہم رضوانہ بیگم کہ بیان نہیں کر سکتے۔ ہم نے محسن خاں' مرزا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاں کو مہ جبیں کے تعاقب کے لیے بھیج دیا اور وہ دونوں یہ پتا لگا کر آگئے کہ وہ کہاں ہے؟"

"تو پھر؟"

"رؤف خاں اور عثمان خاں کا کہنا ہے کہ ایک نواب ابراہیم خاں ہیں جو بمبئی آباد سے آئے ہیں سترھویں شریف کرنے کے لیے ایک کوٹھی میں کرائے پر رہ رہے ہیں۔ مہ جبیں انہی کے ساتھ ہے۔"

"گویا معلومات حاصل ہو گئیں آپ کو کہ مہ جبیں ان لوگوں کے ساتھ ہے۔"

"ہاں معلومات تو حاصل ہو گئی ہیں۔"

"تو پھر اب پریشانی کیا ہے۔ میرا خیال ہے ان کی واپسی سے پہلے آپ فوراً مہ جبیں سے ملاقات کر لیجیے اور ان سے کہیے کہ فیروز کا پتا بھی چل گیا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر مہ جبیں نے وہاں کسی سے شادی کر لی ہو اپنے بارے میں کسی کو بتائے بغیر اور ہمارے ذریعے راز کھل جائے تو؟"

"مگر راز کھلے گا ہی کیوں؟"

"تو پھر کیا کریں گے؟"

"میں اور آپ چلتے ہیں۔ میں صاف صاف کہہ دوں گی کہ مہ جبیں میری بہن ہے رشتے کی بہن، وہ مجھے نہیں جانتی لیکن میں اسے جانتی ہوں پھر جب اس کے بہنوئی یعنی آپ اس کے سامنے آئیں گے تو وہ سمجھ جائے گی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔"

"بات اچھی ہے رضوانہ بیگم، لیکن اگر اس نے انہیں بتا دیا ہو کہ وہ طوائف زادی ہے تو؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ مجھے بھی اس کی بہن ہی سمجھ لیں گے ناں۔ یعنی طوائف زادی۔"

"ارے ارے نہیں خدا نہ کرے۔ تم۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ میں اس کام کے لیے خلوص دل سے تیار ہوں۔"

"مگر وہ کیسی نگاہوں سے دیکھیں گے تمہیں۔" خاں صاحب نے کہا۔ رضوانہ بیگم بولیں۔

"مجھے جیسی بھی نگاہوں سے دیکھیں میرے اوپر اس سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ مجھے تو صرف آپ کی نگاہوں میں عزت درکار ہے۔ باقی ساری دنیا سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ رضوانہ بیگم نے کہا اور خاں صاحب پھٹی پھٹی نگاہوں سے رضوانہ بیگم کو دیکھنے لگے پھر انہوں نے اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے شروع کر دیے اور رضوانہ بیگم نے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔"

"سوچ رہے ہیں کتنے بڑے گدھے ہیں ہم۔ خوامخواہ دوسروں کی مصیبت ایسی عورت پر لاد دی تھی جو نیکیوں کا پہاڑ ہے۔ رضوانہ بیگم تمہارے ان جملوں نے ہمارے دل پر جو اثر کیا ہے۔

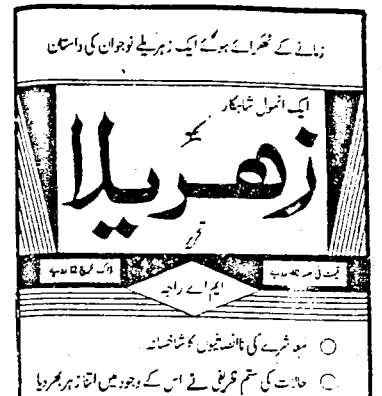
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راحت
سوشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا
کہ اس کی ہر سانس مسموم ہوتی
پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریش لائبریری لاہ- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
7229762 - 7248599: فون

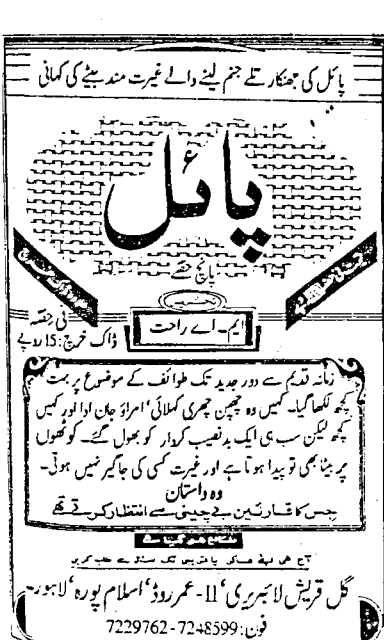
پائل کی جھنکار تلے جنم لینے والے غیرت مند بیٹے کی کہانی
پائل
پانچ حصے
ایم۔ اے راحت
ڈاک خرچ: 15 روپے
زمانہ قدیم سے دور جدید تک طوائف کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ کہیں وہ چھن چھری کہلائی، امراؤ جان ادا اور کہیں کچھ لیکن سب ہی ایک بدنصیب کردار کو بھول گئے۔ کوٹھوں پر پیدا بھی تو پیدا ہوتا ہے اور غیرت کسی کی جاگیر نہیں ہوتی۔
وہ داستان
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
آج ہی اپنی کاپی بک کروائیں
گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور
7229762 - 7248599: فون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بخدا بتا نہیں سکتے۔"

"ٹھیک ہے تو کل پھر یہی کرتے ہیں۔" خاں صاحب نے مطمئن ہو کر کہا۔

✱

حاجی عبداللہ اور ڈاکٹر فیاض مراد آباد پہنچ گئے۔ فیروز سے انہوں نے کارخانے میں ہی ملاقات کی تھی اور فیروز انہیں دیکھ کر بے حد مسرور ہوا تھا اس نے کہا۔

"کیا آپ سیدھے تشریف لا رہے ہیں؟"

"ہاں عزیزم ہمارا سامان وغیرہ بھی باہر رکھا ہوا ہے۔"

"میں ابھی آپ کو کوٹھی پہنچوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"نہیں اتنی جلدی نہیں ہے۔ ذرا تمہاری اجازت سے کارخانہ دیکھنے کا موقع مل جائے تو۔" فیروز ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اچھی بات کہی ہے آپ نے حاجی صاحب میری اجازت سے۔"

"نہیں میاں یہ تو ایک حقیقت ہے مراد آباد میں ہمارا جو کچھ بھی کاروبار پھیلا ہوا ہے اس کے اصل مالک اب تم ہی ہو میں غاصب اور لالچی قسم کا آدمی نہیں ہوں اور نا ہی کسی کو خوش کرنے کے لیے کچھ کہتا ہوں جو میرے دل میں ہے وہ میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں حاجی صاحب میں مالک ہوں ان تمام چیزوں کا اور مجھ پر ان کے مکمل تحفظ کی ذمے داری ہے بہرحال آیئے آپ کو معاینہ کراؤں۔"

کارخانوں کا جائزہ لیا گیا۔ بڑی برق رفتاری سے کام ہو رہا تھا۔ خوب پروڈکشن ہو رہی تھی۔ حاجی صاحب نے حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تو دعائے مغفرت کرتے ہیں کابلی خاں کے لیے جس نے ایک ایسا ہیرا ہمیں دے دیا جس کی چمک نے ہماری زندگی منور کر دی ہے۔ میں خلوص دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں فیروز۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی خاص وجہ سے ان کارخانوں کا جائزہ لے رہا ہوں ہندوستان بھر سے مجھے اپنے کارخانوں کی ساکھ کے بحال ہو جانے کی اطلاعات ملتی رہی ہیں اور میں خوشی سے پھولا نہیں سمایا ہوں بس اس وقت تم سے ملنے کو بڑی شدت سے جی چاہا تو میں اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکا اور یہاں چلا آیا۔"

"میں آپ کو خلوص دل سے خوش آمدید کہتا ہوں حاجی صاحب بلکہ یہ اچھا ہوا ورنہ مجھے کارخانے چھوڑ کر آنا پڑتا اور یہاں کی طرف سے دل فکرمند رہتا۔"

"چلو ٹھیک ہے ہم آ گئے۔ کیا کوئی خاص بات تھی؟"

"بس خاصا عرصہ ہو گیا ہے حسابات وغیرہ بھی پیش کرنے تھے۔ آیئے اب گھر چل کر ہی باتیں ہوں گی۔ فیروز ان دونوں کو بڑے اہتمام سے کوٹھی لے آیا۔ بہت عزت و احترام سے ٹھہرایا۔ کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست کیا اور اس کے بعد ان سے گفتگو ہونے لگی۔ فیروز نے اپنے طور پر حاجی صاحب کو کارخانوں کی کارکردگی کی تفصیل بتائی۔ حسابات کے رجسٹران کے ساتھ رکھ دیے۔" اور حاجی صاحب ہنس کر بولے۔

"بھئی ڈاکٹر فیاض اب ان فیروز میاں کو سمجھاؤ کہ وہ ہمیں ذلیل نہ کریں ہم یہاں کوئی حسابات چیک کرنے آئے تھے؟"

"مجھے خوشی ہوگی حاجی صاحب کہ اس اعتماد کو بحال رکھتے ہوئے آپ ان تمام چیزوں پر ایک نگاہ ڈال لیں ہاں کچھ اور کام بھی ہیں جو آپ کی موجودگی میں ہی سرانجام دینے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"اصل میں ہمارے حریف یہاں ناصر علی اور عامر علی تھے ابتدا میں انہوں نے خوب ہتھکنڈے استعمال کیے۔ ہمیں چت کرنا چاہا لیکن خدا کا احسان ہے کہ میں ان کے بس میں نہیں آیا اور میں نے ان کے ہر ہتھکنڈے کو ناکام بنا دیا اور بالآخر وہ مجھ سے مفاہمت پر آمادہ ہو گئے ان کے سب سے بڑے بھائی نواب فاخر علی خاں ہیں انہوں نے بھی مجھ سے ملاقات کی اور جب ان لوگوں نے مجھ سے مفاہمت کی بات کی تو میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ حاجی صاحب کا جو نقصان ہوا ہے اس کی ادائیگی آپ حضرات کو کرنا ہوگی اور وہ تاوان کی ادائیگی کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔"

"ارے نہیں۔ کیا واقعی؟"

"جی اور اب اس سے زیادہ پرمسرت بات اور کوئی نہیں ہے کہ یہ تاوان آپ اپنے ہاتھوں سے وصول کریں۔"

"ان لوگوں نے تاوان کی ادائیگی قبول کر لی ہے۔"

"ہاں۔"

"بس اتنا کافی ہے فیروز میاں۔ انہیں اپنی زیادتی کا احساس ہو گیا۔ نواب فاخر علی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ واقعی خاندانی نواب ہیں ویسے ان معاملات میں ان کا ہاتھ بھی نہیں ہے۔ کاروبار بھائیوں کے ہاتھوں میں ہے اور نوجوان لڑکے نئے زمانے کے حساب سے کام کر رہے ہیں اگر انہوں نے شکست قبول کر لی ہے تو بس۔ ہمیں تاوان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں حاجی صاحب مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

"کیا؟"

"ہمیں تاوان وصول کرنا چاہیے۔ کاروبار میں دل کے معاملے نہیں چلتے۔"

"عجیب لگے گا یہ سب۔" حاجی صاحب بولے۔

"انہوں نے ہمیں کھلا کھلا نقصان پہنچایا ہے۔ بدمعاملگی کی ہے۔ یہ وہ رقم ہے جو انہیں وصول ہو چکی ہے۔"

"تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دینا چاہتا۔ بس میرا دل نہیں چاہتا تھا۔ خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ مراد آباد میں دل لگ گیا۔"

حاجی صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہ سب کچھ میرے لیے نیا ہے۔ اسے کرتے ہوئے بہت اچھا لگتا ہے۔ اس کے علاوہ۔ فیروز ایک لمحے کے لیے رکا۔ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔" اس کے علاوہ کچھ اور ایسے عوامل بھی ہوئے ہیں جو میرے لیے حیران کن ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"آپ لوگوں سے حاجی صاحب۔ آپ نے اور ڈاکٹر فیاض نے ان برے لمحات میں مجھے ایک باعزت سہارا دیا ہے جب دنیا میرے لیے خالی پڑی تھی۔ جس طرف نگاہ اٹھاتا تھا۔ بیگانے نظر آتے تھے۔ کوئی اپنا نہیں دکھائی دیتا تھا اگر آپ لوگ میرے راہبر نہ بنتے تو نہیں کہہ سکتا کہ میرا رخ کدھر ہو جاتا ممکن ہے اس زمانے کے مزاج کے مطابق میں جرائم کی طرف راغب ہو جاتا۔ کوئی اڈا بناتا اور حوالریوں کو جمع کر کے غنڈہ گردی کرتا جبکہ میں یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرا ایک محسن' میرا راہنما نہیں چاہتا تھا اور پھر حاجی صاحب میرے دل کے بھی کچھ تقاضے تھے۔ کیا کروں انسان تو ہوں۔ کچھ لوگوں کی تقدیر میں گندی نالیاں ہوتی ہیں حالانکہ وہ ان نالیوں میں نہیں رہنا چاہتے لیکن زمانہ انہیں وہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ میں بھی انہیں میں سے ہوں۔ زندگی کی دوڑ سے لڑ رہا ہوں مگر کوشش یہی ہے کہ میں کسی طرح رینگ کر اس گندی نالی سے نکل آؤں۔" فیروز جذباتی ہو گیا تھا۔ دونوں اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"مجھے محبت بھی ہو گئی ہے کسی سے۔ دیوانگی ہی ہے۔ اپنی اوقات بھول کر انسانوں جیسی زندگی اپنانا چاہتا ہوں۔ کچھ چاہتا ہوں حاجی صاحب لیکن کیسے کروں سمجھ میں نہیں آتا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے کچھ کیا ہے۔ کیا تمہیں احساس ہے فیروز کہ ہمارے دل میں تمہارے لیے کیا ہے۔"

"ہاں' مجھے احساس ہے لیکن خوف بھی ہے۔"

"خوف؟"

"ہاں ڈاکٹر فیاض خوف۔"

"وہ خوف کیا ہے فیروز۔"

"وہ خوف یہ ہے کہ مگر۔"

"ایک منٹ رک جاؤ اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم ایک طوائف زادے ہو' اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نئی چاوڑی میں رونق آرا کے کوٹھے پر پیدا ہوئے تھے تو یہ ہمیں معلوم ہے اور یہ معلوم ہونے کے بعد ہمارے دل میں تمہاری چاہت اور تمہاری عظمت اور بڑھ گئی فیروز۔ ہم نے اپنے دل میں تمہارا مقام پہلے سے زیادہ محسوس کیا تھا کیونکہ تم نے اس ماحول کی گندگی کو قبول نہ کر کے اپنے لیے عزت کی دنیا حاصل کرنا چاہی تھی۔ انسان کسی بھی طرح عالم وجود میں آئے۔ وہ انسان ہوتا ہے۔ معصوم اور بے ضرر بہت اچھے گھرانوں میں پیدا ہونے والے بہت برے انسان بن جاتے ہیں لیکن کوئی برائی کی طرف سے اچھے راستے کی طرف سفر کرے تو وہ عظیم ہوتا ہے۔ تمہاری عظمت مشکوک نہیں ہے فیروز۔ ہم نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد ہی تمہیں اپنے دلوں میں یہ مقام دیا ہے۔ ہاں اس کے علاوہ اگر تمہاری کوئی مشکل ہے تو وہ ہمیں بتا دو۔ ہم اس محبت کے رشتے سے جو تمہارے لیے ہمارے دلوں میں ہے تمہارے مشکل دور کرنے کی دل و جان سے کوشش کریں گے۔" ڈاکٹر فیاض نے کہا۔

"اس کے علاوہ فیروز۔ تم نے میری مقلوم بیٹی کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کے لیے ہمارا رواں رواں تمہارا احسان مند ہے۔" حاجی عبداللہ نے کہا۔

فیروز پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس پر سکتا طاری ہو گیا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی کیفیت میں رہا پھر بمشکل بولا۔

"آپ لوگوں کو یہ سب کچھ معلوم تھا؟"

"ہاں۔ بعد میں معلوم ہو گیا تھا۔"

"کب؟"

"جب میں تمہاری دماغی حالت درست کرنے میں ناکام رہا۔ مجھے ایک ذریعہ حاصل ہو گیا تھا۔"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا ڈاکٹر فیاض کہ آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا اس کے بعد آپ سے غلط بیانی کر کے میرے دل پر کچوکے لگتے تھے۔"

"غلط بیانی؟"

"ہاں۔ آپریشن کے بعد مجھے اپنا ماضی یاد آ گیا تھا۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں کون ہوں لیکن میں آپ کو بتانے کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔"

"اب مجھے اندازہ ہو گیا ہے اس بات کا لیکن بیٹے۔ میں تم سے اپنے نظریات بیان کر چکا ہوں۔"

"یہ آپ لوگوں کی عظمت ہے۔"

"نہیں یہ تمہاری عظمت ہے۔"

"میری داستان بہت طویل ہے ڈاکٹر صاحب۔ مختصر یہ ہے کہ میری نخوبی یہاں آ گئی ہیں۔"

"کون؟"

"رونق آرا بیگم۔"

"اوہو۔ کیا واقعی؟ اور تمہاری ماں؟"

"باجی کھو گئی ہے۔" فیروز سسکی سی لے کر بولا۔

"کہاں؟" ڈاکٹر فیاض نے پوچھا اور فیروز نے انہیں اپنی زندگی کی پوری کہانی سنا دی۔ اس نے انہیں خاں صاحب اور دوسرے تمام لوگوں کے بارے میں بتا دیا آخر میں بولا۔

"یہاں تقدیر نے ایک اور شوشہ چھوڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کیا؟"

"نواب فاخر علی خاں میرے تایا ہیں عامر اور ناصر علی خاں بھی میرے چچا ہیں۔"

"ارے... وہ کیسے؟"

"یہ انکشاف بھی نواب فاخر علی خاں نے کیا ہے۔ میں ان کے بھائی شاہ رخ کی اولاد ہوں۔"

"وہ تسلیم کرتے ہیں؟"

"ہاں۔" فیروز نے کہا اور حاجی صاحب اور ڈاکٹر فیاض سکتے میں رہ گئے پھر حاجی صاحب نے کہا۔

"دیکھو فیروز میاں۔ ہم مسلمان ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے وہی ٹھیک ہوتا ہے۔ ہماری جدوجہد ہمیشہ نیکیوں کے لیے ہونی چاہیے باقی صلہ دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ جو کچھ تم نے کیا ہے اسے جاری رکھو اور باقی اللہ پر اور اپنے ہمدردوں پر چھوڑ دو۔ تم نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے اب ہمیں اپنے لیے کچھ کرنے دو۔"

فیروز نے سر جھکا لیا تھا۔

رات کو حاجی عبداللہ اور ڈاکٹر فیاض دیر تک مشورے کرتے رہے تھے۔ صبح کو حاجی صاحب نے کہا۔ "فیروز میاں عامر علی وغیرہ سے کوئی بات ہوئی ہے۔"

"انہیں پیغام جا چکا ہے کہ وہ تاوان کی رقم لے کر آجائیں۔ وہ گیارہ بجے آئیں گے۔"

"اوہ۔" حاجی صاحب نے کہا اور خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر ڈاکٹر فیاض نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کل تم سے جو گفتگو ہوئی تھی فیروز اس میں تم نے کچھ ایسے الفاظ کہے تھے جن کی وضاحت بڑی ضروری ہے۔ دیکھو بیٹے بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے درمیان عمر کے لحاظ سے ایک رشتے کا تعین ہو گیا ہے لیکن کوئی ایسی درمیانی شخصیت نہیں ہے جس سے ہم جو باتیں براہ راست نہ کر پائیں اس کے ذریعے کر لیں۔ اب یہ مجبوری آڑے آگئی ہے لیکن بیٹے بعض اوقات کچھ چیزوں سے واقفیت نہایت ضروری ہو جاتی ہے۔"

"میری بھی بدقسمتی ہے ڈاکٹر فیاض صاحب کہ اپنی بے کسی کی داستان کسی سے بھی نہیں کہہ سکتا' کوئی ایسا سننے والا ہی نہیں ہے جو مجھ سے اظہار ہمدردی کرے۔ یہ تو آپ لوگوں کی عنایت ہے بلکہ ابھی تو آپ لوگوں کے رخصت ہو جانے کے بعد میں اس بات پر غور کروں گا کہ وہ کونسی نیکی کی ہے میں نے جس کی بنیاد پر مجھے آپ جیسے نفیس لوگ مل گئے تو بات درمیانی فرق کی ہو رہی تھی۔ بھلا میری بھی کوئی شخصیت ہے جس کا کوئی معیار بنا کر میں اپنی زبان بند رکھوں۔"

"نہیں فیروز کبھی اس انداز میں مت سوچنا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم اخلاقاً یا اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کر کے تمہیں اپنی نگاہوں

ایک حریں نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر و غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

سیما غزل

کے سحر انگیز تاریخی ناولٹ کی کہانیاں ڈائجسٹ کا لازمی سلسلہ

ایک اور پُرتحیر، سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی۔

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

الیہ ناک المیہ تعزیہ

آپ کو لرزہ براندام کر دے گا۔

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

شائع ہو گیا

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762-7248599

میں ایک باعزت مقام دے رہے ہیں تو دیکھو بیٹے زندگی لاتعداد مراحل سے گزرتی ہے اور انسان کتابی تعلیم یافتہ ہو جائے یا اپنی عمر کے مختصر لمحات میں کیسے ہی شدید تجربات سے گزر جائے۔ جو تجربہ عمر دیتی ہے وہی مستحکم ہوتا ہے۔ میں اپنی عمر کے اس تجربے سے کہتا ہوں کہ تمہاری ذات میں جو ایک شخص پوشیدہ ہے وہ بڑے بڑے اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغوں سے بلند تر ہے۔ ہم پر اعتماد کرو۔ ہمیں اپنا اعتماد دو اور اگر یہ ابھی مشکل محسوس ہو رہا ہے تو وہ ترکیب بتاؤ ہمیں جس سے ہم تم پر یہ ظاہر کر سکیں کہ ہم تمہیں اپنے آپ سے کسی طور جدا نہیں سمجھتے۔ میرے اہل خاندان' حاجی صاحب کے اہل خاندان' خواتین' لڑکیاں وہ سب یوں سمجھ لو تمہارے اپنے ہیں۔ تمہارے بہن بھائی ہیں۔ میں فخر سے کہیں بھی کسی بھی جگہ تمہیں اپنا عزیز کہنے سے گریز نہیں کروں گا اور کیا ہو سکتا ہے تمہیں یہ باور کرانے کے لیے کہ ہم تمہیں اپنے ذہنوں میں انتہائی اعلیٰ مقام دے چکے ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ کے یہ الفاظ میرے لیے نئے زندگی کے حامل ہیں۔"

"تو پھر ایک وعدہ کر لو اور یہ میرا ایمان ہے کہ اگر تم کوئی وعدہ کر لو گے تو اس کی تکمیل کے لیے جان کی بھی پروا نہیں کرو گے۔"

"جی فرمایئے۔"

"ہم پر مکمل اعتماد کرنا۔ مکمل اور اب کبھی یہ الفاظ مت ادا کرنا جو تم اپنی زبان سے ادا کر چکے ہو اپنی خو کو فخر کے ساتھ ہم سب کے درمیان لاؤ۔ انہیں ہم سے روشناس کراؤ ارے اچھی زندگی کی جانب آئے ہیں یہ لوگ ان کی پذیرائی ہونی چاہیے ورنہ انہیں پھر فائدہ کیا ہو گا۔ اچھی زندگی اپنا گران کا اپنا ایک معیار تھا ایک مقام تھا۔ معاشرے کی نگاہوں میں اب وہ جو کچھ بھی ہے لیکن انہوں نے کوشش تو کی اپنے اس مقام کو بہتر بنانے کے لیے۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب بڑے حوصلہ افزا الفاظ ہیں۔"

"تو پھر میں وہ سوال کروں جو میرے دل میں موجود ہے۔ وعدہ کرتے ہو جواب دو گے؟"

"جی وعدہ کرتا ہوں۔" فیروز بہت زیادہ نرم ہو گیا تھا۔

"تم نے کچھ الفاظ کہے تھے بیٹے۔ تم نے کہا تھا تم بھی کسی سے محبت کرتے ہو' کسی کو چاہتے ہو کسی کو اپنانا چاہتے ہو' لیکن اپنی حیثیت سے گریز کرتے ہو۔"

"جی۔"

"کون ہے وہ؟"

"کیا کریں گے آپ یہ جان کر؟"

"نہیں' یہ وعدہ خلافی ہو جائے گی۔ سوال کا صرف جواب ہوتا ہے اور وعدہ کرنے کے بعد وہ جواب دینا ضروری ہے۔" فیروز پر خیال انداز میں خلا میں گھورنے لگا پھر اس نے کہا۔

"ذہنی طور پر غیر متوازن ہو گیا تھا اس حادثے کے بعد' ہوش و حواس ضرورت سے زیادہ بگڑے ہوئے تھے۔ ٹرین میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ نام تھا نواب توقیر' نیک نفس انسان تھے۔ بارہ بنکی لے گئے اپنی حویلی میں۔ پورا گھرانہ آباد تھا وہاں ان کا۔ مجھے ساتھ رکھا اتنی چاہت اور اتنا پیار دیا کہ میری ابتدائی حالت وہیں سدھر گئی۔ ان کے ایک صاحبزادے زاہد حسین بھی تھے ویسے تو اس گھر میں ان کے لیے اور صاحبزادے بھی تھے۔ ان کی اولادیں تھیں۔ زاہد حسین کی بیٹی مہتاب جہاں نے دوسرے لوگوں کی طرح مجھے نفرت اور تحقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھا وہ ایک سادہ لوح اور معصوم فطرت لڑکی تھی۔ نمازی پرہیز گار اس نے مجھ سے الفت کی ابتدا اس طرح کی کہ مجھے نماز سکھانے لگی۔ مجبور کر کے نماز پڑھواتی رہی۔ میرے ذہن میں اس کے لیے عقیدت تھی' لیکن جب اس کے ساتھ میری وجہ سے زیادتی شروع ہوئی تو یہ عقیدت محبت میں تبدیل ہو گئی۔ یہ نام اسی نے مجھے بتایا تھا اور اسی نے مجھے محبت کرنا سکھایا تھا۔ ایک پاکیزہ اور ہر قسم کے سفلی جذبات سے دور کی محبت اور پھر میں نے اپنے کانوں سے سنا اس نے اپنے اہل خاندان سے کہا کہ وہ مجھ فیروز سے محبت کرتی ہوں اسے چاہتی ہوں۔ گھر کے لوگ اس سے منحرف ہو گئے۔ توقیر صاحب ان میں سے نہیں تھے۔ میرا دفاع کرتے رہے لیکن لوگوں کی نفرتیں غالب آگئیں مجھے گھر سے نکال دیا گیا۔ زخمی کر دیا گیا بلکہ ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ تقدیر یاور تھی کہ بچ گیا' لیکن مہتاب جہاں اب بھی میرے سینے میں ہے میں بارہا یہ سوچ چکا ہوں کہ اگر تقدیر مجھے موقع دے۔ دنیا سے جھوٹ بولنا پڑے تو جھوٹ بول کر میں اپنے آپ کو ایک باعزت مقام دوں صرف مہتاب جہاں کے حصول کے لیے اور جب مہتاب جہاں مجھے حاصل ہو جائے تو میں دنیا کی ذرا بھی پروا نہ کروں۔"

"ہوں' اور تمہارا کیا خیال ہے اگر مہتاب جہاں کو یہ بات محسوس ہوئی تو اس پر کیا ردعمل ہو گا؟"

"وہ آسمان کی مخلوق ہے۔ زمین والوں سے بہت مختلف۔ وہ صرف پیکر محبت ہے اس کے اندر کسی کے لیے نفرت کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔"

"گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں خلوص دل سے قبول کر لے گی۔"

"ہاں مجھے یقین ہے بالکل اسی طرح ڈاکٹر صاحب جیسے آپ یہاں موجود ہیں۔

بہت دیر تک اس موضوع پر باتیں ہوتی رہی تھیں پھر عامر علی اور ناصر علی کی آمد کی اطلاع ملی۔ حاجی عبداللہ ڈاکٹر فیاض اور فیروز نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا تھا۔

حاجی صاحب کو دیکھ کر عامر اور ناصر کے چہرے اتر گئے تھے لیکن حاجی صاحب نے انتہائی گرمجوشی سے انہیں آگے بڑھ کر گلے لگایا سب کی خیریتیں پوچھیں۔ اندر آئے چائے وغیرہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عامر اور ناصر شرمندہ شرمندہ سے تھے۔ حاجی صاحب کہنے لگے۔

"بھئی بچو سناؤ کاروبار کیسا چل رہا ہے؟"

"ٹھیک ہے حاجی صاحب لیکن صبح کے بھولے تھے شام کو گھر واپس آگئے ہیں۔"

"دیکھو بچو اگر مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو تو الگ بات ہے کر لو شرمندہ اور اگر ایسا خیال دل میں نہیں ہے تو جو لمحات گزر چکے ہیں ان کا تذکرہ نہ کرو باقی باتیں بتاؤ کیسی گزر رہی ہے میرے لیے کوئی خدمت بتاؤ۔"

ہم گناہ کرتے رہے ہیں یہ گناہ ہمیں نہیں کرنا چاہیے تھا' بہرحال معافی مانگ رہے ہیں اور آپ کی فراخدلی سے یہ یقین ہے کہ ایک بار اپنی زبان سے کہہ دیں گے کہ ہاں آپ نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔"

"اگر اس میں تمہاری خوشی ہے اور یہ الفاظ ضروری سمجھتے ہو تو میں خلوص دل سے تمہیں معاف کر رہا ہوں خدا کے لیے اس کے بعد اور کوئی لفظ نہ کہنا اس سلسلے میں۔"

"حاجی صاحب اس وعدے سے پہلے یہ قبول فرمایئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عامر علی نے رومال میں لپٹے ہوئے نوٹوں کے انبار حاجی عبداللہ کے سامنے رکھ دیے۔

"یہ کیا ہے؟" حاجی صاحب نے پوچھا۔

"وہ تاوان' وہ نقصان جو ہماری وجہ سے آپ کو ہوا۔"

"اچھا اچھا ہاں فیروز میاں نے اس کا تذکرہ کیا ہے مجھ سے' انہوں نے کہا ہے کہ آپ لوگ یہ رقم ادا کرنے پر تیار ہو گئے ہیں اچھا بچو بات سنو' ابھی تم نے میری زبان سے کہلوایا ہے کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا' بیٹے جب انسان کسی کو معاف کر دیتا ہے پھر ان دنیاوی چیزوں کے چکر میں نہیں پڑتا' اب تم یہ بتاؤ کہ تم سے یہ تاوان وصول کر کے میرا ضمیر مجھ سے کیا کہے گا۔"

"فیروز۔" عامر علی نے فیروز سے پوچھا۔

"بات ختم ہو گئی عامر علی خان صاحب' اب اس رقم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے' آپ براہ کرم اسے رکھ لیجئے گا۔"

عامر نے نوٹوں کے بنڈل واپس لے کر عامر علی کو دے دیے تھے' نامر علی نے عجیب سی نگاہوں سے فیروز کو دیکھا فیروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ حاجی عبداللہ نے کہا۔

"اب یہ موضوع ختم ہوا' فاخر علی خان صاحب کی خیریت بتائیے وہ تو خیریت سے ہیں' ملاقات کرنا چاہتے تھے ان سے؟"

"بھائی جان کسی کام سے رام پور گئے ہوئے ہیں شاید واپسی میں کچھ وقت لگ جائے۔"

مشہور زنانہ ناولوں کی تلاش کا پہلا دور — پہلے کے واقعات

نروان کی تلاش

رومانی سوشل

(زیر طبع)

ایلے دامت

ہنگامہ خیز ناول

گل قریشی لائبریری
11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7248599
7229762

ان لوگوں کے جانے کے بعد حاجی عبداللہ نے کہا۔

"فیروز میاں ہم بھی اب زیادہ دیر یہاں قیام نہیں کریں گے لیکن بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہو گی' ہماری واپسی کا بندوبست کر دیا جائے۔"

فیروز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

*

فاخر علی خان رام پور پہنچ گئے' نواب کاظم علی خان کی شان و شوکت رام پور کے لیے ضرب المثال تھی بہت دولت مند آدمی تھے وہ' نجانے کہاں کہاں کیا کیا کچھ پھیلا ہوا تھا' بے شمار کارکن تھے؟ ان کے لیے کام کرتے تھے۔ بہرحال بڑے رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے حویلی میں تو اب فاخر علی خان کی آمد کی اطلاع کاظم علی خان کو ملی تو چونک سے گئے پھر چہرے پر کیدلی کے آثار نمودار ہو گئے۔ اپنے معتمد خاص سے کہا۔

"ہماری روایات ہیں کہ گھر آئے ہوئے مہمان کے ساتھ کبھی کوئی بدسلوکی نہیں کی جاتی۔ منجھلے ماموں آئے ہیں ان کے قیام کا مناسب بندوبست کیا جائے لیکن مہمان خانے میں اور کوثر جہاں کو اس کی اطلاع دے دی جائے۔"

فاخر علی خان کے قیام کا انتظام مہمان خانے ہی میں کیا گیا کوثر جہاں لاکھ بھائی سے دور رہی تھیں لیکن دل میں لاتعلقی اور اجنبیت تھے۔ اپنوں سے دوری کا احساس ہمیشہ آزردہ کیے رہا اور احساس

شوخ و شنگ ہنسنے ہنسانے والا ناممکن کو ممکن بنانے والا

مشہور زنانہ طلوعت کا دوسرا دور — بعد کے واقعات

طلوعت

رومانی سوشل

(زیر طبع)

ایلے دامت

ہنگامہ خیز ناول

گل قریشی لائبریری
11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7248599
7229762

مشہور زنانہ ناولوں کی تلاش کا پہلا دور — پہلے کے واقعات

نروان کی تلاش

رومانی سوشل

(زیر طبع)

ایلے دامت

ہنگامہ خیز ناول

گل قریشی لائبریری
11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7248599
7229762

میں یہ شدت مزید اس وقت پیدا ہو گئی جب اللہ نے اولاد سے محروم رکھا۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ نواب کاظم علی خان نے انہیں اتنا کچھ دیا تھا کہ سرشار ہو گئی تھیں لیکن اولاد کی دین اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ دنیا کی تمام تر دولت کے حصول کے باوجود اولاد سے محرومی کا احساس دونوں میاں بیوی کو شدید تھا کاظم علی خان کی بات اور تھی۔ ناظم علی خان ان کی اولاد تھے لیکن ان سے چھن گئے تھے اور اس کے بعد منجھلے ماموں ہی تھے۔

بہرحال کوثر جہاں کو جب فاخر علی خان کی آمد کی اطلاع ملی اپنی کانچی بھائی کے پاس پہنچ گئیں۔ آج تک نواب کاظم علی خان نے ان پر پابندی نہیں لگائی تھی کہ بھائیوں سے نہ ملیں لیکن شوہر پرست خاتون تھیں یہ اندازہ تھا انہیں کہ کاظم علی خان نواب فاخر علی خان کو پسند نہیں کرتے اور یہی کیفیت بقیہ بھائیوں کی ہے۔ تو کبھی نام تک نہیں لیا تھا مراد آباد جانے کا بہرحال فاخر علی خان کے پاس پہنچ گئیں۔

فاخر علی خان نے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا خیریت پوچھنے لگے کوثر جہاں بیگم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فاخر علی خان کا سر جھک گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب کوثر جہاں کے حواس بحال ہوئے تو انہوں نے بھائیوں کے بارے میں پوچھا۔

"عامر بھائی' ناصر بھائی کیسے ہیں؟"

حضرت جان

قاضی عبدالستار

قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔ نقطوں کی سیپ میں روشن دیپ تحریر کے فانوس' نام کے قاضی نے حضرتِ جان میں روشن کیے ہیں جو زبان و بیان کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے۔ جس کو قارئین نے بے چینی سے انتظار کرتے دیکھے

ملنے کا پتہ: ناشر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہیں۔ شاہ رخ میاں بھی سے واپس آگئے ہیں۔"

"شاہ رخ آگئے ہیں؟"

"ہاں۔"

"اللہ خیر کرے۔ طبیعت کیسی ہے؟"

"بہتر ہے۔ بلکہ بہت بہتر ہے۔"

"میرا مطلب ہے آپ سب کو بچاتے ہیں۔ صحیح گفتگو کرتے ہیں؟"

"ہاں۔ بہت حد تک۔"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"سوچ تو رہی ہوگی کوثر جہاں کہ ہم نے کیوں آنا جانا شروع کردیا ہے۔ اس وقت آئے تھے نواب وحدت علی خان کی موت کے بعد' خیر ہم یہ بالکل نہیں کہیں گے کہ ہمارے ساتھ یہاں کیا سلوک ہوا۔ تم تو خیر جگر کا ٹکڑا ہو' کاظم علی خان کے نہ ملنے سے دل بہت دکھا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو چوٹ کاہم نے ان کے دل میں لگایا تھا اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا۔"

"بھائی جان میں تو بے قصور ہوں۔" "بی بی یہ کہہ کر کیوں شرمندہ کرتی ہو' ایک بھائی سے زیادہ بہن کے بارے میں کون جان سکتا ہے۔ بلکہ میں تو تم پر فخر کرتا ہوں کہ شوہر پرستی کا جو تصور مشرقی عورت کے ساتھ انسانی ذہن میں ابھرتا ہے' تم نے ہمیشہ اس پر اپنے آپ کو مکمل ثابت کیا۔"

"عامر اور ناصر علی کو تو دیکھا ہے دو تین بار اتنے عرصے میں لیکن بھائی جان شاہ رخ کو دیکھنے کو بہت دل چاہتا ہے کبھی کوئی ایسا موقع ہو تو زیادہ نہیں تو کم از کم اس کی صورت ہی دکھا دیجئے گا۔"

"ہاں ضرور۔ کسی وقت کوشش کروں گا' ویسے کوثر جہاں سوچ تو رہی ہوگی کہ اچانک ہی کیسے نازل ہوگیا؟"

"نہیں بھائی جان اپنی بہن کے پاس آئیں ہیں آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں۔"

"یہ تمہاری محبت ہے کوثر جہاں۔ ویسے اس بار میں بڑے جامع فیصلے کرکے آیا ہوں۔"

"فیصلے؟"

"ہاں۔"

"کک کیسے فیصلے۔۔۔۔؟"

"کاظم علی خان سے ملاقات کرنی ہے۔ نواب فاخر علی خان بولے اور کوثر جہاں نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن جھکالی۔"

کاظم علی خان کمرے میں موجود تھے۔ ملازم نے ابھی تھوڑی دیر قبل حقہ بھر کر اندر پہنچایا تھا۔ کاظم علی خان کی عادت تھی کہ کھانے سے فارغ ہو کر بالکل تنہائی میں بیٹھ کر حقہ گڑگڑاتے ہوئے کچھ سوچتے رہتے تھے اور اس وقت عموماً ان سے ہر قسم کی

کرتے تھے کیونکہ کسی کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان کی حکم عدولی کرے۔ ایسے لمحات میں جب دروازہ کھلا تو انہوں نے ہلکی حیرانی سے دروازے کی جانب دیکھا اور پھر اندر داخل ہونے والے کو دیکھ کر ان کے ہونٹوں سے حقے کی نے نکل گئی۔ فاخر علی خان نے بڑے پیار سے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کاظم علی خان صاحب نے جواب دیا۔"

"تھوڑی سی گستاخی کی اجازت چاہتا ہوں اور اس وقت صرف ایک انسان کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں مجھے کبھی یہ سننے کو نہیں ملا کہ کاظم علی خان نے انسانی بنیادوں پر کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی کی ہو۔"

"تشریف لائیے منجھلے ماموں۔ تشریف رکھیے۔ کاظم علی خان بھاری لہجے میں بولے اور فاخر علی خان ایک جانب بڑھ گئے۔"

"بہت بوڑھا ہوگیا ہوں بلکہ اگر تم یوں کہنا چاہو کہ زندہ نہیں بلکہ اٹھارہ سو چوبیس پورے ہوگئے ہیں اور اب حج کرنا چاہوں تو غلط نہیں ہوگا۔"

"میرا خیال ہے میں نے کبھی آپ کی شان میں گستاخی کی اور اگر کسی نے ایسی کوئی بات آپ کے کانوں تک پہنچائی تو آپ صرف مجھ پر یقین کیجئے کہ میری زبان سے کبھی آپ کے لیے غلط الفاظ نہیں نکلے۔"

"عزیزم بات اصل میں یہ تھی کہ نواب وحدت علی نے برائی کی بنیاد ڈالی تھی' کہا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا چھوڑ تو اس کے بارے میں کوئی بری بات نہ کہی جائے اس لیے ا بارے میں کچھ کہنے سے گریز کرتا ہوں' بات یہ تھی کاظم علی کے یہ سارے بچے شاہ رخ' عامر علی' ناصر علی میرے بازو جوان ہوئے میرے ساتھ پلے بڑھے۔ والد صاحب کے بعد نواب وحدت علی خان نے میرے سوتیلے ہونے تفریق کی میں نے اسے قبول نہ کیا۔ انہوں نے اپنا حق کرکے کوثر جہاں کو حاصل کرلیا اور میری تذلیل کی گوا نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ میرے جیسے گھٹیا انسان کے پاس آبرو کو نہیں چھوڑنا چاہیے حالاں کہ کوثر جہاں میری تھی۔ کاظم علی خان ثبوت کے طور پر صرف اتنا ہی عرض ہوں کہ باقی بچے میرے ساتھ مطمئن اور مسرور ہے۔ یہ دھواں بھرا رہا ہمیشہ کہ کوثر جہاں کے سلسلے میں کیا گیا۔ میری بہن ہے' بخدا بات تمہاری نہیں تھی نادانی تھی کہ اس احساس کی شدت کا شکار ہوگیا اور پیش آگیا جس کے بارے میں یہ نہ سوچا تھا کہ اس ہو جاؤ گے۔

"وقت گزر چکا ہے منجھلے ماموں' کیا کہیں اس بارے کیا نہ کہیں' بات آپ کی اپنی تھی لیکن آپ نے

چراغ بجھادیا۔ ہمارا گھر تاریک کردیا۔

"ہاں میاں سچ کہتے ہو ایسا ہی ہوا ہے مجھ سے بہت وقت گزر گیا اس واقعہ کو لیکن شاید یہ کہہ سکتا ہوں کہ بے سکون رہا۔ اس احساس کے ساتھ کہ تم سے بلاوجہ بات بگڑ گئی۔"

"اب کیا فائدہ ان باتوں کو دوہرانے سے منجھلے ماموں آپ کو جو زخم ہمارے دل پر لگانا تھا' وہ آپ لگا گئے عوامل کیا تھے یہ آپ جانیں آپ کا کام۔ ہم تو حقیقی معنوں میں بے قصور تھے' بات ڈھکی چھپی تھی' ہم نے ڈھکی چھپی رہنے دی۔ منظر عام پر آجاتی تو بتایئے ہم پر کیا فرق پڑتا جو کرنا تھا وہ تو کرہی چکے تھے اس کے بعد اس نیک بخت سے نکاح کرلیا تھا ہم نے لیکن آپ بڑی دور کی کوڑی لے آئے اور آپ نے ہمیں دو کوڑی کا کردیا۔"

"کاظم علی خان کچھ کہنا چاہتا ہوں اجازت ملے گی۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں منجھلے ماموں کہتے۔ کاظم علی خان کی آواز گلوگیر ہوگئی۔"

"میاں معافی کا کوئی در کھلا ہے' ہوسکتی ہے ایسی کوئی بات کہ تم ہمیں معاف کردو۔"

"انتہائی معذرت کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں منجھلے ماموں کہ میں انسان ہوں فرشتہ نہیں' میں نے اس کے بعد آپ کے لیے کبھی کچھ نہیں کہا۔ آپ کہیں سے بھی یہ نہ کہلوا سکیں گے کہ میں نے جوابی طور پر کچھ کہا۔ میرا شیخو مجھ سے چھین گیا' وہ ایسا ناراض ہوا مجھ سے کہ۔ کہ۔ کہ اب تو اس کی صورت بھی نگاہوں سے دھندلا گئی ہے' بہت یاد آتا ہے وہ مجھے منجھلے ماموں۔ بہت یاد آتا ہے۔ کاظم علی خان کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ آواز میں بھرابٹ پیدا ہوگئی' ایک سسکی سی حلق سے نکل گئی اور انہوں نے رخ تبدیل کرلیا۔ فاخر علی خان آہستہ سے بولے۔"

"بس کیا کہیں' ایسی سزا ملی ہمیں کہ دو کوڑی کے ہو کر رہ گئے اور اب یہی فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے تم سے معافی مانگیں۔"

"میں پہلے ہی معذرت کرچکا ہوں منجھلے ماموں اتنا فراخ دل اتنا کشادہ ذہن نہیں ہوں میں' آپ سے مجھے نقصان پہنچا ہے' بے قصور آپ نے میرے سینے میں چھرا گھونپا ہے۔ میں۔ میں شاید مرتے دم تک آپ کو معاف نہ کرسکوں لیکن بس دل سے بددعا نہیں ہی نکلتی ہیں آپ کے لیے' اس سے زیادہ میں نے کچھ نہیں کہا۔"

"میاں سچ کہہ رہے ہو ہم اسی قابل ہیں' بہرحال تمہاری ان بددعاؤں نے ہمیں بھی زندہ درگور کردیا تھوڑی سی رام کہانی اور سن لو ہماری۔ شاہ رخ کے بارے میں تو خیر علم ہو ہی گیا ہوگا کہ دیوانگی کا شکار ہوگئے تھے ان کی دیوانگی کی وجوہات پتا نہ چل سکیں' ہر طرح کے علاج کرالیے۔ سب کچھ کرالیا لیکن کیا مجال کہ کچھ پتا چل سکا ہو' باہر ملک سے بھیج دیا اب اس۔ کے

کیوں دل میں کھلبلی سی مچی تمہارا بھی احساس ہوا' پچھلی بار وحدت علی خان کے انتقال میں بہن سے ملاقات ہوئی تھی' کلیجے کا زخم ہرا ہوگیا۔"

"ہم کیا کہیں تم سے کاظم میاں' بہت چاہتے ہیں ہم اپنی بہن کو۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ جو ہوچکا تھا اسے ختم کرنا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ قصوروار ہم ہی تو تھے' کوئی اور نہیں۔ خیر اس وقت جب یہاں آئے تو ایک تصویر دیکھی ہم نے۔ یہ تصویر ناظم میاں کی تھی اور ہم اسے دیکھ کر یوں حیران رہ گئے کہ ہماری ملاقات مراد آباد میں ناظم میاں سے ہوئی تھی۔"

"کیا۔۔۔۔؟" نواب کاظم علی بے اختیار ہوگئے رخ تبدیل کیا۔ فاخر علی کو دیکھا' دیکھتے رہے پھر بولے۔

"مراد آباد میں آپ کی ناظم علی سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"جی۔۔۔۔ وہاں وہ خود ہم سے ملے اور اپنے آپ کو سردار علی کے نام سے روشناس کرایا۔ شناسائی نہیں تھی ہماری' صورت آشنائی نہیں تھی۔ جو زخم لگایا تھا ناظم علی پر وہ بس اپنے دل پر بنار کی بنا پر لگا دیا تھا۔ بہرحال پھر یہ بات منظر عام پر آئی کہ وہ ناظم علی خان تھے لیکن ناظم علی خان ایک بار پھر مراد آباد چھوڑ کر جا چکے تھے ہم کھوج میں پڑ گئے' تلاش کی اور بالآخر انہیں دوبارہ تلاش کرلیا۔"

"دوبارہ۔ دوبارہ۔ گویا گویا آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ ناظم خان اب کہاں ہے۔ کاظم علی خان نے بے قراری سے پوچھا۔"

"ہاں عزیزی ساری معلومات کرکے آئے ہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ ہوا ہے۔ سن لو یار انسان اچھوں کو تو اپنے قریب جگہ دیتا ہی ہے کبھی کبھی بروں کی برائی بھی سن لینی چاہیے اور پھر وہ جو صفائی کے لیے تڑپ رہا ہو سن لو ہماری بات تو پھر یوں ہوا کہ ہم نے ناظم علی خان کا کھوج نکال لیا اس کے لیے بڑے جتن کیے تھے ہم نے بہت سے طریقہ کار استعمال کیے۔ ہم تمہیں یہ بتاتے ہوئے از حد شرمندہ ہیں کہ ناظم علی خان نے اپنے لیے دلی کی نئی چاؤڑی کا انتخاب کیا۔"

"کیا۔۔۔۔؟"

"ہاں۔"

"مگر۔ مگر۔۔۔۔"

"ہاں۔ وہ دلی کی نئی چاؤڑی میں ایک احاطہ لے کر رہ رہے ہیں بس ہم پہنچ گئے ان کے پاس ملاقات کی ان سے۔"

"بخدا آپ سچ کہہ رہے ہیں' سچ کہہ رہے ہیں آپ۔ آہ میں سمجھتا ہوں اس نے ایسا کیوں کیا۔ میں سمجھتا ہوں سب سمجھتا ہوں۔"

"ہاں ہماری ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ وہ یہ کہنے لگے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں کا خمیر تھا۔" ہم نے ان سے کہا کہ یہاں سچی بات یہ ہے کہ تمہارے یہاں آنے سے ہمیں کیا خوشی ہو سکتی ہے' ہماری تم سے پرخاش تو نہیں تھی۔ یہ تو وحدت علی خان کے دل پر چوٹ لگانے والی بات تھی' کسی نفس انداز میں تھی رخ کیا اختیار کر گئی۔ ناظم علی خان نے ہم سے نہایت طنزیہ گفتگو کی اور ہم گردن جھکائے سنتے رہے پھر انہوں نے ایک ایسا تیرا مارا ہمارے سینے پر کہ ہم تڑپتے رہ گئے اور اب تک تڑپ رہے ہیں' جانتے ہو وہ کیا تیر تھا۔؟"

"بتایئے۔ کاظم علی خان اب پوری طرح متوجہ ہو گئے تھے۔" نواب فاخر علی خان نے کہا۔

"ناظم علی خان نے انکشاف کیا کہ ہم جو اپنے آپ کو بڑا تیس مار خان سمجھتے ہیں بڑے اعلیٰ نسل کے ہیں ہم۔ ہم بھی بالآخر اس کا شکار ہو چکے ہیں یعنی ہمارا شاہ رخ نئی چاؤڑی کی ایک طوائف سے عشق کر کے پاگل ہوا تھا اس طوائف کا نام مہ جبیں تھا۔ مہ جبیں کے بطن سے شاہ رخ کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام فیروز ہے۔ پہلے ناظم علی خان نے اس کی پرورش کی بعد میں حادثا" وہ ان سے دور ہو گیا۔ ہم نے پہلے تو ناظم علی خان کی بات پر یقین نہ کیا ہم نے سوچا کہ انتقامی کارروائی کر رہے ہیں لیکن بعد میں جب تصدیق کی تو سب کچھ صحیح ثابت ہوا۔ ہاں ایسا ہی ہوا تھا ہمارا شاہ رخ اس مشکل کا شکار ہوا تھا اور ہم نے خلوص دل سے اس بات کو تسلیم کیا کہ یہ وہ گڑھا تھا جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے کھودا تھا اور بالآخر ہم اس میں جا گرے۔ ہماری خاندانی نجابت شرافت سب کچھ ملیامیٹ ہو گئی۔ وہ دن ہمیں بھی دیکھنا پڑا جو ہماری وجہ سے تمہیں دیکھنا پڑا تھا۔"

نواب کاظم علی خان خاموشی سے نواب فاخر علی خان کو دیکھ رہے تھے۔ جب نواب فاخر علی خان خاموش ہوئے تو وہ بے قراری سے بولے۔

"اس کے بعد۔ اس کے بعد بتایئے منجھاموں اس کے بعد بتایئے۔"

"ہم ایک طویل سلسلہ اختیار کر کے گھر سے نکلے تھے وہاں سے جب ہم ناظم علی خان کو آمادہ نہ کر سکے کہ وہ ہمیں معاف کر دیں تو پھر ہم حکیم سرفراز کے ہاں آگرے پہنچے حکیم سرفراز حسین نے بھی ذلت و خواری کے ساتھ ہمیں اپنے در سے نکال دیا۔ حالانکہ ہم نے یہ چاہا تھا کہ عزیزہ رضوانہ جو حکیم سرفراز حسین کی بیٹی اور آپ کی بہو ہیں کس طرح ناظم علی خان کے پاس پہنچ جائیں اور یہ سلسلہ کہیں سے کوئی ہموار شکل اختیار کر لے لیکن حکیم سرفراز حسین نے ہمیں دھتکار دیا۔ بہرحال ہم اس ذلت و خواری سے دلبرداشتہ نہیں ہوئے اور مسلسل کوششوں میں لگے رہے کہ کس طرح جو زہریلا پودا ہم نے بویا ہے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تو اب مجبور ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ یہ کہتے کہتے نواب فاخر علی خان کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ نواب کاظم علی خان گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"ارے ارے منجھاموں' حوصلہ رکھیے حوصلہ رکھیے' خدارا حوصلہ رکھیے۔ دیکھیے دیکھیے منجھاموں آپ میرے بزرگ ہیں' میں نے کبھی آپ کی تذلیل نہیں کی حالانکہ اس واقعہ کے بعد میرے دل میں جو زخم پڑا تھا اس کے نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ بارہا شیطان نے بہکایا لیکن میں نے خود پر قابو رکھا۔ آپ بخدا آپ آپ نے جو انکشاف کیا ہے منجھاموں اس کے صلے میں اس کے صدقے میں یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں نے صدق دل سے آپ کو معاف کر دیا ہے' آہ خدا کرے' آپ کی کسی دعا سے میرا گھر پھر سے آباد ہو جائے۔ میرا ناظم علی مجھے مل جائے بہت یاد آتا ہے مجھے شیٹو' بہت یاد آتا ہے۔ کاظم علی خان بھی بے اختیار ہو گئے اور نواب فاخر علی خان سے لپٹ گئے۔ دونوں کی سسکیاں جاری ہو گئی تھیں دیر تک دلوں کے غبار کا یہ سلسلہ جاری رہا اور رونے سے طبیعت کافی ہلکی ہو گئی۔ کاظم علی خان نے بے اختیار پوچھا۔"

"کیسی صحت ہو رہی ہے اس کی' بہت کمزور ہو گیا ہو گا وہ' مشکل میں گرفتار تھا' مالی نا آسودگی کا شکار ہو گا ظاہر ہے وہ عجیب و غریب لڑکا ہے کیا کہوں' بہرحال جو کچھ بھی ہے' مجھے اس کا نشان تو ملا' پتا تو ملا' اپنے طور پر کیا کچھ نہ کر کے ہار گیا اصل میں کبھی توجہ اس طرف گئی ہی نہیں تھی کہ وہ اس انداز میں کوئی قدم اٹھائے گا' افوہ توبہ توبہ۔ یعنی نئی چاؤڑی میں' طوائفوں کے محلے میں۔ لاحول ولا قوۃ' کیسے نے بہت بری سوچی لیکن بس ہمیں پتا ہے وہ کس قسم کا نوجوان تھا' اف توبہ توبہ ارے کیا کریں ہم۔ منجھاموں بتایئے ہمیں اب کیا کرنا چاہیے آپ بزرگ ہیں ہمارے' چھوڑیئے ہم آپ سے کہہ چکے ہیں کہ آج سے ہم نے اپنے اور آپ کے درمیان مخالفت کے تمام راستے بند کر دیئے' ہم نے سچائی کے ساتھ آپ کو معاف کر دیا' جایئے مگر نہیں آپ کہاں جائیں گے' ٹھہریئے ایک منٹ ہم کو ثر جہاں کو بلاتے ہیں۔

"میاں ابھی نہ بلاؤ۔ عورتوں کی بات عورتوں کی ہوتی ہے رہنے دو ابھی' بیٹھو باتیں کرتے ہیں' میں کس دل سے تمہارا شکریہ ادا کروں گا ناظم علی' کیسے تمہارے اس احسان کا صلہ اتاروں گا میں۔"

"صلہ آپ دے چکے ہیں منجھاموں۔ کوثر جہاں بے شک نواب وحدت علی کے ہاں پروان چڑھی ہیں لیکن آپ ہی کی بہن ہیں اور منجھاموں بالکل یقین کر لیں میری بات کا۔ میں غاصب یا جھوٹا قومی نہیں ہوں' سچے دل سے جب بھی کبھی میں نے آپ کے بارے میں سوچا ہے اس بات کا بے شک اعتراف کیا ہے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں نے آپ کے بارے میں غلط اندازہ لگایا آپ بمن بھائیوں کے لیے کبھی سوتیلے ثابت نہیں ہوئے۔

"ہمارا ہے اور کون اس دنیا میں۔ آپ کو پتا ہے ناظم میاں' کوئی بھی نہیں ہے ہمارا۔ اب ان بچوں سے ہی ہم کس قسم کی پرخاش رکھتے تو جینا بے مقصد ہو جاتا۔

"خیر منجھلے ماموں اب آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں کروں کیا؟"

"حکیم سرفراز علی بھی ذرا سختی پر آمادہ ہیں بہتر ہو تا کہ وہ اس طرح سخت مزاجی اختیار نہ کرتے... ان کی بچی کے بارے میں سوچ سوچ کر بھی دل کڑھتا ہے۔"

"خیر وہ ناظم علی کے نکاح میں ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکیم صاحب نے بعد میں کبھی یہ اعتراض نہیں کیا یا یہ الفاظ نہیں کہے ناظم علی خاں کون تھے یا کیا تھے۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ بے چارے تو اپنے طور پر ہمیشہ متعاون رہے لیکن ہم کیا کرتے ہمیں ناظم علی کے بارے میں ہی معلوم نہیں تھا۔

"اب اللہ کے فضل سے یہ حقیقت پتا چل گئی ہے لیکن کچھ باتیں ہمیں سوچنا ہوں گی۔"

"ہاں۔ میں انہی پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" کاظم علی خاں نے کہا۔

فاخر علی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ کاظم علی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے تھے۔ اس وقت ان کے چہرے کی کیفیت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ ایک عجیب سا ڈیاڈ چہرے پر نظر آرہا تھا ادھر کوثر جہاں کے علم میں تھا کہ فاخر علی کاظم علی کے پاس گئے ہیں۔ بڑے پریشان کن خیالات میں گھری بیٹھی تھیں۔ کاظم علی خان کا رویہ ان کے ساتھ ہمیشہ بہت اچھا رہا تھا لیکن جب سے ناظم خان کا واقعہ ہوا تھا کاظم علی ہمیشہ ہی غمگین رہتے تھے اور بہت کم کسی سے گفتگو کرتے تھے ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ انہوں نے اپنے مخصوص معمولات بھی ترک کر دیے تھے۔ کوثر جہاں خود کو ان کا مجرم سمجھتی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن جو کچھ ہوا تھا انہی کی ذات کی وجہ سے ہوا تھا۔ منجھلے ماموں کو اصل غصہ یہی تھا کہ نواب وحدت علی نے کوثر جہاں کو ان سے دور کیا اور اپنی پسند سے ان کی شادی ایک "دوہاجو" سے کر دی۔ کاظم علی خاں دروازہ کھول کر ان کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ سہم گئیں اور خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

○

مہتاب جہاں کی ساری جان آنکھوں میں کھنچی ہوئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مہ جبیں کو دیکھ رہی تھی اور اس وقت اسے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ مہ جبیں اور فیروز کے چہرے کا موازنہ کر رہی تھی تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے فیروز کے چہرے میں مہ جبیں کی شباہت ہو۔ یہی شباہت اسے مہ ریخ کے چہرے میں بھی نظر آئی تھی۔ مہ جبیں پر اتنا اعتماد کرتی تھی کہ اس کی کسی بات کو جھوٹ سمجھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ حیرت زدہ آلود نگاہیں خلا میں بکھری ہوئی داستانیں تلاش کر رہی تھی۔" اس نے کہا۔

"ہاں میں جھوٹ نہیں بولتی ہوں مہتاب۔ میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہی۔ کسی کو اپنی اولاد کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ فیروز میرا ہی جگر گوشہ ہے۔

"پھوپو آج مجھے پتا چلا ہے کہ میرا دل آپ کی جانب کیوں کھنچتا ہے۔ سچ بتا رہی ہوں مجھے نہ تو بے غیرت سمجھیں نہ بے حیا۔ میرے دل میں اس کے لیے بس ایک انوکھا تصور ہے۔ میں پھوپو آج بھی اس کی طرف سے مایوس نہیں ہوں۔ بے شک میں نے سلطان جی کے مزار پر اس سے ملنے کی دعائیں مانگی ہیں لیکن اس یقین کے ساتھ کہ وہ مجھے مل ضرور جائے گا پھوپو۔ ڈھارس رکھو یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ وہ میری پھوپو کا بیٹا ہے۔ پھوپو ہم دونوں کو دل کی مراد ضرور ملے گی تم مجھے بالکل نہ سمجھنا۔ میں جو کچھ کہتی ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ پھوپو یقین کرو یہ تمہیں دلاسا دینے والی بات نہیں ہے۔ میں نماز پڑھتی ہوں پھوپو میں استخارہ بھی کرتی ہوں جب میں استخارہ کرتی ہوں نا تو مجھے ہمیشہ جواب ملتا ہے کہ فیروز مجھے مل جائے گا۔ پھوپو اب میں تمہارے لیے بھی استخارہ کروں گی کیا نام تھا فیروز کے ابو کا۔"

"شاہ رخ۔"

*

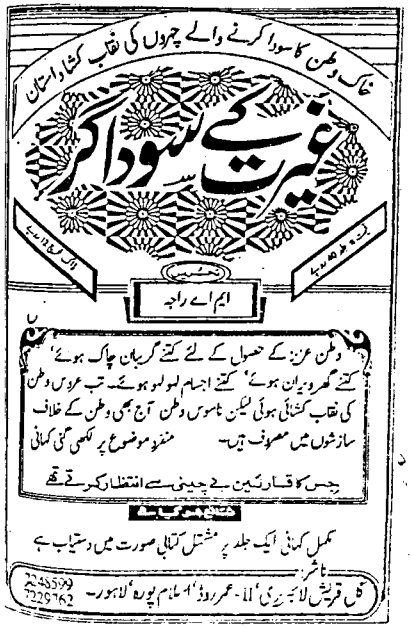

شکور پوری طرح راؤ برکت علی کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اسے راؤ برکت علی کی آمد کا انتظار تھا۔ کافی دیر تک وہ انتظار کرتا رہا پھر اسے دور سے موٹر کی روشنیاں نظر آئیں اور اس کا دل دھڑک اٹھا۔ سوڑا ایک دیوار کے ساتھ جا رکی تھی جہاں گہرا اندھیرا تھا۔ روشنیاں بجھ گئیں اور شکور نے اس سائے کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا جو راؤ برکت علی کے سوا اور کسی کا نہ تھا۔ شکور گیٹ سے باہر نکل آیا۔ سامنے والی کوٹھی کے گیٹ پر بھی اندھیرا ہی پھیلا ہوا تھا۔ غالباً سامنے والی کوٹھی کا چوکیدار بھی سو گیا تھا۔ شکور آگے بڑھ کر راؤ برکت علی کے پاس پہنچ گیا اور راؤ برکت علی نے سرگوشی میں پوچھا۔

"کہو شکور کیا حالات ہیں؟"

"ٹھیک ہیں بڑے صاب مہمان اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لیے جا لیٹے ہیں۔"

"تو ہمارا کام پکا۔"

"جیسا آپ بولو صاب۔"

"تمہیں اس لڑکی کا کمرا تو معلوم ہے نا؟"

"جی صاب ہم ہی صفائی ستھرائی کرتے ہیں۔"

"تو پھر شکور ایسا کرتا ہوں میں کہ یہاں سندی کی باڑھ کے پاس چھپ جاتا ہوں میں۔ تم ذرا اندر کا ایک چکر لگا کر حالات کا جائزہ لے لو اور یہ اندازہ لگا لو کہ سب سو گئے ہیں یا نہیں۔ ویسے جس کمرے میں وہ لڑکی سوتی ہے کیا اس کا دروازہ اندر سے بند ہوتا ہے؟"

"صاحب اس کی آپ فکر مت کرو اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے تو چابی ہمارے پاس ہے۔ خاموشی سے ہم اس کا ہینڈل کھول لیں گے۔"

"اچھا تو پھر جاؤ ذرا صورت حال کا جائزہ لے کر آؤ۔"

"آپ آرام سے بیٹھ جاؤ صاب۔ گیٹ پر اس وقت کوئی نہیں آئے گا۔" شکور نے کہا اور راؤ برکت علی سندی کی باڑھ کے سائے میں بیٹھ گیا۔ شکور اندر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس راؤ برکت علی کے پاس آگیا۔

"صاب ابھی حالات ٹھیک نہیں ہیں۔"

"کیوں کیا بات ہے؟"

"باقی لوگ تو اپنے اپنے کمروں میں سو گئے ہیں مگر ان بی بی صاب کے کمرے میں باتیں کی جا رہی ہیں۔ ایک دوسری بی بی ان کے کمرے میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ دونوں باتیں کر رہی ہیں۔"

"اور وہ دوسری بی بی کون ہے؟"

"وہ بھی صاب نشس آباد ہی سے آیا ہے مہمانوں کے ساتھ۔"

"اب کیا کریں؟"

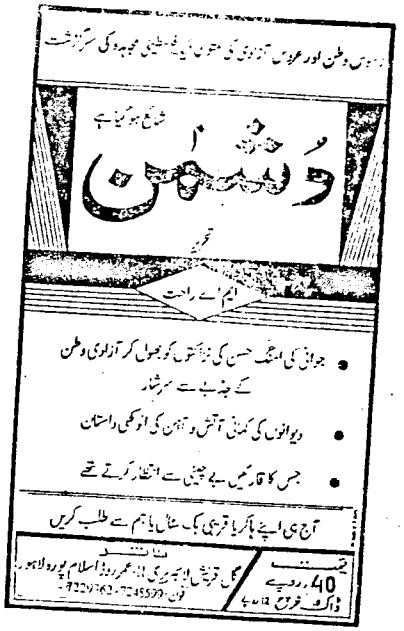
دشمن
تحریر
ایم اے راحت
جوانی کی الہڑ حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
دیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
آج ہی اپنے بکسٹال یا ہم سے طلب کریں
قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے
گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7245599

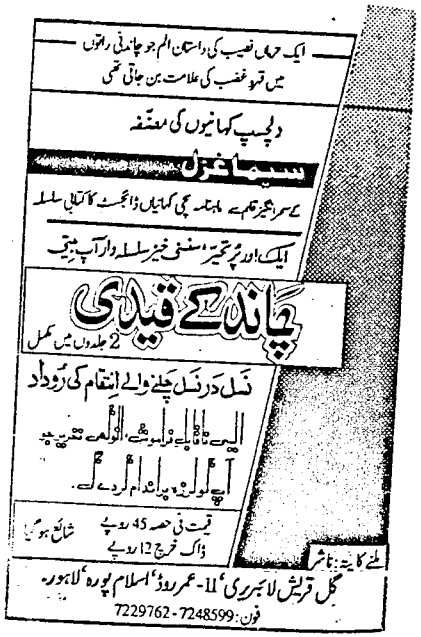
ایک حرماں نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قہر و غضب کی علامت بن جاتی تھی
دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ
سیما غزل
کے سحر انگیز قلم سے ماہنامہ سچی کہانیاں ڈائجسٹ کا تازہ سلسلہ
ایک اور پُر تجسس سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی
چاند کے قیدی
2 جلدوں میں مکمل
نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد
آپ کو لاہور پبلشرز کا ناول ضرور پسند آئے گا۔
قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے
شائع ہو گیا
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

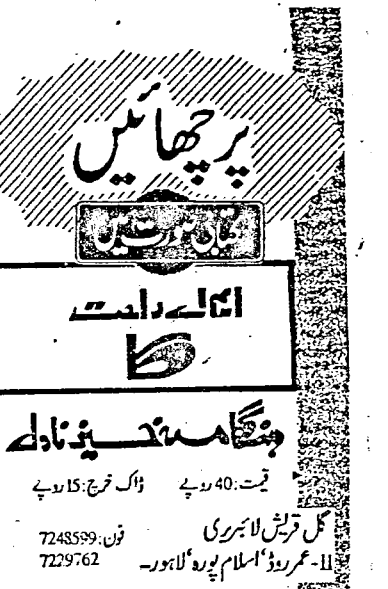

"انتظار کرلو صاحب تھوڑا۔ آپ بولو تو میں آپ کے لیے چائے بنا کر لے آؤں۔"

"نہیں بس ٹھیک ہے میں انتظار کیے لیتا ہوں تم گیٹ بند کرکے آرام سے میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔"

اور اس کے بعد شکور نے اندر کے تین چکر لگائے تھے۔ راؤ برکت علی کی بے چینی انتہا کو پہنچتی جارہی تھی۔ اس کی توقع سے زیادہ رات گزر گئی تھی۔ طے یہ کرلیا تھا اس نے کہ مہ جبیں کو احتیاط سے اغوا کرکے لے جائے گا اور اسی وقت دہلی سے نکل چلے گا۔ موٹر کی ٹنکی میں پورا پٹرول بھروا لیا گیا تھا۔ لیکن یہاں شکور مسلسل یہی اطلاع دے رہا تھا کہ مہ جبیں کے کمرے سے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی ہیں۔ چوتھے چکر میں شکور نے ذرا اطمینان بخش کیفیت کا اظہار کیا اور آکر بتایا کہ اب وہ لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے ہیں۔ راؤ برکت علی نے اطمینان کی سانس لی اور شکور سے پوچھا۔

راؤ برکت علی نے مزید تو ڈھائی گھنٹے انتظار کیا۔ رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے اور بھی بہت سے حالات خموش ہو رہے تھے لیکن اس پر جنون سوار تھا۔ ہر قیمت پر وہ مہ جبیں کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہرطور وقت کا تعین کرنے کے بعد اس نے شکور کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ انتظامات کرکے آیا تھا۔ خواب آور دوا میں بھیگا ہوا رومال اس کی جیب میں موجود تھا۔

راؤ برکت علی شکور کے ساتھ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ واقعی اندر سے بند کرلیا گیا تھا۔ شکور نے جیب سے چابی نکال کر تالے کے سوراخ میں ڈالی کچھ اسی قسم کا تالا لگا ہوا تھا کہ اگر وہ اندر سے بند ہو جائے تو باہر سے چابی سے کھول کر دروازہ کھولا جا سکتا تھا۔

شکور نے بڑی مہارت سے دروازہ کھول لیا اور راؤ برکت علی اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں نہایت مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ مہ جبیں گہری نیند سو گئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک بستر پر مہ رخ سو رہی تھی۔ راؤ برکت علی کو کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ آہستہ آہستہ دبے قدموں آگے بڑھا۔ خواب آور دوا میں بھیگا ہوا رومال جیب سے نکال کر ہاتھ میں لیا۔ ناک چٹکی سے دبائی اور اس کے بعد مہ جبیں کے بستر کے قریب پہنچ کر رومال اس کی ناک پر رکھ دیا۔ مہ جبیں کی نیند شاید گہری نہیں ہوئی تھی اس نے ایک دم چونک کر آنکھیں کھول دیں لیکن راؤ برکت علی نے اسے دبوچ لیا تھا پھر خواب آور دوا کی تیزبو مہ جبیں کے حواس پر مسلط ہو گئی۔ اس کا منہ بھنچا ہوا تھا اس لیے چیخ کی آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ دو ہی تین لمحوں میں اس کے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے۔ راؤ برکت علی نے اسے اٹھا کا کاندھے پر ڈال لیا۔ شکور کے بدن میں تھرتھری تھی۔ بہرحال اس سے پہلے کبھی اس نے کسی کو اغوا نہیں کرایا تھا۔ کام بالکل نیا تھا۔ شکور' راؤ برکت علی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس نے دروازہ اسی طرح بند کردیا تھا اور تالا چابی سے لگا دیا تھا۔ بہرحال راؤ برکت علی مہ جبیں کے وجود کو اپنے شانے پر لادے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ باہر نکل آیا۔ گیٹ سے باہر پہنچنے کے بعد اس نے شکور سے سرگوشی کی اور کہا کہ موٹر کا پچھلا دروازہ کھول دے۔ شکور نے موٹر کا پچھلا دروازہ کھولا اور راؤ برکت علی نے مہ جبیں کو پچھلی سیٹ پر ٹھونس دیا۔ دروازہ احتیاط کے ساتھ بند کرنے کے بعد اس نے شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے گہری سانس لی۔ جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی اور شکور کو دیتا ہوا بولا۔

"جا بیٹا عیش کر تو بھی کیا یاد کرے گا۔" شکور نے گڈی لے لی اور راؤ برکت علی نے ڈرائیونگ پر بیٹھ کر موٹر اسٹارٹ کردی شکور پھٹی پھٹی آنکھوں سے موٹر کو دیکھ رہا تھا اور اس نے بے خیالی کے انداز میں اس کا نمبر بھی پڑھ لیا تھا حالانکہ اس میں کسی خاص ارادے کا دخل نہیں تھا۔

☆

شاہ رخ کی حالت بالکل ٹھیک تھی۔ بس کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ کسی خیال میں گم۔ یہی شاہ رخ کی بیماری تھی۔

اب ان دنوں فاخر علی خان رام پور گئے ہوئے تھے۔ کاظم علی خاں کی فطرت کے بارے میں دونوں بھائیوں کو بھی معلوم تھا۔ خود اس لیے نہیں گئے تھے کہ مزاج گرم ہے ہو سکتا ہے کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے جو فاخر علی خاں کی مرضی کے خلاف ہو۔ برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بس وقت گزر رہا تھا۔ عامر علی نے بڑے پیار سے شاہ رخ سے کہا۔

"بھائی جان آپ ہر وقت گھر میں رہتے ہیں۔ یہ کمرا ہے اور آپ ہیں۔ باہر کی دنیا بہت وسیع ہے۔ بہت کچھ ہے اس دنیا میں۔ باہر نکلا کریں۔ فٹن موجود ہے گھوما پھرا کریں۔ ہمارے ساتھ کارخانے چلا کریں دل بہل جائے گا۔"

لیکن شاید عامر کی بات شاہ رخ کے جی کو لگی تھی۔ فٹن تو تیار نہ کرائی بس یونہی ایک شام اٹھے اور گھر سے باہر چل پڑے۔ جیب میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ آوارہ گردی کرتے رہے باہر کی دنیا دیکھتے رہے۔ شام سے رات ہو گئی۔ عامر اور ناصر بھی گھر پر موجود نہیں تھے کسی کو پتا نہیں تھا کہ شاہ رخ گھر سے نکل گئے ہیں۔ کم از کم اس طرح تنہا تو نہ جانے دیتے بہرحال بھٹکتے رہے اور پھر شاید تقدیر نے ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا۔ تقدیر کے کھیل تو یہی ہوتے ہیں۔ نت نئے ہنگامے' نت نئی کہانیاں۔ یہ نہ بنیں تو واقعات زمانہ کیا رخ اختیار کریں۔ پھول گلی جا نکلے۔ طوائفوں کی بستی تھی۔ ہر جگہ ان کا ایک ہی انداز ہوتا ہے۔ ایک ہی رونق ہوتی ہے۔ شام کو جاگنے والی زندگی پھول گلی میں جاگ اٹھی تھی۔ بالا خانوں کے طبلوں کی چھاپ' ہارمونیم کے سرملانے کی آواز۔ بس یہی سب کچھ تھا۔

شاہ رخ بے جانے بوجھے اس طرف آگئے تھے لیکن ان آوازوں نے دل پر ایک عجیب سا اثر کیا۔ ایک جگہ رک گئے' پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگے۔ پھول والے ڈنڈی میں ہار لٹکائے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ پان کی دکان پر بیڑے لگ رہے تھے۔ ہر طرف سے خوشبو اٹھ رہی تھی۔ ایک عجیب و غریب ماحول تھا۔ حیران پریشان اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور کھوئی کھوئی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ تب ہی ایک دراز قد آدمی آگے بڑھا جھک کر آداب کیا اور بولا۔

"حضور شاید فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں کہ کون سے بالا خانے کا رخ کریں۔ اگر چنبیلی کی کلیاں رقصاں دیکھنی ہیں تو آیئے ہمارے ساتھ' رگ و پے میں زندگی نہ دوڑ جائے تو ہری رام نام نہیں ہے۔ حضور قبلہ تشریف لایئے' آیئے آیئے اور شاہ رخ بے خیالی کے انداز میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ سیڑھیاں طے کی گئیں۔ نجانے کیوں دل میں ہلکی ہلکی کسک ہونے لگی تھی۔ اندر پہنچ گیا۔ وسیع و عریض کمرے میں دری چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ قالین کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گیا۔ دو طوائفیں رقصاں تھیں۔ شاہ رخ کی نگاہیں کسی کو تلاش کرنے لگیں لیکن ستار پر جو گانے والیاں بیٹھی ہوئی تھیں ان میں وہ چہرہ نہیں تھا جس کی تلاش میں نگاہیں بھٹک رہی تھیں۔

خوب صورت لباس پہنے ہوئے تھا۔ گلے میں سونے کی [illegible] زنجیر کلائی پر انتہائی قیمتی گھڑی بندھی ہوئی' پھر شکل و صورت ایسی کہ ہر نگاہ اس کی جانب اٹھ گئی۔ رقاصاؤں نے ایک رگ چہرہ دیکھا تو رقص کرتے کرتے سامنے آ بیٹھیں۔ شاہ رخ انہیں پریشان نگاہوں سے دیکھا۔ رقاصائیں گھنگھنوں کے [illegible] گئیں اور بھاؤ بتانے لگیں۔ وہ چکدار نگاہوں سے اس [illegible] چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ ایسے حسین چہرے کبھی کبھی ہی دیکھنے ملتے ہیں۔ ان کے اندر وارفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ شاہ رخ ہونق کی طرح خاموش بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر آس پاس کے لوگ نے رقاصاؤں پر نوٹ نچھاور کیے تو اس کا ہاتھ بھی جیب میں گیا۔ جو کچھ بھی ہاتھ آیا نکال کر جیب میں وار دیا لیکن جو ہاتھ آیا تھا اور جو کچھ وارا گیا تھا اس نے نائیکا کو اس کی جا متوجہ کر دیا۔ قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"حضور قبلہ نواب صاحب۔ پہلی بار تشریف لائے یہاں۔"

"ہیں۔ ہاں۔" شاہ رخ نے جواب دیا۔

"پسند آیا لڑکیوں کا رقص۔ آپ کی اپنی پسند کی کوئی چ بتا دیجئے۔"

"ہاں غالب کی کوئی غزل سنوا دیجئے گا۔"

"کون سی؟"

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ وہ۔۔۔ ہم بھول گئے ہیں۔ یاد نہیں آ رہی۔"

"حضور یاد کریں۔ یہ سب آپ کی خادمائیں ہیں۔"

"وہ کہاں ہیں؟" شاہ رخ نے سوال کیا۔

"کون؟" نائیکا چونک کر بولی۔

"وہی مہ۔۔۔ مہ جبیں۔۔۔" شاہ رخ کے منہ سے نکل گیا۔

"بھی مہ جبیں ہیں سرکار عالی۔ آپ جس کی جانب [illegible] اٹھا دیں۔ وہ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ بس اشارہ دیں۔"

شاہ رخ پر اچانک ہی ایک عجیب سی وحشت سوار ہو وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ میں معافی چاہتا ہوں شاید کچھ [illegible] گیا مجھ سے۔ شاید۔۔۔ شاید۔۔۔ اور اس کے بعد وہ بالا خانے رکا۔ ذہن کا وہ خانہ کھلتے کھلتے رہ گیا تھا۔ نام تو زبان تک [illegible] لیکن اس سے آگے یادداشت ساتھ نہیں دے سکی تھی کچھ نقصان اٹھا بیٹھا تھا۔ دو شاطر قسم کے غنڈے جو تا بھی ہوتے ہیں اور لفیرے بھی شاہ رخ کے گلے کی موٹی چمکتی ہوئی گھڑی اور پھولی ہوئی جیب دیکھ چکے تھے [illegible] سے تھوڑے ہی سے نوٹ نکلے تھے لیکن اتنے تھے کہ انہ جائیں تو زندگی بن جائے۔ چنانچہ جب شاہ رخ سیڑھیوں اترا تو ایک نے دوسرے کو اشارہ کیا اور باہر نکل گیا۔ دو

کے جوڑ پر لات پڑی اور وہ اوندھے منہ [illegible] زنجیر اس کے ہاتھ میں تھی۔ موٹر والے نے آگے بڑھ کر زنجیر اس کے ہاتھ سے لے لی اور پر اس کی کلائی پر پاؤں رکھتا ہوا بولا۔

"اور کیا کیا لوٹا ہے؟"

"قسم لے لو پہلوان جی ابھی بس یہی ہاتھ آئی تھی۔ معاف کردو پہلوان جی معاف کردو۔ میں تو شاگرد ہوں استاد تو بھاگ گیا۔"

"چلو دفع ہو جاؤ۔" موٹر والے نے کہا۔ اتنی دیر میں شاہ رخ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ غنڈہ بری طرح سرپٹ ہو گیا تو موٹر والے نے زنجیر شاہ رخ کی جانب بڑھائی اور اس کی نگاہ اچانک ہی شاہ رخ کے چہرے پر پڑی۔ وہ ایک دم ساکت ہو گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہ رخ کو دیکھنے لگا۔

شاہ رخ نے بھی اسے دیکھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سر جھٹکنے لگا۔ گو تیز روشنی نہیں تھی۔ بس اتنا اجالا تھا کہ چہرے کے نقوش دیکھے جا سکتے تھے۔ جتنی حیرت موٹر والے کو شاہ رخ کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ شاہ رخ بھی اتنی ہی حیرت کا شکار تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"کیا میں آئینہ دیکھ رہا ہوں؟"

"آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ کے پاس سواری نہیں ہے۔"

"بس ایسے ہی ٹہلتا ہوا آوارہ گردی کرتا۔ غلطی سے ادھر آ گیا تھا۔"

"آپ گھر جانا چاہیں گے؟"

"گھر۔۔۔ اوہ مجھے تو گھر کا راستہ بھی یاد نہیں رہا۔"

"تو پھر آیئے تھوڑی دیر میرے گھر چلئے۔ مجھے آپ کے گھر کا راستہ یاد ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے صاحبزادے لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میں آئینہ دیکھ رہا ہوں۔ کیا یہ میری نگاہوں کا قصور ہے۔"

"آیئے" موٹر والے نے مسکرا کر کہا اور شاہ رخ کو بازو سے پکڑے اپنی موٹر کے پاس لے گیا۔ بڑے اہتمام سے دروازہ کھولا۔ احترام سے اندر بٹھایا اور موٹر آگے بڑھا دی پھر بولا۔

"شکر ہے کہ میں ادھر سے گزر رہا تھا آپ کو دیکھا اور خوش قسمتی سے آپ کی مدد کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔"

"اللہ توانائی میں اضافہ کرے۔ صاحبزادے ہمت بہادر نوجوان ہو تم۔ دو چھٹروں میں ان لوگوں کے طلے درست کر دیے۔ دونوں بدمعاش شاید لفیرے تھے لیکن ایک لٹے ہوئے کو لوٹنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ چند چیزیں بے معنی ہیں ورنہ اور کیا تھا ہمارے پاس؟"

"کیا آپ کی اجازت سے میں تھوڑی دیر کے لیے آپ کو

کے پیچھے [illegible] ایسی گھبراہٹ طاری تھی کہ [illegible] ہوا پھول گلی سے باہر نکل آیا۔ رات اچھی خاصی بیت چکی تھی۔ گھر میں نجانے عامر علی اور ناصر علی کا کیا حال ہو۔ بڑے بھائی کی سخت ہدایت تھی کہ شاہ رخ کو کہیں تنہا نہ چھوڑا جائے لیکن ایسا ہو چکا تھا بہرحال یہ ان کی بات تھی شاہ رخ گلی سے باہر نکل آیا۔ دل کی دھڑکنیں سخت بے ربط ہو رہی تھیں۔ کوئی یاد آ رہا تھا۔ ذہن میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ یہ وہ لمحہ تھا کہ اگر کوئی صحیح انسان ساتھ ہوتا تو وہ سب کچھ واپس آ جائے جو ذہن میں کھو گیا ہے۔ لیکن مسئلہ اس وقت دوسرا ہی تھا۔ دونوں بدمعاش قریب پہنچ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ کچھ فاصلے سے ایک موٹر گزر رہی تھی لیکن موٹر والا اپنی دھن میں مگن تھا اور شاید اس طرح متوجہ نہیں تھا۔ آسامی کو زیادہ دیر تک چھوڑنا مناسب نہیں ہوتا دونوں شاہ رخ کے قریب پہنچ گئے۔ ننگی مار کر گرایا۔ گلے میں لٹکی ہوئی چین کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچا۔ شاہ رخ کے بازو اس طرح پکڑ کر مروڑے کہ شاہ رخ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ موٹر سست رفتاری سے گزر رہی تھی۔ رکی اور پھر گھومے بغیر تیزی سے واپسی پلٹی دونوں غنڈے ابھی اپنا کام مکمل نہیں کر پائے تھے اس لیے بھاگے نہیں تھے۔ موٹر والا قریب آ گیا۔ موٹر سے اتر کر اس کی جانب لپکا اور دونوں غنڈوں نے ہاتھ بھر کے چاقو نکال لیے اور انہیں چمکانے لگے۔ ایک نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہٹ جا' کائی کو موت کی طرف بڑھ رہا ہے ابے جاتا ہے کہ آنتوں چتو پیٹ میں۔" اس نے ہاتھ بڑھایا اور گاڑی سے اتر کر قریب آنے والا صورت حال کا جائزہ لینے لگا پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"ڈاکا زنی کر رہے ہو۔ کچھ لیا ہے اس کا۔ واپس کرو اور زندگی بچا کر بھاگ جاؤ۔"

"چل بے' نچ کر سالے کو' کوئی بڑبولا معلوم ہوتا ہے۔ ایک غنڈے نے اپنے ساتھی سے کہا اور اس کے ساتھی نے آنے والے پر ہاتھ پھیلا کر چاقو کا وار کر دیا لیکن آنے والے نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی تھی۔ بس چاقو پر نظر رکھی تھی۔ ہاتھ آگے بڑھا اور اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ لیکن مٹھی کار سے اترنے والے کے ہاتھ کے شکنجے میں آ گئی اور پھر وہیں کے وہیں اس نے چاقو کو اس طرح جنبش دی کہ خود غنڈے کی کلائی مڑی تک کٹ گئی۔ اس کے حلق سے ایک دہشت زدہ آواز نکلی اور اس کے ساتھی نے اپنے ساتھی کی مدد کے لیے موٹر والے پر حملہ کر دیا لیکن وہ غافل نہیں تھا۔ ایک بھرپور گھونسا غنڈے کی بغل میں پڑا اور اس کی پسلیاں بھی بول گئیں۔ جو زخمی ہوا تھا وہ تو کلائی پکڑے نو دو گیارہ ہو گیا اور جس کی پسلیوں میں چوٹ لگی تھی وہ بھاگنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا لیکن اس کی ٹانگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے گھر لے چلوں۔"

"اب تو بھئی تم ہمارے مددگار ہو گئے ہو ہم سے کیوں سوال کر رہے ہو چلے جائیں گے گھر اور پھر ہم تو تمہیں بتا چکے ہیں کہ گھر ہمیں یاد ہی نہ رہا۔ دیکھو اتا پتا بتائیں گے شاید تم ہی ہماری مدد کر سکو لیکن تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ تمہارا کیا نام ہے عزیزم۔"

"فیروز۔" موٹر والے نے جواب دیا۔

❑

حاجی عبداللہ اور ڈاکٹر فیاض واپس کانپور پہنچ گئے۔ راستے بھر اس سلسلے میں صلاح و مشورے کرتے آئے تھے۔ ڈاکٹر فیاض کچھ چپ چپ سے تھے۔ ٹرین کے سفر میں حاجی صاحب نے پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے عزیزم' بہت سنجیدہ ہو؟"

"ہاں حاجی صاحب ذرا بری طرح الجھی ہوئی ہے۔ کچھ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"فیروز کی بات کر رہے ہو نا؟"

"جی ہاں بالکل۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک ایسا مسئلہ سامنے آیا ہے جس کے بارے میں کسی فیصلہ کن بات کا تعین نہیں کیا جا رہا۔"

"خیر باقی معاملات تو سلجھ ہی جائیں گے۔ نواب فاخر علی خاں خود بھی زیرک آدمی ہیں اور پھر ان کے اپنے جی کو لگی ہوئی ہے شاہ رخ کا معاملہ ہے وہ فیروز کے بارے میں تو کوئی بہتری فیصلہ کریں گے۔ میرے ذہن میں جو اصل مسئلہ الجھا ہوا ہے وہ نواب تو قیر حسین کا ہے۔ نواب تو قیر حسین یقیناً کوئی اعلیٰ نسب ہی ہوں گے اور یہ بھی سچ ہے کہ نواب صاحب نے فیروز کے لیے بہت کچھ کیا لیکن اگر اس کے بعد صورت حال ان کے علم میں لائی جائے تو ہم غلط بیانی سے تو کام نہیں لے سکیں گے۔ فیروز کی اصلیت بتانی پڑے گی ہمیں اور اس کے بعد حاجی صاحب آپ خود غور کیجئے۔ کسی بھی خاندان کے لیے یہ کتنا مشکل مسئلہ ہو گا؟"

"مجھے اندازہ ہے ویسے کچھ عجیب و غریب واقعات نہیں ہیں آج تک تو یہی سننے میں آتا رہا ہے کہ کوئی رئیس نواب زادہ کسی ناچنے والی پر عاشق ہو گیا۔ جی جان دے بیٹھا اور خاندان پریشان ہو گیا کہ ایک طوائف گھر میں آجائے گی لیکن یہ بالکل ہی الٹ کہانی ہے۔ یہاں ایک طوائف زادہ نواب خاندان کے لیے الجھن کا باعث بنا ہوا ہے اور اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس وقت بڑے عجیب و غریب سوالات ذہن میں بیدار ہو جاتے ہیں۔ پیدا ہونے والے بچے جن کے نام کے ساتھ ایسی کوئی مشکل وابستہ ہو گئی ہو مجھے بتاؤ ڈاکٹر فیض کیا قصوروار ہوتے ہیں۔ ارے قصوروار تو وہ ہیں جو انہیں اس دنیا میں لانے کا باعث بنتے ہیں ان قوانین کے خلاف جو مذہب و ملت اور سماج کے بنائے ہوئے ہیں۔ بعد میں ان اولادوں کو کس قدر ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حالانکہ انسان وہ بھی ہوتے ہیں سینوں میں دل رکھتے ہیں۔ دماغ میں سوچ رکھتے ہیں اچھے برے کی تمیز کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ جو کرنا چاہیں اور جو اپنے ماحول کو دیکھ کر پیدا ہوئے ہوں اور اسی میں رچ بس جائیں ان کا تو خیر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں طوائف زادی یا طوائف زادہ اس کے لیے زندگی کس قدر اذیت ناک ہو جاتی ہے۔ بھئی دیکھو باقی تو کوئی مسئلہ ہے نہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے مراد آباد کے کارخانے جنہیں ہم لنگڑے گھوڑے سمجھ چکے تھے اور بس یہی تھا کہ کسی بھی وقت انہیں بند کر دیا جائے تاکہ مزید نقصان سے بچا جائے اب ذرا غور کر لو اگر ان کی کارکردگی پر تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے کانپور الہ آباد وغیرہ کے کارخانوں سے بدرجہا بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور مجھے کما کر دے رہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ فیروز کو اس کی بھرپور ادائیگی ہونی چاہیے۔ وہ صحیح معنوں میں اس منافع میں آدھے حصے کا حقدار ہے۔ ایک ڈوبی ہوئی چیز کو اس نے نہ صرف اٹھایا ہے بلکہ بلندی تک پہنچا رہا ہے چنانچہ فیروز کے لیے باقی کوئی مسئلہ تو مسئلہ نہیں ہے لیکن کسی غم کے عالم میں اس نے کہا کہ میں نے محبت بھی کی ہے اور میرے سینے میں انسان کا دل ہے لیکن وہ کس قدر مایوس ہے اپنے مستقبل سے اور صرف اس لیے کہ وہ ایک طوائف زادہ ہے اور کوئی شریف خاندان اسے قبول نہیں کرے گا ہم دروغ گوئی سے بھی کام لے سکتے ہیں غلط طریقے سے بھی اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں لیکن شرفا میں یہ ہوتا نہیں ہے اگر کوئی مشکل نہ ہوتی فیروز ایک غریب نوجوان ہوتا تو بخدا اپنے تمام وسائل صرف کر دیتے اس کی زندگی کی بہتری کے لیے۔"

"پھر بھی ہم ہار نہیں مانیں گے حاجی صاحب۔"

"یقین کرو فیاض۔ میرا دل بھی یہی چاہا ہے اب اس بیچارے کے ماضی پر ایک نظر ڈال لو جو کچھ سننے کو ملا ہے۔ اس پر غور کر لو تو دل رونے لگتا ہے اس کے لیے۔ زندگی میں کہیں تو اسے اپنی کھوئی چیز ملے کسی پر تو مان ہو اس کا۔ اتنا خوبصورت اتنا حسین نوجوان اتنے اچھے اخلاق اور ذہانت کا مالک لیکن دیکھو دنیا کس طرح اس کے لیے تنگ کر دی گئی ہے۔"

"حاجی صاحب کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ہم فیروز کو اور تو خیر کیا دے سکے ہیں اگر اس کے دل کی یہ مراد پوری ہو جائے تو یوں سمجھ لیجئے کہ شاید وہ اپنی زندگی کو ایک بہتر انسان کی زندگی محسوس کرے۔"

کانپور پہنچ کر بھی اس سلسلے میں دو دفعہ بات ہوئی۔ تیسری ملاقات میں حاجی صاحب نے بتایا۔

"بات یہ ہے فیاض کہ تمہاری معروفیات میرے علم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کلینک کے معاملات کس قدر اہمیت ہیں تم نے مراد آباد تک چل کر میرے ساتھ جو احسان کیا میں اسے دل میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اس دوران کہ کیا چاہیے ایک خیال آیا ہے دل میں۔"

"کیا؟" ڈاکٹر فیاض نے پوچھا۔

"لکھنؤ میں فیض علی ہیں میرے ہم زلف اور مجھے اس بات کا ہے کہ ان کی بچیاں بارہ بنکی میں بیاہی گئی ہیں۔ فیض علی کو ی صورت حال بتا کر پہلے تو نواب تو قیر وغیرہ کے بارے میں بات حاصل کروں گا اور پھر کوشش کروں گا کہ کوئی بات بن

"صرف ایک بات بتایئے حاجی صاحب کیا آپ فیروز کی بت چھپائیں گے؟"

"نہیں' فیاض یہ نہ کر سکوں گا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تو اپنا بھی ضمیر داغدار ہو گا اور پھر بات اگر کہیں کھل گئی تو ے خاندان کی مٹی پلید ہو جائے کہیں کا نہ رہوں گا۔"

"میں اصل میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر اس چھان بین کے ان یہ انکشاف کر دیا گیا نواب تو قیر حسین پر کہ فیروز طوائف ہے تو کیسیں بات بننے کے بجائے بگڑنہ جائے۔"

"میں نے بھی اس پر غور کیا ہے کہ جو ڈھکی چھپی ہے وہ اپنی لیکن منظر عام پر آگئی۔"

"ایک ترکیب ہے میرے ذہن میں۔" ڈاکٹر فیاض نے حاجی ب کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"ہم فیروز کی اصلیت کو چھپا جاتے ہیں بلکہ یوں کرتے ہیں نواب تو قیر حسین سے آپ ملاقات کریں فیروز کا حوالہ دیں بنا کر فیروز نے مختصراً ہمیں بتایا کہ نواب تو قیر اسے بڑی چاہ ہے پیار سے اسے اپنے پاس بلاتے تھے اور انہوں نے بیٹوں ے قائلیت سول لے لی کہ وہ فیروز کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں گے تو یوں کیوں نہ کریں کہ ہم یہ بتاتے ہی نہیں ہیں کہ ہم لڑکے کے ماضی کے بارے میں جانتے ہیں یا نہیں۔ اس بات کو ظ رکھا جائے گا۔ ہم جانتے نہیں ہیں کہ ہم فیروز کے ماضی سے بارے میں جانتے ہیں یا نہیں۔ اس بات کو گول کر دیا گیا ہے گا کہ میرا مطلب ہے کہ آپ کو فیروز نامی ایک نوجوان کراچی آباد میں ملا تھا۔

آپ نے اس کا آپریشن کرایا وہ ذہنی طور پر ٹھیک ہو گیا اور اب مراد آباد میں وہ بہترین کاروبار کر رہا ہے اور چونکہ بیٹیاں اس کے سرپرست ہیں اس لیے آپ ہی اس کا شادی بیاہ یہ کے آپ ان سے کھل کر یہ بات کہیں کہ فیروز جیسا بے

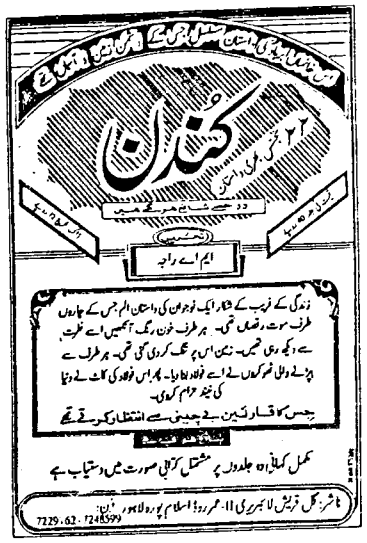

دوسرے رشتے داروں سے بھی محروم ہے وہ۔ اس لیے آپ نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے اور اب اس کی شادی کے لیے سرگرداں ہیں۔ فیروز نے خود یہاں کا حوالہ دیا ہے اس طرح بات بن جائے گی۔ میرا خیال ہے حاجی صاحب دنیا داری بھی کرنی ہی پڑتی ہے۔ بعض کوششوں میں اضافِ ضمیر کے خلاف بھی کچھ کرنے پر مجبور ہو جائے۔ آپ صرف انسانی ہمدردی کی بات کیجئے گا۔ فیروز کے ماضی پر نہ جایئے۔"

"میاں بات خاصی بہتر ہے اور ہم ذہنی طور پر اس سے اتفاق کرتے ہیں۔"

"تو پھر بسم اللہ کر کے آپ پہلے لکھنؤ چلے جایئے وہاں سے فیض علی صاحب کو ساتھ لیجئے۔ فیض علی صاحب کو بھی یہی تفصیل بتائیں آپ زیادہ گہرائیوں میں نہ جائیں۔ یوں اس کام کو کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔"

"اچھی تجویز ہے تمہاری' ہمیں پسند آئی اور ہم نے دل سے قبول کر لیا پھر نکلے جاتے ہیں۔"

حاجی عبداللہ صاحب لکھنؤ پہنچ گئے۔ اہلیہ کو ساتھ لے گئے تھے۔ بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ ویسے بھی فیض علی صاحب بہت اچھے انسان تھے۔ لکھنؤ میں کاروبار کرتے تھے۔ اچھے کھاتے پیتے تودی تھے۔ حاجی عبداللہ صاحب سے بہت سی باتیں ہوئیں کہنے لگے۔

"حاجی صاحب کاروباری تو دی ہیں آپ اور ہم بھی اتفاق سے آپ ہی کے زیر سایہ کچھ کر رہے ہیں لیکن آپ کی آمد بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاربار آپ کو دی لیکن آپ نے کبھی مروّت نہ نبھائی۔"

"دیکھو فیض علی طعنے تشنے نہ دو خود بھی کاروباری آدمی ہو جانتے ہو کہ کاروبار کس طرح جان توڑ لیتا ہے۔"

"خیر دیر آید درست آید۔ مجھے کوئی خدمت بتایئے۔"

"ٹھیک سوچا ہے بیٹے کا بیٹا کچھ دیکھ کر ہی گرتا ہے۔ بے مقصد نہیں آئے تمہارے پاس بلکہ ایک بڑی ذمے داری تمہارے شانوں پر لادنے کے لیے لائے ہیں۔"

"نہیں آپ کی خدمت کر کے تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"یہ بتاؤ بارہ بنکی میں جو بچیاں بیاہ کر گئی تھیں ان کی کیا کیفیت ہے؟"

"وہ اب بارہ بنکی میں نہیں ہیں وہ لوگ کلکتہ شفٹ ہو گئے ہیں یہ تو خاص پرانی بات ہے۔"

"یعنی بارہ بنکی میں اب کوئی بھی نہیں ہے۔" حاجی صاحب کسی قدر پریشانی سے بولے۔

"نہیں میرے شناسا تو بہت ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کسی نواب تو قیر حسین کو بھی جانتے ہو بارہ بنکی میں۔"

"اچھی طرح، بہت بڑے لوگوں میں سے ہیں وہ وہاں کے، جن لوگوں کے بارے میں نے بچیوں کا رشتہ کیا تھا۔ ان سے نواب تو قیر حسین کے بہت اچھے تعلقات تھے۔"

"گویا وہاں اب بھی کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جن کے ذریعے ہم نواب تو قیر حسین تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"بھئی نواب تو قیر حسین سے میری ذاتی یاد اللہ ہے۔ وہاں جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے مگر کام کیا ہے؟"

"بس ذرا جانا چاہتا ہوں کچھ معلومات حاصل کرنی ہے نواب تو قیر حسین سے۔"

"تو پھر میرے ساتھ ہی چلے چلیں۔ میرا بھی ارادہ تھا کچھ عرصے سے بارہ بنکی جانے کا۔ کچھ ایسے کام اٹکے پڑے ہیں جو وہاں جا کر کرانے ہوں گے۔ میرا مطلب ہے میری بیٹی کے سسرال والوں کے میرے نہیں۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے الیہ کو یہیں چھوڑتا ہوں تمہارے ساتھ بارہ بنکی چلتا ہوں۔"

حاجی صاحب بیچارے پہلے بھی فیروز کے لیے بہت زیادہ سرگرداں رہتے تھے اب بھی وہ اس کے لیے اتنی ہی محبت محسوس کرتے تھے چنانچہ جس طرح بھی بن پڑا سمجھا بجھا کر فیض علی کو بارہ بنکی لے گئے۔ نواب تو قیر حسین خاں کی حویلی پہنچے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ نواب تو قیر حسین تو ہیں ہی نہیں۔ صفدر حسین ملے تھے جو خود بھی فیض علی کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ بڑی محبت سے گ ا گئے تھے بڑی بہت خاطر مدارات کی پھر تفصیل بتاتے ہوئے

"آپا میاں کچھ ناراض ہو گئے تھے۔ پچھلے دنوں۔ بھائی زاہد حسین، بھائی رضیہ بیگم، ان کی بیٹی ماہتاب جہاں۔ آپا میاں اور آپا میاں کے ایک معتمد خاص۔ زوار حسین سارے کے سارے شمس آباد چلے گئے اور شمس آباد میں انہوں نے بود و باش اختیار کر لی۔"

"یعنی مستقل رہائش۔"

"جی ہاں کوٹھی خریدی ہے آپا میاں نے ہم لوگ پچھلے دنوں گئے تھے۔ معافی تلافی مانگی تھی لیکن ان لوگوں نے وہاں قدم جما لیے ہیں۔ بھائی زاہد حسین نے تو وہاں باقاعدہ کاروبار شروع کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے اب وہ وہیں رہیں گے۔"

"چلو میاں کوئی بات نہیں ہمیں ان کا پتا بتا دو۔"

حاجی صاحب نے کہا اور وہاں سے وہ ان کا پتا معلوم کر کے بعد واپس چل پڑے۔

"تم تو حاتم طائی ہو گئے حاجی عبداللہ۔ کچھ قصہ بتاتے نہیں ہو بس مارے پھر رہے ہو۔"

"ہاں بعض اوقات انسان فطری طور پر ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ تفصیل میں شاید تمہیں نہ بتا سکوں گا بہرحال یہاں سے واپس چل ہیں لکھنؤ اور اس کے بعد میرے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ شمس آباد کا رخ اختیار کروں۔"

حاجی صاحب واپس آ گئے جو محنت انہیں کرنا پڑی تھی طویل عرصے سے نہیں کی تھی۔ کچھ تھک سے گئے تھے لیکن کے بعد اپنے ہم زلف فیض علی سے اجازت لینے کے بعد الیہ کو وہیں چھوڑ کر وہ شمس آباد چل پڑے۔

یہ طے کر کے نکلے تھے کہ اونٹ کو کسی نہ کسی کل بٹھا کے بعد ہی کانپور کا رخ اختیار کریں گے۔ لیکن تذبذب کی کیفیت کر رہی تھی۔ بڑے خلوص سے نکلے تھے بے چارے، سوچنے سمجھنے کے بعد شمس آباد پہنچے اور تھوڑی سی کوشش نواب ابراہیم خاں کے بارے میں تفصیلات معلوم کر لیں۔ بنکی میں صفدر حسین نے یہی بتایا تھا کہ ابراہیم خاں کی دعا سے تو قیر حسین نے کوٹھی خریدی ہے اور یہ کوٹھی نواب ابر خاں کی کوٹھی کے سامنے ہی کی ہے۔ چنانچہ وہیں پہنچے تھے وہاں پہنچنے کے بعد اطلاع ملی کہ نہ صرف نواب ابراہیم کا خا بلکہ سامنے والے نواب تو قیر حسین کا خاندان بھی دلی گیا ہوا ہے سترھویں شریف کرنے کے لیے یہاں آ کر حاجی عبداللہ ہ ہو گئے تھے۔ بہرحال اب لکھنؤ واپسی کے سوا اور کوئی چا نہیں تھا۔ بالآخر یہ لوگ سترھویں شریف سے واپس کم از کم یہ پتا چل گیا کہ اب نواب تو قیر حسین مل سکتے ہیں۔ اتنا ہی کافی ہے۔ دوسری کو میں وہ الیہ کو لے کر کانپور واپس چل پڑے تھے

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان

ایک انمول شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راحیلہ

- معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
- حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
- پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے

مکمل رومانی و جاذبیت سے بھرپور شاہکار ناول صرف میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7239762 - 7248599

دیر تک سوتے رہنا کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ ہو سکتا تھکن ہو گئی ہو رات کو دیر سے نیند آئی ہو لیکن جب کافی گزر گیا اور پھر اندر سے مہ رخ کے رونے کی آوازیں تو سب چونک پڑے۔ مہ رخ دروازہ بجا رہی تھیں۔ یہ سب کے لیے باعث حیرت تھی۔ ماہتاب جہاں ہی پہنچی تھی کر اور اس نے مہ رخ کی آواز سنی۔ کہرام مچ گیا۔ آخر مہ خ کیوں رو رہی اور چیخ رہی ہے۔ مہ جبیں کیوں نہیں جاگتی۔ وازہ تو اندر سے بند ہے پھر مہ جبیں کے ننھے ننھے ہاتھوں کی اب دروازے پر پڑی تو سب کی جان نکل گئی۔ الٰہی خیر یہ مہ یں کو کیا ہو گیا۔ تمام شدت حیرت سے پاگل ہو گئے۔ زور زور ے دروازہ پیٹا گیا کہ ممکن ہے مہ جبیں گہری نیند سو گئی ہو لیکن دازہ نہ کھلا۔ یاسمین نے دروازے کے سوراخ کے پاس منہ رکے کہا۔

"مہ رخ بٹی امی کیا کر رہی ہے۔ اسے جگاؤ وہ جاگتی کیوں ں۔" جواب میں مہ رخ کی روتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"امی نہیں ہے۔ دروازہ اندر سے بند ہے۔"

"تو پھر تم کھولو بیٹے۔"

"میرا ہاتھ نہیں پہنچتا۔" نواب ابراہیم، تو قیر حسین، زاہد سین دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ ماہتاب جہاں کو سمجھایا گیا ور ماہتاب جہاں نے مہ رخ سے کہا۔

"چھامہ رخ بیٹے تم پیچھے ہٹ جاؤ ہم دروازہ توڑ رہے ہیں ۔ تم دیوار کی اوٹ میں ہو جاؤ۔ کہیں دروازہ تم پر ٹوٹ کر نہ گر پڑے۔ مہ رخ کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ بھتوڑی اور چھینی وغیرہ لائی گئی اور اب دروازہ ایسے تو نہیں توڑا جا سکتا تھا کہ پورے کا پورا اندر گر جائے بہرحال معصوم بچی اندر موجود تھی کوٹھی کا ملازم شکور بھی کم بخت بھی کسی کام سے باہر گیا تھا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ دروازہ اتنا توڑ لیا گیا کہ ایک ہاتھ اندر داخل ہو جائے اور اس کے بعد دروازہ کھل گیا۔ سارے کے سارے بھڑ مار کر اندر گھس گئے تھے۔ ماہتاب نے روتی ہوئی مہ رخ کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا بستر دیکھا۔ چاروں طرف دیکھا لیکن مہ جبیں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ بستر پر سلوٹیں تھیں۔ مسہری کے پاس سلیپر پڑے ہوئے تھے ہر چیز جوں کی توں تھی اور تو اور مہ جبیں کا دوپٹا بھی مسہری سے نیچے گرا ہوا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی ناقابل یقین واقعہ پیش آ گیا ہے لیکن بند کمرے میں اور کوئی دروازہ بھی نہیں تھا۔ سب کے سب دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ہائے یہ کیا ہو گیا۔ مہ جبیں کہاں چلی گئی۔ الٰہی خیر ارے کہیں آسیب تو نہیں ہے اس گھر میں۔ وہ کم بخت نوکر کہاں مر گیا جو اس گھر کا چوکیدار ہے۔ ارے کوئی دوڑو دیکھو کیا ہوا تلاش کرو مگر دروازہ تو اندر سے بند تھا اور کوئی ایسی کھڑکی بھی نہیں ہے جس سے کوئی باہر نکل جائے پھر بند دروازے سے مہ جبیں کیسے غائب ہو گئی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ایک ایک فرد پریشانی کا شکار۔ انظار حسین گم صم، بے حد محبت کرنے لگے تھے۔ مہ جبیں سے صحیح معنوں میں بہن کا درجہ دیا تھا اور جو زبان سے کہا تھا اسے نبھا رہے تھے اس طرح پریشان بیٹھے ہوئے تھے جیسے سگی بہن کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ ساری کوٹھی کے چپے چپے کی تلاشی لے لی گئی ہر چند کہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن کچھ نہ کچھ تو ضروری ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں گھر کا ملازم شکور واپس آ گیا۔ گھر میں یہ ہنگامہ دیکھ کر وہ بھی ہکا بکا کسی کا ذہن اس کی جانب نہیں گیا تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر چہ میگوئیاں کر رہا تھا۔ شکور کو بھی پتا چلا اور وہ مہ جبیں کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔ نوکروں کے گھر دیکھے گئے ایک ایک جگہ۔ دیکھی گئی جہاں کسی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا لیکن تان نہیں ٹوٹتی تھی کہ آخر کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا تو پھر دروازہ اندر سے کیسے بند تھا۔

ناظم علی خاں کی فٹن عمارت کے سامنے رک گئی۔ دوسرے حواری موٹر میں پیچھے موجود تھے۔ مہ جبیں کی گمشدگی کی وجہ سے جو ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی اس کی وجہ سے نواب ابراہیم اور تو قیر حسین کے تمام اہل خاندان باہر موجود تھے۔ اس شاندار فٹن کو حیرت سے دیکھا گیا۔

"خدا خیر کرے۔" رضوانہ بیگم نے برقعے کی جالیوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر کا منظر دیکھ کر کہا۔ اندر سے ایک ملازم کو بھیجا گیا کہ آنے والوں کے بارے میں معلومات کر کے آئے۔ ملازم نے دروازے کے پاس آکر معلوم کیا۔

"وعلیکم السلام۔ ہم اس عمارت کے مکینوں سے ملنے آئے ہیں۔"

"آپ کا اسم شریف۔" ملازم نے پوچھا۔

"ناظم علی خاں۔"

"کس سے ملاقات مقصود ہے۔"

"میاں کسی سے بھی ملا دو۔ تم تو پولیس کی طرح چھان بین کر رہے ہو۔"

"معذرت خواہ ہوں۔ جا کر بتاتا ہوں۔" ملازم نے کہا اور واپس چلا گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ واپس آگیا۔ اور بولا۔

"تشریف لائیے۔"

"زنانی سواری بھی ہے۔ فٹن اندر لے جانی ہوگی۔"

"جی حضور۔" ملازم نے پھاٹک کھول دیا۔ فٹن کے پیچھے ہی موٹر بھی اندر داخل ہوگئی۔ اندر خواتین کو عمارت میں بھیج دیا گیا تھا۔ نواب ابراہیم، توقیر حسین اور اختیار حسین نے ناظم خاں کا استقبال کیا۔

"نام آپ کے ملازم کو بتا چکا ہوں۔ اہلیہ بھی ساتھ ہیں۔"

"براہ کرم انہیں اندر بھیج دیں۔ میں ملازمہ کو طلب کرتا ہوں۔ نواب ابراہیم نے کہا۔ اور ملازم سے ملازمہ کو طلب کیا۔

"رضوانہ بیگم کو فٹن سے اتار کر اندر لے جایا گیا۔ نواب ابراہیم نے ناظم خاں کو اندر آنے کی پیش کش کی۔ ناظم خاں نے ان کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"کچھ عجیب احساس ہو رہا ہے ہمیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ لوگ ہماری آمد سے پریشان ہوگئے۔"

"یہ بات نہیں برادرم۔ ہم گھریلو طور پر کچھ پریشانی کے شکار ہیں۔" توقیر حسین نے کہا۔ ناظم خاں کو ایک نشست گاہ میں لے جا کر بٹھایا گیا۔

"آپ سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ نواب ابراہیم ہیں۔ میرا نام توقیر حسین ہے۔ قیام دہلی میں ہے۔"

"کس سلسلے میں تشریف آوری ہوئی؟"

"میری اہلیہ نے گل مزار سلطان جی پر آپ کے ساتھ ایک

خاک و خون کا سودا کرنے والے چہروں کی خوف کشا داستان

غیرت کے سوداگر

ایم اے راجہ

وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے، کتنے گھر ویران ہوئے، کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب عروس وطن کی نقاب کشائی ہوئی لیکن ہاموس وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے

مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ، اسلام پورہ لاہور۔
7229762 2248599

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان

ایک انمول شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راجہ

- معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
- حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہوگئی
- پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہوگئے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاتون کو دیکھا تھا۔ ان کے نام مہ جبیں بیگم ہے۔ ایک بچی بھی ہے مہ جبیں کی جسے ماہ رخ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ میری عزیزہ ہیں اور طویل عرصہ سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہاں بھیڑ میں تو نہ مل سکے۔ اب ان سے ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ آپ مہ جبیں کو بس یہ اطلاع دے دیجئے کہ ناظم خاں ملنے آئے ہیں۔ اہلیہ کو تو وہ نہ پہچان سکیں گی۔ ہمارے نام سے سمجھ جائیں گی کہ ہم کون ہیں۔"

نواب توقیر اور دوسرے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ پھر اظہار حسین نے کہا۔ "محترم ایک گستاخانہ سوال کر سکتا ہوں۔"

"ارشاد۔"

"کیا آپ کا تعلق کسی طور بالا خانوں سے ہے۔" ناظم خاں کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن انہوں نے ضبط کر کے کہا۔

"مہ جبیں کے حوالے سے ایسا ہی سمجھیں۔"

"بخدا! اس سے آپ کی اہانت مقصود نہیں۔ وہ میری منہ بولی بہن ہے۔ میرے لیے سگی بہنوں کے مانند۔ اصل میں ہم اسی کے لیے پریشان ہیں۔" اظہار حسین نے فوراً ہی ناظم خاں کی برافروختگی بھانپ لی۔ اظہار حسین کے ان الفاظ سے ناظم خان کے چہرے میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی۔ کہنے لگے۔

"خدا نخواستہ خیریت تو ہے۔ کیا پریشانی لاحق ہو گئی۔"

اظہار حسین نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر بولے۔ "آپ نے پچھلے دن مہ جبیں کو درگاہ سلطان جی پر دیکھا تھا۔"

"ہاں ایسی ہی بات ہے۔"

"رات کو وہ بخیر و خوبی یہاں موجود تھی لیکن صبح سے اس کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔ اس کی بچی ماہ رخ ہمارے پاس موجود ہے اور وہ پراسرار طریقے سے اپنے کمرے سے غائب ہو گئی ہے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ کوئی کھڑکی بھی کھلی ہوئی نہیں تھی لیکن ایسے عجیب و غریب حالات ہیں کہ ہم سب چکرائے ہوئے ہیں۔ اس کے شب خوابی کے سلیپر بھی پڑے ہوئے ہیں اور کچھ ایسے نشانات بھی ملے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیروں سے چل کر کہیں نہیں گئی لیکن کافی وقت گزر چکا ہے اور اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملا۔"

"کیا؟" ناظم خان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہم اس مشکل کا شکار ہیں۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ بھی مہ جبیں کے ہمدرد کی حیثیت سے ہمیں مل گئے یہاں دہلی میں ہمارے کچھ تعلقات تو بے شک ہیں لیکن اس قدر نہیں کہ ہم آگے بڑھ کر کچھ کر سکیں۔ یہ تو خوش بختی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ خدارا اس سلسلے میں ہمیں کوئی بہتر مشورہ دیجئے تاکہ ہم آگے قدم بڑھا سکیں۔ یوں سمجھ لیجئے مہ جبیں ہمارے لیے اجنبی شخصیت ہے کہ ہم اس کے بغیر دہلی سے واپسی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"میں وہ تمام عوامل جاننا چاہتا ہوں۔ معاف کیجئے گا وقت میری آمد مداخلت بے جا ہوئی لیکن آپ کے کسی کام آ میری خوش بختی ہو گی۔ ویسے بھی یوں سمجھ لیجئے کہ مہ جبیں میرا ایک ایسا قلبی تعلق ہے کہ میں اس کے لیے زمین آ ایک کرنے کو تیار ہوں لیکن خدارا اس تعلق کو ایسا تعلق نہ سمجھ لیجئے جس میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے۔ میں بھی اس کے لیے اپنے دل میں بھائیوں جیسے ہی جذبات رکھتا ہوں۔"

توقیر خاں نے اندر خبر کرائی اور پھر ناظم خاں کو لے کر اس کمرے کی جانب چل پڑے جس میں مہ جبیں کی بود و باش تھی۔ ناظم خاں صاحب خود بھی پریشان نظر آ رہے تھے حواریوں کو باہر ہی چھوڑ دیا گیا تھا اور چونکہ اس طرح ہنگامہ سا آرائی میں یہ ملاقات ہوئی تھی اس لیے اہل خانہ بھی مزید مہمانوں پر کوئی توجہ نہیں دے سکے تھے۔

ناظم خاں صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ تمام صورت حال انہیں بتائی گئی جس کا تعلق مہ جبیں کی گم شدگی سے تھا اور ناظم خاں صاحب بھی ششدر رہ گئے۔ نواب ابراہیم نے کہا۔

"اگر آپ کی رائے ہو تو ہم پولیس کو بھی خبر کر دیں۔ اصل میں بات وہی ہے کہ یہاں ہماری ناواقفیت....."

"اب تو میں موجود ہوں آپ فکر نہ فرمائیے لیکن یہ گم شدگی اس لحاظ سے بڑی عجیب ہے کہ دروازہ اندر سے بند ہے اور صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اندر سے اندر غائب ہو جانا ممکن نہیں ہے۔" ناظم خاں صاحب پوری توجہ سے ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگے پھر دروازے کے پاس پہنچے اور دروازے کا تالا دیکھا اور کسی سوچ میں گم ہو گئے۔ تالے کی ساخت پر انہوں نے خاص طور سے غور کیا تھا۔ چند لمحات خیالات میں گم رہے پھر بولے۔

"یہ عمارت آپ نے کرائے پر حاصل کی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیا عمارت کے مالکان نے مہ جبیں کو دیکھا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ مالکان سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا لیکن آپ نے یہ کیوں فرمایا؟" ناظم خان صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحات کے بعد وہ پھر بولے۔

"کیا یہاں اس عمارت کا کوئی خاص ملازم ہے جس کے پاس اس عمارت کی نگرانی ہو۔"

"ہاں اس کا نام شکور ہے وہی چوکیداری کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ وہی عمارت کی صفائی ستھرائی کرتا ہے۔"

"ایک منٹ کیا گھر کے دروازوں کی چابیاں اس کے پاس ہیں؟"

"چابیاں۔"

"جی ہاں۔"

"ہاں چابیاں تو اسی کے پاس ہوتی ہیں۔"

"آپ نے ان تالوں کی ساخت پر غور نہیں کی۔ اگر انہیں اندر سے بند کر لیا جائے تب بھی اگر کسی کے پاس چابی ہو تو یہ تالا باہر سے کھولا جا سکتا ہے۔" اس انکشاف پر سب کے سب اچھل پڑے۔ اظہار حسین کا چہرہ جوش ہو گیا۔ انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بخدا! اس بات پر ہم نے غور نہیں کیا تھا۔"

"جلدی سے دیکھئے۔ آپ کا اسم شریف اظہار حسین ہے نا؟" ناظم خاں نے کہا۔

"جی۔"

"ذرا جلدی سے دیکھئے ملازم شکور کہاں ہے کہیں وہ فرار نہ ہو جائے۔ مل جائے تو براہ کرم اسے ساتھ لے کر یہاں آ جائیے گا۔"

اظہار حسین پوری بات سنے بغیر باہر دوڑ گئے تھے۔ ملازم شکور کے فرشتوں کو بھی یہ گمان نہیں تھا کہ اس کی جانب کسی کی توجہ جا سکتی ہے۔ اظہار حسین بگولا پھسلا کر اسے اندر لے آئے۔ ناظم خاں صاحب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ شکور اندر داخل ہوا۔ کمرے کا ماحول دیکھا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ناظم خان صاحب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں شکور یہاں کیا واقعہ ہوا تمہارات کو۔ سچ سچ اگل دو اگر زندگی چاہتے ہو۔ ورنہ ہمارے لیے یہ کچھ مشکل نہ ہو گا کہ تمہاری گردن پر چھری پھیر کر یہیں اس عمارت کے کسی گوشے میں دبا دیں۔ دیکھو جھوٹ نہ بولنا' زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔"

"سس..... سرکار میں..... میں..... کچھ نہیں جانتا۔"

"ایسے نہیں مانو گے۔ آپ ایک کام کیجئے گا۔ باہر موٹر میں ہمارے چار آدمی موجود ہیں۔ وہ زبان کھلوانے کے ماہر ہیں۔ پورے جسم کو سرخ سلاخوں سے داغ دیں گے۔ آنکھیں پھوڑ دیں گے۔ انگلیاں کاٹ لیں گے۔ کانوں سے محروم کر دیں گے۔ بڑے وحشی صفت لوگ ہیں وہ۔ آپ ذرا انہیں آواز دے لیجئے۔"

اظہار حسین اپنی جگہ سے پھر اٹھے تو شکور چیخ کر بولا۔

"سس..... سرکار..... وہ آدمی مجھ سے ملا تھا۔ اس نے مجھے رقم دے کر کہا تھا کہ اس لڑکی کو اغوا کرنا ہے۔ میں لالچ میں آ گیا سرکار۔ پھر رات کو وہ موٹر میں آیا اور اس نے میری مدد سے لڑکی کو اغوا کر لیا۔ اسے موٹر میں پہنچا دیا گیا۔"

"ہوں۔ اچھا ذرا اس کا حلیہ بتاؤ ہمیں۔" ناظم خاں نے کہا اور ملازم شکور حلیہ بتانے لگا۔ ناظم خاں کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا اور انہوں نے بار بار یہ الفاظ دہرائے پھر نواب توقیر سے کہا۔

"اس شکور کو ہم اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ آپ لوگ اگر یہیں قیام کرنا پسند کریں تو بے شک کیجئے گا۔ ابھی آپ کی واپسی مناسب نہیں ہو گی لیکن اگر یہاں کسی قسم کی زحمت محسوس کریں تو خاکسار کا گھر حاضر ہے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"آپ کا بے حد شکریہ ناظم خاں لیکن ہو سکتا ہے مہ جبیں جس مشکل کا شکار ہو اس سے نمٹ کر واپس آنے کی کوشش کرے اور ہم یہاں نہ ملے تو وہ ہمیں تلاش نہ کر پائے گی۔"

"ہاں یہ تو ہے لیکن آپ فکر نہ کیجئے۔ کسی ملازم کو ہمارے ساتھ کر دیجئے گا۔ میرا گھر دیکھ لے گا اور کسی بھی ضرورت پر ہمارے درمیان رابطہ ہو جائے گا۔ میں اسے لیے جا رہا ہوں میرا خیال ہے ابھی آپ پولیس کو اطلاع نہ دیں۔"

"تو میاں ناظم خاں ہم خاموشی ہی اختیار کریں۔"

"دیکھئے کوئی بھی بہتر تجویز آپ کے ذہن میں آئے آپ مجھے اس سے آگاہ کیجئے گا۔"

رضوانہ بیگم کو واپس بلا لیا گیا۔ شکور کو ناظم خاں نے رؤف خاں کے حوالے کرتے ہوئے۔

"رؤف خاں اس کتیا کے پلے کو ذرا سنبھال کر اندر بٹھا لو۔ باقی واقعات گھر چل کر ہی بتاؤں گا یہاں ایک حادثہ پیش آ گیا ہے۔ آیئے رضوانہ بیگم آیئے اظہار حسین آپ بھی میرے ساتھ آ جایئے۔ اظہار حسین ایک ملازم کے ساتھ فٹن میں ناظم خاں صاحب کے پاس جا بیٹھے اور اس کے بعد دونوں گاڑیاں آگے پیچھے روانہ ہو گئیں۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا۔ ناظم خاں کا ذہن شکور کے بتائے ہوئے حلیے پر دوڑ رہا تھا۔ کون ہو سکتا ہے وہ۔ کون ہو سکتا ہے۔ بالآخر وہ کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ رضوانہ بیگم اندر چلی گئیں۔ خاں صاحب اظہار حسین کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ احترام سے انہیں بٹھایا اور بولے۔

"افسوس آپ سے ملاقات بھی ہوئی تو ایسے حالات میں۔ خیر یار زندہ صحبت باقی آپ فکر مند نہ ہوں۔ اللہ بہتر کرے گا۔ آپ تشریف رکھئے میں ذرا شکور کے بارے میں ہدایات دے دوں۔ خاں صاحب نے رؤف خاں کو آواز دی اور پھر وہیں سے بولے۔

"رؤف خاں۔ مہ جبیں کو اغوا کر لیا گیا ہے اور اس جوان نے رقم لے کر اس اغوا میں مدد دی ہے۔ ذرا اس سے معلومات حاصل کرو۔ تیل مالش کرو تاکہ دماغ کھل جائے اس کا۔"

"بہتر ہے خاں صاحب۔"

"اظہار حسین صاحب۔ مہ جبیں کے بارے میں آپ نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے انہوں نے ہمیں آپ کا غلام بے دام بنا دیا ہے۔ ہمیں یہ بھی علم ہو چکا ہے کہ آپ مہ جبیں کی اصلیت جانتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں۔ اس سلسلے میں کچھ نازیبا کلمات بھی نکل گئے تھے ہمارے منہ سے۔"

"نہیں۔ وہ فطری بات تھی لیکن اس سے کچھ عقدہ کشائی بھی ہو گئی تھی۔ ویسے آپ سے کچھ سوالات کریں جواب دینا پسند کریں گے۔"

"کیوں نہیں؟"

"مہ جبیں بے شک اس بازار کی ہے لیکن بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ اس لیے طوائف تھی کہ طوائف کے کوٹھے پر پیدا ہوئی تھی۔ ورنہ اس کے ذہن میں شرافت تھی۔"

"بے شک۔" اظہار حسین نے۔

گفتگو چھوڑ کر خاموشی سے نکل گئی تھی۔ آپ تک کیسے پہنچ گئی۔ ہمارے سوال کا برا نہ منائیں اس لیے پوچھ رہے ہیں کہ اس کے اغوا کنندہ کی کچھ نشاندہی ہو سکے۔"

"نہیں مجھے بتانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اظہار حسین نے۔ پھر انہیں جس قدر معلومات تھیں اور جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے من و عن بتا دیے۔

"جزاک اللہ۔ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ مردوں والا کام کیا۔ شرافت اور مروانگی اسی کا نام ہے۔"

"یہ خان صاحب اگر ساری محنت پر اس طرح پانی پھر جائے تو یہ سب کچھ کس کام کا۔" اظہار حسین نے۔

"انشاء اللہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"خان صاحب آپ مہ جبیں کو کیسے جانتے ہیں؟" اظہار حسین نے پوچھا۔

"یہاں ہمارے اور اس کے درمیان ایک ذریعہ تھا لیکن ..... ہا....." خان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ پھر بولے۔ "اظہار میاں اس داستان کو دوسری ملاقات کے لیے اٹھا رکھو۔ سنانے لگ گئے تو دل بوجھل ہو جائے گا۔"

کچھ حرج نہیں ہے پھر سہی۔ نواب مجھے اجازت دیجئے رابطہ رہے گا۔

یہ کہا کر اظہار حسین اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت رؤف خاں اندر آ گئے۔

"خاں صاحب اسے بہت کچھ یاد آ گیا ہے۔ اس موٹر کا رجسٹریشن نمبر بھی اور اس شخص کا حلیہ بھی۔"

"موٹر کا نمبر دیکھا تھا اس نے؟" خاں صاحب نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ حلیہ بھی بتایا ہے۔"

"حلیہ تو ہمیں بھی بتایا ہے مگر ہم سمجھ نہ پائے۔"

"موٹر کا رجسٹریشن نمبر ضلع علی گڑھ کا ہے اور جو حلیہ اس نے بتایا ہے وہ راؤ برکت علی کا ہے۔" رؤف خاں نے اور خاں صاحب کے ذہن میں چھناکا ہوا۔ وہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

"راؤ برکت علی۔ خدا اسے غارت کرے۔ بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔" خاں صاحب کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

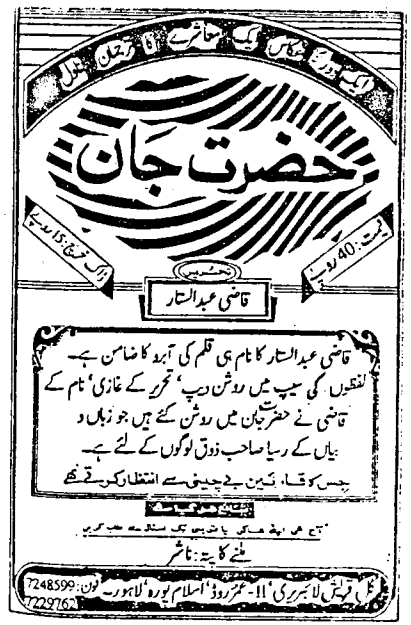
ایک ایسے معاشرے کی ایک معاشرے کا ترجمان ناول
حضرت جان
قیمت 40 روپے
قاضی عبدالستار
قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔
الفاظ کی سیپ میں روشن دیپ' تحریر کے غازی' نام کے
قاضی نے حضرت جان میں روشن کیے ہیں جو زبان و
بیاں کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے۔
جس کو قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ' اسلام پورہ لاہور
فون: 7248599
7229762

کاظم علی نے کوثر جہاں کا چہرہ دیکھا اور انہیں سخت شرمندگی کا احساس ہوا۔ یہ خوف بھری نگاہیں نجانے کون کون سی کہانیاں سنا رہی تھیں۔ بڑی چاہت سے کوثر جہاں کو لائے تھے اور بڑی دلجوئی کی تھی۔ کچھ خاندانی حالات ان کے علم میں تھے اور وہ جانتے تھے کہ بڑے بھائی فاخر علی خاں سوتیلے بھائی تھے اور نواب وحدت علی خاں نے کوثر جہاں کو ان سے الگ رکھا تھا جبکہ باقی بھائیوں کی پرورش انہوں نے ہی کی تھی۔ یہ ساری باتیں کوثر جہاں کے خاندان کی تھیں اور ان کا تعلق کاظم علی خاں سے نہیں تھا لیکن منہ بولی ماموں کچھ اس طرح برافروختہ ہوئے تھے کہ انہوں نے موقع پاتے ہی کاظم علی خاں پر بھی وار کر ڈالا اور وار بھی ایسا کاری کہ کاظم علی خاں کا کلیجا ہی نکل گیا۔ اکلوتی اولاد دنیا بھر کی مشکلوں سے محفوظ رکھ کر پالی تھی۔ ناظم خاں کو خود بھی حقیقتوں کا علم نہیں تھا۔ منہ بولی ماموں نے ساری معلومات بھرے مجمع کے سامنے پیش کر دیں۔ بہرحال اس وقت سے کوثر جہاں کے اور کاظم خاں کے درمیان ایک بال سا آ گیا تھا حالانکہ کوثر جہاں نے کبھی اس کا اظہار نہ کیا اور سوتیلے بھائی کی اس حرکت پر ہمیشہ ہی جل رہیں لیکن کاظم خاں سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہوا ہے کوثر جہاں ہی کی وجہ سے ہوا ہے اور اس کے بعد سے اب تک انہوں نے کوثر جہاں کے چہرے پر خوف ہی خوف دیکھا تھا۔ نجانے شوہر کس بات پر ناراض ہو جائے۔ نجانے کب ان کی کسی حرکت کو اس بات سے منسلک کر دے۔ آج کاظم علی کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوثر جہاں کو تو بلاوجہ ہی ان معاملات میں ملوث کیا گیا وہ تو ایسی وفا شعار خاتون تھیں کہ ان کی مثالیں دی جا سکیں۔ بہرحال چہرے پر نرمی کے آثار پیدا ہو گئے۔ کوثر جہاں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"خیریت تو ہے؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے۔"

"وہ منہ بولی ماموں چلے گئے؟"

"نہیں میرے کمرے میں ہیں۔"

"کیا باتیں ہوئیں آپ سے؟"

"منہ بولی ماموں اور میرے درمیان صلح ہو گئی ہے۔"

"جی۔"

"ہاں کوثر جہاں شیخو کا پتا چل گیا ہے۔ تفصیل پھر بتا دی جائے گی۔ آیئے منہ بولی ماموں سے ملاقات کر لیجئے۔"

فاخر علی کو عرف عام میں بھی منہ بولی ماموں ہی کہا جاتا تھا۔ بہن کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے کاظم علی نے کہا۔

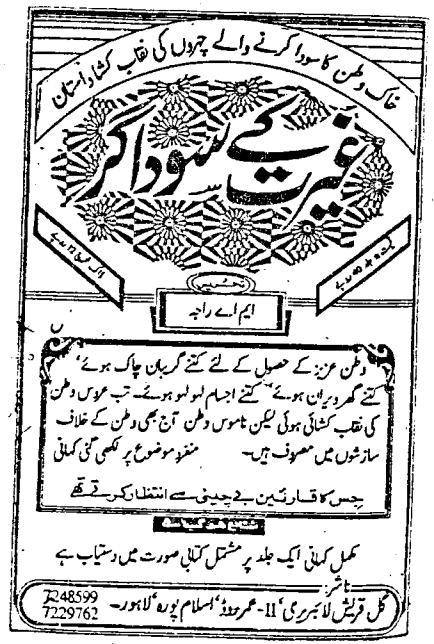
خاں وطن کا سودا کرنے والے چہروں کی نقاب کشا داستان
غیرت کے سوداگر
ایم اے راجہ
وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے'
کتنے گھر ویران ہوئے' کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب عروس وطن
کی نقاب کشائی ہوئی لیکن ناموس وطن آج بھی وطن کے خلاف
سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر:
گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
7248599
7229762

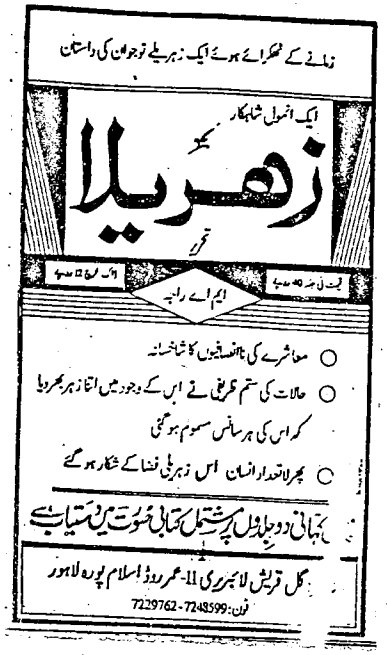
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راجہ
معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا
کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7248599

"کوثر جہاں بھائی سے ملو۔" کوثر جہاں آگے بڑھیں اور فاخر علی نے اپنے بازو وا کر دیے۔ دونوں کی سسکیاں جاری ہو گئیں۔ فاخر علی بھی رو رہے تھے۔ کاظم علی نے بہن بھائی کے معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ اچھا ہے دل کا غبار نکل جائے کافی دیر تک یہ منظر جاری رہا اور اس کے بعد کاظم علی خاں نے کہا۔

"فاخر علی خاں صاحب جو کچھ ہوا اللہ کا حکم یہی تھا بہرطور اس میں اس نے بہتری سمجھی۔ گی۔ میں یا آپ کیا کر سکتے ہیں۔"

"میں تمام معاملات آپ کے سامنے لے آیا ہوں مجھے میری ذمے داریاں بتایئے۔ میں دل و جان سے ہر قدم اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔"

"ابھی تو یہی بات ہے کہ ہم خود بھی کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ہمیں شرمندگی حکیم سرفراز حسین سے ہے کیا ان سے۔ کیا کرتے اور کیا نہ کرتے۔ بہرحال اب یہ باتیں سمجھ کر کرنے کی ہیں۔ ہمیں تو صرف اس بات کی خوشی ہے ہمارے آپ کے درمیان غلط فہمی دور ہو گئی۔"

"کاظم علی یہ تمہاری شرافت ہے۔ میں تو خیر جو کچھ کر ہوں اسے بھگت رہا ہوں اور بھگتوں گا لیکن تم بلاشبہ شر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

النفس انسان ہو کہ تم نے مجھ جیسے گنہگار کو معاف کر دیا۔"

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں فاخر علی خاں صاحب' خیر اصل میں' میں نے کچھ باتیں کوثر جہاں کو نہیں بتائیں ایک خوشخبری ہے۔ کوثر جہاں آپ کے لیے وہ یہ کہ شاہ سرخ دیار غیر سے واپس آ گئے ہیں۔"

"شاہ سرخ واپس آ گئے۔" کوثر جہاں نے مسرور لہجے میں کہا۔

چہرے پر اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی جسے کاظم علی خاں نے محسوس کر لیا ایک لمحے سوچا پھر بولے۔

"اب آپ ایسا کیجئے فاخر علی خاں صاحب کہ کوثر جہاں کو مراد آباد لے جائیے طویل عرصہ ہو گیا انہیں گھر سے نکلے ہوئے۔ ہم بہت جلد آپ کے پاس مراد آباد پہنچیں گے۔ اس دوران اقارب سے مشورے کیے لیتے ہیں اور یقینی طور پر کوئی بہتر صورت حال علم میں آ جائے گی۔ البتہ ایک بات ہم آپ سے کہہ دیں ابھی ناظم علی کو چھیڑا نہ جائے ورنہ نجانے شیطان کدھر نکل جائے فی الحال ذرا ہم اپنے اچھے دوستوں سے مشورہ کر لیں تاکہ کوئی موثر قدم اٹھایا جائے۔"

"ٹھیک ہے کوثر جہاں کو ہم ..... میں لے جاؤں۔"

"آپ کی بہن ہے اور طویل عرصے سے آپ کے گھر نہیں گئی ہے۔ اب ماضی کی باتوں کو جانے دیجئے کوثر جہاں تیاریاں کریں اور مراد آباد چلی جائیں۔ اپنے بھائی شاہ سرخ سے بھی مل لیں۔ ہاں ہمیں ذرا کچھ وقت دے دیجئے گا۔ ہم شاہ سرخ سے ملاقات کریں گے لیکن ذرا شیخو کے سلسلے میں کوئی موثر فیصلہ کر لیں۔"

❑

"راؤ برکت علی دلی سے باہر نکل آیا اس کی شیلنت کامیاب ہوئی تھی۔ بے ہوش مہ جبیں موٹر کی پچھلی سیٹ پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی اور راؤ برکت علی کے ذہن میں شیطان ناچ رہا تھا۔

ناظم خاں نے مہ جبیں کے لیے اسے گنجا کر دیا تھا وہ حالت کی تھی کہ اب اپنے قدیم دوستوں کو منہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے دلی میں اپنے ان قدیم دوستوں سے کوئی کام نہیں لیا تھا۔ دلی سے باہر نکلا ہی تھا کہ آسمان ابر آلود ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد مدھم مدھم پھوار پڑنے لگی۔ راؤ برکت علی بدحواس ہو گیا۔ رات کا وقت تھا اور ویسے ہی چاروں طرف اندھیری چھائی ہوئی تھی۔ دلی سے نکل آیا تھا یہی بڑی بات تھی۔ گشت کرنے والے گھڑسواروں کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا لیکن اب یہ آسمانی قہر نازل ہو گیا تھا۔ نجانے کس طرح علی گڑھ تک کا سفر طے ہوا۔ اب بھی کافی رات باقی تھی اور اس نے اس پریشانی اور مشکل کے باوجود راستہ جس تیز رفتاری سے طے کیا تھا وہ بلاشبہ قابل داد تھی۔ بڑی مہارت سے کام لے رہا تھا۔ کئی بار اس نے پلٹ کر مہ جبیں کو دیکھا تھا لیکن جس خواب آور دوا سے اسے بے ہوش کیا گیا تھا وہ اتنی بے اثر نہیں تھی کہ اتنی جلدی مہ جبیں جیسی نازک اندام عورت ہوش میں آ جاتی۔

علی گڑھ پہنچنے کے بعد طبیعت پر ذرا سا بوجھ طاری ہو گیا۔ دل چاہا کہ علی گڑھ میں رک جائے۔ ان حالات سے فرصت پا لے تو آگے بڑھے لیکن کوئی ایسا قابل اعتماد دوست یاد نہ آیا جس کے پاس مہ جبیں کو لے کر جایا جا سکتا۔ نہیں نہیں کاس گنج تک کا سفر ہی کر لینا چاہیے اور اب تو پلکوں کی سوئیاں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ چنانچہ اس نے علی گڑھ بھی چھوڑ دیا اور کاس گنج کی جانب بڑھنے لگا لیکن جیسے ہی علی گڑھ کی سرحد سے باہر نکلا۔ وہ دھواں دھار بارش ہوئی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ اب تو راؤ برکت علی کے ہاتھ پاؤں بالکل ہی پھول گئے جو کچھ کر کے آیا تھا اسی میں اسے شدید محنت کرنا پڑی تھی کہ اب یہ بارش اتنی تیز رفتاری سے جاری ہو گئی تھی۔ علی گڑھ سے کاس گنج تک فاصلہ چند ہی کوس کا تھا لیکن یہ چند کوس اسے طویل ترین محسوس ہو رہے تھے۔ دلی سے علی گڑھ تک تو چلا آیا تھا لیکن اب آگے جانا کچھ مشکل ہی ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ تقدیر نے آخری دھکا دیا۔ موٹر دیسے تو ٹھیک ٹھاک چل رہی تھی لیکن نجانے کیوں ہیٹ بتانے والی سوئی آخری حد تک پہنچنے لگی۔ یا تو ریڈی ایٹر کا پانی ختم ہو گیا تھا یا پھر ریڈی ایٹر نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ موٹر میں لپٹیں سی

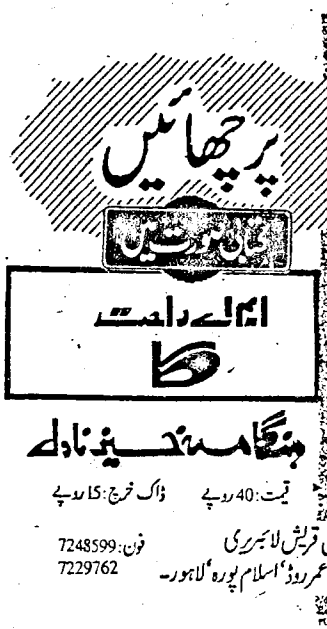

محسوس ہوا کہ آواز گھوڑے کے نتھنوں سے خارج ہوئی ہے۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے سے ایک سائبان کے نیچے گھوڑا بھی بندھا ہوا نظر آیا۔ راؤ برکت کی جان میں جان آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ گھوڑے کی آواز تھی۔ بہرطور آگے بڑھا اور چوکیدار کی لالٹین نظروں میں آ گئی۔

چوکیدار ڈنڈا سنبھال کر لالٹین ہاتھ میں تھامے ہوئے دو قدم آگے بڑھا لیکن تیز بارش کی وجہ سے ڈاک بنگلے کے دالان سے باہر نہ آیا اور اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

"کون ہے کون ہے؟"

"راؤ برکت علی تیزی سے آگے بڑھ کر دالان میں داخل ہو گیا۔ پورے بدن سے پانی ٹپک رہا تھا بری طرح بھیگ گیا تھا۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں ہوں حمید خاں۔ تم حمید خاں ہی ہو نا؟"

"کون بابو جی کون ہو۔ ہیں تم ہم حمید خاں ہیں۔" چوکیدار نے لالٹین اونچی کر کے کہا۔ راؤ برکت علی کو ایک بار قیام کے دوران چوکیدار حمید خاں کا نام معلوم ہو گیا تھا لیکن چوکیدار حمید خاں اسے نہیں پہچانتا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"یہ کک ..... کیا ہے بابو جی تمہارے کندھے پر؟"

"میری بیوی ہے بھائی بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"ارے ارے آؤ بابو جی آؤ ہم تمہیں کمرے میں لے چلیں۔" چوکیدار کا لہجہ فوراً ہی بدل گیا اور راؤ برکت علی اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ چوکیدار نے جلدی سے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اندر داخل ہوا۔ لالٹین اس نے ایک طرف رکھ دی بستر کی چادر جھاڑتا ہوا بولا۔

"ہٹا دو بی بی جی کو کیا ہو گیا بابو جی؟" چوکیدار نے ہمدردی سے کہا۔

"بس بھائی تقدیر کی خرابی ہے۔ ہم دونوں موٹر میں علی گڑھ سے کاس گنج جا رہے تھے بارش تو خیر علی گڑھ میں بھی تھی لیکن جیسے ہی علی گڑھ سے نکلے ایسی دھواں دھار بارش شروع ہو گئی کہ موٹر چلانا مشکل ہو گیا۔ یہاں تک پہنچے تھے کہ موٹر ہی خراب ہو گئی۔ کم بخت نجانے کیا خرابی ہو گئی ہے نامراد میں بڑے پریشان تھے۔ میری بیوی کی طبیعت پہلے ہی سے خراب تھی۔ میں نے یہی کہا کہ ڈاک بنگلے میں قیام کریں۔ سڑک سے اتر کر ڈاک بنگلے کی طرف آ رہے تھے کہ پاؤں پھسل گیا گر پڑی اور گر کر بے ہوش ہو گئی۔ نجانے کیسے کیسے جتن کر کے اسے یہاں تک لایا ہوں۔"

"کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے بابو جی؟"

"نہیں حمید خاں کوئی خطرے کی بات نہیں ہے ٹھیک ہو جائے گی۔ بس ذرا بھیگ گئی ہے۔"

"ہم آتشدان میں آگ جلا دیں کوئلے تو پڑے ہوئے ہیں۔ مٹی کا تیل بھی ہے۔"

اندر سے چھن چھن کی آواز سنائی دینے لگی۔ بھرمدھم مدھم دھواں خارج ہونے لگا۔ راؤ برکت علی کے دل اچھل گئے۔ انجن نے جھٹکے لینے شروع کر دیے تھے۔ ایک تو بارش اوپر سے موٹر کا خراب ہو جانا ایک دم سے دل بیٹھنے لگا تھا یہاں تک کہ موٹر نے اپنا آخری کارنامہ سرانجام دے چکا جھٹکے لینے کے بعد انجن بند ہو گیا اور راؤ برکت علی نے موٹر کو سڑک کے ایک سائیڈ لگا دیا۔ دل میں ہول اٹھ رہے تھے رات ابھی اچھی خاصی باقی تھی۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ موٹر کو نشانی سے تو ٹھیک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بارش میں بونٹ تک نہیں کھولا جا سکتا تھا۔ اب کیا ہو گا کیا بقیہ وقت اسی گاڑی میں گزارا جائے لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ پتا نہیں کیا ہو جائے دیسے بھی ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے ویرانے میں کھڑی ہوئی گاڑی کو دیکھ لیا اور آگے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ تبھی اسے کچھ یاد اور اس نے بائیں سمت دیکھا۔ پھر ذرا طبیعت کو ڈھارس ہوئی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک مدھم روشنی نظر آ رہی تھی۔ کاس گنج سے علی گڑھ جاتے ہوئے یہ ڈاک بنگلہ بہت قدیم تھا اور راؤ برکت علی خود بھی ایک دو بار اس ڈاک بنگلے میں رنگ رلیاں منا چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"چلو کم از کم ..... تو بسری ہو۔ رات گزارنے کے لیے اس ڈاک بنگلے سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں ہے" پھر اس نے تشویش زدہ نگاہوں سے مہ جبیں کو دیکھا بہرطور اس بارش میں اسے آسانی سے تو ڈاک بنگلے تک لے نہیں جایا جا سکتا لیکن طاقتور تھا اتنا کمزور بھی نہیں تھا کہ مہ جبیں جیسے نازک وجود کو اٹھا کر چل نہ پائے۔ پھیلا دروازہ کھول کر مہ جبیں کو باہر گھسیٹا اور کاندھے پر ڈال کر ڈاک بنگلے کی طرف چل پڑا۔ بارش آنکھیں بند کیے دے رہی تھی۔ خالباً علی گڑھ سے نکلنے کے بعد بارش زیادہ دیر سے ہو رہی تھی کیونکہ علی گڑھ تک جتنی بارش اسے ملی تھی اس سے زمین کی یہ کیفیت نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈاک بنگلے تک سفر کرنا دوبھر ہو گیا۔ اگر اس علاقے کا باسی نہ ہوتا اور اس سے قبل ڈاک بنگلے تک نہ آ چکا ہوتا تو اتنی آسانی سے وہ پگڈنڈیاں نہیں تلاش کی جا سکتی تھیں جن سے گزر کر ڈاک بنگلے تک پہنچا جا سکتا تھا۔ گو زمین سخت تھی اور بارش کی وجہ سے اس پر زیادہ کیچڑ نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی جگہ جگہ پاؤں ڈگمگا رہے تھے شکر تھا کہ مہ جبیں ہوش میں نہیں آئی تھی ورنہ یہیں ہنگامہ شروع ہو جاتا۔ بہرطور کسی نہ کسی طرح ڈاک بنگلے میں داخل ہو گیا۔ چھوٹے سے احاطے میں قدم رکھتے ہی ایک عجیب سی آواز سنائی دی اور راؤ برکت کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کوئی یہاں موجود ہے۔ اس نے سوچا ڈاک بنگلے پر چوکیدار ہوا کرتا تھا لیکن یہ آواز اس کے لیے عجیب سی تھی۔ پھر جب غور کیا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

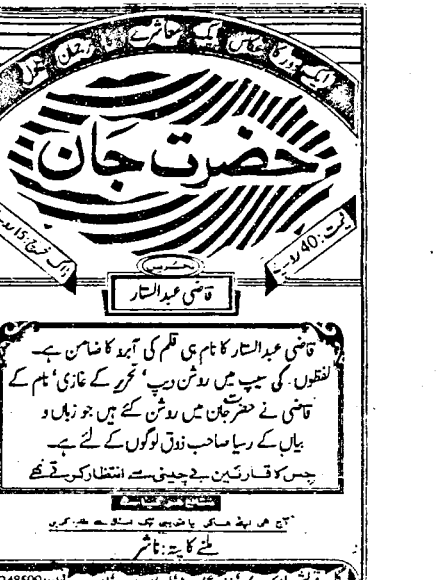
حضرت جان
قاضی عبدالستار
قاضی عبدالستار کا نام ہی قلم کی آبرو کا ضامن ہے۔
لفظوں کی سیپ میں روشن دیپ، تحریر کے غازی، نام کے
قاضی نے حضرت جان میں روشن کئے ہیں جو زباں و
بیاں کے رسیا صاحب ذوق لوگوں کے لئے ہے۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
ملنے کا پتہ: ناشر
فون: 7248599
7229762

"جلا دو تمہاری مہربانی ہوگی۔" راؤ برکت علی نے کہا اور چوکیدار نے پھونکیں مار مار کر آتشدان گرم کر دیا اوپر کارنس پر دوسری لالٹین رکھی ہوئی تھی اسے روشن کیا اور بولا۔

"چائے کی پتی ختم ہو گئی ہے نہیں تو آپ کو چائے پلاتے۔"

"شکریہ حمید خاں کوئی ایسی بات نہیں ہے اور سنو لو یہ رکھ لو۔" راؤ برکت علی نے کچھ روپے نکال کر حمید خاں کو دیے اور اس نے سلام کر کے روپے قبول کر لیے پھر بولا۔

"تم مجھے کس پہچانے حمید خاں لیکن میں پہلے بھی تمہارے ڈاک بنگلے میں ٹھہر چکا ہوں۔"

"ہاں بابو جی رات کا ٹیم ہے نا اور پھر نظر بھی کچھ کمزور ہو گئی ہے۔ ٹھیک سے نظر نہیں آتا رات کو۔ آپ آرام سے سو جاؤ جی۔ کوئی ضرورت ہو تو ہمیں بتا دو۔"

"نہیں تمہارا شکریہ کل دن میں نکل کر دیکھوں گا کہ موٹر کا کیا ہوتا ہے کم بخت میں نجانے کیا خرابی ہو گئی ہے؟"

"ٹھیک ہے بابو جی۔" چوکیدار باہر نکل گیا اور راؤ برکت علی کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مہ جبیں بدستور بے ہوش تھی۔ راؤ برکت علی کی آنکھوں میں درندگی اتر آئی۔

وہ سر سے پاؤں تک اسے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"اس بازار کی ہونے کے باوجود مہ جبیں بیگم قدرت نے تمہیں بڑے حسن جہاں سوز سے نوازا ہے۔ بلاشبہ اپنے آپ کو تمہارا غرور بے جا نہیں ہے لیکن غرور بھی کیا تو کس سے راؤ برکت علی تو پھولوں کا رسیا ہے اور بڑے بڑے خوشنما پھول اس کی آغوش میں آگرے ہیں۔ تم کیا اور تمہاری اوقات کیا لیکن اصولی طور پر اب تمہیں ہوش میں آجانا چاہیے۔" اس نے اندرونی لباس سے تلاش کر کے رومال نکالا اور مہ جبیں کے چہرے پر رکی ہوئی پانی کی بوندیں صاف کرنے لگا۔ دیر تک مہ جبیں کو اسی انداز میں گھورتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں ہوس جاگ رہی تھی پھر وہ دل ہی دل میں ہنس پڑا اور بولا۔

"مہ جبیں بیگم موسم برسات تو ویسے بھی امنگوں کا موسم ہوتا ہے۔ یہ ڈاک بنگلہ یہ خاموش اور سنسان ماحول باہر برستی ہوئی چھم چھم بارش جی تو چاہتا ہے کہ تمام آرزوؤں کو یہیں اس ڈاک بنگلے میں پورا کر لیا جائے لیکن اب ایسی بھی جلدی نہیں اب تم کہاں جاؤ گی اس وقت تک جب تک کہ ہر لمحے کا خراج نہ ادا کر دو۔ ان لمحات کا خراج جن میں تم نے راؤ برکت علی سے اجتناب کیا تھا اور تمہارا وہ شیطان عاشق ناظم خاں خیر پہلے تو معاملہ تم سے ہے۔ ناظم خاں کو بھی ایک دن اسی طرح بے بس نہ کر دیا تو راؤ برکت علی نام نہیں۔ کم بخت نے کوئی ایسا ہی مذاق چھاپ سمجھا تھا مجھے۔ کام آہستہ آہستہ بے شک ہوتا ہے لیکن ہو جاتا ہے۔" راؤ برکت علی اپنے جسم میں ایک ہلکی سی نمی محسوس کر رہا تھا جس میں گھلی ہو رہی تھی کپڑے بھیگنے کی وجہ سے ایسا ہو رہا تھا۔ جیب سے تو اس نے تمام چیزیں نکال کر باہر رکھ دی تھیں۔ آتشدان اچھا خاصا گرم ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر ایک تپائی کھینچی اور آتشدان کے سامنے جا بیٹھا۔ لباس خشک ہونا ضروری تھا۔ ایک نگاہ مہ جبیں کی جانب دیکھا اور اس کے بعد اوپری لباس اتار کر آتشدان کے سامنے لہرانے لگا۔ رفتہ رفتہ لباس کی نمی خشک ہونے لگی تھی۔ اس نے بس اوپری لباس کے خشک ہونے پر ہی اکتفا کیا اور جب کپڑے خشک ہو گئے تو اسے اپنے جسم پر پہننے لگا لیکن اس دوران مہ جبیں کی طرف سے وہ بالکل غافل ہو گیا تھا۔ اب جو اس نے پلٹ کر دیکھا تو مہ جبیں کو کنپٹیوں کے بل اٹھے ہوئے پایا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے روشن آگ کی جانب دیکھ رہی تھی جہاں وہ موجود تھا پھر اس کے ہوش و حواس پوری طرح جاگ اٹھے۔ اس کے حلق سے ایک ہلکی سی سسکی نما آواز نکلی اور اس کے فوراً بعد وہ اٹھ کر سنبھل کر بیٹھ گئی پھر جلدی سے پاؤں نیچے کر کے کھڑی ہو گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راؤ برکت علی کو دیکھ رہی تھی اور غالباً رات ہونے کی وجہ سے یا پھر اتنی دیر تک بے ہوشی کے عالم میں گزار کر آنکھیں صحیح طور پر کام نہیں کر رہی تھیں۔ چنانچہ وہ چند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدم آگے بڑھی اور اس کے منہ سے گھگھیائی ہوئی سی آواز نکلی۔

"کک ـــ کون ہو تم کون ہو اور یہ سب آوہ یہ سب؟"

راؤ برکت علی خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا وہ چند قدم اور آگے بڑھی اور اس کی دل سوز آواز ابھری۔

"بتاتے کیوں نہیں کون ہو تم کون ہو آخر؟"

"کچھ اور قریب آؤ مہ جبیں۔ یہ لالٹین اٹھاؤ میرے چہرے کے قریب کر کے دیکھو۔ پتا چل جائے گا میں کون ہوں۔"

"کک ـــ کون ہو تم خدا کے واسطے ـــ بتا دو۔ یہ کون سی جگہ ہے۔ آہ میرا سارا لباس بھیگا ہوا ہے کیا ہوا مجھے۔ یہ سب کیا ہو گیا بتاؤ گے نہیں؟"

"اور غور کرو مہ جبیں اور غور کرو سب یاد آجائے گا۔ میرے چہرے کو دیکھو غور سے دیکھو۔ ٹھہرو میں خود ہی تمہاری مدد کرتا ہوں۔" راؤ برکت علی نے لالٹین اٹھا کر اپنے چہرے کے قریب کر لی اور مہ جبیں اس پر غور کرتی رہی۔ دیر تک وہ آنکھیں پھاڑے راؤ برکت علی کو گھورتی رہی اور پھر اس کے حلق سے دوبارہ ایک آواز نکل گئی۔

راؤ برکت نے پھر تقہقہ لگایا۔ "یہ آواز اس بات کی ضامن ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔"

"رر ـــ راؤ برکت علی۔"

"واہ' یادداشت اچھی ہے مہ جبیں بیگم اور پھر یاد بھی رہنا چاہیے۔ وہی چہرے یاد رہتے ہیں وہ جو پسند آئے اور جو ناپسند آئے۔ میں جانتا ہوں میرا چہرہ تمہارے ناپسندیدہ افراد میں شامل ہوتا ہے۔" راؤ برکت علی نے بھاری آواز میں کہا۔

مہ جبیں خود کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف تھی اصل میں بات اس کی سمجھ میں ہی نہیں آرہی تھی۔ دلی میں اپنے کمرے میں سوئی تھی پھر یہ سب کیا ہوا۔ یہاں کیسے آگئی۔ لباس بھیگا ہوا کیوں ہے؟"

"مہ جبیں بیگم یہ تاپائی پڑی ہوئی ہے۔ آتشدان میں آگ اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔ چاہو تو لباس خشک کر لو۔ حالانکہ بہتر اس بھیگے ہوئے لباس میں تمہارے بدن کی رعنائیاں جو قیامت ڈھا رہی ہیں وہ ہوش و حواس لوٹ لینے کے لیے کافی ہے لیکن ازراہ انسانیت میں تمہیں موقع دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو اپنا لباس خشک کر لو۔" راؤ برکت علی نے کہا۔

"راؤ برکت علی یہ سب کیا ہے۔ میں یہاں کیسے آگئی۔ تم' تم یہاں کیسے ہو اور یہ کون سی جگہ ہے۔ خدا کے لیے مجھے کچھ بتاؤ۔ خدا کے لیے بتاؤ ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔"

"جلدی کیا ہے جان من آؤ آتشدان کے پاس آجاؤ۔ بدن کو ٹھنڈک نہ لگ جائے ویسے بہتر ہے لباس خشک کر لو۔ تکلف نہ کرو۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا ہے۔ اب سمجھداری سے کام لو۔ بعض اوقات انحراف بڑے بڑے کام بگاڑ دیتا ہے اور تعاون

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک بدنصیب کی داستان

ایک المناک شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راحیل

○ معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ

○ حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی

○ پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل تحریری صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور

فون: 7243599 - 7229762

ان بگڑے ہوئے کاموں کو سنبھال لیتا ہے۔ آجاؤ اب ضد نہ کرو جو کچھ ہو چکا ہے اس کی تفصیل تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گی۔"

مہ جبیں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا تاحد نگاہ خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ اندازے سے پتا چل رہا تھا کہ رات کا وقت ہے لیکن رات کتنی گزر چکی ہے اس کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ ہاں اگر وہ کھڑکی کھول کر دوسری جانب دیکھا جائے تو شاید وقت کا کچھ صحیح اندازہ ہو سکے۔ وہ گومگو کے عالم میں کھڑی رہی پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور آتشدان کے قریب پہنچ گئی۔ آگ کی حرارت خاصی خوشگوار محسوس ہوئی۔ راؤ برکت علی نے تاپائی آگے سرکا دی اور وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی آتشدان کے سامنے بیٹھ گئی۔ راؤ برکت علی بے حیائی سے ہنستا ہوا بولا۔

"ہمارا لباس بھی بھیگا ہوا تھا۔ ہم نے یوں کیا کہ اوپری لباس اتار کر خشک کر لیا۔ یہی ترکیب تمہاری بھی بتا سکتے ہیں۔ ہماری فکر مت کرو۔ نہ ہم نے تمہاری موجودگی کا احساس کیا اور نہ تم ہماری موجودگی کا احساس کرو۔"

"راؤ برکت علی جلتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"تھوڑی سی رات باقی ہے آرام کرنا چاہو تو آرام کر لو۔ کم از کم تمہاری یہ رات محفوظ ہے۔۔۔۔ مہ جبیں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ ادھر راؤ برکت علی اپنے طور پر پریشان

دھوکا دے رہی ہیں۔ ذرا قریب آؤ میں تمہیں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

فیروز محبت بھرے انداز میں باپ کے قریب آگیا۔ شاہ رخ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے بے چینی سے شانے ہلائے اور بولا۔

"جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی وہی دیکھ رہے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"دیکھو میرا نام شاہ رخ ہے۔ تم مجھے بار بار سر کہہ کر مخاطب نہ کرو۔"

"ٹھیک ہے جناب لیکن میں آپ کا نام تو نہیں لے سکتا۔"

"کیوں؟"

"آپ مجھ سے بڑے جو ہیں۔"

"ٹھیک ہے ناموں میں کیا رکھا ہے لیکن میں پھر وہی سوال کرتا ہوں۔ میرا چہرہ غور سے دیکھو۔"

"کوئی خاص بات ہے اس میں؟"

"آپ بہت اچھی شخصیت کے مالک ہیں۔ بہت خوش شکل' بہت دلکش' بہت اعلیٰ شخصیت ہے آپ کی۔ میرا مطلب ہے کہ ـــ کہ ـــ" فیروز کو آگے جملہ نہ سوجھ سکا۔

"کوئی ایسی بات نظر آتی ہے تمہیں میرے چہرے میں جو تمہیں حیران کرتی ہو؟"

"نہیں۔"

"اوہ۔ بھئی اچھا ایک آئینہ مل سکتا ہے۔"

"جی مل سکتا ہے۔"

"تو پھر لاؤ۔"

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔" فیروز خوش خوشی اندر گیا۔ رونق آرا اندر موجود تھیں کہنے لگیں۔

"کسے لائے ہو فیروز۔ کوئی دوست ہے کیا؟"

"ہاں خو۔ آپ ایسا کریں کوئی پندرہ منٹ کے بعد میرے دوست سے ملاقات کے لیے آجائیں۔"

"میں۔"

"ہاں۔ خو۔"

"میں کیا کروں گی؟"

"کمال ہے خو۔ میں اپنے دوست سے آپ کا تعارف کراؤں گا۔ آپ پندرہ منٹ کے بعد ضرور آجائیے گا۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

رونق آرا کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ فیروز کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے گردن ہلانا ان کا شعار بن گیا تھا۔ فطرت میں وہ نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی کہ اگر رونق آرا کا کوئی قدیم شناسا ہوتا تو حیرت سے سر پکڑ لیتا۔ نماز پڑھتی تھیں پانچوں وقت کی۔ ہر وقت مصلے پر بیٹھی فیروز کو دعائیں دیتی رہتی تھیں۔ اب

اسے کچھ سنگین احساسات ہو رہے تھے۔ راتوں رات [illegible] صحیح پہنچ جاتا تو سب ٹھیک تھا۔ یہی اس کا منصوبہ تھا۔ [illegible] نے سارے منصوبے چوپٹ کر دیے تھے۔ دن کی [illegible] میں یہ سفر کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ڈاک بنگلے میں رہنا کیسے [illegible] گاڑی کا کیا ہو گا۔

✦

فیروز عجیب و غریب احساسات کا شکار تھا۔ زندگی جس انداز [illegible] شروع ہوئی تھی وہ تو بہت ہی دلدوز تھا۔ فطرت میں جو کچھ تھا [illegible] کسی اچھے خاندان کے خون کے تحت ہی تھا پھر تقدیر نے [illegible] اور ناظم خان صاحب نے سنبھالا دے دیا۔ وہاں سے [illegible] فطرت کا ایک اہم پہلو ابھرا اور وہ اپنی شخصیت میں [illegible] ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ حادثے کا شکار ہو گیا لیکن اس [illegible] جو کچھ بھی ہوا وہ تقدیر ہی کا ایک حصہ تھا فاخر علی خاں [illegible] خاندان سے جو معلومات ہوئی تھیں۔ وہ کچھ ایسی تھیں جنہوں [illegible] کو ایک بار پھر عجیب و غریب احساسات کا شکار کر دیا تھا۔ [illegible] بارے میں تو اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ لاپتا ہے لیکن باپ کا [illegible] نے زندگی میں پہلی بار سنا تھا اور آرزو بھی تھی کہ باپ [illegible] قات کرے لیکن عامر علی خان وغیرہ نے روک دیا تھا اور [illegible] کہ وقت کا انتظار کر لیا جائے تو بہتر ہے اور وقت کا انتظار [illegible] رہا تھا۔

بہرحال اس وقت جو کچھ ہوا تھا وہ تقدیر کا ایک انوکھا قدم [illegible] کے دل میں ایسی چاہت ابھری تھی جس سے وہ پہلے کبھی [illegible] نہیں ہوا تھا۔ محبت تو خیر اس نے کچھ لوگوں سے پائی تھی۔ مہ [illegible] خو اسے بہت پیار کرتی تھی۔ پھر ناظم خاں نے اسے بے پناہ [illegible] دی تھی لیکن آج جو چہرہ نگاہوں کے سامنے آیا تھا وہ اس [illegible] عکس تھا۔ شاہ رخ کو اس نے ایک لمحے میں پہچان لیا تھا۔ [illegible] کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے تھے۔

"وہی آنکھیں وہی دلکش نقوش ملا دے ولی ایک بار ملا [illegible]"

اکثر مہ جبیں یہ دعا مانگا کرتی تھی اور اب اس کی دعائیں [illegible] ہو گئی تھیں۔ فیروز اس کے وجود کا تو ایک حصہ تھا۔ بہرحال [illegible] رخ کو کسی نہ کسی طرح اپنے گھر لے آیا تھا۔ شاہ رخ اپنی [illegible] جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ رلت ہونے کی وجہ سے اور پھر اس [illegible] حادثے نے اس سے کچھ دیر کے لیے حواس چھین لیے [illegible] گھر آنے کے بعد جب فیروز نے اس کی تھوڑی بہت [illegible] کی اور اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے ایک بار [illegible] کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔ پلکیں جھپکنے لگا۔ آنکھیں [illegible] اور بار بار فیروز کو دیکھتا رہا۔ فیروز اس کے سامنے بیٹھا [illegible] شاہ رخ نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

"تت ـــ تم ـــ میاں کون ہو تم۔ کیا میری آنکھیں مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو انہوں نے ممتاز اور دلشاد کو بھی معاف کر دیا تھا اور ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ اللہ ان کی زندگی سلامت رکھے۔ ان کے لیے خوشیوں کے دروازے کھول دے۔ مہ جبیں کے لیے وہ گھنٹوں سجدے میں پڑی رہا کرتی تھیں۔

بہر حال اب فیروز کا دل رونق آرا کی طرف سے بالکل صاف ہو چکا تھا۔ آئینہ لے کر وہ اسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں شاہ رخ حیران پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آئینہ فیروز کے ہاتھ سے لے لیا اور اور کہنے لگا۔

"میاں بات سنئے۔ شاید آپ نے اپنا نام مجھے بتایا تھا مگر میری یادداشت اتنی خراب ہے کہ بار بار بھول جاتا ہوں۔ کیا نام ہے آپ کا؟"

"فیروز۔"

"جی فیروز میاں میں تھوڑا سا پاگل ہوں۔ باہر کے ممالک میں زیر علاج رہ چکا ہوں اس لیے آپ میری کسی بھی حرکت کو پاگل پن پر ہی محمول کر لیں اور مجھ سے تعاون کریں۔"

"سر آپ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ذرا میرے قریب آجایئے۔" شاہ رخ نے کہا اور فیروز مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"آپ کو ہنسی تو آئے گی میری فرمائش پر لیکن ذرا اپنا رخسار میرے رخسار سے ملایئے۔"

"جی۔" فیروز حیرت سے بولا۔

"اپنا چہرہ میرے چہرے کے قریب لایئے۔" فیروز نے شاہ رخ کا مطلب سمجھ کر محبت سے اپنا رخسار اس کے رخسار سے ملا دیا اور شاہ رخ نے آئینہ سامنے کر لیا۔ دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"آپ کو بھی کچھ محسوس ہوا؟"

"کیا؟"

"بھئی کیا میرا چہرہ آپ کے چہرے سے ملتا جلتا نہیں ہے۔ بخدا یقین فرمایئے عالم نوجوانی میں 'میں بالکل آپ جیسا ہی تھا۔ بالکل ایسا ہی چہرہ تھا میرا۔ میں نے نوجوانی میں آئینہ بھی دیکھا ہے اور چہرہ بھی۔ کاش میرے پاس اس عمر کی کوئی تصویر ہوتی تو میں آپ کو دکھاتا اور آپ بھی حیران رہ جاتے۔ آپ بالکل میرے ہم شکل ہیں۔"

"سر ہو سکتا ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی ایسا رشتہ ہو جس کی بنا پر میں آپ کا ہم شکل ہوں۔"

"رشتہ؟"

"جی ہاں۔"

"ممکن نہیں ہے عزیزم۔ کوئی بات جو سمجھ میں آرہی ہو۔"

"خیر آپ یہ بتایئے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"کہاں تشریف لے گئے تھے۔"

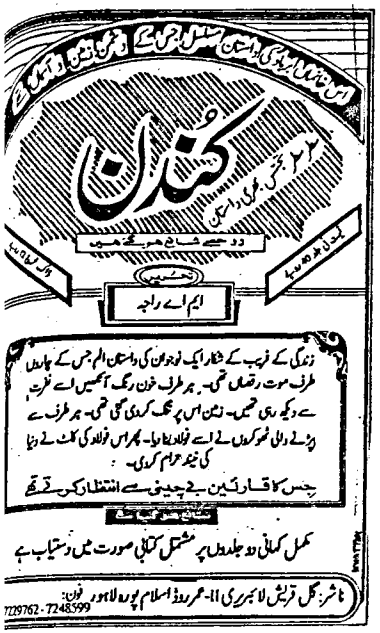
کندن
ایم اے راجہ
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے چاروں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے پڑنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کاٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762 - 7248599

ہیں عزیزی یہ سوال نہ کرو تو بہتر ہے۔"

ہیں؟"

م جس عمر میں ہو تم سے بات کرتے ہوئے کچھ جھجک سی ہوتی ہے۔ یہ احساس ہوتا ہے جیسے میں تمہارا کوئی ہوں اور تم میرے بچے۔ بس یہ سمجھو کہ برا انسان نہیں ظیر کے ہاتھوں بھٹکا ہوا ہوں کچھ عجیب و غریب حالات راہوں فیروز میاں۔ معاف کرنا تم نے جس محبت سے کی ہے اور جس دلیری سے میرا ساتھ دیا ہے میں اس ے صرف شکریہ کے الفاظ کہہ دوں تمہارے اس خلوص ت کی توہین ہو گی۔ لوگ کسی کے لیے جان کی بازی نہیں لیکن تم نے ــــ تم نے ــــ"

میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے جناب؟"

نہیں کون فرض کو محسوس کرتا ہے کون ان چکروں میں ے کسی کے لیے۔ بہر حال اللہ تمہیں اس کا اجر دے۔"

"آپ یہ بتایئے آپ کیا پینا پسند کریں گے؟"

"نہیں عزیزی بخدا یقین کرو تکلف نہیں کر رہا۔ تم محبت یہاں لے آؤ ہو احسان مند ہوں تمہارا۔ دل تمہاری طرف ا ہے۔ نہ جانے کیوں اپنے اپنے لگتے ہو اور پھر چہرہ۔"

شاہ رخ بات کرتے کرتے رک گیا۔ رونق آرا دروازے نظر آئی تھیں۔ وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔ رونق آرا کے چہرے پر نگاہ پڑی۔ رونق آرا نے بھی اسے دیکھا۔ دو قدم آگے بڑھی اور ٹھٹک گئی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ فیروز ابھی بھی مسکراتی نگاہوں سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ رونق آرا بہر طور اب اپنی جون بدل چکی تھی لیکن اتنی ہی کائیاں اتنی ہی ذہین اتنی ہی فطین تھیں۔ آنکھوں میں ایک چہرہ بس جائے تو کبھی نگاہوں سے نہ اترے۔ آخر زنانہ ساز رہ چکی تھیں۔ شاہ رخ کو ایک لمحے میں پہچان گئیں۔ ایک لمحے کے لیے تو نجانے کیا سوچتی رہیں پھر انہیں بہت سے خیالات ایک دم سے آئے اور آخر میں موجودہ وقت کا خیال آیا۔ لرز کر رہ گئیں۔ دو قدم آگے بڑھیں اور لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"شاہ رخ۔ شاہ رخ۔ تم شاہ رخ ہو نا۔"

"آپ ــ آپ ــ میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے؟ آپ کی صورت بھی جانی پہچانی معلوم ہو رہی ہے۔ میرے خدا کیا ہے یہ سب کچھ۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟"

"شاہ رخ تم آگئے۔ تم آگئے میرے بچے۔ تم ــ تم مجھے پہچانو شاہ رخ ــ میں رونق آرا ہوں مہ جبیں کی ماں۔ ہاں میں مہ جبیں کی ماں ہوں۔ تمہیں شاید یاد ہو نئی چاوڑی میں ایک بار تم ہمارے گھر آئے تھے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ۔ مہ جبیں کے ساتھ کچھ عرصے رہے تھے یاد کرو شاہ رخ۔ یاد کرو۔

شاہ رخ کے پورے دن میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ دماغ میں

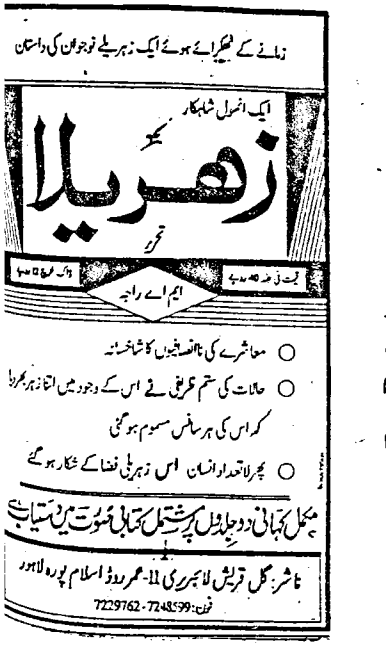
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راجہ
معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھرا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

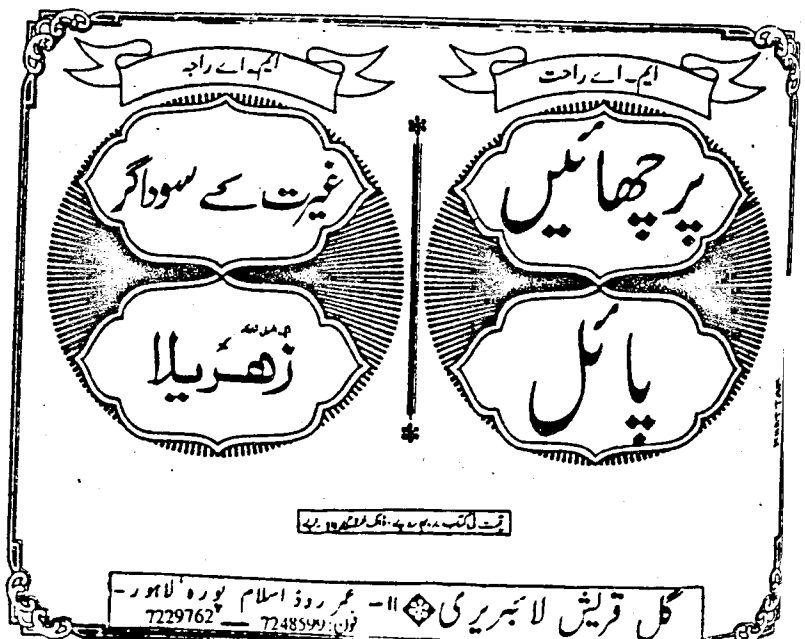

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک سنسنی سا موجزن ہو گیا تھا۔ ایک عجیب سی کھولن ہو رہی تھی۔ سارے وجود میں۔ وہ ٹکٹکی باندھے رونق آرا بیگم کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"رونق آرا بیگم' مہ جبیں کہاں ہے؟"

رونق آرا بیگم ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گئیں۔ کیا جواب دیتیں شاہ رخ کو۔ شاہ رخ آگے بڑھا اور اس نے عاجزی سے کہا۔

"رونق آرا بیگم آپ۔ میں نہیں جانتا آپ یہاں کیسے ہیں لیکن مہ جبیں۔ مہ جبیں کہاں ہے۔ خدارا ایک بار بتا دیجئے اس سے۔ آپ کو اللہ کا واسطہ مرگیا ہوں میں اس کے بنا۔ آپ کو نہیں پتا رونق آرا بیگم کتنی بار مرا ہوں میں اس کے لیے۔ رونق آرا بیگم میں اس کی جدائی میں اپنا ذہنی توازن کھو چکا تھا۔ مرگیا تھا میں اس کے لیے۔ خدارا ایک بار صرف ایک بار مجھے اس کا چہرہ دیکھا دیجئے۔ ایک بار شاہ رخ کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ رونق آرا بیگم بے اختیار ہو گئی تھیں۔ آگے بڑھیں اور کہنے لگیں۔

شاہ رخ خود کو سنبھالو بیٹے خود کو سنبھالو۔ مہ جبیں بھی جہاں ہو' اللہ تعالیٰ مل جائے گی تمہیں۔ ارے اسے تو دیکھو اسے پہچان لیا تم نے۔ تمہارا بیٹا ہے یہ۔ شاہ رخ یہ تمہارا اور مہ جبیں کا بیٹا ہے فیروز۔ دیکھ لو کیا اس کا چہرہ تمہارے جیسا نہیں ہے یہ تمہاری اولاد ہے۔ آہ مہ جبیں تیری دعائیں پوری ہو گئیں۔ اب تو آجا بچی! دیکھ میں تجھے تیری ساری زندگی کی دعاؤں کا تحفہ دے رہی ہوں آجا میری بچی آجا۔"

شاہ رخ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فیروز کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا بیٹا۔ میرا بیٹا۔"

"مطلق شاہ رخ یہ تمہاری اولاد ہے۔" "میرے خدا میرے خدا کیا ہے یہ سب کچھ۔ کیا میں پھر پاگل ہو رہا ہوں یا تقدیر مجھ سے کوئی سنگین مذاق کر رہی ہے۔"

"نہیں بیٹے۔ تقدیر کا مذاق نہیں ہے یہ۔ بس یہ گردش چرخ کی پھیلائی ہوئی ایک داستان ہے ایک انوکھی داستان۔ ہاں شاہ رخ حقیقت یہی ہے تم اس رات آئے پھر کبھی نہ آئے۔ مہ جبیں نے اپنے حجرے میں ایک چراغ جلا لیا اور اس کے چاروں طرف احاطہ کر لیا۔ اس نے تمہاری یاد کا وہ چراغ کبھی نہیں بجھنے دیا۔ ولیوں اور درگوں کے مزاروں پر وہ دعائیں مانگتی تھی کہ ایک بار ملا دے ولی بس ایک بار وہ صورت دکھا دے۔ انکھیاں ترستیاں ہیں۔ دل بے کل ہے۔ ہائے میری مہ جبیں ہمیشہ تمہیں یاد کرتی رہی۔ تمہاری یادوں کا یہ تاج محل فیروز کی شکل میں اس نے اپنے کلیجے سے لگا کر رکھا ہے مگر فیروز شاہ رخ تمہیں کہاں سے مل گئے۔ فیروز خود ہی جذبات میں ڈوب گیا تھا۔ ماں یاد آگئی تھی۔ باپ تو مل گیا تھا لیکن ماں ہنوز لاپتا تھی۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"صحرا بازار میں مل گئے تھے کچھ غنڈوں نے حملہ کیا تھا ان پر۔ خدا کا شکر ہے کہ میں انہیں بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ پہچان گیا میں انہیں۔ خوبی میں نے انہیں پہچان کر ہی اس کا نام رخ کیا تھا۔ مگر یہ میرے ابا جی ہیں کیا واقعی یہ میرے ابو ہیں؟"

"ہاں۔" رونق آرا بیگم نے کہا اور فیروز غم آلود تشکر کے ساتھ گردن ہلانے لگا۔

"نہیں نہیں۔ نہیں ہے۔ کیا میں دنیا کے سامنے ابو کو باپ کہہ سکتا ہوں؟" شاہ رخ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"کیوں نہیں فیروز۔ میرے بیٹے میرے بچے آپس سے پہلے جلد میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کائنات خالق کائنات نے ایک نعمت میرے لیے ایسی پیدا کر دی میرے تصور میں بھی نہیں تھی۔ فیروز میرے لخت جگر میرے دل کے ٹکڑے ہاں تو میرا بیٹا ہے۔ دنیا کچھ بھی کہے تجھے اپنا بیٹا کہتا ہوں تو تو میرا بیٹا ہے فیروز۔ ہاں مجھے احساس کہ ہم نے قانون قدرت پورا نہیں کیا۔ معافی مانگ لیں کفارہ ادا کریں گے۔ مہ جبیں کہاں ہے اسے بلاؤ میرے لاؤ۔ میں اس سے نکاح کروں گا۔ فیروز میں دنیا کے سامنے اعلان کر کہوں گا کہ فیروز میرا بیٹا ہے میری اولاد ہے۔ بتاؤ کہاں ہے کہاں ہے میری مہ جبیں۔"

"میں تمہیں مہ جبیں کے بارے میں پوری تفصیل ہوں شاہ رخ کیا ہوا ہے۔ کیا گزری ہے۔ ساری کہانی ممکن ہے ان حالات کو سننے کے بعد مہ جبیں کے بارے اپنا فیصلہ بدل دو۔ اس سے پہلے کہ کوئی ایسا وقت آئے ہے کہ تمہیں حالات سے آگاہ کروں۔" رونق آرا نے کی پوری کہانی شاہ رخ کو سنا دی اور شاہ رخ غمزدہ نگاہ رونق آرا کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"اگر مہ جبیں کے دس بچے بھی ہوتے تو بخدا میں پاکیزگی کو داغدار نہ سمجھتا کیونکہ وہ لمحات جو اس نے تھے پھر اس نے کبھی کسی کو نہ دیے ہوں گے۔ نجانے میرا ایمان ہے۔ رونق آرا بیگم وہ کہاں ہو سکتی ہے۔ ہے میری مہ جبیں کہاں ہے؟"

"ہم اسے تلاش کریں گے سر۔ آپ بالکل رکھیں۔"

"تم مجھے ابو نہیں کہو گے۔"

"نہیں سر مسرت خواہ ہوں ابھی آپ کو ابو نہیں مجھے خود اپنے آپ سے شرم آئے گی۔" فیروز نے جواب شاہ رخ نے گردن جھکا لی۔ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر ایک سانس لے کر بولا۔

"وہ وقت آئے گا فیروز' وہ وقت آئے گا کیونکہ میں اپنی مہ جبیں کو تلاش کروں گا۔ میں پورے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالوں گا کیسے نہیں ملے گی وہ مجھے اور فیروز اس کے بعد ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ فیروز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر کے بعد شاہ رخ نے کہا۔

"ابے اٹھو فیروز۔ مجھے میرے گھر لے چلو۔ چلو تمہیں تکلیف تو ہو گی لیکن اب میں یہ کہتے ہوئے کوئی وقت محسوس نہیں کرتا کہ میں تمہیں تکلیف دینے کا حق رکھتا ہوں۔ چلو اٹھو تیار ہو جاؤ۔"

"بہتر ہے۔" فیروز نے آہستہ سے جواب دیا۔

اظہار حسین کے بھی چھکے چھٹ رہے تھے۔ واپس آئے تو نواب توقیر حسین نواب ابراہیم اور باقی لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔

"کیا صورت حال رہی؟"

اظہار حسین بیٹھ گئے پھر بولے۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔"

"رہا اس ملازم کا؟"

"ناظم خاں بڑی اچھی شخصیت کے مالک ہیں۔ اعلیٰ درجے کی کوٹھی ہے۔ شکور کو انہوں نے اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا اور انہوں نے کچھ کام کی باتیں معلوم کر لی ہیں۔"

"کیا؟"

"وہ موٹر جس میں مہ جبیں کو اغوا کر کے لے جایا گیا ہے اس کا نمبر پتا چل گیا ہے اور جو حلیہ اس شخص نے بتایا ہے۔ غالباً ناظم خاں صاحب اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ راؤ برکت علی نام لیا تھا ان کے آدمی نے۔"

"جو نمبر اس شخص سے پتا چلا ہے کیا اس کے بارے میں معلومات نہ حاصل کی جائیں؟" توقیر حسین نے کہا۔

"میں اصل میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ناظم خان سے ہی رابطہ رکھا جائے تو کیا حرج ہے شکور کو بھی انہوں نے قید میں رکھا ہے ویسے رنگ آدمی ہیں کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔"

نواب ابراہیم سوچ میں ڈوب گئے پھر بولے۔ "مہ جبیں کے نہ جانے کوئی نہیں چاہتا لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسئلہ کتنے عرصے چلے۔ ظاہر ہے یہاں دلی میں بہت عرصے تو قیام نہیں کیا جا سکتا۔"

"آپ لوگ اگر جانا چاہیں تو بے شک چلے جائیے دیکھئے بات اصل میں یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر کچھ اس طرح متاثر ہو گیا ہوں مہ جبیں سے اس کی شرافت سے اس کی شخصیت سے کہ مجھے یوں لگتا ہے کہ یاسمین اگر میری ایک بہن ہے تو مہ جبیں دوسری۔ خدا لگتی کہیے اس کی مظلومیت نے دل پر وہ اثر کیا ہے کہ میرا طبیعت پانی ہو گیا اب ایسے میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"میاں اظہار حسین ہم بھی اتنے بے دل نہیں ہیں۔ بے ضمیر نہیں ہیں کہ مہ جبیں سے اپنا تعلق ختم کر بیٹھیں۔ ویسے خاں صاحب کے بارے میں کچھ اور تفصیلات معلوم ہوئیں؟"

"نہیں ہم اپنی ہی الجھنوں کا شکار تھے۔ بس مختصر گفتگو ہوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس کی کوئی خاص اہمیت ہو یا جو قابل ذکر ہو۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"خاں صاحب نے کہا ہے کہ وہ تھوڑا سا کام کرنے کے بعد دوبارہ رابطہ کریں گے۔"

"بات ایک طرح سے ختم ہو گئی۔ اظہار حسین بھی اپنی آرام گاہ میں چلے گئے۔ گھر میں سبھی ہکا بکا تھے۔ مہتاب جہاں کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ جنونی سی کیفیت کا شکار تھی۔ مہ رخ کو اس نے اپنے کلیجے سے لگا رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے نہیں چھوڑا تھا اسے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مہ جبیں کی کمی پوری کرنا چاہتی ہو۔ سبھی پریشان تھے۔ اظہار حسین مہتاب کے پاس پہنچے اسے دیکھا اور بولے۔

"مہ رخ کو کچھ کھلا پلا دیا؟"

"جی جی۔"

"اس کا خیال رکھنا مہتاب۔" اظہار حسین نے کہا اور مہتاب جہاں بلک بلک کر رو پڑی۔ ایسا روئی کہ سارے پریشان ہو گئے۔

دن گزر گیا رات ہو گئی۔ مہتاب مسلسل مہ رخ کو کلیجے سے لگائے ہوئے تھی۔ نواب توقیر حسین اسے تسلی دینے کے لیے اس کے کمرے میں آئے۔ مہتاب جہاں' مہ رخ کو سینے سے لگائے خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ توقیر حسین کی آہٹ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"دادا ابو ایک بات بتائیے۔"

"ہاں بیٹے پوچھو۔"

"پھوپو مل جائیں گی نا؟"

"بیٹے امید پر دنیا قائم ہے۔"

"وہ کون ظالم تھے جو پھوپو کو لے گئے یہاں سے؟"

"بیٹا دیکھو کام ہو رہا ہے پتا چل ہی جائے گا۔"

"دادا میاں میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں خیریت کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں دادا میاں ایک بہت خاص بات ہے۔"

"ارے کہو کیا بات ہے؟"

"آپ وعدہ کیجئے کسی کو بتائیں گے تو نہیں؟"

"تم منع کرو گی بیٹی تو نہیں بتائیں گے ہم۔" توقیر حسین نے پیار سے مہتاب جہاں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"دادا میاں وہ جو فیروز تھا نا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔"

"فیوز پھوپو کا بیٹا ہے۔"

"کیا؟" نواب توقیر حسین کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"ہاں فیوز پھوپو کا بیٹا ہے وہ بہت اچھی طرح اسے جانتی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا۔"

"لیکن لیکن کیسے آخر کیسے؟" اور جواب میں مہتاب جہاں کو جو معلومات مہ جبیں سے حاصل ہوئی تھیں۔ نواب توقیر حسین کو بتانے لگی۔ نواب توقیر حسین کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ ان کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ مگر یہ نہیں پتا چل سکا کہ فیوز کہاں ہے۔ کیا مہ جبیں کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا؟"

"نہیں۔" مہتاب جہاں نے جواب دیا۔

نواب توقیر حسین پر ایک نئی افتاد پڑی تھی۔ فیوز مہ جبیں کا بیٹا ہے۔ بہت دیر تک وہ مہتاب جہاں کو اس سلسلے میں کریدتے رہے تھے۔

❀

کاظم علی عجیب سی کیفیات کا شکار تھے۔ بیٹے کو جس قدر چاہتے تھے ان کا دل ہی جانتا تھا۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ نگاہوں سے دور ہوئے ایک ایک بات ذہن میں تھی ایک ایک لمحہ ذہن میں تھا۔ ماضی کی ایک ایسی کہانی جو کاظم علی کے سوا کسی اور کو نہیں معلوم تھی۔ ناظم خاں جس شخصیت کی یادگار تھا اس کے نقوش کاظم علی کے دل پر آج بھی کندہ تھے اور وہ ہمیشہ ایک تصور سے شرمندگی کا شکار رہتے تھے کہ اس شخصیت کی اکلوتی امانت کا تحفظ بھی نہ کر سکے۔ اب جبکہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ناظم خاں دہلی میں ہے اور جن حالات میں ہے اس کا بھی علم ہو چکا تھا۔ کاظم علی کو سخت وحشت کا شکار تھے۔ مشورے کے لیے کوئی ایسی شخصیت ذہن میں نہیں آ رہی تھی جس سے اس بارے میں کچھ معلومات حاصل کرتے۔ کسی ایسی ویسی شخصیت سے دل کی بات کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پھر تصور منشی ریاض کی جانب گیا۔ معمر جماندیدہ اور نفیس انسان تھے۔ ناظم خاں کی تربیت میں بہت بڑا ہاتھ ان کا تھا۔ منشی ریاض ہی کو بلوا بھیجا اور منشی ریاض پہنچ گئے۔ کاظم علی کچھ دیر خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھے رہے۔ منشی ریاض عجیب سی کیفیت کا شکار تھے۔ کاظم علی کے دکھ سے وہ اچھی طرح واقف تھے اور تمام حقیقتوں کو جانتے تھے بالآخر کاظم علی نے کہا۔

"منشی صاحب ایک مشکل آپڑی ہے مجھ پر، مشورے کے لیے بلایا ہے۔"

"اس نامعقول کا پتا چل گیا ہے۔" کاظم علی نے کہا اور منشی ریاض کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"ناظم خاں کا؟"

"ہاں۔"

"کہاں ہے؟"

"دہلی میں ہے۔ بی چاوڑی میں رہتا ہے اس تصور کے ساتھ کہ خاک وہیں پہنچ گئی جہاں کا خمیر تھا۔"

"ہاں مجھے علم تھا کہ وہ دہلی میں ہے۔ پچھلے سال سترھویں شریف میں شرکت کے لیے گیا تھا۔ مجھے نظر آ گیا تھا۔"

"یعنی یعنی..... کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دہلی ہی میں ہے۔" کاظم علی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔"

"آپ نے بہتر نہیں کیا منشی ریاض صاحب۔ کم از کم مجھے تو بتانا چاہیے تھا آپ کو؟"

"میں اسے اپنا جرم تسلیم کرتا ہوں۔"

"خاک جرم تسلیم کرتے ہیں آپ۔" کاظم علی تھوڑی دیر تک غصے میں ڈوبے رہے۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"اب بتائیے کیا کریں؟ کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھ سے بہتر آپ سمجھتے ہیں۔"

"تو اس لیے بلایا ہے میں نے آپ کو؟"

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ اصل میں وہ اس قدر ضدی لڑکا ہے کہ اس سے خوف ہی محسوس ہوتا ہے۔"

"اگر وہ گولیاں چلائے گا تو نشانہ رکھنے پہلے میں اپنا سینہ اس کے سامنے پیش کر دوں گا۔ آپ عجیب باتیں کرتے ہیں منشی صاحب۔"

"نہیں کاظم علی۔ خیر اب اتنے بھی بے غیرت نہیں ہیں ہم۔ کیا سوچا ہے اس بارے میں۔"

"اسے لانا ہے اسے واپس لانا ہے۔ ہر قیمت پر واپس لانا ہے۔ آپ دیکھتے نا کیا زندگی گزاری ہے ہم نے اس کے بغیر۔ کیا آپ کو اس کا احساس ہے؟"

"ہاں مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔" "بتاؤ کیا؟"

"کیوں نہ ہم حکیم سرفراز حسین سے رابطہ قائم کریں۔ اگر حکیم سرفراز حسین صاحب اس سلسلے میں کوشش کریں اور رضوانہ بیگم آگے بڑھ کر اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کریں تو بات بن سکتی ہے۔ اصل میں نواب فاخر علی خاں میری مراد تھے ماموں سے ہے۔ اب تائب ہو کر اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کوششیں کیں۔ حکیم سرفراز حسین صاحب کے پاس بھی گئے لیکن حکیم سرفراز نے انہیں ٹھکرا دیا۔ کاظم خان نے پوری داستان منشی ریاض کو سنائی منشی ریاض کہنے لگے۔

"میرا خیال ہے وہیں سے آغاز ہو سکتا تھا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے اگر لے جانا چاہیے۔"

"ہاں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"بسر و چشم۔ جس قابل ہوں حاضر ہوں۔"

"تیاریاں کر لیجیے۔" کاظم علی نے کہا اور منشی ریاض تیار ہو اس کے بعد کاظم علی منشی ریاض کو ساتھ لے کر آگرہ چل

حکیم سرفراز حسین کے گھر پہنچے۔ حکیم سرفراز انہیں دیکھ کر ا ہو گئے تھے۔

دیدہ و دل فرش راہ کر دیا۔ ویسے بھی دل میں کاظم علی کے کوئی کد نہیں تھی۔ کیونکہ تمام صورت حال ان کے سامنے جو کچھ تھا بیٹی کے لیے دل سے قبول کر لیا تھا۔ آج تک بات زبان پر نہیں لائے تھے۔ نہ کاظم علی کے سامنے اور نا ایسے شناسا کے سامنے جو کاظم علی کو کچھ بتا دیتا اس کا اس کاظم علی کو بھی تھا۔

حکیم سرفراز حسین نے کاظم خان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ علی کہنے لگے۔

"وہ حکیم صاحب اس سلسلے میں کچھ گفتگو کرنے حاضر ہوا ۔"

"ارشاد کاظم علی۔"

"آپ کے دل میں ہمارے لیے بہت سے برے خیالات ے لیکن....."

"ایک منٹ قبلہ ایک منٹ۔ کس نامعقول شخص نے آپ ہ کہا کہ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی برائی ہے۔ بات ل میں یہ ہے کاظم علی کہ انسان اپنی پردہ پوشی کرتا ہی ہے اور ا وہ کچھ آپ نے کیا تھا بخدا اگر میرے علم میں پہلے بھی آ جاتا تو ا اس پر اعتراض نہ کرتا دیکھئے سچا آدمی ہوں بھی گی لپٹی بات کرتا اور نا ہی میری شخصیت میں کوئی دہرا پن ہے۔ کاظم علی ان صاحب آپ نے اس نیک بخت سے نکاح کیا تھا اور نکاح کے بعد ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ صاحب نکاح کو ا سے جائز سمجھے۔ بعض اوقات کچھ اس قسم کے عوامل سامنے آ جاتے ہیں کہ لوگوں کی زبان مختلف انداز میں چلنے لگتی ہے لیکن بخدا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ بیٹی کی تقدیر کا مالک تھا جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے رشتہ جوڑ دیا۔ بس اس کے انسان کو کیا سوچنا۔ ہاں ذرا ذمہ دار لوگ ہوں تو دل مطمئن ہوتا ہے اس لیے سب سے پہلے تو آپ یہ خیال دل سے نکال دیجئے اگر میرے ذہن میں اس قسم کی کوئی بات تھی یا ہے

"آپ صاحب ظرف انسان ہیں اور میں نے ہمیشہ دل سے اس ظرف کی قدر کی ہے کیونکہ اتنا بڑا سانحہ ہونے کے باوجود نہ تو آپ نے لب شکایت میرے سامنے کھولے اور نہ کہیں سے کوئی ایسی بات میرے کانوں میں پڑی جو آپ کی شخصیت کو ہلکا کر دیتی یا جس کی بنا پر مجھے شرمندہ ہونا پڑتا۔"

"اللہ کا شکر ہے کہ کسی نے کوئی ایسی بات اپنی طرف سے گھڑ کر بھی نہ کہی۔ میں اس عزت افزائی پر آپ کا شکر گزار ہوں کاظم علی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس غریب خانے کو کبھی آپ کے قدموں کی رونق ملے گی۔"

"بے حد شکریہ آپ نے بڑی دلجوئی کی ہے حکیم صاحب۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ مجھے ابھی کچھ دقت قبل نواب فاخر علی خاں کی زبانی یہ علم ہوا ہے کہ وہ نامعقول لڑکا دہلی میں رہتا ہے اور نئی چاوڑی میں اس کا قیام ہے۔"

"ہیں کیا آپ کو ساری حقیقتوں کا علم نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ مطلب ہے۔ اچھا خیر آپ آگے فرمایئے۔"

"کوئی اور بھی حقیقت ہے حکیم صاحب۔"

"جی حضور بہت بڑی حقیقت لیکن آپ آگے فرمایئے آپ کیا فرما رہے تھے اس کے بعد میں کچھ عرض کروں گا۔"

"مطلب یہ ہے حکیم صاحب کہ اب ہمیں اس منہ زور گھوڑے کو رام کرنا ہے۔ میرا خیال ہے عزیزہ رضوانہ اس سلسلے میں معاون ثابت ہو سکیں گی۔" نواب فاخر علی خان جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ میرے عزیز ہیں بلکہ میرے لیے قابل احترام بھی ہیں جو کچھ کیا انہوں نے بے شک بہت برا کیا لیکن حکیم صاحب انسان ہوں۔ معاف کر دیا میں نے انہیں۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کے پاس بھی حاضر ہوئے تھے۔ بہرحال کچھ اس قدر دل برداشتہ نظر آتے تھے کہ میرے ضمیر نے ان کے ساتھ کوئی سختی گوارا نہیں کی اور میں نے انہیں معاف کر دیا رضوانہ میری آبرو ہے۔ میں اسے ہر قیمت پر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ بخدا پہلے بھی دل بارہا چاہا کہ اسے رخصت کرا کر اپنے گھر لے جاؤں اور وہ فرائض پورے کروں۔ جو بیٹیوں کے باپ یا سسر پورے کرتے ہیں لیکن پھر سوچا کہ یہ ایک تماشا ہو جائے گا۔ آپ بھی خاندان والے ہیں بلاوجہ نکو بن جائیں گے خاندان میں۔ اب آپ یہ فرمایئے کہ کرنا کیا ہے؟"

حکیم سرفراز حسین خاموش بیٹھے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"کچھ اور واقعات بھی ہو گئے ہیں نواب صاحب قبلہ۔"

"کیا؟"

"ہوا یہ کہ جب نواب فاخر علی خان یہاں سے چلے گئے تو رضوانہ نے ان کی تمام باتیں سن لی تھیں۔ اسے بھی علم ہو گیا تھا کہ ناظم علی خان دہلی کی نئی چاوڑی میں مقیم ہیں۔ میں نہتے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ نواب فاخر علی خان کی بات پر میں نے توجہ نہیں دی لیکن رضوانہ نے مجھے سے انحراف کیا اور کہا کہ اب جبکہ ناظم علی کے بارے میں علم ہو چکا ہے کہ وہ ولی میں مقیم ہیں تو وہ قسمت آزمائی کرنا چاہتی ہے۔ میں نے روکا اسے اور کہا کہ میں اس کے حق میں نہیں ہوں لیکن یہاں اس نے مجھ سے بغاوت کی اور کہنے لگی کہ میں اپنی ذاتی انا کے لیے اس کا مستقبل خراب نہ کروں۔ کچھ تھوڑی سی تلخی ہو گئی میرے اور اس کے درمیان لیکن وہ کسی قیمت پر رکنے کو راضی نہ ہوئی اور وہ یہاں سے چلی گئی میں نے جاتے جاتے اپنے ایک خاص آدمی رحمان خان کو اس کے ساتھ کر دیا تھا۔ بہرحال وہ نئی چاوڑی پہنچی۔ ناظم خان سے ملی اور اس بات کا تو میں بھی قائل ہوں کہ وہ جو کچھ بھی ہے ایک اعلیٰ خاندان کا انسان ہے۔ رضوانہ بیگم کو اس نے صدق دل سے قبول کر لیا۔ وہیں دہلی میں اس نے ایک کوٹھی بھی لی ہوئی ہے اور اس کوٹھی میں اس نے رضوانہ بیگم کو رکھا ہے۔ یہ اطلاع مجھے رحمان خان سے ملی تھی بعد میں ناظم علی خان رضوانہ کو لے کر آیا۔ بجز اس کے ایک صاحب ظرف اور اعلیٰ نسب انسان ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ وہ رضوانہ کو جس انداز میں یہاں لایا میں آج بھی اس کی خلوص دل سے قدر کرتا ہوں لیکن بس کچھ ایسی کیفیت تھی میری کہ میں صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہا۔ ناظم خان نے کہا کہ جو کچھ ہوا اس میں کچھ ایسے عوامل تھے جن میں دیوانگی شامل ہو گئی تھی اور وہ اس دیوانگی پر معذرت کرتے ہیں۔ میں اپنی بیٹی کو عزت و آبرو کے ساتھ اپنے خاندان کے سامنے رخصت کروں اور وہ اسے عزت سے ہی لے جائیں گے۔ میں نے شرط پیش کر دی کہ کاظم علی صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہاں سے لے جائیں تو میں تیار ہوں جس پر وہ بگڑ کر چلے گئے۔ رضوانہ بہرطور اب انہی کے ساتھ ہے۔ رحمان خان کا کہنا ہے کہ وہ نہایت عزت و آبرو کے ساتھ رہ رہی ہے۔ میں اکثر اس کی خبر گیری کراتا ہوں۔"

نواب کاظم علی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ منشی ریاض بھی خوشی سے مسکرانے لگے تھے۔ انہوں نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"خداوند عالم تیرا شکر ہے کہ ایک مسئلہ تو حل ہوا۔" کاظم علی خان البتہ پریشان نظر آ رہے تھے انہوں نے کہا۔

"اس کا مقصد ہے کہ وہ مجھے معاف کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ورنہ آپ کی یہ شرط قبول کر کے میرے پاس پہنچ جاتا۔"

کاظم علی بہت زیادہ دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔ منشی ریاض نے کہا۔

"چلیے کاظم علی خان دہلی چلتے ہیں۔ میں ذرا دیکھوں گا اس نامعقول کو کیا کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ جوتے مار دے گا میرے سر میں۔ نکال دے گا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر سے۔ آپ کے ساتھ تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں آگے بڑھ کر بات کروں گا اس سے یعنی کسی کی قصور اور قصور وار قرار دے دیا ہم لوگوں کو فاخر علی خاں کا معاملہ تھا۔ ان سے بات کرتا ان کو برا بھلا کہ

"یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں جس طرح اس نے زندگی گزاری۔ اس میں اس کی شخصیت پر کوئی داغ نہیں وہ اپنے آپ کو ذمہ دار انسان کی حیثیت سے قبول نہیں کر اس کی دیوانگی کا راز میں جانتا ہوں لیکن اب کیا کیا جائے۔"

"ایک کام کیا جا سکتا ہے۔ وہ بھی انا پرست ہے۔ صاحب نے اس کی انا کو ضرب پہنچائی اور اس بات کو قبول کیا۔ اگر حکیم صاحب بھی ہمارے ساتھ چلیں تو میں کہوں کہ اس کی فطرت کو ایک سکون ملے گا اور حکیم سرفراز آپ کو ساتھ چلنا چاہیے۔ اور اگر آپ نے اس سلسلے میں کیا تو پھر ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ آپ انتہائی سے کام لے رہے ہیں۔"

"حضور قبلہ ریاض صاحب میں نے اعتراف کیا۔ نواب کاظم علی خاں اگر مجھے کوئی حکم دیں گے تو میری جا میں اس سے منحرف ہو جاؤں۔"

"جیتے رہو حکیم سرفراز حسین۔ چلو بھئی یہ مسئلہ کسی طرح تو حل کرنا ہی ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ سچ کہتے ہیں ریاض وہ بھی انا پرست ہے اگر کوئی بات دل کو بھا گئی تو مسئلے ایک لمحے میں ختم ہو جائیں گے۔"

"آپ آرام کیجئے مجھے تیار ہونے کا موقع دیجئے۔" سرفراز حسین نے تیاریوں کے لیے کچھ وقت لیا اور ا اجازت لے کے اندر چلے گئے۔ کاظم علی عجیب سی کیفیت تھے۔ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"منشی صاحب کام کچھ بنتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

"چادر مان لی ہے میں نے خواجہ نظام الدین اولیا کی مدد کرے۔" منشی ریاض نے خلوص سے کہا۔

"کتنا عرصہ گزر گیا اسے دیکھے ہوئے۔" کاظم علی لہجے میں کہا۔

"مجھے اندازہ ہے۔"

"کوٹھی خرید لی ہے اس نے دلی میں۔"

"ظاہر ہے بیوی کو نئی چاوڑی میں تو رکھنے سے رہا۔"

"ایک بات کہوں نواب صاحب۔"

"ہاں کہو۔"

"حکیم صاحب کی بیٹی سمجھدار معلوم ہوتی ہے۔ ا بھی تو کسی نہ کسی طرح ناظم میاں کو رام کیا ہو گا۔"

"بے شک۔ ہمیں اس سے بھی مدد مل سکتی ہے۔" خوابوں میں کھو گئے۔

*

بارش رک چکی تھی آسمان بھی صاف ہو چکا تھا دن کی روشنی میں یہ سفر جس قدر خوفناک ہو سکتا تھا اس کا اسے اندازہ تھا لیکن کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ایک اور چیز بھی نظر آئی اور اسے دیکھ کر راؤ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے بشاشت سی آ گئی۔ چند لمحات دیکھتا رہا سوچتا رہا یہ ایک تانگے کا پچھلا حصہ تھا۔ گھوڑے کو وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا گویا تانگا اور گھوڑا یہاں موجود ہے لیکن کس کام کا۔ مہ جبیں سے خطرہ تھا اگر بات کسی طرح کھول دی تو مشکل کا باعث بن جائے گی لیکن یہاں کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جس سے کوئی خطرہ ہوتا۔ چوکیدار تھا یا پھر یہ تانگا گھوڑا نظر آیا تھا۔ چوکیدار کا تانگے گھوڑے سے کیا تعلق ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک لمحے سوچتا رہا پھر مہ جبیں کی جانب رخ کر کے بولا۔

"یہاں خاموشی سے بیٹھو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں خبردار دار اول تو میں دروازہ باہر سے بند کر دوں گا لیکن اس کے باوجود تم آواز نکالنے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

"میں کہہ چکی ہوں راؤ برکت علی میں تو تمہارا رحم چاہتی ہوں تمہارا تعاون چاہتی ہوں کوئی ایسی بات نہ کروں گی میں جس سے تمہارے غصے کو ہوا ملے۔"

راؤ برکت علی نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازہ باہر سے بند کیا اور مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ تدبیر سوجھ گئی تھی اور اب اس پر عمل کرنا تھا۔ باہر نکلا چوکیدار کو آواز دی تو چوکیدار قریب آ گیا۔

"میاں حمید خاں اب پہچانے مجھے؟"

"جی صاحب یاد آ گیا ہے۔ آپ تو بہت بڑی سرکار ہیں۔ دیکھا ہے آپ کو۔"

"بارش رک گئی۔"

"جی سرکار رات ہی کو رک گئی تھی۔"

"میاں یہ تانگا گھوڑا کس کا ہے۔"

"حضور ایک تانگے والا ہے بیچارہ بارش میں سفر کر رہا تھا نہ کر سکا یہاں آ گیا۔ ہم سے اجازت مانگی۔ ہم نے کہا کہ بھائی یہ تو ہے ہی راہ گیروں کے لیے رک جاؤ بارش میں اگر آگے نہیں جانا چاہتے۔ بس تانگا گھوڑا کھول دیا۔ بوڑھا سا آدمی ہے بے چارہ۔"

"کہاں ہے جاگ گیا؟"

"ہاں جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

"ذرا ہماری اس سے بات کرا دو۔ ہم نے تمہیں بتایا تھا نا حمید خاں کہ ہماری موٹر خراب ہو گئی ہے اب ایسا کرتے ہیں کہ اپنی بیوی کو لے کر پہلے گھر چلے جاتے ہیں اسے چھوڑیں گے اور اس کے بعد کسی مکینک کو لے کر آئیں گے مستری موٹر دیکھے گا۔ ٹھیک کر کے لے جائے گا۔"

"چلو ذرا لے چلو۔" راؤ برکت علی چوکیدار کے ساتھ تانگے والے کے پاس پہنچ گیا۔ گٹھے ہوئے بدن کا ایک عجیب الخلقت آدمی تھا۔ راؤ برکت علی نے اسے سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا۔ راؤ برکت علی بولا۔

"تانگے والے کیا نام ہے آپ کا؟"

"نام۔" تانگے والے نے راؤ برکت علی کو دیکھا اور پھر بولا۔

"پتا نہیں۔"

"جی۔" راؤ برکت علی نے حیرت سے کہا۔

"نام پتا نہیں ہے بھائی۔"

"نک ..... کچھ تو کہا جاتا ہو گا آپ کو۔"

"ہاں ہمارے جاننے والے ہمیں چچا پھپا کہتے ہیں۔" معمر شخص اس نے بتایا۔

"چلیے ہم بھی چچا پھپا ہی کہہ لیں گے۔ تو چچا پھپا آپ سے ایک کام آ پڑا ہے۔"

"حکم کرو بھائی۔"

"آپ تانگا چلاتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"اصل میں رات کو میں آ رہا تھا دہلی سے۔ میری موٹر خراب ہو گئی اور مجھے یہاں ڈاک بنگلے میں آنا پڑا۔ میری بیوی دماغی مریضہ ہے۔ دہلی کے ہسپتال سے لے کر آیا ہوں۔ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ مرض لاعلاج ہے۔ ولایت میں لے کر دماغ کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ اب یہ تو اتنی جلدی کا کام نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ بیوی کو لے آؤں۔ راستے میں شروع ہو گئی بارش اب مجھے یہاں سے کاس گنج جانا ہے۔ تو چچا پھپا اگر اس وقت آپ میرے اوپر مہربانی کر دیں تو منہ مانگا معاوضہ دوں گا آپ کو۔"

"تو میاں ہم تو تانگا چلاتے ہیں۔ ہاترس سے علی گڑھ آئے تھے۔ علی گڑھ سے واپس جا رہے تھے کہ بارش ہو گئی۔ یہاں سرائے میں ٹھہر گئے۔ اب واپس بارہ پوری جا رہے تھے۔ وہیں کے ہیں ہم۔ تو تم مل گئے چلو ٹھیک ہے کاس گنج تک کا چکر لگا لیتے ہیں اور منہ مانگے پیسے کیا جتنے پیسے بنتے ہیں اتنے پیسے دے دینا۔"

"آپ تانگا جوت لیں' آپ کا بہت بہت شکریہ بہت بڑی مشکل حل کر دی آپ نے ہماری۔"

"بھیا بھاڑے کے ٹٹو ہیں جہاں سے بھاڑا ملتا ہے وہاں کے لیے کام کرتے ہیں نہ کسی پر احسان اور نہ کسی کی مشکل حل کر دی۔"

"تو پھر کتنی دیر میں تیار ہو جائیں گے آپ؟"

"ابھی لو دس منٹ میں۔" تانگے والے نے کہا اور راؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برکت علی خوشی خوشی مہ جبیں کے پاس واپس آگیا۔ پھر لہجہ خراب کر کے بولا۔

"مہ جبیں بیگم ہم تانگے میں چل رہے ہیں۔ موٹر تو خراب ہو گئی ہے۔ میں تمہیں پہلے یہاں سے کاس منج لے جاؤں گا اس کے بعد موٹر ٹھیک کراؤں گا پھر..... پھر تم سے بات کروں گا۔ اگر میرے اور تمہارے درمیان کوئی بات بن گئی تو میں واپس تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اب تمہاری حالت دیکھ کر مجھے ترس آرہا ہے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ راؤ برکت۔ میری طرف سے آپ قطعی عدم تعاون کی فضا نہ پائیں گے۔" مہ جبیں نے کہا اور راؤ برکت علی اسے تیار ہونے کے لیے کہنے لگا۔

تیاریاں ہی کیا کرنی تھیں۔ لباس تو خشک ہو ہی چکا تھا۔ بال وغیرہ اس نے ایسے ہی انگلیوں سے سنوار لیے تھے۔ باہر سے چوکیدار نے آواز دی کہ صاحب تانگا تیار ہو گیا ہے۔ راؤ برکت علی نے چوکیدار کو کچھ رقم دی شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد سہمی ہوئی مہ جبیں کو لے کر باہر نکل آیا۔ بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا اس نے۔ باہر آکر وہ تانگے والے سے بولا۔

"میاں تانگے والے کیا تانگے میں پردے کا انتظام ہے؟"

"کیوں نہ ہو گا۔ زنانی سواریاں بھی بیٹھتی ہیں ہمارے تانگے میں۔ شریف زادیوں کے لیے انتظام کر رکھا ہے ہم نے۔"

"ارے واہ جی خوش کر دیا۔ تانگا تیار تھا۔ پردے میں مہ جبیں کو بٹھا دیا گیا اور راؤ برکت علی خود تانگے والے کے ساتھ جا بیٹھا اور تانگے والے نے تانگا ہانکنا شروع کر دیا۔

"میاں تانگے والے کتنا پیسہ کما لیتے ہو؟"

"ایک تو تم عجیب آدمی ہوں۔ جو بات منہ پر آئے وہی کہو۔ کبھی چچا پھوپا کہتے ہو کبھی تانگے والا۔"

"نہیں نہیں معاف کرنا بس ایسے ہی گاڑی خراب ہو جانے کی وجہ سے ذرا دماغ کو پریشانی لاحق ہو گئی ہے الٹی سیدھی باتیں منہ سے نکل رہی ہیں۔ چلو خاموش ہوا جاتا ہوں۔"

"نہیں میاں باتیں کرو۔ بس یوں سمجھ لو اللہ جو دیتا ہے کما لیتے ہیں نہ کوئی آگے ہے نہ کوئی پیچھے۔ بارہ پوری میں رہتے ہیں۔ کنور محسن علی کی ملکیت ہے۔ ہمارے ان سے بھی تعلقات ہیں۔ وہ تو ہم سے بیسیوں بار کہہ چکے ہیں کہ چچا پھوپا کیا ضرورت ہے تمہیں تانگا چلانے کی۔ کھاؤ پیو عیش کرو مگر بھیا بات اصل میں یہ ہے کہ انسان کے جب تک ہاتھ پاؤں چلتے رہیں اچھی بات ہے اس میں کوئی بری بات تو نہیں ہے۔"

مہ جبیں بھی یہ تمام باتیں سن رہی تھی کنور محسن علی اور بارہ پوری کا نام سن کر اس کے کان کھڑے ہوئے۔ ماضی کی بہت سی کہانیاں یاد آگئیں اور پھر یہ کہانیاں ماضی ہی کی تو نہ رہی تھیں۔ طاہر علی یاد آئے جنہوں نے اس کے لیے نہ جانے کیا کیا جتن کر ڈالے تھے۔ کنور محسن علی بھی یاد آئے۔ بارہ پوری کی ساری باتیں یاد آگئیں اور پھر یہ بھی یاد آگیا کہ ابھی زیادہ پرانی بات تو نہیں تھی جب کنور طاہر علی اور محسن علی کس آباد آئے تھے اور نواب ابراہیم کے ہاں ٹھہرے تھے انہوں نے کسی طرح صاحب طرف ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ مہ جبیں کا اس سے بڑا گواہ اور کون ہو سکتا تھا۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ چیخ کی آواز سن کر تانگے والے نے گھوڑے کی راسیں کھینچ لی تھیں۔

"کک کیا ہو گیا میاں کیا ہو گیا؟"

"ایں ..... کچھ نہیں میں دیکھتا ہوں۔" راؤ برکت علی نے پیچھے دیکھا مہ جبیں سسک سسک کر رو رہی تھی۔ تانگے والے نے تانگا روک دیا تھا۔ راؤ برکت علی کہنے لگا۔

"نہیں چچا پھوپا آپ چلتے رہیں میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میری بیوی پاگل ہے۔"

دفعتہً مہ جبیں نے پھر دلدوز آواز میں پکارا۔ "چچا پھوپا ..... چچا پھوپا میری مدد کیجئے۔ میری مدد کیجئے چچا پھوپا۔"

تانگے والے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ راؤ برکت علی بھونچکا رہ گیا۔ شدید غصے کے عالم میں اس نے پھر پردہ ہٹا کر مہ جبیں کو دیکھا۔ مہ جبیں فوراً ہی دوسری جانب سے نیچے اتر گئی تھی۔ راؤ برکت علی نے بھی نیچے چھلانگ لگا دی اور آگے بڑھ کر

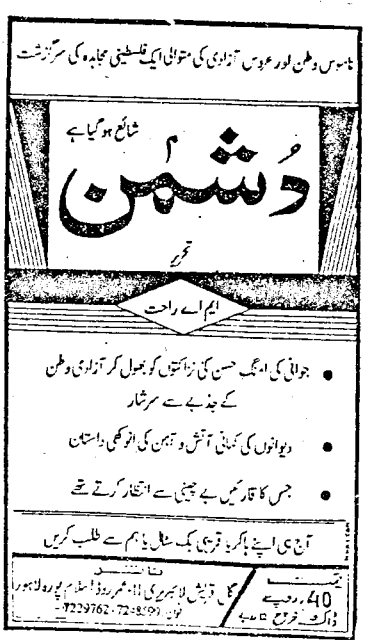
ناموس وطن اور عروس آزادی کی متوالی ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت
شائع ہو گیا ہے
دشمن
تحریر
ایم اے راحت
جوانی کی امنگ حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
دیوانوں کی کہانی آنسو و آہیں کی انوکھی داستان
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
آج ہی اپنے بکر یا قریبی بک سٹال پر ہم سے طلب کریں
قیمت
40 روپے
ڈاک خرچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہ جبیں کو پکڑ لیا۔ مہ جبیں چچا پھپھا کی طرف رخ کر کے بولی۔

"چچا پھپھا مجھے بچایئے۔ میں نہ تو پاگل ہوں اور نہ کوئی اور خرابی ہے مجھ میں۔ مجھے اغوا کیا جا رہا ہے۔ چچا پھپھا یہ شخص ایک جرائم پیشہ آدمی ہے۔ یہ مجھے دلی سے اغوا کر کے لایا ہے اور اب مجھ پر زیادتیاں کر رہا ہے۔ آپ مجھے پہچان گئے ہوں گے چچا پھپھا۔ نہیں پہچانے ہوں گے تو میں آپ کو بتا دوں گی کہ میں کون ہوں۔ ہائے مجھے بچایئے ہائے مجھے بچایئے۔" اور اس کے بعد چچا پھپھا تانگے سے نیچے اتر آئے۔

راؤ برکت علی نے مہ جبیں کے بال پکڑ لیے تھے اور اسے تانگے کی جانب گھسیٹ رہا تھا۔ چچا پھپھا قریب پہنچ گئے اور کہنے لگے۔

"میاں اگر اہلیہ پاگل بھی ہیں تو کیا ان کے ساتھ یہ سلوک جائز ہے۔"

"جان سے ماردوں گا اس کتے کی بچی کو میں۔"

"ہوں اور یہ جو کہہ رہی ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے عزیز۔"

"اے بکواس مت کر۔ چل تانگے پر بیٹھ اور تانگا چلا ورنہ تو مجھے نہیں جانتا کہ میں کیا ہوں؟"

"سبحان اللہ سبحان اللہ میاں اسے کہتے ہیں اصلیت جو انسان کی زبان پر کسی نہ کسی طرح آ ہی جاتی ہے۔ ہمیں نہیں جانتے تم۔ بڑے بگڑے ہوئے آدمی ہیں ہم۔ چھوڑو بچی کو چھوڑو

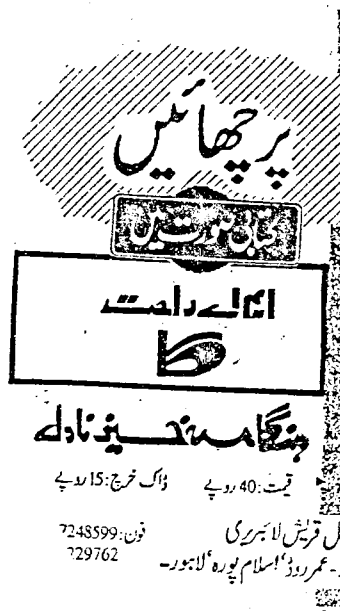

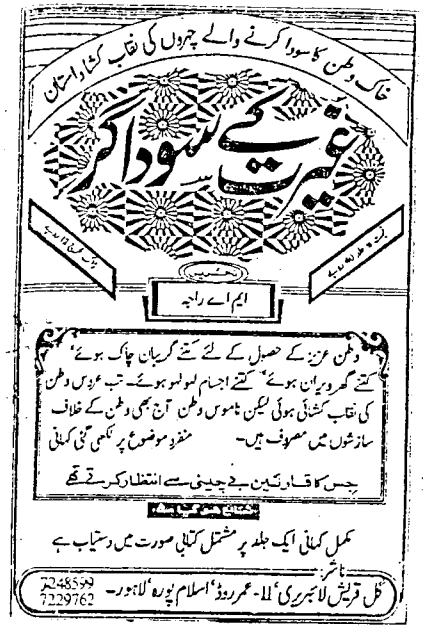
خاک وطن کا سودا کرنے والے چہروں کی نقاب کشا داستان
عبرت کے سوداگر
ایم اے راحت
وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے، کتنے گھر ویران ہوئے، کتنے اجسام لہولہو ہوئے، تب عروس وطن کی نقاب کشائی ہوئی لیکن ناموس وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: کل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔
7248599
7229762

فوراً بال چھوڑ دو ورنہ ورنہ۔"

راؤ برکت علی پر بھی جنون طاری ہو گیا تھا اس نے مہ جبیں کے بال چھوڑ دیے اور چچا پھپھا کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر دانت پر دانت جما کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے تیری موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہوئی ہے بڈھے۔ ٹھیک ہے تو یہاں جہنم رسید ہو جا۔ میں تانگا چلا سکتا ہوں اور اس کتیا کو تو میں دیکھ لوں گا بڑی چالاک عورت ہے آخر ہے نا طوائف زادی۔" راؤ برکت علی نے کہا اور چچا پھپھا کی جانب مڑ گیا۔ چچا پھپھا ہنسنے لگے تھے پھر بولے۔

"میاں بڈھے ہو گئے ہیں مگر اللہ نے بدن میں اتنی جان دی ہے کہ تمہارے جیسے دس بیس کو ٹھکانے لگا دیں ذرا آؤ تو چندا۔"

راؤ برکت علی نے آگے بڑھ کر چچا پھپھا کے سینے پر ٹکر مارنے کی کوشش کی مگر بڑا ہی گدھا تھا چچا پھپھا نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر پکڑ لیا اور گھما کر زمین پر دے مارا۔ ریڑھ کی ہڈی میں چوٹ آئی تھی۔ راؤ برکت علی کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔

راؤ برکت علی پھر جنون کے عالم میں اٹھا۔ چچا پھپھا پر بہت سے حملے کیے لیکن یوں لگتا تھا جیسے کسی دیوار پر گھونسا زنی کر رہا ہے۔ ایک زوردار ہاتھ چچا پھپھا کے سر پر بھی رسید کیا اس نے اور اس کے ہاتھوں کی ہڈیاں کڑکڑا کر رہ گئیں۔ چچا پھپھا پھر ہنس پڑے تھے۔

"یہ ایک غنڈا ہے بدمعاش ہے۔ مجھے دلی سے اغوا کرا لایا ہے۔"

"ارے واہ تیری اماں نے تو ہمیں نوکری کرنے کے لیے کہا تھا وہ یاد ہے نا۔ وہ ایک سرا بدمعاش جو راستے میں مل گیا تھا۔"

"سکندر۔۔۔ سکندر۔"

"ہاں ہاں اور ہم نے اس کی پٹائی کر دی تھی۔"

"اچھی طرح یاد ہے مجھے چچا پھپھا۔ دوسری بار آپ نے ہماری مدد کی ہے۔"

"خیر یہ تو سب ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کیا کریں پولیس تھانے چلیں۔"

"نہیں چچا پھپھا مجھے۔۔۔ مجھے دلی پہنچا دیں۔"

"اس دلی۔"

"ہاں چچا پھپھا میری بچی وہاں بلک رہی ہو گی۔"

"دلی تو نہیں جا سکتے۔ بی بی ہم' تانگے کا سفر تم خود سوچو۔"

"نہیں آپ دلی تک نہ لے جایئے مجھے علی گڑھ تک چھوڑ دیں یا ہاترس لے جائیں یا بابا۔۔۔ یا۔"

"ایسا کرتے ہیں بیٹا کہ ہم تمہیں لے چلتے ہیں بارہ پوری' وہاں کنور محسن علی کے پاس لے جائیں گے تمہیں اور کنور محسن علی پہنچا دیں گے تمہیں دلی کیا سمجھیں؟"

مہ جبیں کچھ سوچنے لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سیدھا سادا آدمی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ راؤ برکت علی کوئی عمل کر ڈالے اور اس کے بعد وہ پھر اس کے چنگل میں پھنس جائے۔ چنانچہ اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے' آپ مجھے بارہ پوری ہی لے چلئے۔"

چچا پھپھا نے اطمینان سے گردن ہلا دی تھی۔ انہوں نے ایک بار پھر راؤ برکت علی کو دیکھا اور اس کے بعد خاموشی سے تانگے میں جا کر بیٹھے۔ مہ جبیں بھی تانگے میں سوار ہو گئی تھی۔ دل کانپ رہا تھا۔ بدن لرز رہا تھا۔ خوفزدہ نگاہوں سے مڑ مڑ کر دیکھنے لگتی تھی کہ کہیں راؤ برکت علی تو ہوش میں نہیں آ گیا۔ یہ غیبی امداد ہوئی تھی کہ چچا پھپھا یہاں مل گئے تھے۔ بہرطور تانگا بارہ پوری کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔

فیروز' شاہ رخ کو لے کر فخر علی کی حویلی پہنچ گیا۔ عامر علی اور ناصر علی وغیرہ سخت پریشان تھے۔ بڑے بھائی کی غیر موجودگی میں یہ جو کچھ ہوا تھا بہت غلط ہوا تھا۔ مارے مارے پھرتے رہے تھے۔ سڑکوں پر تلاش کرتے پھرے تھے لیکن کہیں سے کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ ابھی ابھی واپس آئے تھے اور اندر بھی داخل نہیں ہوئے تھے کہ فیروز کی موٹر پہنچ گئی اور دونوں چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ موٹر سے شاہ رخ کو اترتے دیکھ کر دونوں ہی اس

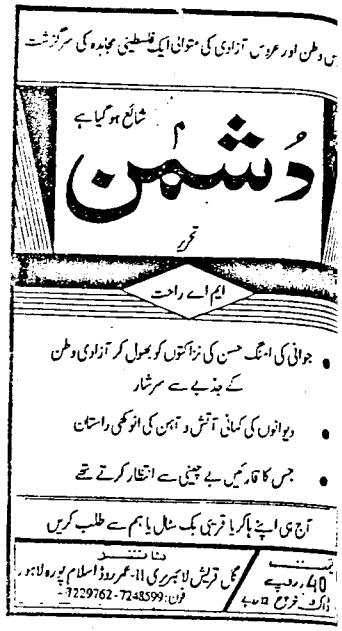
ں وطن اور عروس آزادی کی متوالی ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت
شائع ہو گیا ہے
دشمن
تحریر
ایم اے راحت
جوانی کی امنگ حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
دیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
آج ہی اپنے بکرا قریبی بک سٹال یا ہم سے طلب کریں
قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ علیحدہ
ناشر
کل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7248599

"اب ہم تجھے بتاتے ہیں کہ ٹکر کیسے ماری جاتی ہے۔" چچا پھپھا نے اس کا گریبان پکڑ لیا ایک ہی ٹکر رسید کی اور راؤ برکت علی کی پیشانی پھٹ گئی۔ ناک سے خون بہنے لگا۔ آنکھیں چکرا کر رہ گئیں۔ چچا پھپھا کا ایک اور ہاتھ اس کی گردن پر پڑا اور وہ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ چچا پھپھا پھر آگے بڑھے اور راؤ برکت علی کا گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک اور ٹکر دی اور راؤ برکت علی کا کام تمام ہو گیا۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئیں اور وہ سڑک کے کنارے بے ہوش ہو کر جا گرا۔ چچا پھپھا نے جھک کر اسے دیکھا اور کہنے لگے۔

مہ جبیں یہ خوفناک منظر دیکھ رہی تھی۔ پورا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ راؤ برکت علی کو ٹھکانے لگانے کے بعد چچا پھپھا مہ جبیں کی طرف مڑے اور بولے۔

"بیٹا کیا قصہ ہے ہمیں بتا دے؟"

"چچا پھپھا آپ کو یاد ہو گا کہ ایک بار جب کنور طاہر علی ملنے سے اٹھے تھے تو مجرے والیاں آئی تھیں۔"

"ہاں ہمیں یاد ہے۔"

"آپ ہمیں لے کر دلی چھوڑنے گئے تھے۔"

"اچھا' ہاں وہ رونق آرا بیگم' رونق آرا بیگم۔"

"میں انہی کی بیٹی ہوں مہ جبیں۔"

"اچھا پھر یہ۔۔۔ یہ کون ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانب دوڑے تھے۔ تب انہوں نے فیروز کو بھی دیکھا۔ فیروز بھی نیچے اتر آیا تھا۔ دونوں حیران رہ گئے۔ جلدی سے آگے بڑھ کر بھائی کے قریب پہنچے۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ بھائی جان' کہاں چلے گئے تھے۔ فیروز میاں بھائی جان آپ کو کہاں مل گئے؟ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ آپ تک پہنچ گئے ورنہ ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ بھائی جان کہاں چلے گئے تھے آپ؟"

ملی ہوئی تقدیر کو تلاش کرنے نکلا تھا آج ستارے ساتھ دے رہے تھے۔ میرا لٹا ہوا قافلہ مجھے مل گیا۔" شاہ رخ نے محبت بھری نگاہوں سے فیروز کو دیکھ کر کہا اور عامر علی اور ناصر علی نے خوشگوار حیرت کے ساتھ ایک دوسرے کی صورت دیکھی۔

"آیئے فیروز میاں ویسے تو آپ کے نیاز حاصل کرنے مشکل تھے بھائی جان نے یہ کارنامہ سرانجام دے دیا۔ آیئے آندر آیئے۔"

"آؤ فیروز میاں اگر قبول کرلو تو یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔" عامر علی اور ناصر علی کو تھوڑے سے واقعات کی بھنک تو مل گئی تھی لیکن ابھی یہ علم نہیں تھا کہ شاہ رخ کو بھی یہ حقیقتیں معلوم ہو چکی ہیں اپنے آپ کو انجان ہی بنائے رکھا انہوں نے اور اندر پہنچ گئے۔ شاہ رخ کی واسیت البتہ محسوس کر رہے تھے۔ یہ واقعہ ہی کم سنسنی خیز نہیں تھا کہ فیروز اور شاہ رخ کی ملاقات ہو گئی تھی بہرحال بڑے اہتمام بڑی چاہت اور بڑے پیار سے شاہ رخ کو اور فیروز کو اندر بٹھایا گیا دونوں خیریت معلوم کرنے لگے۔ انہوں نے شاہ رخ سے پوچھا۔

"آخر آپ نکل کہاں گئے تھے بھائی جان؟"

"بس میاں' جی کی لگی لے گئی تھی۔ جہاں بھی گئے کیا بتائیں کچھ یادیں سمیٹے ہوئے ہی واپس پلٹے تھے کہ راستے میں کچھ کرم فرماؤں نے فیروز میاں سے ملاقات کرا دی۔ آئینہ ہے ہمارا دیکھو تم لوگ دیکھو اور بتاؤ سر موفرق ہے مجھ میں اور اس میں۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہے۔ اب چھوٹے بھائی ہو تو بے شک ہو۔ ان خوشیوں کو کیسے دبائیں جو سینے میں طوفان کی طرح موجزن ہیں۔ کیا بتائیں میاں عامر علی۔ یہ وہ ہے جس کے لیے انسان آرزوئیں کرتا ہے۔ ہاں بد بھی نے ذرا سا رخ بدل دیا ہے لیکن حقیقتیں کبھی نظرانداز نہیں کی جا سکتیں جگر گوشوں سے منحرف نہیں ہوا جا سکتا۔ میرے بھائیو! یہ میرا بیٹا ہے۔ میری اولاد ہے یہ آہ کیا بتاؤں' شرمندہ ہوں تم لوگوں سے لیکن مجبوری بھی ہے۔"

"بھائی جان! آپ ذرا بھی تردد نہ کریں۔ ہماری زندگی آپ پر نثار' ہم تو پہلے ہی یہ بات جانتے تھے لیکن بس بڑے بھائی جان کے حکم پر خاموش تھے۔ آپ یقین کیجئے یہ توقف تو ہم بھی نہیں ہیں۔ فیروز میاں کو دیکھتے ہی دل سے کچھ آوازیں نکلی تھیں کہ یہ تو اپنا ہی خون ہے۔ اپنا ہی جگر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج یہ حقیقت منظر عام پر آگئی۔"

"ہاں فیروز میری اولاد ہے۔ عامر علی ناصر علی اگر تم میری ذہنی پریشانیوں سے یا میری دیوانگی سے دل برداشتہ تھے تو میرے بھائیو آج میں ہاتھ جوڑ کر تم سے یہ بات کہتا ہوں کہ پوری زندگی میں ایک ہی لغزش ہوئی تھی مجھ سے اور اس میں بھی میرا ہاتھ نہیں تھا۔ کچھ اوباش دوستوں کے ہاتھ چڑھ گیا تھا لیکن وہیں سے تقدیر نے ایک نیا کھیل شروع کر دیا تھا۔ اس کا نام مہ جبیں ہے۔ دہلی میں نئی چاوڑی کی ایک بالا خانے پر رہتی تھی۔ ہاں کام روشن آرا بیگم ہے لیکن مہ جبیں اب وہاں نہیں ہے۔ کہیں کو گئی ہے وہ۔ اگر تم لوگ یقین کر سکتے ہو تو یقین کر لو کہ اس پیکان نے مجھے ذہنی طور پر دیوالیہ کر دیا تھا۔ ہاں وہ لمحے تو گزر گئے لیکن اس کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا۔ شدید ذہنی بحران کا شکار ہو گیا۔ یہ احساس تھا دل میں کہ اعلیٰ نسب ہوں اگر درد دل جان کیا تو قیامت آجائے گی۔ بھائی جان کبھی معاف نہ کریں گے دوسروں کے سامنے سبکی ہو گی۔ ان تمام احساسات کو جب دل میں دبایا تو دماغ نے ساتھ چھوڑ دیا کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہا۔ میری آرزو مہ جبیں رہی ہے اور اب تقدیر نے یہ نیا انکشاف کیا ہے اور میں سمجھ نہیں پا رہا کہ خوش ہوں یا غمزدہ ہو جاؤں۔ ہمارا مستقبل کیا ہے۔"

شاہ رخ کی آواز سسکی میں بدل گئی اور دونوں بھائی تڑپ گئے۔ عامر نے کہا۔ "فکر کیوں کرتے ہیں بھائی جان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ہم زندہ ہیں۔"

"مہ جبیں کھو گئی ہے۔ وہ۔۔۔ وہ بھی ہماری طرح بد قسمتی کا شکار ہو گئی۔ ہمارے بعد کوٹھا اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ مجبوریوں میں بستی رہی اور جب قوت برداشت جواب دے گئی چھوڑ کر نکل گئی۔ اب خدا جانے کہاں ہے؟"

"ہندوستان ہمارے عزم سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ آج سے اس وقت سے ہم پر آرام حرام ہے۔ مہ جبیں کو تلاش کر کے ہی سکون سے بیٹھیں گے۔ ارے بھائی جان تو آپ یہ کر مطمئن ہو جائیں کہ انہیں سب کچھ معلوم ہے اور ان کا فیصلہ آپ کے حق میں ہے۔" ناصر علی نے کہا۔

شاہ رخ نے گردن جھکا لی اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ فیروز بھی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ ان تمام باتوں سے وہ بھی متاثر ہوا تھا۔ عامر علی اور ناصر علی نے ماحول بدلنے کے لیے کہا۔

"ویسے بھائی جان آپ کے یہ صاحبزادے بے حد خطرناک ہیں۔ انہوں نے ہمیں ناکوں چنے چبوا دیے تھے اور در حقیقت ہم ان سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔"

"اچھا! وہ کیسے؟" شاہ رخ پر ماحول کے بدلنے کا پورا اثر ہوا تھا۔ عامر علی اور ناصر علی ہنس ہنس کر واقعات سنانے لگے۔

فیروز بھی شرمندہ شرمندہ سا ہو گیا۔ ناصر علی نے کہا۔

"لیکن یہ ہمارا ہی خون ہو سکتا ہے جس میں یہ عزم یہ حوصلہ یہ ہمت ہو۔ ہمیں تو بس خوشی ہے کہ ہم کسی دوسرے کے ہاتھوں پٹ نہیں ہوئے۔"

"بہرحال حاجی عبداللہ کا بہت بڑا کردار ہے آپ لوگ بہت سی حقیقتوں سے ناواقف ہیں۔ میرے ساتھ ایک سنگین حادثہ پیش آگیا تھا اور میں ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ بہت سے مراحل سے گزرا اور اس کے بعد یہ صورت حال پیش آئی۔ آپ یقین کیجئے بالکل ہی بھول چکا تھا اپنے آپ کو۔ ان لوگوں نے بے لوث میری خدمت کی اور مجھے زندگی کی راہ پر لگایا۔ فیروز نے تفصیل سے پورا واقعہ ان لوگوں کو سنایا اور شاہ رخ نے بے اختیار ہو کر فیروز کو گلے سے لگا لیا۔ پھر بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ حاجی صاحب کا مجھ پر بھی بہت بڑا احسان ہوا۔ فیروز میاں تم نے ان حقیقتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جو بہرطور حقیقتیں ہیں اور آج نہیں تو کل ان حقیقتوں کی حیثیت مستحکم ہو جائے گی۔ بہرحال جس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے اس کا مقروض میں ہوں۔ آہ خدا کرے مہ جبیں مل جائے تو میں وہ مقام دے دوں جو ان کا حق ہے بہرحال دیکھو اللہ مالک ہے کیا ہوتا ہے۔ فیروز جانے کے لیے اٹھا تو عامر علی نے کہا۔

"فیروز میاں اب تو یہ بھی تمہارے گھر کا دوسرا حصہ ہے یہیں رک جاؤ۔" فیروز ہنس کر بولا۔

"نہیں عامر علی صاحب ابھی مجھے وہ مقام حاصل نہیں ہوا ہے۔ ہاں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی مجھے میرا مقام مل گیا اتنی مدت نہیں گا آپ لوگوں سے کہ آپ کے تصور سے بھی باہر ہو۔" بہرحال فیروز کو رخصت کر دیا گیا وہ تو چلا گیا لیکن عامر علی' ناصر علی اور شاہ رخ آدھی رات تک اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے اور اس کے گن گاتے رہے تھے۔

کیا ہی شاندار نوجوان ہے۔ انہوں نے اور بھی بہت سے تھے ایک دوسرے کو سنائے جن میں فیروز کی جوانمردی کا تذکرہ تھا اور پھر تان مہ جبیں کی تلاش پر آکر ٹوٹ گئی۔ عامر علی نے کہا۔

"ہم لوگ ہندوستان کے ایک ایک گوشے کو چھان ماریں گے اخبارات میں اشتہار دیں گے کہ مہ جبیں بیگم جہاں بھی ہیں ہم سے رجوع کریں۔ بھائی جان یہ مسئلہ اتنا بڑا نہیں ہو گا جتنا آپ تصور کر رہے ہیں۔ بے فکر رہیں اب یہ ذمے داری ہم لوگوں نے سنبھال لی ہے۔ عامر علی اور ناصر علی کی باتوں سے شاہ رخ کو بہت تسلی ہوئی تھی' در آدھی رات کے بعد یہ لوگ سوئے کے ساتھ واپس آگئے تھے اور علی الصبح مراد آباد پہنچے تھے۔ ناصر علی اور عامر علی نے بڑی بہن کو دیکھا تو ششدر رہ گئے۔ کوثر جہاں کی دلدوز چیخیں ابھریں اور انہوں نے بھائیوں کو بازوؤں میں بھر لیا۔ شاہ رخ بھی آگیا اور کوثر جہاں اسے دیکھ کر دیوانی ہو گئی۔ میرے بھیا کہہ کر چیخیں اور اس سے لپٹ گئیں۔ ماحول پر ایک عجیب سی رقت طاری ہو گئی تھی۔ دلوں کے غبار آنکھوں کے راستے باہر نکل گئے تو خوشیوں کی لہریں اٹھیں۔ تینوں بھائی بچھڑی ہوئی بہن سے مل کر بے پناہ خوش ہوئے۔ عامر علی' ناصر علی اور شاہ رخ کوثر جہاں سے اس کی خیریت معلوم کرنے لگے اور کوثر جہاں ان سب کو اپنے بارے میں بتانے لگیں۔ فاخر علی خاں نے واقعی یہ کارنامہ انجام دیا تھا ورنہ آنکھیں ترس گئی تھیں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے۔ سب کے سب کا ظم علی کے بھی شکر گزار ہوئے تھے جنہوں نے فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا۔

فاخر علی نے ساری کہانی ان لوگوں کو سنائی اور سب کے سب حیران رہ گئے۔ بہت دیر تک اس بارے میں باتیں ہوتی رہی تھیں۔ شاہ رخ کے تذکرے پر فیروز کا ذکر بھی نکلا اور کوثر جہاں بیگم کو ساری تفصیل معلوم ہوئی۔ ویسے بھی تھوڑی بہت کہانی تو کاظم علی نے بھی انہیں سنا دی تھی اور کوثر جہاں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ اب فاخر علی کو اپنے کیے کا پچھتاوا ہے۔ وہ آگ جو انہوں نے دوسروں کے گھروں میں لگائی تھی اب ان کے گھر میں بھی داخل ہو گئی تھی لیکن انہوں نے خلوص دل سے اپنے جرم کو قبول کیا تھا کہ یہ انہی کے گناہوں کی سزا ہے لیکن اس کو اب وہ خلوص دل سے قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ عامر علی اور ناصر علی نے فیروز کا تفصیلی واقعہ فاخر علی کو سنایا تو فاخر علی نے گردن جھکا کر کہا۔

"اب میں نہ تو کسی تردد کا اظہار کروں گا اور نہ شرمندگی کے اس احساس کو اپنے چہرے پر لاؤں گا جو ایسے واقعات کو سننے کے بعد مجھے ہو سکتا تھا۔ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے کسی سے کسی انداز میں اور کسی سے کسی انداز میں۔ یہی شکر ہے کہ میرے مولا نے یہ جرم عاقبت کے لیے نہیں رکھ چھوڑا اور دنیا میں ہی مجھے اس کی سزا دے دی اب میں اس سزا کو اس کا عطیہ سمجھ کر قبول کروں گا اور پھر بات ایک انسان کی ہے آخر مہ جبیں انسان ہی تو ہے۔ بس سوچنے کا فرق ہے۔ اگر ایک ایسے شخص جو نالی میں پڑا ہوا ہو اٹھا کر صاف ستھرا کر کے اگر بہتر جگہ لے آیا جائے تو یہ کوئی جرم نہیں ہے انسان اپنی مرضی سے تو کسی جگہ نہیں پیدا ہوتا یہ تو کارخانہ قدرت ہے اور ہم بہرطور اگر ایک نیک کام کرنا چاہیں تو اس کا صلہ کبھی برا نہیں ملتا آہ کاش مہ جبیں مل جائے میں اسے صدق دل کے ساتھ اپنی بہو بنانے کے لیے تیار ہوں اور فیروز اس پر تو میری جان جاتی ہے اتنا پیارا بچہ ہے کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ارے دیکھ کر دل میں محبت پھوٹتی ہے اتنا ہم شکل ہے میرے شاہ رخ کا۔ شاہ رخ کا بچپن یاد آجاتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خدا کے لیے بھائی جان مجھے بھی فیروز سے ملایئے۔" کوثر بیگم نے کہا۔

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے آخر تم پھوپی ہو اس کی۔" فاخر علی نے کہا پھر عامر علی سے بولے۔

"کسی طرح فیروز میاں سے رابطہ قائم کرو اور ان سے کہو کہ تمہاری پھوپی جان آئی ہیں۔ آکر مل لیں۔"

"وہ بڑا سرکش ہے تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اور اس کا کہنا بھی ہے۔ وہ کہتا ہے اس کی شخصیت پر جو دھبا ہے وہ بہرطور ہمیشہ رہے گا اور اس کو کبھی مٹایا نہیں جا سکتا۔"

"بہرحال اب جو کچھ بھی ہے کفارہ ادا کریں گے اور خدا سے دعا مانگیں گے کہ شاہ رخ کے اس گناہ کو معاف کردے۔"

☆

راؤ برکت علی کو بالآخر ہوش آگیا۔ سر شدت درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی سینہ دکھ رہا تھا۔ زبان پھوڑا بنا ہوا تھا۔ شدت تکلیف سے شاید بخار بھی چڑھ گیا تھا۔ کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔ ہزاروں روپیا خرچ کر دیا۔ اتنے میں تو اس جیسی دس عورتیں خریدی جا سکتی تھیں۔ آہ باکروں کیا نہ کروں پھر ایک ٹرک نظر آیا جس میں سامان بھرا ہوا تھا اپنا حلیہ دیکھ کر شرمندگی بھی ہوتی تھی لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ بمشکل تمام ٹرک کو روکا۔ ڈرائیور نے اس کا حلیہ دیکھا اور ہمدردی سے نیچے اتر آیا۔

"کیا ہو گیا بابو جی؟"

"میاں کہاں جا رہے ہو"

"جی جی ہاترس تک جا رہے ہیں۔"

"ہمیں ہاترس چھوڑ دو گے۔"

"آپ کو ہو کیا گیا بابو جی؟"

"جی میاں تقدیر خراب تھی۔ دلی سے آرہے تھے کاس گنج جانا چاہ رہے تھے۔ راستے میں موٹر خراب ہو گئی بارش میں، تم ٹرک سے گزر کر آئے ہو تو تم نے وہ موٹر کھڑی ہوئی دیکھی ہو گی۔ پریشان حال تھے کہ کم بخت ڈکیت آگئے۔ مار پیٹ کر ہم سے بہت کچھ چھین لے گئے اور بے ہوش کر کے سڑک کے کنارے ڈال گئے۔ یہ دیکھو ہمارے زخم تمہیں نظر آرہے ہوں گے۔"

ٹرک ڈرائیور کے چہرے پر ہمدردی کے آثار نظر آنے لگے تھے اس نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ بابو جی، ایسا کرنا تمہیں کاس گنج جانا ہے نا کہاں جا رہے ہو؟"

"پھر کیا کروں؟"

"بابو جی راستے میں دھری بستی پڑتی ہے۔ وہاں سے کاس گنج کے لیے تانگا مل جائے گا۔ دھری بستی پر اتر جانا دور بھی نہیں۔ آرام سے کاس گنج پہنچ جاؤ گے۔"

"ارے ہاں یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا۔" راؤ برکت علی

نامعلوم یہودیوں سے ہر محاذ پر سرپیکار سرفروشوں کی لہو رنگ داستان
اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ

جانباز
(۳ حصے)

تحریر: ایم۔ اے راحت

سازشوں اور اسلام دشمن کاوشوں کے انکشاف سے پر ایک
انوکھی داستان

قتل ادب سے تربیت یافتہ موساد کے بھیانک روپ

قیمت: 40 روپے | ڈاک خرچ: 15 روپے

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔
فون: 7229762-7248599

ایک حرماں نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں
میں قہر و غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی منفرد

سسپنس تھرلر

سے سرتاپا تحیر سے مالا مال کہانیاں ڈائجسٹ کا انتہائی سلسلہ

ایک اور پُرتحیر و سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی
2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

ایسے ناقابل فراموش لمحے جنہیں پڑھ کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

قیمت فی حصہ 45 روپے | شائع ہو گیا
ڈاک خرچ 12 روپے

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔
فون: 7229762-7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

ہانس جیسی بڑی جگہ اس علاقے میں جانا بہت عجیب تھا۔ شناسا بھی ہر جگہ ہی موجود تھے۔ دھری بستی سے تانگا مل جائے۔ بات بن جائے گی۔ رقم اچھی خاصی تھی جیب میں کوئی مسئلہ نہیں تھا چنانچہ ٹرک والے نے انہیں دھری بستی اتار دیا۔ کچھ تانگے بھی نظر آگئے تھے۔ ٹرک ڈرائیور کا شکریہ ادا کرکے نیچے اترا اور ایک تانگے والے کے پاس پہنچ گئے۔

"کاس گنج جانا ہے بھائی۔"

"لے جائیں گے بابو جی۔"

"پیسوں کی پروا مت کرو جو مانگو گے دوں گا۔"

"طے کرلو بابو جی بعد میں لوگ ناٹ جاتے ہیں۔"

"بھائی تو خود طے کرلے۔ مجھے بیٹھنے دے اپنے تانگے میں۔"

تانگے والے نے پیسے بتائے اور راؤ برکت علی نے آنکھیں بند کرکے گردن ہلا دی۔ بہرحال کاس گنج تک پہنچنے کا بندوبست ہو گیا تھا چنانچہ کچھ دیر کے بعد تانگا چل پڑا۔ راؤ برکت علی کے زخم دکھ رہے تھے تھوڑا بہت چہرے کو صاف ستھرا کرلیا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کاس گنج جاکر عزیز و اقارب کو کیا بتائے گا لیکن وہی کہانی زیادہ بہتر تھی۔ ابھی تو موٹر منگانے کا بندوبست کرنا تھا چنانچہ خاموشی سے اپنے منصوبوں پر غور کرتے ہوئے سفر کرتا رہا۔

ناظم خاں ساری تیاریاں مکمل کرچکے تھے۔ حواریوں کو ساتھ لیا اور اپنی موٹر میں بیٹھ کر چل پڑے۔ پہلے اس کوٹھی پہنچے جہاں نواب ابراہیم اور نواب تو قیر وغیرہ فروکش تھے۔ سب سے ملاقات کی۔ اظہار حسین نے خوب ہی پیشکش کردی کہ وہ ساتھ چلیں گے لیکن ناظم خاں نے انکار کردیا اور کہا۔

"یہ کام ہمیں کرنے دو اظہار میاں، ہم ناکام ہو جائیں تو پھر جو تمہارا دل چاہے کرنا۔ ویسے تم لوگوں کا قیام یہاں کب تک ہے؟"

"میں تو مہ جبیں کے بغیر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔ دوسرے لوگ جانا چاہیں تو بے شک چلے جائیں۔"

"بس تو پھر فکر مت کرو نتیجہ نکلنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

"میں تو چاہتا تھا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔"

"مناسب نہیں ہوگا اظہار حسین۔ اصل میں جس آدمی کا خیال ہمارے ذہن میں ہے وہ بڑا شیطان کا جنا ہے۔ ہمیں ہی نمٹنے دو اس سے۔"

تھوڑی سی رد و قدح کے بعد اظہار حسین خاموش ہو گیا۔ ناظم خاں وہاں سے چل پڑے۔ آتش فشاں بنے ہوئے تھے۔

راؤ برکت علی نے اگر یہ قدم اٹھایا ہے تو اس بار اسے ایسا سبق دوں گا کہ اس کے بعد کبھی اس بارے میں نہ سوچے گا۔ ناظم خاں علی گڑھ پہنچے اور ضلع علی گڑھ کے رجسٹریشن آفس سے موٹر کے نمبر کے بارے میں معلومات کیں۔ دولت ہمیشہ ہی سے انسان کی زندگی پر اثر انداز رہی ہے۔ رقم خرچ کرنے سے کیا نہیں ہو سکتا۔ دس منٹ میں پتا چل گیا کہ یہ نمبر راؤ برکت علی خاں ہی کی موٹر کا ہے۔ بس اس کے بعد کاس گنج تک کا سفر اور باقی رہ گیا تھا۔ چنانچہ چل پڑا اور کاس گنج پہنچ گئے۔ کوئی شناسائی نہیں تھی یہاں سرائے میں قیام کیا۔ بہت بڑی جگہ بھی نہیں اور راؤ برکت علی معمولی شخصیت بھی نہیں تھی۔ خاں صاحب نے اس کی رہائش گاہ پر پہنچا دیا گیا اور انہوں نے راؤ برکت علی کے ایک ملازم سے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"ذرا راؤ صاحب سے ملاقات کرا دو۔ کہہ دینا بمبئی سے مہمان آئے ہیں۔"

"نام کیا بتاؤں صاحب۔"

"الیاس بیگ۔" ناظم خاں نے کہا۔

نصیبوں کا مارا راؤ برکت علی ابھی اپنے زخموں کو ہی چاٹ رہا تھا۔ خبر ملی تو حیران ہوا یہ بمبئی سے کون مہمان آگئے۔ بہرطور بلا لیا۔ پانچوں مہمان راؤ برکت علی کے سامنے پہنچے تو اس کا دم ہی نکل گیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔

"تن..... ناظم خاں، ناظم خاں آپ آپ۔"

"دیکھ بھتیجے بات تیری بگاڑی ہوئی ہے۔ ہمارا قصور نہیں ہے۔ یہ پانچ طمنچے ہیں اور تیس گولیاں ہیں ان میں اگر ایک لفظ جھوٹ بولا تو تیس گولیاں تیرے بدن میں اتر جائیں گی۔ شکر کو پیسے دے کر مہ جبیں کو اغوا کیا ہے تو نے۔ کہاں ہے وہ دیکھ تو اپنا بندوبست کرکے آئے ہیں تیرے پاس اس وقت کوئی بندوبست نہیں ہے مرنے کے سوا۔"

خان صاحب کا سرد لہجہ اور ان کا انداز یہ بتا رہا تھا کہ اس وقت جو کہہ رہے ہیں وہی کرنے آئے ہیں۔ راؤ برکت علی کی میاہی مرگئی تھی۔ سچ بولتے ہی بن پڑی۔ گردن جھکا کر بولا۔

"آپ بے شک مجھے ماردیں خاں صاحب۔ ہاں میں نے سب کچھ کیا ہے لیکن مہ جبیں میرے پاس نہیں ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟" خاں صاحب نے پوچھا اور راؤ برکت علی نے انہیں پوری تفصیل بتانے لگا اس نے کہا۔

"میری موٹر بھی ابھی مستری کے پاس کھڑی ہوئی ہے۔ آپ جس طرح چاہیں معلومات حاصل کرلیں خاں صاحب۔ یقین کریں آئے تو بس مجھے ماردیں اور کچھ نہیں کہہ سکتا میں۔"

"دیکھ تو باز آجا راؤ برکت علی۔ تو حرفوں کا بنا ہوا ہے، تیری فطرت سے اچھی طرح واقف ہیں ہمارے ہاتھوں نہ مرے تجھے مارنا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا ہمارے لیے۔"

میں کہہ چکا ہوں خاں صاحب جو کچھ کیا ہے میں نے اب سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں آپ میرے ان زخموں کو دیکھ کر گواہی دیں گے اس کم بخت تانگے والے نے مار مار کر برا بھرکس دیا تھا۔" راؤ برکت علی عاجزی سے بولا۔ خاں نے اس سے کافی دیر تک معلومات حاصل کرتے رہے۔ پھر دل ڈوبنے لگا تھا۔ اب بھلا کسی تانگے والے کو تلاش کرنا کتنا آسان کام ہوتا ہے۔ بہرطور کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے راؤ برکت علی تو مہ جبیں کو لے کر آیا ہے ہمارے ساتھ لے چلتے ہیں تاکہ تو اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے لے جائیں گے تجھے بھتیجے! اپنی گود میں سلائیں گے اور بعد مہ جبیں کا بھی پتا چل جائے گا۔ اس علاقے کی تاکہ ادیں گے۔ پوری کی پوری دیکھیں گے پھر کیا ہوتا ہے۔ رہو جا۔"

"خ..... خ..... خاں صاحب۔"

"کتیا کے پلے شرافت سے اٹھ جا ورنہ تیری لاش لے میں بھی ہمیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔" خاں صاحب جنونی بولے اور راؤ برکت علی کے پاس اس کے سوا اور کوئی رہا کہ کان دبائے خاں صاحب کے ساتھ چل پڑے۔ اس کا اپنا گھر تھا لیکن یہ پانچ افراد جو اس کے قریب تھے ان کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا تھا اسے تو مرنا ے گا بعد میں کچھ ہوا بھی تو کیا فائدہ۔ چنانچہ خاموشی سے صاحب کے ساتھ باہر نکل آیا۔ خاں صاحب نے اسے پیچھے ساتھ بٹھایا۔ باقی حواری بھی موٹر میں بھر گئے اور موٹر ٹ ہو کر چل پڑی۔ رخ دہلی کی جانب تھا۔

نواب کاظم علی خاں عجیب ہی کیفیت کا شکار تھے۔ سرفراز حسین، ان کا ملازم رحمٰن، منشی ریاض وغیرہ ان کے تھے۔ خود حکیم سرفراز حسین پر بھی عجیب سی کیفیت طاری آج انہیں جھکنا پڑا تھا۔ بیٹی کو جس طرح گھر سے رخصت کر اس پر دل ہمیشہ تڑپتا رہتا تھا۔ حالات کا تجزیہ کرتے تو کبھی ہم تصور کرتے اور کبھی رضوانہ پر جھلاہٹ ہونے لگتی جب انسانی نکتہ نظر سے سوچتے تو یہ احساس ہوتا کہ بیٹی نے کیا ہے ٹھیک ہی کیا ہے۔ زندگی صرف دولت اور جائیداد سہارے ہی تو نہیں گزرتی۔ جب ساتھ چھوڑنے والے ساتھ چلے جاتے ہیں تو تنہائیاں کس قدر جاں گداز ہوتی ہیں۔ کوئی تجربہ تو نہیں تھا حکیم سرفراز حسین کو لیکن دنیا داری سمجھ جانتے تھے۔ نوجوانی کے عالم میں لاکھوں الگائیاں اٹھتی رجب سر کے بال سفید ہو جائیں تب بھی لوگ پیچھا نہیں نت نئی کہانیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ سر پر سائبان ہو تو ہر ہو جاتی ہے اور انسان کو ایک باوقار شخصیت تسلیم کیا جاتا بنانے کی مقام حاصل کرنے کے لیے تو باپ سے

بغاوت کی تھی اور اپنے طور پر فیصلہ کیا تھا اور تقدیر نے اسے اس فیصلے میں سرخرو کیا تھا۔ یہ ناظم علی خاں کی بھی شرافت تھی کہ انہوں نے رضوانہ بیگم کو سر آنکھوں پر بٹھالیا تھا اور اس کا عملی مظاہرہ حکیم سرفراز حسین نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

ناظم علی خاں نے ایک شریفانہ کوشش کی تھی۔ وہ یہ کہ بیٹی باپ کے گھر سے وداع ہو لیکن یہاں شاید حکیم سرفراز حسین ہی انتہاء پسندی پر تل گئے تھے لیکن یہ خیال بھی دل میں تھا کہ جب کبھی بھی نواب کاظم علی خاں کو یہ حقیقت معلوم ہوگی تو سوچیں گے کہ داماد سے گٹھ جوڑ کرلیا اور انہیں بالکل نظر انداز کردیا۔ یہ تمام عوامل تھے۔ جن کی وجہ سے حکیم سرفراز حسین نے ناظم علی خاں کا منصوبہ قبول نہیں کیا تھا لیکن اب یہ بات جانتے تھے کہ وہ بینا جو ذرا سی بات پر باپ سے منحرف ہوگیا ہے حکیم سرفراز حسین کو کبھی معاف نہیں کرے گا لیکن بہرطور اللہ کا نام لے کر چل پڑے تھے بالآخر دہلی پہنچ گئے۔ یہاں سے اذام رحمٰن خاں کا کام شروع ہوتا تھا۔ حکیم سرفراز حسین نے رحمٰن خاں سے پوچھا۔

"میاں رحمٰن! پتا اچھی طرح یاد ہے نا؟"

"حضور چلتے رہیں۔" رحمٰن خاں نے کہا اور پھر مختلف راستوں سے گزارتا ہوں وہ بالآخر اس کوٹھی کے سامنے آکھڑا ہوا جس کا وہ اچھی طرح جائزہ لے کر گیا تھا۔

"یہی کوٹھی ہے حضور۔"

"چلو۔" حکیم سرفراز حسین نے کہا اور نواب کاظم علی خاں کی جانب دیکھنے لگے جن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ بیٹے سے ملنے کی آرزو، تجسس، شوق، سرخ چہرے پر شرمندگی کے آثار نجانے کیا کیا کیفیت ہو رہی تھی۔ بہرطور

شوخ و شنگ ہنسنے ہنسانے والا ناممکن کو ممکن بنانے والا
مشہور زمانہ طاقت کا دیو سرابدو — بدو کے واقعات
طاقت
ابن صفی
ایک طاقت
کا
جاسوسی ناول
گل قریش لائبریری
11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور۔
فون: 7248599
7229762

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوٹھی کے دروازے کو بجایا گیا اور ایک چوکیدار نے ذیلی کھڑکی کھول کر گردن نکال کر باہر ان معزز مہمانوں کو دیکھا۔ سلام کیا اور بولا۔

"جی حضور کس سے ملنا ہے؟"

"ناظم خاں یہیں رہتے ہیں۔"

"جی سرکار یہی ان کی کوٹھی ہے۔"

"دروازہ کھولو ہم اندر آنا چاہتے ہیں۔"

"حضور وہ اصل میں۔"

"دروازہ کھولو' سنتے نہیں ہو کیا؟" کاظم علی خاں بھی غصہ ور تھے۔ چوکیدار پر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے فوراً" جی دروازہ کھول دیا۔ اتفاق کی بات یہ کہ سامنے کی کوٹھی سے ارشادی اور رحمانی آئی ہوئی تھیں اور اس وقت باہر ہی موجود تھیں۔ دو بچیوں کو دیکھ کر ان لوگوں نے کسی قدر حیرت کا اظہار کیا۔ دونوں ان کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔ آخر کار گاڑیاں رک گئیں اور سب نیچے اتر آئے۔ لڑکیاں سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے پردہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ویسے بھی ارشادی اور رحمانی پردہ نہیں کرتی تھیں۔ کاظم علی خاں آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ لڑکیوں نے بڑی نرمی سے سلام کیا تھا۔ کاظم علی خاں نے سلام کا جواب دیا اور بولے۔

"بیٹی! کیا ناظم علی خاں یہیں رہتے ہیں؟"

"جی جناب' لیکن وہ موجود نہیں ہیں۔"

"تو پھر رضوانہ بیگم سے کہو کہ ان کے والد حکیم سرفراز حسین آئے ہیں۔"

"جی۔" لڑکیوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے اور پھر وہ دونوں بے تحاشا ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ غالباً" یہ سن کر کہ رضوانہ بیگم کے والد آئے ہیں۔ ان پر حیرت طاری ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد رضوانہ بے تحاشا باہر نکل آئی۔ بال تک نہیں سنوارے تھے۔ دوپٹہ گلے میں جھول رہا تھا۔ چہرے پر حیرت کے نقوش تھے۔ سب سے پہلی نگاہ حکیم سرفراز حسین پر ہی پڑی تھی۔ ابا جان کہہ کر آگے بڑھی اور حکیم سرفراز حسین سے لپٹ گئی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ حکیم سرفراز حسین کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے۔ نواب کاظم علی خاں خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ حکیم سرفراز حسین نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"خود کو سنبھالو بیٹی' دوپٹا سر پر لاؤ' دیکھو کون آیا ہے۔"

رضوانہ بیگم نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کاظم علی خاں کے چہرے کی جانب دیکھا۔ "بیٹی ہم تمہارے سسر ہیں۔ ناظم علی خاں کے والد۔"

رضوانہ کا سر جھک گیا آہستہ آہستہ سر کو آگے بڑھایا۔ کاظم علی خاں کو اس بچکانہ انداز کچھ ایسا بھایا کہ بے اختیار اس کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ دل میں ٹھنڈک سی اتر رہی تھی۔ یہ ان کے گھر کی آبرو تھی۔

"یہ ناظم علی کہاں چلے گئے؟" کاظم علی خاں نے اندر پہنچ کر رضوانہ سے پوچھا۔

"وہ شاید علی گڑھ گئے ہیں۔"

"کیوں خیریت؟"

"ایک طویل داستان ہے۔ پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ صحت وغیرہ فرمائیں گے۔ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔ یا پھر جو ضرورت ہو مجھے بتا دیجئے۔"

"بھئی تم ہمیں بہت عمدہ سا شربت پلواؤ۔ اگر کے سے آرہے ہیں۔ اس لیے بڑی پیاس محسوس ہو رہی ہے۔"

"ہمیں ابھی بندوبست کرتی ہوں۔" رضوانہ بیگم نے کہا۔

ارشادی اور رحمانی احتراماً" نہیں آئی تھیں۔ رضوانہ بیگم نے ارشادی کو آواز دی اور وہ دوڑتی ہوئی اندر پہنچ گئی۔

"ارشادی ذرا سندل کا شربت بنوا کر لے آؤ میرے ابو آئے ہوئے ہیں اور ہاں باہر جو دو معزز مہمان رک گئے ہیں۔ انہیں احترام سے بٹھایا؟"

"جی بھابی جان انہیں بٹھا دیا ہے۔" ارشادی اور رحمانی رضوانہ کو بھابی جان کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔

"پھر جاؤ ذرا جلدی سے آجاؤ۔" نواب کاظم علی اور حکیم سرفراز حسین رضوانہ کے ساتھ اندر آئے تھے۔ منشی ریاض الرحمٰن خاں اپنے مرتبے کے مطابق باہر ہی رک گئے تھے۔ ابھی تک نہ حکیم سرفراز حسین نے کچھ بتایا تھا نہ کاظم علی خاں ہی زبان کھل رہی تھی۔ ناظم علی کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ علی گڑھ گئے ہوئے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے ذہن پر تکدر سوار ہو گیا تھا۔ بہرحال سلسلہ تفتگو شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔

رضوانہ بیگم داری صدقے جا رہی تھیں۔ دونوں روئے ہوئے آملے تھے۔ خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ زبیدہ بیگم کی بھی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اندر آجاتیں۔ بہرطور ہر طرح خیال رکھا جا رہا تھا۔

کاظم علی خاں اس کی ایک ایک ادا سے متاثر ہو رہے تھے۔ شریف زادیوں کے تمام اطوار اس میں موجود تھے۔ احترام کے درجے ملحوظ رکھتی تھی۔ حکیم سرفراز حسین بھی محسوس کر رہے تھے کہ ان کی اہلیہ نے رضوانہ کی تربیت بہت اچھی کی ہے۔ ہر بات سے سلیقہ ظاہر ہو رہا ہے۔ احترام کرنا جانتی ہے۔ اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ دوسروں کو اپنا بنانا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ نواب کاظم علی کو وہ ہر معاملے میں فوقیت دے رہی تھی۔ اس بات سے حکیم سرفراز دل برداشتہ نہیں بلکہ بے حد خوش تھے' حالانکہ ابھی تک یہ اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ بیٹی کی ذہنی

غیرت مند نوجوان تھا چڑ گیا۔ اس بات سے کہ اسے بھی اس کے ماضی سے بے خبر رکھا گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ منہو ماموں سے تو اس کے دل میں جو نفرت پیدا ہوئی سو ہوئی ہو لیکن سب سے زیادہ تنفر وہ مجھ سے ہو گیا اس بات پر کہ میں نے اسے اپنے اعتماد میں کیوں نہ لیا اور کسی ایسے وقت اس کی رونمائی کیوں ہوئی' جب اس کی عزت اور آبرو پر بن گئی تھی۔ مزاج کا تیکھا ہے اب تو نہ نے بھی اندازہ لگا لیا ہو گا۔ انتقام کے لیے ایسے فیصلے کیے اس نے جو ضرب کاری کی مانند ہوں اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس کا نی چاؤڑی میں آکر رہنا بھی اس کے شدید انتقام کی ذہنیت کا مکاس ہے۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ خاک وہیں پہنچ گئی جہاں کا خمیر تھا حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ مرنے والی بہت نیک فطرت عورت تھی اور اس نے اس طرح نباہ کیا کہ میں اگر اپنے منہ سے کچھ کہوں تو شاید تم لوگ یقین نہ کرو' شریف زادیاں بھی بعض اوقات اس طرح نباہ نہیں کرتیں۔ جس طرح اس مرحومہ نے کیا اور لوگ بھول گئے کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور کون ہے۔ خیر وہ تو اس دنیا سے چلی گئی۔ ناظم علی جس طرح برگشتہ ہوا اور جس طرح اس نے گھر چھوڑ دیا اس میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ میں اصل میں اتنا تمہید اس لیے باندھ رہا ہوں کہ سب سے پہلے تم اپنا دل میری طرف سے صاف کر لو اور یہ نہ سوچو کہ تمہیں زندگی کے ایک طویل عرصے تک مشکلات میں ڈبوئے رکھنے میں میرا کوئی ہاتھ ہے۔ میں تو خود تمہارے لیے غمزدہ تھا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کام کو کس طرح سرانجام دیا جائے۔ البتہ اس بات میرے دل میں ایک احساس ضرور تھا کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے اور وقت اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ جب بہت سے فیصلے انسانی ہاتھوں سے نکل جائیں تو پھر وقت اپنی اجارہ داری قائم کر لیتا ہے اور اسی کے فیصلے سب سے بہتر ہوتے ہیں اس کا تجزیہ ا لمحات میں مجھے ہو گیا ہے۔"

نواب کاظم علی خاموش ہو گئے۔ رضوانہ سے جواب کے منتظر تھے۔ رضوانہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"ابا جان' بہرحال زندگی میں جو نشیب و فراز آنے تھے وہ آئے۔ اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں آگے بڑھ کر کام کروں اور اس کے لیے میں منہو ماموں کی شکر گزار ہوں۔ کم از کم ان کے ذریعے مجھے کچھ نشان تو ملا اور پھر آگے میری تقدیر نے مجھے سہارا دیا۔ اللہ کا شکر ہے سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ابا جان ایک خلش میرے دل میں تھی۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے معبود کریم میری وہ خلش بھی دور کرنا چاہتا ہے۔ آپ کی آمد اسی کا اظہار کر رہی ہے۔"

"خلش؟" نواب کاظم علی نے پوچھا۔

"جی ابا جان۔ میں جانتی ہوں کہ اپنے مرکز سے جدا رہ کر انسان مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ خود کو کتنے ہی بہلاوے دے لے کیفیت کیا ہے آیا جو کچھ انہوں نے رضوانہ بیگم کے ساتھ کیا اس نے معاف کیا ہے یا نہیں پھر حکیم سرفراز حسین' کاظم علی خاں سے بولے۔

"بھئی کاظم علی آپ تو اس طرح چپ شاہ کا روزہ رکھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ جیسے گفتگو ہی نہیں کریں گے۔ بھوہے آپ کی آپ کے سامنے' باتیں کیجئے۔"

"ہاں ذرا دم لے لوں کیوں نہ باتیں کروں گا۔" کاظم علی خاں نے خوش مزاجی سے کہا پھر بولے۔ "رضوانہ بیٹے' بات کو وہیں سے شروع کرنا چاہیے۔ جہاں سے وہ الجھی تھی اور سنو زرہ برابر یہ بات نہ محسوس کرنا کہ میں تم سے کوئی باز پرس کر رہا ہوں یا پھر میری گفتگو کا کوئی غلط نتیجہ برآمد ہو گا۔"

"ابا جان۔ میں تو آپ کی غلام ہوں۔ باندی ہوں آپ کی' بھلا میری مجال کہ آپ کی کسی بات پر غور بھی کروں۔ میرا کام جواب دینا ہے۔ وہ بھی آپ کی ہدایت کے مطابق تو میں حاضر ہوں۔"

"اللہ تمہیں خوش رکھے۔ دیکھو بیٹے اگر غور کرو تو قصور میرا بھی نہیں ہے۔ میرے بہت سے قصور ایسے ہیں جو ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو گئے تھے۔ منہو ماموں کو اللہ نیک توفیق دے۔ جذبات میں آگئے تھے اور ان کے جذبات میں آجانے کی وجہ بھی کچھ اور تھی۔ وہ اپنی بہن کوثر جہاں کے لیے رنجیدہ تھے۔ اصل میں بہت نیک فطرت آدمی تھے۔ بھائی' بہنوں کی انہوں نے جس طرح پرورش کی اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کوئی سگا بھائی سگے بھائیوں کے ساتھ وہ سلوک کرے گا جو انہوں نے اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ کیا۔ بہن کے لیے بھی یہی چاہتے تھے' لیکن خدا مغفرت کرے نواب توحید کی' کہ انہوں نے درمیان میں تفرقہ ڈالا اور ایسا اظہار کیا جیسے وہ فاخر علی خاں سے برگشتہ ہوں اور سوتیلے سگے کا خاص خیال رکھنا چاہتے ہوں۔ کوثر جہاں' وحدت علی خاں کی آغوش میں پروان چڑھیں اور منہو ماموں کو یہ پسند نہ آیا۔ انتقام کے بارے میں سوچتے رہے پھر ایک ایسا قدم اٹھا ڈالا جس کے بارے میں شاید انہیں خود بھی اندازہ نہ ہو گا کہ اس کے اثرات کہاں پہنچیں گے۔ بعد میں جب ان سے رابطہ ہوا تو ان کی نیت واضح ہوئی ہمیں نقصان پہنچانا مقصود نہیں تھا بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ نقصان بھی براہ راست وحدت علی خاں ہی کو پہنچے گا لیکن شکار ہم ہو گئے۔ میری ذاتی زندگی کا معاملہ جہاں تک ہے بیٹے تو انسان لغزشوں کا پتلا ہے۔ ہو جاتی ہیں بعض اوقات انسان سے ایسی لغزشیں۔ اتفاق کی بات یہ کہ قدرت نے مجھے کسی اور اولاد سے نہیں نوازا ناظم علی ہی میری امیدوں کا مرکز تھا' لیکن وہ ایک حساس اور غیور نوجوان تھا اور غیرت کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایک جوہر ہوتا ہے جو جسے بھی مل جائے ناظم علی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن حقیقت حقیقت ہی کی جانب سفر کرتی ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ وہ اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اپنے گھر میں اہل خاندان کی مانند رہیں اور میں آپ کی دہلیز پر پہنچ کر آپ کی باندی کی حیثیت سے زندگی گزاروں۔"

"انشاء اللہ وہ وقت اب دور نہیں ہے۔" کاظم علی خاں نے کہا۔

"وہ گئے ہم' تو ہم تو اس وقت رانڈہ درگاہ ہیں پتا نہیں ہم نے غلط کیا تھا یا ٹھیک' لیکن بہرحال کوئی ایسا لمحہ تلاش کریں گے۔ جب ہم بھی اپنی بیٹی سے معافی مانگیں۔" حکیم سرفراز حسین نے کہا۔

"نہیں ابا جان' آپ کی انا' آپ کی شخصیت آپ کو اس کام سے روکتی تھی۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں' بس اگر معاف کردیں تو مجھے اپنی دعاؤں سے نوازتے رہیں۔"

حکیم سرفراز حسین کی آنکھیں نم ناک ہوگئیں۔ خاموشی سے بیٹھے رہے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہے۔ کاظم علی خاں نے چونک کر انہیں دیکھا اور بولے۔

"ارے۔۔۔ ارے یہ کیا حماقت ہے؟"

"کچھ نہیں۔" حکیم صاحب نے رومال سے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ رضوانہ بیگم کا سر بھی جھک گیا تھا۔ کاظم علی ماحول بدلنے کے لیے بولے۔

"اچھا بھئی اب ذرا ہمارے ان صاحبزادے کے بارے میں بتاؤ کیا صورت حال ہے۔ یہاں کس طرح رہتے ہیں کیا نئی چاؤڑی میں اب بھی بسیرا ہے؟"

"نہیں ابا خیال ہے انہوں نے نئی چاؤڑی کا احاطہ چھوڑ دیا ہے۔"

"بہت خوب ویسے بہت ہی شدت پسند انسان ہے' جگہ بھی منتخب کی تو کونسی اپنے آپ کو بھی اذیت دی اور مجھے بھی' خیر یہ علی گڑھ کس سلسلے میں گئے ہیں؟"

"کچھ ایسے معاملات ہیں جو بڑے عجیب و غریب ہیں۔"

"مجھے بتانا پسند کروگی؟"

"معافی چاہتی ہوں۔ اصل میں اس کی اجازت نہیں لی ہے میں نے آپ ان کا مزاج سمجھتے ہیں کوئی بھی خلاف مزاج بات ہوگئی تو میرے اور ان کے دل میں رخنہ انداز ہوگی۔"

"اچھا' نہیں ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے لیکن واپسی کا کوئی تعین ہے؟"

"میں کچھ نہیں عرض کرسکتی۔ ہو سکتا ہے وقت لگ جائے اصل میں ان کے چار ساتھی بھی ان کے ہمراہ ہیں وہ شروع ہی سے ان کے ساتھ رہے ہیں۔"

"ساتھی!"

"جی ہاں ابتدا ہی سے ان کے ساتھ ہیں۔"

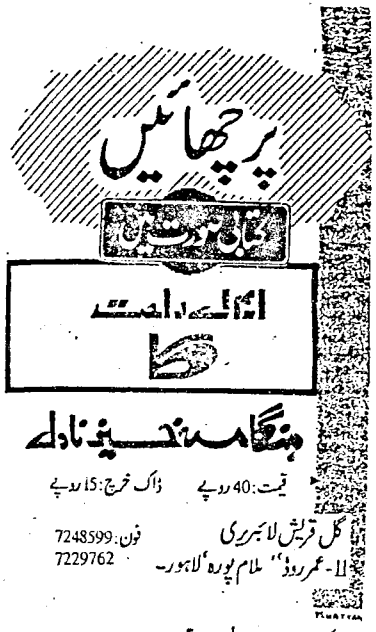

"کون ہیں' نام کا علم ہے تمہیں؟"

"جی ہاں' ان میں ایک رؤف خاں ہیں۔ ایک عثمن خاں' ایک بدن خاں اور ایک سمن خاں۔"

"اوہ میرے خدا' میرے خدا بھئی اس میں کوئی شک نہیں ہے حکیم سرفراز حسین کہ وہ بڑے جاں نثار آدمی ہیں۔ اچھا تو وہ ناظم کے ساتھ تھے۔ بھئی کمال ہے اگر مجھے اس بات کا علم ہو جاتا تو شاید کچھ حالات ہی بدلے ہوئے ہوتے۔ وہ بھی برے خاندانوں کے لڑکے نہیں ہیں اچھے لوگ ہیں۔ ناظم کے ساتھ بچپن ہی سے رہتے ہیں۔ ناظم پر جان نثار کرتے ہیں۔ بڑے شاندار لڑکے ہیں وہ۔ میں نے ایک دو دفعہ اکھاڑوں میں ان کے ہاتھ دیکھے تھے اور عش عش کر اٹھا تھا۔ بھئی مجھے اندازہ ہے کہ ناظم خاں کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکا ہوگا۔ خیر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے۔"

"ابا جان آپ اطمینان سے یہاں قیام فرمائیے۔ آخرکار وہ آئیں گے اور آپ بھی ابو۔ آپ کو ایسی کیا جلدی ہے اتنی واپس جانے کی؟"

"نہیں بھئی ہم تو بقول شخصے جہاز جلا کر آئے ہیں۔ اب اس مسئلے کو حل کرکے ہی جائیں گے۔"

"انشاء اللہ' انشاء اللہ۔" کاظم علی خاں نے خوشدلی سے کہا پھر بولے۔

"اچھا بھئی اب ہمارے لیے ذرا اچھے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرلیجئے گا اور ہاں ذرا ان دونوں کو بھی اندر بھیج دیجئے ہم

ان سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ بھئی مراد ان لوگوں سے ہے جو ہمارے ساتھ یہاں آئے ہیں۔"

"جی حضور۔" رضوانہ بھی اٹھنے لگی تو کاظم علی خاں نے کہا۔

"نہیں بیٹی تم بیٹھو۔" رضوانہ فوراً بیٹھ گئی۔ زبیدہ بیگم باہر نکل گئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد منشی ریاض اور رحمان خاں اندر آگئے۔ ادب و احترام سے ایک جانب بیٹھ گئے۔ کاظم علی خاں نے منشی ریاض سے کہا۔

"بھئی منشی جی اپنے ناظم علی تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ علی گڑھ روانہ ہوئے تھے اور واپسی کا کوئی تعین نہیں ہے اب آپ مشورہ دیجئے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

منشی ریاض سوچ میں ڈوب گئے پھر آہستہ سے بولے۔ "ان کی واپسی کا انتظار ہی کیا جا سکتا ہے نواب صاحب؟"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر کچھ احساسات عجیب سا خوف دلاتے ہیں۔" کاظم علی خاں نے کہا۔ "بھئی وہ جس قسم کا شخص ہے اب آپ کو بتانا تو میرا خیال ہے ممکن نہیں ہے۔ میں بعض اوقات ہراساں ہو جاتا ہوں۔ سونے اتنی عزت اتنا احترام دیا بیٹا کیسں سارے احساسات کو چکنا چور نہ کردے۔"

"یعنی۔۔۔ یعنی۔" حکیم سرفراز حسین حیرت سے بولے۔

"اب آپ کھلوانا ہی ضروری سمجھتے ہیں مجھ سے یا ہو سکتا ہے وہ میری بے پرائی سے انکار کردے۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے قبول نہ کرے۔" کاظم علی خاں نے کہا اور سب سوچ میں ڈوب گئے۔ حکیم سرفراز حسین کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"ایک طریقہ اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا؟" کاظم علی خاں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اگر ہم رضوانہ کو لے کر رام پور چلے جائیں تو وہ رضوانہ کے لیے وہاں آئیں گے۔"

کاظم علی خاں سوچ میں ڈوب گئے لیکن رضوانہ نے جلدی سے کہا۔

"یہ بات خواب و خیال میں بھی نہ سوچیں۔ آپ اگر ان سے واقفیت رکھتے ہیں تو تعجب کی بات ہے کہ ایسا خیال آپ کے ذہن میں آیا۔ وہ بالکل مختلف طبیعت کے مالک ہیں۔ میں بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی وکالت نہیں کر رہی لیکن یہ حقیقت ہے۔"

رضوانہ کے الفاظ پر حکیم سرفراز حسین شرمندہ سے ہوگئے کہنے لگے۔

"نہیں نہیں یہ تو ایک خیال تھا جو میرے ذہن میں آیا میں پھر کہتا ہوں کہ اسی خیال کے مطابق عمل بھی کیا جائے بس ایک تجویز تھی ذہن میں۔"

"میرے دل میں ایک اور خیال آیا ہے۔ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ میں بیٹے کو واپس لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا اگر عارضی طور پر اسے یہاں سے واپسی میں کوئی قباحت ہوئی تو بس اتنا کیا جا سکتا ہے کہ تھوڑا سا انتظار کرلوں۔ ناکام واپس جانا میرے لیے اب ممکن نہیں ہے۔ صبر و برداشت کی انتہا ہو چکی ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ مراد آباد جا کر کوثر جہاں کو بھی یہاں لے آؤں۔ کوثر جہاں ان دنوں مراد آباد میں منجھلے ماموں کے ہاں ہیں۔"

"کیا نواب فاخر علی خاں کو بھی ساتھ لائیں گے۔" حکیم سرفراز حسین نے پوچھا۔

"نہیں ابھی ان کا آنا مناسب نہیں ہوگا۔ ہر کام رفتہ رفتہ ہی بہتر رہتا ہے۔ کوثر جہاں کے بارے میں اتنا میں جانتا ہوں کہ ناظم علی ہمیشہ ہی ان کا احترام کرتے رہے حالانکہ سوتیلی ماں تھیں لیکن کچھ ایسا رویہ رکھا انہوں نے ناظم علی خاں کے ساتھ کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ناظم علی کسی سے متاثر ہیں تو وہ کوثر جہاں ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی نمائندگی ناظم کے ذہن کو نرم کر دے۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے۔ بخدا یہ ایک بہتر کام رہے گا' بلکہ اگر ایسا پہلے ہی ہو جاتا تو بہت بہتر تھا۔" منشی ریاض نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے منشی ریاض۔ کیوں حکیم سرفراز حسین تم رحمن خاں کے ساتھ یہاں رکو۔ ویسے بھی بیٹی کا گھر ہے ہم یہ گئے اور وہ آئے۔ مراد آباد جا کر کوثر جہاں کو یہاں لے آتے ہیں اور اس کے بعد اللہ کے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔"

"ابا جان کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ قیام فرمائیں اور ان کے آنے کا انتظار کریں؟"

"ہم آجاتے ہیں ابھی ہم کہاں جا رہے ہیں؟" کاظم علی خاں نے کہا۔

"جیسا آپ پسند فرمائیں۔"

"کیوں منشی صاحب کیا ارادے ہیں؟"

"حضور بسر و چشم جو فیصلہ آپ فرمائیں وہ سر آنکھوں پر۔" منشی ریاض نے کہا اور روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔ کاظم علی خاں نے اونچ نیچ سوچنے کے بعد آخرکار یہی طے کیا کہ وہ جلد از جلد مراد آباد پہنچیں اور کوثر جہاں کو یہاں لے آئیں۔

مینڈو جنکشن پر رک کر چچا پھپھا نے مہ جبیں کے لیے ایک سفید چادر خریدی۔ جس عالم میں تھی اس میں کم از کم کنور محسن علی کی کوٹھی میں اسے لے جانا غیر مناسب بات تھی' بہرحال اللہ نے چچا پھپھا کو اتنی عقل دے دی جو انہوں نے ایسا کیا۔ مہ جبیں کو بھی بڑی تقویت حاصل ہوئی تھی۔ چچا پھپھا کا کردار اسے پوری طرح یاد آگیا تھا۔ سکندر کے سلسلے میں چچا پھپھا نے اس کی مدد کی تھی۔ مہ جبیں پہلے یہ بات یاد نہیں کر پائی تھی لیکن اب اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ یاد آگیا تھا۔ ان یادوں کے ساتھ اور بھی بہت سی یاں وابستہ تھیں تانگے میں سفر کرتے ہوئے وہ اپنی تمام یوں کو یاد کرتی رہی تھی۔ کنور طاہر علی کا عشق' لیکن مہ جبیں نور طاہر علی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا بعد میں اسے سراہا یا تھا۔ کنور محسن علی نے اسے اپنے چھوٹے بھائی کے لیے نے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری باتیں فطرت کے مطابق اور ایسا ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس طرح نواب ابراہیم کنور محسن علی اور طاہر علی نے مہ جبیں کی حقیقتوں سے چشم پی کی تھی۔ وہ ان کی بہترینیوں کا مظاہرہ کرتی تھی اور اسے اس را پورا احساس تھا' لیکن اب جب اس عالم میں وہاں جارہی تو دل خون خون ہو رہا تھا۔ بہرحال نجانے سینے پر کتنے پہاڑ رکھ امداد ضروری تھی' اور کوئی مضبوط ہاتھ اگر پذیرائی کرے تو ہو ہے زندگی کی یہ مشکل ٹل جائے۔

بہرحال تانگہ بارہ پوری پہنچ گیا۔ عظیم الشان حویلی کے صدر ازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے دل بری طرح کانپ رہ ۔ چچا پھپھا مست مولا تھے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ بڑے نہ انداز میں چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ مہ جبیں چادر ے پیچھے پیچھے ہمراہ تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ باہر کنور محسن اپنے مخصوص طرز میں دراز حقے کے گہرے گہرے کش لے ہے تھے۔ طاہر علی بھی ان کے پاس تھے۔ دونوں بھائی بیٹھے ں میں باتیں کر رہے تھے اور نجانے کیا موضوع تھا۔ چچا پھپھا دیکھا تو دونوں ان کی جانب متوجہ ہوگئے' لیکن ان کے عقب ایک چادر پوش عورت کو دیکھ کر کنور محسن علی نے منہ سے کی نے نکالی اور اسٹینڈ پر ٹکا دی پھر وہ ان کا انتظار کرنے لگے۔ چچا پھپھا نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور بولے۔

"حضور دیکھئے تو کسے لایا ہوں۔"

"کون ہیں یہ خاتون۔ کیا بات ہے بی بی کیا چاہتی ہو۔ کسی نگل کا شکار ہو' کیا امداد درکار ہے؟ ذرا بتاؤ اپنے بارے ر۔"

مہ جبیں نے آہستہ آہستہ چہرے سے چادر سرکائی اور دونوں لائے مہ جبیں کو دیکھ کر ساکت رہ گئے۔

"ارے مہ جبیں بیگم۔" کنور محسن علی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

مہ جبیں کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئی تھیں۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے۔ کنور محسن علی نے طاہر علی سے کہا۔

"ارے طاہر میاں اندر لے چلو مہ جبیں بیگم کو کوئی مشکل پڑ گئی ہے شاید۔ تم چلو۔ میں ذرا چچا پھپھا سے بات کرکے آتا

مہ جبیں نے آنسو بھری آواز میں کہا۔ "نہیں کنور صاحب زت دار خواتین کے درمیان نہ لے جایئے تھوڑی سی فریاد

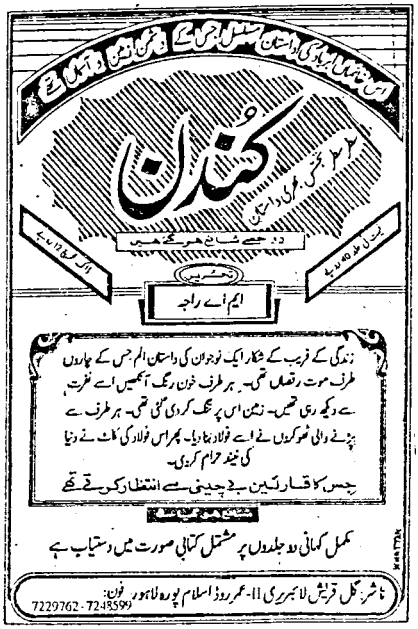
کندن
ایم اے راجہ
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کی چاروں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے پڑنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی گاٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون:
7229762 - 7245599

ہے میری بیس سن لیجئے۔ میں گھروں کی چھتوں کے نیچے لے جانے کے قابل نہیں ہوں۔"

"نہیں نہیں مہ جبیں بیگم کیسی بات کر رہی ہو۔ چلو اندر چلو۔ چلو میں بھی چلتا ہوں۔ چچا پھپھا بیٹھئے آپ' آپ سے بعد میں باتیں ہو جائیں گی۔"

"خدارا میری فریاد بیس سن لیجئے آپ کی بے حد شکر گزار ہوں گی۔"

"ہاں مہ جبیں بتاؤ' کیا مشکل پیش آئی ہے۔ شمس آباد سے کب آنا ہوا؟ باقی لوگ کیسے ہیں؟"

"میں ایک ایسی ہستی ہوں۔ جس کے لیے منزل شاید تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے اپنی بچی کو لے کر بھاگ نکلی تھی گھر سے۔ عزت کی تلاش میں' لیکن عزت نہ پا سکی' حالانکہ دنیا داروں نے تو اپنے دروازے میرے لیے کھول دیے تھے۔ نواب ابراہیم بیگ ملے جنہوں نے آخر کار مجھے سہارا دیا۔ بھائی اظہار حسین ملے۔ آہ میں کیا کہوں کیسے لوگ ہیں یہ' عظمت کے مینار' ہزار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے ان پر' لیکن بد قسمتی ہے کہ بچا ہی نہیں چھوڑتی۔"

"مہ جبیں تم بہت دلبرداشتہ معلوم ہوتی ہو۔ ابراہیم بیگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے گھر میں کوئی بات ہوگئی؟"

"نہیں بات ان میں سے کسی کی نہیں ہے۔ کوٹھے کے دور کی بات ہے کہ ایک شخص راؤ برکت علی خاں کوٹھے پر آیا جایا کرتا تھا۔ میرا تمنائی تھا لیکن مجھے جب موقع ملا اور اپنے آپ کو میں نے دنیا کے ہاتھوں فروخت کرنے کا سلسلہ بند کردیا۔ ماں سے بغاوت کی اور کہا کہ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کر سکتی ہوں کہ گا بجا کر زندگی گزار لوں۔ مجھے اس سے آگے کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔ تو راؤ برکت علی میرے حصول کا خواہاں ہوا' میرے طرز عمل نے اسے دیوانگی پر آمادہ کردیا۔ ہم لوگ مترہویں شریف میں آئے ہوئے تھے۔ تمام ہی افراد تھے اس نے مجھے درگاہ سلطان جی پر دیکھ لیا اور میری کھوج لگا کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں ہمارا قیام تھا پھر ظالم نے نجانے کس طرح سے ساز باز کی اور رات کی تاریکی میں مجھے بے ہوش کرکے اغواء کر لیا۔ اس نے واپسی کا راستہ موٹر کے ذریعے اختیار کیا تھا۔ راستے میں اس کی موٹر خراب ہوگئی وہاں اس نے ایک ڈاک بنگلے میں قیام کیا اور مجھے دھمکیاں دیتا رہا پھر پریشانی کے عالم میں موٹر کے سلسلے میں بھٹکتا رہا۔ خدا کا فضل ہے کہ میں اس کے پنجہ ستم سے محفوظ رہی حالانکہ یہ الفاظ کہتے ہوئے مجھے غیرت آتی ہے' مگر کیا کروں اپنے عورت پن کو نہیں کھو سکی آج تک' اتفاق کی بات یہ کہ یہ فرشتہ صفت انسان جنہیں آپ چچا پھوپا کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں دوبار میری آبرو کے محافظ بنے ایک تو اس وقت جب میں کنور طاہر علی کے جشن صحت یابی میں حاضر ہوئی تھی اور سکندر نامی ایک بدمعاش نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دوبارہ اب اسی فرشتے نے مجھے اس ظالم کے چنگل سے بچایا اور اس کے ساتھ میں یہاں آگئی ہوں۔ کنور صاحب میں نہیں جانتی کہ اب اگر میں دلی پہنچی تو نواب ابراہیم بیگ کے اہل خاندان اپنی غلطی پر پشیماں ہو کر مجھ سے معذرت کرلیں گے یا نہیں' وہاں میری مہ رخ بھی ہے مجھے پتا ہے کہ اب تک اس کی آدھی جان ہو چکی ہوگی' نیم مردہ ہوگئی ہوگی میری غیر موجودگی میں وہ آہ اگر وہ لوگ مجھے نکال بھی دیں گے تو مجھے ان سے گلہ نہیں ہوگا کون اپنی عزت پر داغ برداشت کرتا ہے لیکن کم از کم مہ رخ کو تو لے لوں میں وہاں سے' خدارا میری مدد فرمایئے۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی مجھے دلی تک پہنچوانے کا بندوبست کر دیجئے بس اور اگر چچا پھوپا کے حوالے سے ساری تفصیل ان کے کانوں تک پہنچ جائے اور ایک بار صرف ایک بار وہ مجھے بے قصور سمجھ لیں تو میں یہ احسان قیامت تک نہ بھولوں گی۔"

مہ جبیں زار و قطار رونے لگی۔ کنور محسن علی اور کنور طاہر علی دونوں ہی شدید متاثر ہوگئے تھے۔ کنور محسن علی نے کہا۔

"دیکھو مہ جبیں بیگم آنسو پونچھ لو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس کائنات میں بسنے والے ہر انسان کا ایک مقام متعین ہے قدرت جو کچھ اس کے لیے طے کردیتی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے افضل ہوتا ہے تم اپنی عمر سے اس ماحول میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ شرافت اللہ کا دیا ہوا عطیہ ہوتی ہے وہ جسے بھی عطا فرما دے' اگر کبھی کوئی ضرورت پیش آجائے تو میں بھی اظہار حسین کی طرح تمہیں اپنی بہن کہنے سے دریغ نہ کروں کیونکہ میں نے تمہارے اندر وہی عظمت پائی ہے جو ایک نیک اور شریف زادی میں ہوتی ہے۔" مہ جبیں کے آنسو ایک دم رک گئے۔ کنور محسن علی نے جو الفاظ کہے تھے بہت بڑے الفاظ تھے اس نے حیران آنکھوں سے کنور محسن علی کو دیکھا تو وہ بولے۔

"اور میں کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا مہ جبیں اگر کوئی ناسمجھ تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو ہو جائے ہم دلی چلتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں' اگر میں نے وہاں تمہارے لیے کوئی تلخی یا کسی کی پیشانی شکن آلود پائی تو تم اطمینان رکھو ایک اور بھائی کا گھر تمہارے لیے بارہ دری میں موجود ہے۔"

مہ جبیں کے ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا۔ بلک بلک کر رونے لگی۔ کنور محسن علی نے چادر اس کے سر پر برابر کی اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے اسے اندر لے چلے۔

○

ناصر علی' فیروز کے گھر پہنچ گیا' اب یہاں آتے ہوئے اسے کسی تکلف کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ رونق آرا بیگم نماز پڑھ رہی تھیں۔ فیروز غسل خانے میں تھا۔ ناصر علی کو ملازمہ نے بٹھا دیا اور کچھ دیر کے بعد رونق آرا بیگم نماز ختم کرکے ناصر علی کے پاس پہنچ گئیں۔ ناصر علی نے انہیں بڑے ادب سے سلام کیا۔ رونق آرا بیگم دعائیں دیتی ہوئی بیٹھ گئیں۔ فیروز نے ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا۔ اس نے رونق آرا بیگم کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کردیا تھا ان کا زیادہ تر وقت جائے نماز پر گزرتا تھا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتی رہتی تھیں۔ ماضی یاد آتا تو کلیجا کٹنے لگتا۔

رونق آرا بیگم خاصی بدل گئی تھیں۔ اس وقت بھی ناصر علی نے جس طرح انہیں سلام کیا۔ انہیں ایک عجیب سا اعتماد اپنے دل میں محسوس ہوا تھا۔ سلام ان لوگوں کو کیا جاتا ہے جو عزت دار ہوں۔ کم از کم رونق آرا کے کوٹھے پر یہ رسم و رواج نہیں تھے۔ وہ تو کچھ اور ہی زندگی گزارتی تھیں۔ بڑی محبت سے ناصر علی کو جواب دیا۔ ناصر علی سے اچھی خاصی شناسائی ہوگئی تھی اور یہ بات رونق آرا بیگم سے اب چھپی نہ رہ گئی تھی کہ یہ لوگ کون ہیں۔ شاہ رخ تک مل چکا تھا اور اس کے جانے کے بعد نانی نواسے میں بڑی طویل گفتگو ہوئی تھی۔ ناصر علی سے خیریت پوچھی۔

"ہاں نتو۔ بالکل ٹھیک ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ کیا کر رہے ہمارے فیروز میاں؟"

"غسل خانے میں ہے۔ چلے خراب ہو رہا تھا میں نے کہا لے بیٹا' تو لباس وغیرہ لے کر غسل خانے گیا ہے۔ تم سناؤ سب خیریت سے ہیں ہمارے شاہ رخ کیسے ہیں؟"

"نتو ایک لمبا عرصہ گزر گیا ہم لوگوں کی زندگی میں بہار آئے ہے لیکن اب یوں لگتا ہے جیسے بہار نے ہمارے گھر کا رخ کر لیا ہے۔"

"خداوند کریم تمہارے گھر کو گلزار بنا دے۔ سارے بچھڑے ہوئے مل جائیں۔ ہر کھوئی ہوئی چیز حاصل ہو جائے۔"

"آمین۔" ناصر علی نے کہا۔ اتنی دیر میں فیروز مسکراتا ہوا آگیا۔

"یار ایک بار تو بچا جن کہہ کر جی خوش کردو۔ زندگی میں پہلی یہ عمدہ ملا ہے۔ وہ بھی تم نے چھین رکھا ہے۔"

فیروز پھیکے سے انداز میں مسکرانے لگا پھر بولا۔ "سب لوگ ٹھیک ہیں؟"

"دیکھا نتو! کتنا چالاک ہے آپ کا یہ نواسا! بات ٹال گیا۔" رونق آرا بیگم مسکرا کر خاموش ہوگئی تھیں فیروز نے کہا۔

"سب ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔ ایک کام سے آیا ہوں تمہارے پاس۔ اب اگر تم یہ کہو کہ میں نے دیر کردی آپ جناب شروع کردوں تو میاں اب یہ نہیں ہونے کا۔"

"کوئی حرج نہیں ہے ناصر صاحب آپ بے تکلفی سے بولئے ہیں تو اپنائیت کا احساس ہوتا ہے برا نہیں لگتا۔"

"خدا کا شکر ہے یہ الفاظ تو سننے کو ملے۔ بھئی پھوپی جان آئی ہیں۔"

"پھوپی جان؟"

"ہاں مہ جبیں بیگم۔ تفصیل تو تمہارے علم میں آہی چکی ہے بتائی گئی ہے تمہیں۔"

"تھوڑی بہت۔"

"تھوڑی باقی تفصیل بھی علم میں آجائے گی۔ اصل میں پھوپی جان یوں سمجھ لو' زندگی میں پہلی بار آئی ہیں ہمارے گھر۔ میرا خیال ہے تمہاری پھوپی جان۔ میں اپنی بہن کوثر جہاں کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"بہت خراب تعلقات تھے نواب کاظم علی خاں سے' لیکن خیر کہ نفس و کرم سے اب صورت حال کچھ بہتر ہوگئی ہے۔"

"تو اب کاظم علی خاں۔۔۔۔؟"

"ہاں مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اتنی تفصیل سے حالات نہیں بتائے گئے۔ اصل میں بتاتا کون۔ تم سے آج تک کی ملاقاتیں بھی بڑے تکلف کے ماحول میں ہوئی ہیں۔ خیر اب یہ ساری باتیں بہتر ہے کہ گھر چل کر ہی ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ کوثر باجی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ شاہ رخ بھائی نے مجھے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ فیروز میاں کو بلا لاؤ۔"

"نتو کیا میرا جانا مناسب ہوگا؟"

"ارے واہ کیوں مناسب نہیں ہوگا۔ اپنا گھر ہے اپنے لوگ ہیں۔ جانا ہوگا تمہیں بلکہ فوراً تیار ہو جاؤ۔"

"لباس تبدیل کر آؤں۔" فیروز نے کہا۔

"ہاں جلدی اور خوب صورت سے کپڑے پہننا تاکہ باجی بیگم کو خوشی ہو۔" فیروز ہلکے سے ہنس کر اندر چلا گیا۔

بہت ہی خوبصورت کرتا اور پائجامہ پہن کر باہر آیا۔ بال سنوار لیے تھے۔ حسین چہرہ تو کسی پرکاری کا محتاج ہی نہیں تھا۔ لباس کوئی بھی پہن لے شہزادہ ہی لگتا تھا۔ ناصر علی نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور فیروز کو لے کر باہر نکل آیا۔

"تو جناب بھتیجے صاحب ہمارا عمدہ چھین کر آپ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کر رہے اس ناانصافی کا جواب آپ کو اللہ کے حضور دینا ہوگا۔"

"ایسی باتیں نہ کیا کریں ناصر صاحب۔"

"پھر دی ناصر صاحب۔"

"آپ میرے اندرونی جذبات سے واقف نہیں ہیں جب آپ یہ الفاظ کہتے ہیں تو مجھے قلبی دکھ ہوتا ہے۔"

ناصر ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد موٹر نواب فاخر علی خاں کی خوب صورت رہائش گاہ پر جا رکی تھی۔ فیروز پر اعتماد انداز میں نیچے اترا۔ ناصر علی کے ساتھ چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ بڑے ہال میں اجتماع تھا۔ رات ہونے والی تھی۔ جھٹپٹا پھیل چکا تھا روشنیاں جلا دی گئی تھیں۔ کوثر جہاں بیگم بھائیوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں۔ فاخر علی خاں کا خوشی سے برا حال تھا۔ کوثر جہاں بیگم کو لاکر جیسے انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی بہت بڑا قلعہ فتح کرلیا تھا۔ وہ ان دنوں بے پناہ خوش نظر آرہے تھے۔ نجانے کیا کیا دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ ناصر علی فیروز کے ساتھ ہال کمرے میں داخل ہوا۔ کوثر جہاں نے فیروز کو دیکھا۔ شاہ رخ بھی نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ بے اختیار کھڑی ہوگئیں۔ ایک لمحے کے لیے مبہوت ہو کر فیروز کی صورت دیکھتی رہیں۔ فیروز نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو بے اختیار ہو کر آگے بڑھیں۔ فیروز کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بہت قریب سے دیکھا اور پھر بازوؤں میں بھینچ لیا حالانکہ بہت ہی محتاط خاتون تھیں ہمیشہ زندگی میں اپنے آپ کو بڑا لیے دیے رکھا تھا لیکن نجانے کیسی محبت دل میں آئی تھی کہ فیروز سے بڑی بے تکلفی سے بغل گیر ہوگئی تھیں۔ نجانے کیوں فیروز کو بھی یہ سب کچھ بہت اچھا محسوس ہوا اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوثر جہاں بیگم چند لمحات اسے سینے سے لگائے رہیں پھر چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اداس کی پیشانی چومی۔ آنکھیں چومیں' پھر آہستہ سے بولیں۔

"خدا نظر بد سے بچائے۔ گھر سے چلتے وقت کوئی ایسا نہیں تھا جو تمہیں نظر کا ٹیکہ لگا دے۔ بھائی جان آپ دیکھ رہے ہیں اسے۔ خدا لگتی کہوں گی۔ شاہ رخ برا نہ ماننا۔ نوجوانی کے عالم میں تو تم بھی اتنے خوبصورت نہیں تھے۔ یہ چوہا مہو تمہارا ہی ہے' آنکھیں تو بالکل جیسے دو کے بجائے چار ہو گئی ہوں لیکن یہ سبک نقوش اور یہ شفاف چہرہ اتنا پیارا لگ رہا ہے کہ دل چاہ رہا ہے کلیجے میں اتار لوں۔"

شاہ رخ اور دوسرے لوگ بھی مسکرا رہے تھے۔ فاخر علی خاں نے کہا۔

"بیٹو فیروز میاں۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں جناب۔"

"تمہارے اندر میں یہ جناب وغیرہ ابھی تک موجود ہے۔ ہمیں تو علم ہوا ہے کہ تمہاری شاہ رخ سے ملاقات ہو گئی ہے اور تم دونوں آپس کے رشتے سے واقف ہو گئے ہو' لیکن بیٹے تمہارے لہجے میں اب بھی اجنبیت پائی جاتی ہے۔"

فیروز نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"مجھے محترمہ سے باتیں کر لینے دیجئے۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا۔"

"محترمہ۔ میں محترمہ ہوں؟" کوثر جہاں نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ میں رشتے کیسے قائم کروں آپ سے۔ آپ لوگ اس ماحول کو بھی مکدر کرنا چاہتے ہیں تو دو سری بات ہے۔"

"ارے ارے کیا کہہ رہا ہے یہ بھائی جان؟"

"پتا نہیں۔ میری سمجھ میں خود نہیں آیا۔"

"میں سمجھا دیتا ہوں بھائی جان۔" عامر علی نے کہا اور پھر وہ تمام گفتگو بتانے لگے۔ جو شاہ رخ اور فیروز کے درمیان ہوئی تھی یہ گفتگو سن کر سب سنجیدہ ہو گئے تھے بہت دیر تک گہری خاموشی طاری رہی پھر فاخر علی خاں اٹھے اور فیروز کے پاس آ بیٹھے۔

"بیٹے فیروز تم ہمارا خون ہو ہمارے جگر گوشے ہو اگر لوگ باقی سارے رشتے چھین لیتے تب بھی کوئی تمہاری صورت نہیں چھین سکتا تھا۔ ہاں تم ایک پروقار خاندان کی پروقار وراثت ہو' چنانچہ تمہارا یہ سوچنا اس لیے' بالکل بجا ہے کہ تمہارا خون تمہیں اس کے لیے مجبور کرتا ہے بالکل درست ہے میرے بچے۔ میں تم سے متفق ہوں' بہرحال تمہیں تمہارے مزاج کے خلاف کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ میں سب کو ہدایت کیے دیتا ہوں البتہ ایک جانب سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ خداوند عالم کی ذات سے مایوسی کفر ہے انسان خطاؤں کا پتلا ہوتا ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے اور اپنے گناہ شیطان کے نام منتقل کر دیتا ہے' ہم اس سے

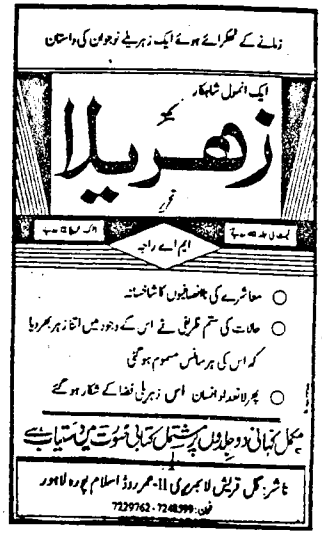
زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان
ایک انمول شاہکار
زہریلا
تحریر
ایم اے راجہ
معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ
حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی
پورا خاندان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

گنہگار ہیں' اور گناہ کرتے رہنے کے باوجود نجانے کیوں دل یہ چاہتا ہے کہ اس سے معافی مانگتے رہیں۔ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے جس انداز میں ہوا ہے۔ شک ہوا ہے' لیکن ہماری فطرت مانگتا ہے' ہم اب بھی اس سے مہ جبیں کو مانگیں گے اور اس کی ذات سے مایوس نہیں ہوں گے۔ مہ جبیں ہمیں مل جائے گی بیٹے اور جب مہ جبیں ہمیں مل جائے گی تو میں اگر زندہ رہا تو سب سے پہلے شاہ رخ کا نکاح مہ جبیں سے کراؤں گا۔ باقی اللہ معاف کرنے والا ہے۔"

"جی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فیروز نے جواب دیا۔

"بھئی اب اس موضوع کو ختم کرو۔ بات اگر صرف اتنی سی ہے کہ ہمیں رشتوں سے پکارا جائے تو میں بھی اپنے رشتے کو' حالانکہ میرا دل چاہتا ہے کہ فیروز مجھے پھوپی جان کہہ کر مخاطب کرے' لیکن میں اپنی یہ مانگ دل میں دبائے لیتی ہوں۔" کوثر جہاں کی آواز بھرا گئی۔ فیروز نے معذرت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"بہرطور میں آپ کی آزردگی پر شرمندہ ہوں اور اپنے طور پر یہ اظہار کرنا چاہتا ہوں محترمہ کہ آپ سے مل کر مجھے ایک ایسی اپنائیت اور محبت کا احساس ہوا ہے جسے کاش میں صحیح الفاظ میں بیان کر سکتا۔"

"خیر چھوڑو' بھئی عامر میاں کچھ انتظامات کرو میرا بچہ آیا ہے۔"

اس جیتی جاگتی کہانی کے کردار آپ کے ارد گرد بھی موجود ہیں
کندن
22 قسطوں کی داستان
دو جلدوں میں مکمل ہے
ایک انمول شاہکار
ایم اے راجہ
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے چاروں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے پڑنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کاٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762 - 7248599

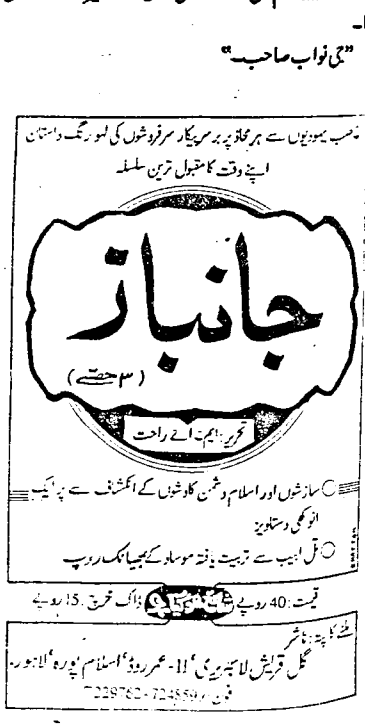
جاسوسیوں سے ہر محاذ پر برسرپیکار سرفروشوں کی لہو رنگ داستان
اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ
جانباز
(۳ حصے)
تحریر: ایم اے راحت
سازشوں اور اسلام دشمن کارروائیوں کے انکشاف سے پر ایک انوکھی داستان
قبل ازیں سے ترتیب یافتہ موساد کے بھیانک روپ
قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ 15 روپے
ناشر کا پتہ
گل قریشی لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون 7229762 - 7248599

"جی میں ابھی جاتا ہوں۔"

فیروز نے مسکراتی نگاہوں سے کوثر جہاں کو دیکھا اور بولا۔

"کیا یہ بہت ضروری ہے؟"

"ہاں۔ اب یہ حق بھی ہم سے چھین لو گے۔" کوثر جہاں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فیروز ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کو خدا کا واسطہ' آپ روئیے نہیں۔ خدا کی قسم آپ کے رونے سے میرا دل دکھتا ہے۔ میں خون کے ان بندھنوں کو فراموش نہیں کر سکتا جو قدرت کی طرف سے باندھے گئے ہیں' لیکن میری مجبوری کو مدنظر رکھیے خدارا مجھے معاف کر دیجئے اس کے لیے۔"

ماحول تھوڑے سے تکدر کا شکار ہو گیا تھا کہ باہر سے ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی۔

"رام پور والے نواب صاحب آئے ہیں۔"

"کون۔" فاخر علی خاں حیرت سے کھڑے ہو گئے۔

"رام پور والے بڑے نواب صاحب۔"

"کک۔۔۔ کاظم علی۔" فاخر علی خاں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جی نواب صاحب۔"

"ارے کاظم علی آئے ہیں۔ آؤ بھئی دوڑو' دوڑو' آؤ بھئی جلدی سے آؤ' آؤ۔" کوثر جہاں بھی اٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے فیروز کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور دروازے کی جانب بڑھی تھیں اچانک فاخر علی خاں نے انہیں دیکھا ان کے قریب آئے اور کوثر جہاں سے بولے۔

"کوثر جہاں ذرا ایک لمحے کے لیے میری بات سنو۔" عامر اور ناصر علی باہر دوڑ گئے تھے۔ کوثر جہاں کچھ حیران سی ہو کر آہستہ سے رکیں تو فاخر علی خاں نے کہا۔

"ابھی فیروز کا ہاتھ نہ پکڑو سمجھیں۔" کوثر جہاں ایک دم سنبھل گئیں۔ بھائی نے بالکل درست کہا تھا۔ کاظم علی کے سامنے فیروز سے اس طرح اپنائیت ذرا غیر مناسب تھی۔ فیروز اس دوران ان لوگوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ شاہ رخ بھی تھا۔

فاخر علی کوثر جہاں کو لے کر آگے بڑھے اور پھر انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے کاظم علی خاں کا استقبال کیا۔ حشمی ریاض بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ فاخر علی خاں جس محبت سے کاظم علی خاں سے بغلگیر ہوئے تھے کاظم علی اس سے بے حد متاثر ہوئے یہ بات تو خیر ان کے دل میں پہلے سے موجود تھی کہ فاخر علی اپنے بہن بھائیوں کے لیے نہایت نفیس انسان ثابت ہوئے ہیں اور ان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ اب جب دل صاف ہوئے تھے تو کاظم علی خاں کو ان کی حقیقت کا احساس ہوا تھا۔ بڑی محبت سے عامر علی اور ناصر علی سے ملے۔ ظاہر علی کے بارے میں پوچھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو ناصر علی نے بتایا۔

"ظاہر علی ابھی جرمنی میں ہیں۔ بس بہت جلد وہ واپس آنے والے ہیں۔ کچھ ایسے مسائل درپیش تھے جن کی بناء پر وہ شارخ کے ساتھ واپس نہیں آسکے۔ ورنہ شاہ رخ ہی کی نگہداشت کے لیے انہوں نے جرمنی میں رہائش اختیار کی تھی اور چونکہ وہاں منتقل رہنا تھا اس لیے وہاں ملازمت وغیرہ بھی اختیار کرلی تھی۔ اس سے چھٹکارا ملتے ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

وہ سب بڑے کمرے میں آبیٹھے۔ کاظم علی کی نظر اچانک ہی فیروز پر پڑی تو وہ اسے چونک کر دیکھنے لگے۔ حیران سے پہلے اسے پھر شاہ رخ کو دیکھا پھر اسے دیکھا اور پھر شاہ رخ کو اور پھر کہنے لگے۔

"یہ بچہ کون ہے؟"

"یہ فیروز ہیں شاہ رخ کے بیٹے۔"

"شاہ رخ کے بیٹے؟"

"ہاں۔ تھوڑی بہت تفصیل میں نے آپ کو وہیں بتا دی تھی۔"

"اوہو اچھا۔ تو میاں تم اتنی دور کیوں کھڑے ہوئے ہو۔ آؤ ہمارے گلے لگو۔ واہ خدا کی قسم، بچے کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے جیتے رہو جیتے رہو۔" کاظم علی نے خود آگے بڑھ کر فیروز کو گلے سے لگایا تھا۔ فیروز نے بھی بہت زیادہ انحراف نہیں کیا تھا۔

"خیریت سے تو ہو بیٹے، لیکن کیا یہاں آئے ہوئے ہو یا؟"

"جی نہیں۔ میں یہیں مراد آباد میں رہتا ہوں۔"

"اچھا بھئی بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" کاظم علی بھی فراخ دل تھے۔ جب فاخر علی رام پور پہنچے تھے تو انہوں نے اپنی تمام داستانیں سناتے ہوئے یہ بھی بتایا تھا کاظم علی خاں کو کہ آسمان کا تھوکا منہ پر آیا ہے شاہ رخ ان کا بھائی بھی ایسی ہی کیفیت میں گرفتار ہو چکا ہے اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ یہ تمام باتیں کاظم علی خاں کے علم میں تھیں، لیکن اس وقت انہوں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی لیکن اب فیروز کو دیکھ کر انہیں وہ ساری باتیں یاد آگئی تھیں، لیکن صاحب تعرف انسان تھے۔ کریدنہ کی بلکہ اس طرح فیروز سے ملے جیسے اپنوں سے ملا جاتا ہے۔

فیروز خود کو ایک عجیب سی کیفیت کا شکار پا رہا تھا کوثر جہاں بھی بہت مسرور نظر آرہی تھیں۔ بہت عرصے کے بعد یہ سارے بچھڑے ہوئے مل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ فاخر علی نے کاظم علی سے کہا۔

"اچانک ہی آنا ہوا، ہمیں تو کوئی اطلاع نہیں تھی۔"

"ہاں فاخر علی خاں صاحب آپ لوگ تو ادھر آئے اور میں نے اپنی مہم کا آغاز کردیا۔ دل کو لگی ہوئی تھی۔ اولاد کی جدائی کیا ہوتی ہے سب ہی جانتے ہیں۔ کس سے کہوں کس سے نہ کہوں۔"

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان

ایک انمول شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راحت

○ معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ

○ حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی

○ پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہو گئے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762 - 7248599

خاصب یہودیوں سے ہر محاذ پر برسرپیکار سرفروشوں کی لورنگ داستان

اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ

جانباز

(۳ حصے)

تحریر: ایم اے راحت

○ سازشوں اور اسلام دشمن کاوشوں کے انکشاف سے پر ایک انوکھی داستان

○ فلی ایپ سے تربیت یافتہ موساد کے بھیانک روپ

قیمت 40 روپے ڈاک خرچ 15 روپے

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور
فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں وہی تفصیل بتانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

"کیا ہوا۔ میں بے چین ہوں۔"

"میں اپنے مشن پر روانہ ہوا۔ پہلے آگرہ پہنچا۔ حکیم سرفراز حسین سے ملاقات ہوئی۔ وہاں پر مجھے کچھ عجیب و غریب تفصیلات معلوم ہوئیں۔"

اچانک ہی نواب فاخر علی خاں نے فیروز کی جانب دیکھا پھر کاظم علی خاں کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولے۔

"میاں فیروز یہ نہ محسوس کرنا کہ تمہیں حقیقتوں سے ناشناس رکھ کر بات کی جارہی ہے مگر چونکہ داستان بہت طویل ہے اس لیے محسوس نہ کرنا۔"

فیروز خاموش رہا۔ ویسے اس کی نگاہیں کاظم علی خاں کے چہرے کا طواف کررہی تھیں اور انہیں دیکھ دیکھ کر اسے ناظم علی خاں یاد آرہے تھے۔ فیروز نے خاموشی اختیار کی تو نواب فاخر علی خاں نے کہا۔

"ہاں کاظم علی پھر آگے کیا ہوا؟"

"جواب سرفراز حسین نے جو کہانی سنائی وہ تو بہت ہی عجیب تھی۔"

"کیا؟"

"انہوں نے بتایا کہ آپ جب وہاں پہنچے تھے اور آپ نے ناظم علی کے بارے میں حکیم سرفراز حسین کو تفصیلات بتائی تھیں تو حکیم سرفراز حسین بگڑ گئے تھے۔"

"ہاں ہاں یہ بات مجھے کسی حد تک معلوم ہے اور جہاں تک میں اس میں ملوث رہا ہوں وہ تو میں نے آپ کو بتا ہی دیا ہے۔"

"بے شک' بہرحال مسئلہ چونکہ ذرا گمبھیر تھا۔ حکیم سرفراز حسین نے آپ کو ٹکا سا جواب دے دیا۔ وہ اپنی مشکلات کا شکار تھے اور ایک طرح سے میں انہیں جائز ہی سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے ایسے معاملات خاندانی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"ہوا یہ کہ رضوانہ بیگم نے ناظم علی خاں کا نام سنا اور آپ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو ان کے علم میں آگئی۔"

"حکیم سرفراز حسین کی لڑکی نے۔۔۔؟"

"جی ہاں۔" فیروز کے چہرے پر شدید سنسنی پھیل گئی تھی۔ ناظم علی خاں کا نام دوسری بار آیا تھا۔ ناظم علی' کاظم علی۔۔۔۔ ناظم علی' کاظم علی۔۔۔ اس کے ذہن میں ہلکے ہلکے دھماکے سے ہونے لگے۔ اس کی پوری توجہ ان لوگوں کی گفتگو کی جانب مرکوز ہوگئی۔ کاظم علی خاں نے بتایا۔

"رضوانہ بیگم کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ناظم خاں نئی چاؤڑی میں رہتے ہیں اپنے چار حواریوں کے ساتھ۔ تو آپ کے آنے کے بعد انہوں نے باپ سے ملاقات کی اور یہ اظہار کیا کہ وہ اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہیں۔ حکیم سرفراز حسین بری طرح بگڑ گئے ان کا اپنا مسئلہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے ایسا کسی طور نہیں کیا جا سکتا' لیکن رضوانہ بیگم بضد ہوگئیں انہوں نے کہا' کہ اب تک چونکہ انہیں ناظم خاں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اس لیے وہ خاموشی سے بیٹھی رہیں لیکن یہ ان کی زندگی ان کی بقاء ان کے ساگ کا معاملہ ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے شوہر کے بارے میں سن لیں اور اس کے بعد خاموش بیٹھ جائیں۔ حکیم سرفراز حسین سخت ناراض ہوگئے لیکن رضوانہ بیگم نے ان کی ناراضگی کی پروا نہیں کی اور اپنے ایک ملازم رحمن میاں کو لے کر آگرے سے دلی پہنچ گئیں۔ نئی چاؤڑی میں ان کی ملاقات ناظم علی خاں سے ہوئی۔ ناظم علی خاں انہیں دیکھ کر بوکھلائے' لیکن ظاہر ہے یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رضوانہ بیگم ان کی منکوحہ ہیں آخر کار دل پگھل گیا۔ رضوانہ بیگم کو قبول کرلیا اور وہاں سے وہ انہیں اپنی ایک کوٹھی میں لے گئے' جو دلی میں ہی ہے پھر انہوں نے طے کیا کہ رضوانہ بیگم کو آگرے لے جائیں اور انہیں ان کے والد حکیم سرفراز حسین کے حوالے کردیں اور ان سے کہیں کہ چار آدمیوں کے ساتھ وہ آئے جاتے ہیں۔ رخصتی کی رسم ادا کردی جائے حکیم سرفراز حسین نے وہاں ذرا حماقت سے کام لیا اور فراخ دلی کا مظاہرہ نہیں کرسکے جو ناظم علی نے کیا تھا' چنانچہ ناظم علی بحالت مجبوری رضوانہ بیگم کو لے کر واپس آگئے اور اب دلی میں ہی ان کا قیام ہے۔ ان کی کوٹھی میں رضوانہ بیگم بڑی عیش و عشرت کی زندگی گزار رہی ہیں۔"

"سبحان اللہ۔ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے گویا ناظم علی خاں نے اپنی بیوی کو قبول کرلیا۔"

"جی ہاں یہ ہو چکا ہے۔"

"خدا کی قسم میں اپنے احساسات کو الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا۔ کتنا خوش ہوں میں اس بات سے' میں جانتا ہوں اور اللہ جانتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے فاخر علی خان۔ اب آپ کی کسی بات پر بھی مجھے کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہے۔"

"اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اتنا بڑا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ جس کے بعد مزید مسائل حل ہونے کے امکانات ہیں۔"

"خیر جناب اب ہم آگرے سے چلتے۔ سب سے بڑا معرکہ ہمیں سرانجام دینا تھا۔ یعنی ناظم خان سے ملاقات چنانچہ ہم دلی پہنچ گئے۔ رحمان میاں منشی ریاض اور حکیم سرفراز حسین بھی ہمارے ساتھ تھے لیکن وہاں کوٹھی پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ناظم خان آگرہ گئے ہوئے ہیں۔ کسی ایسے مسئلے میں جس کے بارے میں گھر والوں کو علم نہیں ہے۔ میں نے وہاں وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ سوچا کہ یہاں آکر کوثر جہاں بیگم کو اپنے ساتھ دلی لے جاؤں۔ آپ یہ بات بالکل محسوس نہ کیجئے گا کہ میں نے یہ الفاظ آپ کے بارے میں نہیں کہے۔ اصل میں آپ چونکہ ابھی ناظم علی کی دکھتی رگ ہیں اس لیے آپ سے مصالحت اور معاملات ہموار کرنے میں ذرا وقت لگے گا۔ آپ یقین کیجئے میں اب بھی اس بات سے مطمئن نہیں ہوں کہ ناظم مجھے معاف کر دے گا اور مجھ سے مل بیٹھے گا حالانکہ میرا اس سلسلے میں کوئی قصور نہیں ہے نجانے کیوں وہ احمق مجھے قصوروار قرار دیتا ہے۔ بھئی میں نے اسے کہاں اس بات کا احساس دلایا کہ میں اسے اپنا جائز وارث نہیں سمجھتا یا اس کی ذات میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ پھر اللہ نے کوثر جہاں کو بھی کوئی اولاد نہیں دی اس لیے کوثر جہاں بھی اس سے اتنی محبت کرتی ہیں۔ وہاں دلی پہنچ کر میرے دل میں ایک خیال آیا۔ اصل میں خوف کا شکار تو میں ہوں اس کی جانب سے کیونکہ بڑا سرکش قسم کا انسان ہے وہ۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ کوثر جہاں کا سہارا لیا جائے ان کی آڑ میں چھپ کر اس کے سامنے جاؤں گا۔ کوثر جہاں صلاحیتوں کی مالک ہیں وہ اسے ضرور رام کرلیں گی۔" کوثر جہاں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خدا کرے وہ میری لاج رکھ لے۔"

"آپ ضرور کوثر جہاں کو ساتھ لے جائیے کاظم علی اور مجھے وہ خدمات بتائیے جو میں سرانجام دوں۔ دلی تک ہم سب آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔ وہاں اس کی کوٹھی پر نہیں جائیں گے لیکن کم از کم آپ کو ہمارا سہارا حاصل رہے گا۔"

"نہیں منشی ریاض میرے ساتھ ہیں آپ ابھی یہ زحمت نہ کیجئے۔"

"میں کچھ بول سکتا ہوں؟" فیروز سے نہ رہا گیا تو اس نے آہستہ سے کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ہاں میاں کہو کیا بات ہے؟"

"نئی چاؤڑی میں جو ناظم علی خان رہتے ہیں یہ بات انہی کے بارے میں ہو رہی ہے؟"

"ہاں ان سے تمہاری واقفیت ہے؟"

"جی ہاں خاصی واقفیت ہے۔" فیروز نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور فاخر علی خان چونک کر بولے۔

"ارے ہاں یہ بات تو میں نے آپ کو بتائی ہی نہیں کاظم علی جو تفصیل میں نے آپ کو مختصر الفاظ میں بتائی تھی۔ وہ تو آپ کے ذہن میں ہو گی اور آپ یہ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ فیروز مہ نیگ اور شاہ رخ کا بیٹا ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔۔ جی ہاں۔"

"لیکن فیروز کے ناظم خاں سے بھی خاصے تعلقات تھے اور ناظم خاں اس سے بہت محبت کرتے تھے۔"

"کیا واقعی؟" کاظم علی خاں نے چونکی ہوئی نگاہوں سے

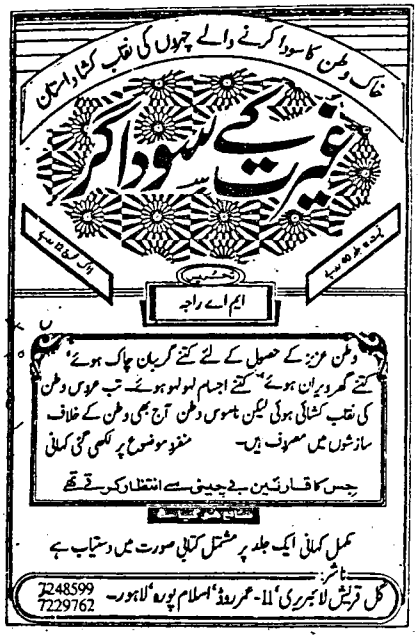
غیرت کے سوداگر
ایم اے راجہ
وطن عزیز کے حصول کے لئے کتنے گریبان چاک ہوئے' کتنے گھر ویران ہوئے' کتنے اجسام لہولہو ہوئے۔ تب عروس وطن کی نقاب کشائی ہوئی لیکن ہاموس وطن آج بھی وطن کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ منفرد موضوع پر لکھی گئی کہانی
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کررہے تھے
مکمل کہانی ایک جلد پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر:
کل قریشی لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
7248599
7229762

فیروز کو دیکھ کر کہا۔ فیروز مسکرا کر بولا۔

"جناب عالی بات درمیان سے ختم ہو گئی۔ میں تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ معاف کیجئے یہ بے تکلفی دخل در معقولات ہے۔ ایک اجنبی کی آپ کے ذاتی معاملات میں لیکن آپ یقین کیجئے میں بڑے کام کا ثابت ہو سکتا ہوں آپ کے لیے۔"

"دیکھو میاں دل توڑنے والی بات نہ کرو۔ اب تم اجنبی کہاں ہو بیٹے؟"

"یہ آپ نے جو ناظم صاحب کی منکوحہ وغیرہ کے بارے میں گفتگو کی ہے ذرا اس کی تفصیل مجھے پتا چل سکے گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹے' تمہیں تو اب بتانا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔ اصل میں ناظم علی میرا بیٹا ہے۔"

"جی اس کا تو مجھے اندازہ ہو گیا ہے اور آپ کے چہرے کے نقوش بھی ان سے ملتے جلتے ہیں۔"

"بالکل۔۔۔۔ ہوا یہ تھا کہ ناظم علی خاں کا نکاح آگرے کے حکیم سرفراز حسین کی بیٹی سے ہوا تھا لیکن نکاح کے وقت ہی کچھ ایسی باتیں منظر عام پر آگئیں جو ناظم علی کو سخت ناگوار گزریں اور وہ گھر چھوڑ کر اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ غائب ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا پتا نہیں چلا بہت عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دلی میں نئی چاؤڑی میں رہتا ہے۔"

"آپ ان ساتھیوں کے نام جانتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں جانتے ہیں۔"

"تو تمہارا وہاں ناظم خاں سے رابطہ رہا ہے؟"

"جی ہاں بہت زیادہ رہا ہے اور اب آپ نے ایک ذمے داری میرے شانوں پر ڈال دی ہے۔"

"کیسے ذمے داری جیئے میں سمجھا نہیں۔"

"میں وہ واحد شخصیت ہوں جو خاں صاحب کو ہر کام کے لیے مجبور کر سکتا ہوں۔"

"کیا؟"

"جی ہاں۔ شاید یہ بات بتاتے ہوئے میں عجیب سا محسوس کروں کہ خاں صاحب نے مجھے اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا ہے۔ میں یہ کہتے ہوئے عار نہیں محسوس کرتا کہ میں ایک طوائف زادہ ہوں۔ خاں صاحب کا اس طوائف سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور آج میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ خاں صاحب نے مجھے کیوں اپنی پناہ میں لے لیا۔ انہوں نے مجھے وہ بلند مقام دینا چاہا جو ایک طوائف زادے کو کبھی نہیں مل سکتا۔ انہوں نے مجھے اپنے بچوں کی طرح پروان چڑھایا۔ میری شخصیت بدلنے میں صرف ان کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے مجھے سکول میں داخل کرایا اور جب اسکول میں یہ بات منظر عام پر آئی کہ میں ایک طوائف زادہ ہوں تو مجھے اس اسکول سے نکال دیا گیا۔ خاں صاحب نے وہ اسکول تباہ و برباد کر دیا۔ اسے جلا کر خاک کر دیا۔ مجھے وہ اتنا چاہتے ہیں کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔"

"مگر پھر تم جدا کیسے ہوئے ان سے۔" کاظم علی خاں نے پوچھا۔

"اسکول کی تباہی کے بعد پولیس ہمارے چکر میں پڑ گئی اور ہماری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ہم لوگ ایک ٹرین میں بیٹھ کر فرار ہوئے۔ ٹرین حادثے کا شکار ہو گئی۔ میں ذہنی فتور میں مبتلا ہو گیا اور خاں صاحب سے بچھڑ گیا۔ اس کے بعد طویل عرصے تک میں ذہنی توازن کا شکار رہا۔ پھر کانپور میں ڈاکٹر فیاض علی نے میرا آپریشن کیا۔ اور اس کے بعد حاجی عبداللہ نے ازراہ محبت مجھے یہاں اپنے کاروبار کا نگران مقرر کر دیا۔ میں ایک بار خاں صاحب سے ملنے گیا بھی تھا لیکن میری ان سے کچھ وجوہات کی بنا پر ملاقات نہیں ہوئی۔ ہاں اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ میرے لیے تڑپتے ہوں گے۔"

"خدا کی پناہ کیا عجیب کہانی ہے میاں فیروز کتنے ہی معصوف ہو اب تمہیں ہمارے ساتھ دہلی چلنا پڑے گا۔ میاں وہ جو کہتے ہیں نا کل کرے سو آج کر اور آج کرے سو اب۔ دہلی روانہ ہو رہے ہیں بس بیٹے آپ کے لیے تیار ہونے کا معاملہ ہے۔"

"وہ کوئی معاملہ نہیں ہے۔ میں ابھی دوڑا ہوا جاتا ہوں اور اپنا مختصر سامان لے کر آتا ہوں بس چند جوڑے کپڑوں کے علاوہ اور کیا درکار ہو گا مجھے۔"

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" عامر علی نے کہا۔

"ٹھیک ہے ابھی حاضر ہو جاتا ہوں۔" فیروز نے کہا۔

عامر علی فیروز کے ساتھ اٹھ گیا۔ جب وہ باہر نکل گئے تو کاظم علی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دلی کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ناظم خاں کو کچھ خیال آیا۔ ڈاک بنگلے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد ڈاک بنگلے کی جانب چل پڑے۔ ان کے انداز میں بڑی خوفناک کیفیت پائی جاتی تھی۔ راؤ برکت علی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اگر کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو زندگی بچانے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ یہ مہ جبیں بڑی منحوس ثابت ہوئی تھی۔ راؤ برکت علی کے لیے ایک بار بھی ہاتھ نہ آئی اور مصیبتوں کے سوا کچھ نہ ملا۔ دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ بعض اوقات بلاوجہ کی کوئی ضد اتنی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے بڑا تجربہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ خاں صاحب اس شیطان کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتے تھے۔ کوئی ایسا پہلو تشنہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے وہ جس سے بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑتی۔ ڈاک بنگلے پہنچ گئے۔ ڈاک بنگلے کا چوکیدار موجود تھا۔ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ خاں صاحب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

کندن
ایم اے راحت
زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے جالوں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے بڑھنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کاٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔
جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے
مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے
ناشر: کامل قریشی لائبریری ۱۱۔ ممبر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762 - 7248509

"اس آدمی کو پہچانتے ہو تم؟" چوکیدار نے غور سے راؤ برکت علی کو دیکھا اور کہا

"جی صاحب ابھی دو روز پہلے ہی کی تو بات ہے۔"

"ہاں بتاؤ کیا ہوا تھا؟"

چوکیدار نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ساری رام کہانی دہرا دی۔ اس نے کہا کہ ان کی موٹر خراب ہو گئی تھی اور یہ ایک بے ہوش خاتون کے ساتھ یہاں ڈاک بنگلے میں آئے تھے اور رات کو یہاں قیام کیا تھا۔ دوسری صبح تانگے والے کے ساتھ واپس گئے تھے۔ چوکیدار اس سے زیادہ بھلا اور کیا بتا سکتا تھا لیکن خاں صاحب کو کم از کم یہ تسلی ہو گئی کہ راؤ برکت علی کا یہاں تک کا بیان تو درست ہے چنانچہ اس کے بعد وہ دلی چل پڑے۔ راؤ برکت علی راستے بھر خوشامد کرتا رہا اور کہتا رہا تھا۔

"دیکھیے خاں صاحب میں نے جو کچھ کیا وہ واقعی بڑی بددیانتی سے کیا اور بات صرف اتنی سی تھی کہ میں سوچتا تھا کہ میری بے عزتی کی گئی ہے۔ دیکھیے میں بھی عزت دار آدمی ہوں۔ ایک عزت دار آدمی دوسرے عزت دار آدمی کی عزت چھپاتا ہے۔ آپ کا جو دل چاہتا ہے مجھے سزا دے دیجیے لیکن اس سے زیادہ میرے ساتھ اور کچھ نہ کیجیے گا۔"

خاں صاحب نے ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا تھا اور راؤ برکت علی کا ہونٹ پھٹ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا۔ دلی میں داخل ہوتے ہوئے خاں صاحب نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اس کتیا کے پلے کو ٹھی لے جانا تو ٹھیک نہیں ہے ہم اسے نئی چاوڑی ہی لے چلیں گے وہاں ذرا اس کی چھپی کریں گے۔"

ساتھیوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا تھا اور راؤ برکت علی کو پتا چل گیا تھا کہ مصیبت آسانی سے نہیں ٹلے گی۔

یہی ہوا۔ نئی چاوڑی کے احاطے میں تو خاں صاحب کی حکمت ہی قائم تھی وہاں انہیں کیا دقت پیش آ سکتی تھی۔ ملازم شکور کو بھی وہیں رکھا گیا تھا۔ خاں صاحب راؤ برکت علی کو احاطے میں اندر لے آئے۔ چھت کی سونٹوں میں کڑیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں چھت گیریاں لٹکائی جاتی تھیں۔ موٹی رسی باندھ کر راؤ برکت علی کے پیروں میں پھندے باندھے گئے اور اسے الٹا لٹکا دیا گیا۔ برکت علی دہائیاں دے رہا تھا بلک بلک کر رو رہا تھا لیکن خاں صاحب کا غصہ عروج پر تھا۔ چمڑے کا ہنٹر لے کر اس کی کھال ادھیڑ ڈالی اور اس سے پوچھتے رہے کہ مہ جبیں کہاں ہے۔ راؤ برکت علی کئی بار بے ہوش ہوا کئی بار ہوش میں آیا لیکن بیان پہلے سے مختلف نہیں تھا۔ ایک ہی بات کہتا تھا کہ اس نے اب تک جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے بہرحال خاں صاحب نے اس کی خوب مرمت کی اور اس کے بعد شکور سے بھی اس کی تصدیق کرا لی۔ شکور نے راؤ برکت علی کو فوراً پہچان لیا تھا۔ وہ اپنی مصیبت کا شکار تھا اور اس کی بھی اچھی خاصی ٹھکائی ہو چکی تھی۔ اب خاں صاحب کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ راؤ برکت علی، مہ جبیں کے بارے میں کم از کم جھوٹ نہیں بول رہا چنانچہ انہوں نے اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھ کر میٹنگ کی۔

"ہاں رؤف خاں اب کیا کرنا چاہیے؟"

"لگتا ہے خاں صاحب سسرا ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ اس سے زیادہ مار پیٹ کر دی تو مر ہی جائے گا۔"

"میرا خیال ہے اسے نواب توقیر حسین کے ہاں لے چلتے ہیں اور ساری صورت حال انہیں بتا دیتے ہیں۔ باقی جہاں تک مہ جبیں کا معاملہ تو بھی تلاش کریں گے اسے۔ اب اس کا برا وقت ختم ہو جانا چاہیے۔ ہمیں اس کے نشانات مل گئے ہیں۔ کم بخت بڑی تقدیر کی ماری ہے اپنے آپ مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہے لیکن چھوڑتا نہیں ہے اسے۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہیں گے اس کے لیے۔"

"فیصلہ ہو گیا ہے۔" خاں صاحب، راؤ برکت علی اور شکور کو لے کر اس کوٹھی کی جانب چل پڑے جہاں نواب توقیر حسین اور نواب ابراہیم خاں قیام پذیر تھے۔ مہتاب کی وہی کیفیت تھی۔ اظہار حسین بری طرح دلبرداشتہ تھے۔ مہتاب جہاں نے مہ رخ کو ایسے سنبھال رکھا تھا جیسے کوئی ماں اپنی اولاد کی خدمت گزاری کرتی ہے۔ راتوں کو اس کے لیے جگتی ہے۔ اس دوران نواب توقیر حسین بھی عجیب سے مخمصے کا شکار رہے تھے۔ یہ اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ مہتاب جہاں دل و جان سے فیروز کو چاہتی ہے۔ فیروز کوئی بھی ہو مہتاب جہاں کسی بات کو تسلیم کرے گی۔ بڑے دل گردے سے کام لے کر ان تمام باتوں کو سینے میں چھپائے رکھا تھا۔ سوچتے رہے تھے فیصلے کرتے رہے تھے۔ فیروز کا تصور ذہن میں آتا تو خود ان کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی تھی۔ اتنا پیارا لڑکا تھا تعجب کی بات ہے کہ طوائف زادہ ہے بعد میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ فیروز کے لیے لڑ جائیں گے زاہد حسین کچھ بھی کہیں دنیا کچھ بھی کہے اگر بیٹی رسوائی کا سامان بن جائے تو کیا زیادہ برا نہیں ہے باقی سب کچھ سنبھالا جا سکتا ہے لیکن بغاوت گھر میں ہو جائے تو اسے سنبھالنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔

خاں صاحب ان لوگوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ سب شریف النفس تھے اور مہ جبیں کے لیے اسی طرح بے چین و بے قرار جس طرح گھر کے کسی فرد کے لیے ہوا جا سکتا ہے۔ خاں صاحب کی آمد بڑی سنسنی خیز تھی۔ ایک بڑے سے ہال میں سب کا اجتماع ہو گیا۔ حیران نگاہوں سے زخموں سے چور چور راؤ برکت علی کو دیکھا گیا۔ شکور کے بھی ساتھ ہی تھا۔ خاں صاحب نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ ہے وہ کمینہ' بے غیرت' بدنسل جو مہ جبیں کو اس کے نوکر کے ساتھ یہاں سے اغوا کرکے لے گیا تھا۔ ساری کہانی مجھے معلوم ہو چکی ہے مگر بدقسمتی نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ راستے میں اس کی موٹر خراب ہوگئی اور ایک ڈاک بنگلے میں ٹھہرا۔" خاں صاحب نے ساری کہانی تو تیر حسین وغیرہ کو سنا دی۔ اظہار حسین بے چینی سے بولے۔

"ہو سکتا ہے یہ شاطر اب بھی مہ جبیں کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"نہیں اظہار میاں ہم نے تصدیق کرلی ہے لیکن آپ فکر مت کریں ہم اس کمینے کو پکڑ لائے ہیں تو دنیا اتنی بڑی نہیں ہے۔ اس علاقے کے سارے تانگے والوں کو چھان ڈالیں گے اب اس کے بارے میں فیصلہ کرلیا جائے کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے اس دوسرے کام کا آغاز کردیں گے۔"

"سیدھی سی بات ہے اسے حوالہ پولیس کردیا جائے۔" نواب ابراہیم خاں نے کہا اور راؤ برکت علی ہاتھ پاؤں جوڑنے لگا۔

"دیکھئے ایسا نہ کیجئے میں بڑی منت سماجت کرچکا ہوں خاں صاحب کی۔ غلطی ہوگئی تھی مجھ سے۔ میری عزت داؤ پر لگ جائے گی۔"

"تو عزت دار ہوتا تو ایسی غلط حرکت نہ کرتا۔ نہیں خاں

ایک حسن نصیب کی داستان الم جو چاندنی راتوں میں قسمت غضب کی علامت بن جاتی تھی

دلچسپ کہانیوں کی مصنفہ

سیما غزل

کے سحر انگیز قلم سے ماہنامہ چمکی کہانیوں ڈائجسٹ کا تازہ سلسلہ

ایک اور پُرتحیر' سنسنی خیز سلسلہ وار آپ بیتی

چاند کے قیدی

2 جلدوں میں مکمل

نسل در نسل چلنے والے انتقام کی روداد

الیاس بابا پاپا ڈاکو شوکت الیاس تنویر پیر آپا کوثر پارو ام کلثوم

قیمت فی حصہ 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے
شائع ہوگیا

ملنے کا پتہ: ناشر
گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

زمانے کے ٹھکرائے ہوئے ایک زہریلے نوجوان کی داستان

ایک لاجواب شاہکار

زہریلا

تحریر

ایم اے راحت

○ معاشرے کی ناانصافیوں کا شاخسانہ

○ حالات کی ستم ظریفی نے اس کے وجود میں اتنا زہر بھر دیا کہ اس کی ہر سانس مسموم ہو گئی

○ پھر لاتعداد انسان اس زہریلی فضا کے شکار ہوگئے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7229762-7248599

پائل کی جھنکار تلے جنم لینے والے غیرت مند بیٹے کی کہانی

پائل

پانچ حصے

ایم اے راحت

فی حصہ
ڈاک خرچ: 15 روپے

زمانہ قدیم سے دور جدید تک طوائف کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ کہیں وہ چھن چھری کہانی' امراؤ جان ادا اور کہیں کچھ لیکن سب ہی ایک بدنصیب کردار کو جھولی گئے۔ کوٹھوں پر بیٹا بھی تو پیدا ہوتا ہے اور غیرت کسی کی جاگیر نہیں ہوتی۔ وہ داستان جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک سٹال سے طلب کیجئے

گل قریش لائبریری' 11- عمر روڈ' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7229762 - 7248599

سب سیدھا سادا پولیس کیس ہے۔ پولیس بھی مہ جبیں کی تلاش میں مدد دے گی۔ اسے پولیس کے حوالے کردیا جائے۔"

"ٹھیک ہے ہم پولیس کو اطلاع دیتے ہیں۔"

یہ کام بھی کرلیا گیا۔ پولیس کے اعلیٰ افسران اتنے بڑے لوگوں کی بات کو بھلا کہاں نظرانداز کرسکتے ہیں۔ فوراً ہی حرکت میں دوڑ شروع ہوگئی۔ راؤ برکت علی اور شکور کو پولیس کے حوالے کردیا گیا اور ان پر اغوا کا مقدمہ قائم ہوگیا۔ باقی پولیس نے اپنی خدمات خود بھی پیش کردی تھیں۔ مہ جبیں کی تلاش کے لئے خاں صاحب ان تمام کارروائیوں میں مصروف رہے۔ وہ دل و جان سے ان لوگوں کی مدد کر رہے تھے جس کا احساس ان لوگوں کو تھا اور پھر اس کے بعد خاں صاحب کی یہ کارروائیاں ختم ہوگئیں۔ انہوں نے نواب تو تیر حسین سے کہا۔

"آپ اب بھی بالکل فکر نہ کریں۔ پولیس تو مہ جبیں کو تلاش کرے گی ہی۔ ہم خود بھی اس کام کو کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ذرا تھوڑی دیر کے لیے گھر جا رہے ہیں گھر والوں کو اپنی واردات کے بارے میں تسلی دے دیں۔ اس کے بعد مہ جبیں کی تلاش میں نکلیں گے۔"

سب نے ان کا شکریہ ادا کیا تھا اور خاں صاحب وہاں سے کوٹھی واپس چل پڑے۔

❀

فیروز' عامر علی خاں کے ساتھ گھر واپس آیا۔ مختصر سی باتیں کیں اور رونق آرا بیگم کو بتایا کہ کچھ ضروری امور کے لئے میں دلی جا رہا ہوں اور ہو سکتا ہے واپسی میں کچھ زیادہ وقت لگ جائے وہ فکرمند نہ ہوں۔ رونق آرا بیگم نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"فیروز اگر ممکن ہو سکے تو ممتاز اور دلشاد سے بھی مل لینا۔ جانے سے پہلے میرے بارے میں عندیہ لینا اور دیکھنا کہ وہ مجھ سے ناراض ہیں یا نہیں تم انہیں ساری باتیں بتا تو دو گے ہی اگر ان کے دل میں میرے لیے کوئی گنجائش ہو تو رئیس خاں اور ان سے بات کرنا۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"آپ فکرمند کیوں ہوتی ہیں نہ۔ آپ دیکھئے میں ان دونوں کو ابھی یہاں آؤں گا۔"

رونق آرا بیگم کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ فیروز انہیں روتا ہوا عامر علی خاں کے ساتھ واپس چل پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ نواب فاخر علی خاں کی حویلی میں پہنچ گئے۔ یہاں دھوم مچی اور رہی ہوئی تھی۔ سارے کے سارے جانے کے لیے تیار تھے۔ ناظم علی خاں' کوثر جہاں اور پھر عامر علی' ناصر علی' فاخر علی وغیرہ یہ چاروں بھی تیار ہو گئے تھے۔ بہت سی باتیں ہوئی اس دوران۔ ناظم علی خاں کو اس بات پر اعتراض نہیں تھا حالانکہ پہلے ان کی خواہش تھی کہ بے عزتی تھای گوارا کرلی جائے۔ پتا نہیں ناظم خاں نا مدیہ کیسا ہو لیکن پھر جب ان لوگوں کے چہروں پر یہ احساس پایا کہ سبھی جانا چاہتے ہیں تو ناظم علی خاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جتنی رسوائی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے کس کس سے چھپائیں گے چلئے آپ بھی چلئے۔"

فیروز کے پہنچنے کے بعد تیاریاں ہوئیں اور پھر اسی رات دہلی کے لیے سفر کا آغاز ہوگیا۔ راستے بھر اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہی تھیں اور طرح طرح کے وسوسے دلوں میں آتے رہے تھے۔ فیروز سب سے زیادہ مطمئن تھا۔

دلی تک کا سفر طے ہوگیا اور اس کے بعد جو بھی ذریعہ سفر ملا اس کے ذریعے وہ ناظم خاں کی حویلی پہنچ گئے۔ ناظم علی خاں کے ذہن میں یہ تصور بھی تھا کہ ممکن ہے ناظم خاں واپس آگئے ہوں لیکن گھر پہنچ کر سب سے پہلے یہی پتا چلا کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔ رضوانہ بیگم نے والہانہ انداز میں مہمانوں کا استقبال کیا تھا اور بڑے احترام سے انہیں اندر لے گئی تھیں۔ بہرحال اتنا معلوم تھا کہ ناظم علی خاں صاحب کے والد آئے ہیں یہ سب کچھ اپنی جگہ لیکن ان پر جو احترام واجب تھا اسے ہر قیمت پر پورا کرنا چاہتی تھیں۔ ہاں دل کے انتہائی گوشوں میں خوف کا ایک احساس بھی تھا کہ کہیں خاں صاحب یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ ان کی غیر موجودگی میں یہ اجتماع کیوں کیا گیا۔ بہرحال اس کا اظہار مہمانوں پر تو نہیں کرسکتی تھیں۔ منصوبہ بندی کی گئی کہ ناظم خاں کے واپس آنے کے بعد کس طرح ان کے سامنے جایا جائے گا۔ رضوانہ بیگم کو اس بات کا اطمینان دلا دیا گیا کہ اگر ناظم خاں ان سے ناراض ہوئے تو اس مسئلے کو سنبھالا جا سکتا ہے پہلے حکیم سرفراز حسین کو ناظم خاں کے سامنے جانا تھا اور اس کے بعد کاظم علی وغیرہ کو فیروز کا معاملہ سب سے آخر میں رکھا گیا تھا اور فیروز نے خود ہی یہ سارا پروگرام ترتیب دے کر انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ صورت حال کو بگڑنے نہیں دے گا۔ کوثر جہاں کو رضوانہ بیگم بہت پسند آئی تھیں اور انہوں نے بڑی محبت سے ان سے ملاقات کی تھی۔ اس کے علاوہ فیروز رضوانہ بیگم کے سامنے پہنچا تھا اس نے کہا۔

"ابھی یہ طے نہیں ہوا کہ مجھے آپ کو کیا کہنا ہوگا۔ بس کہہ سکتا ہوں بھابی کہہ سکتا ہوں اور چچی۔ ناظم صاحب نے اسکول میں میری ولدیت میں اپنا نام لکھوایا تھا اس لیے اس رشتے سے آپ کو ماں بھی کہہ سکتا ہوں حالانکہ یہ بڑا عجیب لگے گا لیکن بہرحال یہ بتانا چاہتا ہوں آپ کو کہ آپ سے ہمارے خاں صاحب کو الفت اس وقت ہوئی ہوگی جب آپ باقاعدہ یہیں اب سے چند روز قبل ان کی زندگی میں شامل ہوئیں جبکہ مجھے انہوں نے ہمیشہ اپنی اولاد کا درجہ دیا۔ آپ ہر طرح سے اطمینان رکھئے گا۔ ان کے بعد کوئی ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوگی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رضوانہ بیگم مسکرانے لگی تھیں۔ بہرحال بے چینی سے ناظم خاں صاحب کی آمد کا انتظار کیا جانے لگا۔

ناظم خاں صاحب حواریوں کے ساتھ حویلی واپس پہنچ گئے اندر داخل ہوئے تو چھٹی حس نے ایک عجیب سا احساس دلایا۔ کچھ تبدیلیاں سی محسوس ہوئی تھیں۔ رضوانہ بیگم نے سب سے پہلے استقبال کیا اور خاں صاحب نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کو انتظار تو کرنا پڑا ہو گا رضوانہ بیگم لیکن بس کچھ ایسی ہی مجبوریاں تھیں کہ ہمیں وقت لگ گیا۔" خاں صاحب آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ رضوانہ بیگم جھجکی جھجکی نظر آرہی تھیں۔ خاں صاحب نے پوچھا۔

"کیا بات ہے خیریت تو ہے؟"

"جج..... جی ہاں' وہ وہ کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"اچھا کون ہیں؟" خاں صاحب نے پوچھا لیکن اس کا جواب رضوانہ بیگم دے بھی نہ پائی تھیں کہ حکیم سرفراز حسین منصوبے کے مطابق سامنے آگئے اور خاں صاحب انہیں دیکھ کر چونک پڑے۔

ایک لمحے کے لیے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے پھر فوراً ہی جھک کر آداب کیا۔

"جیتے رہو ناظم خاں اللہ تعالیٰ زندگی کی وہ تمام خوشیاں نصیب کرے جو کسی انسان کی طلب ہو سکتی ہیں۔"

"آپ کب تشریف لائے حکیم صاحب؟"

"تم گئے تھے ہم آگئے۔ کچھ وقت تنہائی میں دو گے۔"

"جی ضرور۔"

"بالکل تنہائی درکار ہے۔ عزیزہ رضوانہ بھی ساتھ نہ ہوں۔"

"آپ تشریف لائیے۔" خاں صاحب نے کہا اور حکیم سرفراز حسین کو ساتھ لیے ہوئے مردانہ بیٹھک میں داخل ہو گئے۔ بیٹھک کیا ایک شاندار ہال کمرا تھا جسے اتنی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا کہ اپنی مثال آپ تھا۔ خاں صاحب پر احترام لہجے میں بولے۔

"آپ تشریف رکھئے۔"

"شکریہ ناظم میاں ہم آگرے سے چل کر تمہارے پاس آئے ہیں لیکن شرمندہ ہیں۔ احساس کمتری کا شکار ہیں۔ تم سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارشاد فرمائیے۔" خاں صاحب نے متانت سے کہا۔

"ہمارا یہاں آنا تمہیں کیسا لگا۔ دیکھو میاں تم جس پائے کے انسان ہو ہم پورا اعتماد رکھتے ہیں کہ دی کہو گے جو دل میں ہے۔"

"حکیم صاحب قبلہ اصولی بات ہے کہ میں ذرا کمرتی طبیعت کا مالک ہوں۔ پتا نہیں کیوں فطرت میں یہ سرکشی سما گئی ہے ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو اندر سے مختلف ہو مجھے اختلاف آپ سے۔ آپ نے میری بات نہیں مانی تھی۔ مجھے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ مجھے اس کا افسوس ہے اور شاید میں اپنی جانب سے کبھی آپ کی طرف قدم نہ بڑھاتا۔ کوئی نیک انسان نہیں ہوں زندگی میں بدی اور برائی شامل رہی ہے لیکن جو انسانی فطرت ہے اور جسے ہم ایک بہتر فطرت کہہ سکتے ہیں شاید تھوڑی بہت میرے اندر بھی ہے۔ گھر آیا ہوا مہمان ہر لحاظ سے قابل احترام ہوتا ہے اور پھر رضوانہ بیگم میری زندگی کا وہ حصہ ہیں جس کے بارے میں مجھے یہ علم ہے کہ میرے آخری سانس تک وہ میرے ہمراہ رہیں گی میں تمہاری ان پر قابض نہیں رہ سکتا۔ ان کے اپنے جتنے رشتے دار ہیں ان کا احترام مجھ پر واجب ہے چنانچہ رضوانہ بیگم کے رشتے سے میں آپ کا نہ صرف احترام کرتا ہوں بلکہ آپ سے محبت بھی کرتا ہوں اور آپ یقین فرمائیے اگر اپنے فیصلے میں آپ نے تبدیلی پیدا کی ہے آپ کو یہ احساس ہوا ہے کہ آپ نے مجھے تسلیم نہ کر کے غلطی کی ہے اور اس غلطی کا احساس آپ کے دل میں شرمندگی کی شکل میں موجود ہے۔ تو میرا دل بھی آپ کی جانب سے صاف ہو گیا اور اب میں آپ کو اپنے ایک بزرگ اور رضوانہ کے والد کی حیثیت سے پورے صدق دل سے خوش آمدید کہتا ہوں۔" حکیم سرفراز حسین اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے دونوں ہاتھ پھیلا کر ناظم خاں کی جانب لپکے اور ناظم خاں نے ان کی پذیرائی کی حکیم سرفراز حسین دیر تک ناظم خاں کے سینے سے لپٹے

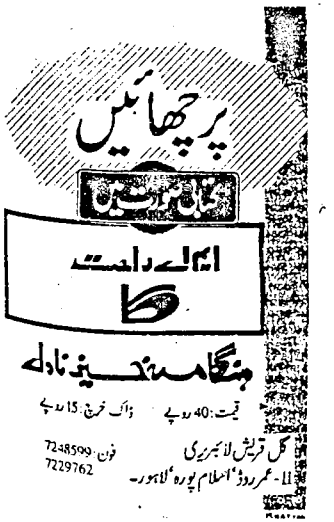

رہے تھے۔ ناظم خاں نے کہا۔

"چنانچہ اب آپ بالکل مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ آپ کی مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔"

"اللہ تعالیٰ تمہیں مزید سرفرازی عطا کرے۔ میرے ساتھ اور مہمان بھی آئے ہوئے ہیں۔ جن کا تعارف تم سے کرانا نہیں ہے کیونکہ تم خود ان سے متعارف ہو۔ نہ ہی میں تم ان کے بارے میں کچھ کہوں گا۔ میرا خیال ہے اب آپ تشریف لائیے۔"

دروازے سے کاظم علی اور کوثر جہاں بیگم اندر داخل ہوئے انہیں دیکھ کر ناظم خاں کے چہرے کے عضلات تن گئے۔ کھڑے ہو گئے ایک لمحے اپنی جگہ کھڑے رہے پھر آگے اور کاظم خاں صاحب کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ نواب علی کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ مجرمانہ انداز میں ہوئے تھے۔ بہرحال باپ تھے اور وہ بھی طویل عرصے کے ہوئے اور انسانی رشتے ایسے ہی نازک ہوتے ہیں دور تو ایسے جیسے کوئی خبری نہیں تھی لیکن جاگیں تو اس طرح آتش فشاں پھٹ پڑے۔ ناظم خاں دوڑ کر باپ کے سینے سے گئے تھے اور کاظم علی کی سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔ چند یہ جذباتی کیفیت رہی اور اس کے بعد کوثر جہاں بیگم کے نے سر جھکا دیا۔ کوثر جہاں نے ناظم خاں کو دوڑ کر سینے سے لپٹا تھا اور پھر ان کی سسکیاں بھی جاری ہو گئیں۔

"ہمم ہمم ناں۔ تم نے مجھے ناظم میاں غیری ثابت کر

"ایسا نہ کہیں امی جان میں نے ہمیشہ آپ کا احترام کیا ہے دل پر جو ضرب پڑی تھی جو گھونسا پڑا تھا میرے سینے پر جو سمجھا تھا میرے دل میں اس کی کسک تڑپ تکلیف ایسی تھی سارے رشتے بھول جانے پڑے ورنہ میں نے ہمیشہ آپ کو گی ماں ہی کا درجہ دیا۔"

میں نے بھی تمہیں غیر کب سمجھا مجھ سے تو مل لیتے ایک

ہیں اتنا بڑا دل نہیں لا سکا۔ اتنا ظرف نہیں پیدا کر سکا۔"

ی خاں اب بھی رو رہے تھے۔ ناظم خاں نے کہا۔

میں ابو حضور آپ روئیے نہیں۔ میں آپ کو وہی مرد دیکھنا چاہتا ہوں جس کی آنکھوں سے میں نے شرارے برسائے ہیں۔ آپ براہ کرم تشریف رکھئے۔ ارے آپ سب ہیں ابو ہو ابو کوئی لمبا کھیل ہوا ہے۔ بیٹھئے ابو' آپ اپنے گھر آئے ہیں۔ اپنے قدموں کی خاک کو آپ نے عزت

نے رلا ہی دیا ناظم علی بخدا فخر تھا اپنے آپ پر اپنے دل ہر لمحہ سکون سے رہتا ہے کبھی آنکھوں کو نمناک نہیں

ہونے دینا لیکن دل کمزور ہو گیا بیٹے۔ میرا سکون تو تم ہی تھے تقدیر نے تمہاری جگہ کسی اور کو نہ لینے دی تم واحد ہی رہے اور جب انسان کی پشت خالی ہو جائے تو وہ کمزور تو ہو ہی جاتا ہے۔ سچ پوچھو تو بات کچھ بھی نہیں تھی۔ نکاح کیا تھا میں نے تمہاری ماں سے۔ انسان زادی تھی وہ بھی اس معاشرے کے بہت سے غلط اصولوں کا شکار جس جگہ پیدا ہو گئی۔ وہاں اس نے پیدا ہونے کی خواہش نہیں کی تھی۔ یہ تو تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔ ایک انسان اگر ذہنی طور پر بہت اچھا ہو اور تقدیر اسے کسی ایسی جگہ کھڑا کر دے جو لوگوں کی نگاہوں میں ان کے اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت بہتر نہ ہو تو اس میں اس شخص کا کیا قصور ہوتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔ میں نے اس انسان زادی کو اس برائی سے بچا لیا اور ایک باعزت زندگی دے دی اسے۔ ہاں بس اتنا سا قصور تھا کہ دنیا میں اس کی تشہیر نہ کی لیکن اگر کسی نے پوچھا تو اس سے چھپایا بھی نہیں کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں اسے ایک مکمل انسان کا درجہ دیا تھا۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اگر کوئی مجھ سے سوال کرتا کہ وہ کون ہے تو میں اسے کبھی نہ چھپاتا اور ایسا کئی بار ہوا بھی۔ مجھے دنیا کی پروا نہیں تھی وہ ایک باعزت اور باوقار عورت تھی۔ زندگی نے وفائیں کی اور مجھ سے بچھڑ گئی۔ طویل عرصہ اس کی یادوں میں گزارا اور پھر نجانے کیوں ذہن نے اس تبدیلی کو گوارا کر لیا۔ کوثر جہاں نے وہ منصب سنبھال لیا اور صحیح معنوں میں میرے دکھوں کی ساتھی بنی۔ ہاں نواب وحدت علی خاں کے کچھ افکار و خیالات ایسے تھے جن کا ذمے دار میں نہیں تھا۔ بچارے منجھلے ماموں بھی حقیقی معنوں میں غور کیا جائے تو پاگل دیے گئے تھے۔ ایک شخص نے بلاوجہ دوسرے شخص کو مطعون کر دیا تھا۔ منجھلے ماموں کا بھی قصور نہیں تھا انہیں زبردستی سویلا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی پھر انسان کی فطرت میں تھوڑے سے انتقام کا جذبہ تو ہوتا ہی ہے۔ انہوں نے اسی سے کام لیا۔ بات بس اتنی سی ہوئی کہ تم پر انکشاف اچانک اور ایسے وقت ہوا جسے شدت کے ساتھ محسوس کیا جائے سنبھالنا مشکل ہو گیا اور تم ذہنی طور پر اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے۔ یوں حالات بگڑتے بیٹے براہ راست قصور میرا بھی نہیں ہے بلکہ سچ پوچھا جائے تو جن لوگوں سے قصور ہوا ہے وہ بھی اس تصور میں نہیں تھے کہ نتائج اس شکل میں نمودار ہوں گے۔ یہ تو کھیل ہی بدل گیا لیکن ناظم میاں درگزر اور معاف کر دینے کا جذبہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے اور اس نے اس جذبے کو پسند بھی فرمایا ہے۔ بیٹے سب سے پہلی معافی تو میں تم سے مانگتا ہوں کہ کچھ کوتاہیاں مجھ سے ہوئیں لیکن صرف اس حد تک کہ میں نے تمہیں ان حقیقتوں سے آگاہ نہیں کیا۔ جن سے بظاہر تمہیں آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اب بھی میں یہی کہتا ہوں میں ہاتھ جوڑ کر تم سے معافی مانگتا ہوں۔ آج میں نے اپنی انا کو تمہارے قدموں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچل دیا ہے۔" کاظم علی خاں نے ہاتھ جوڑے ناظم خاں تڑپ گئے جلدی سے آگے بڑھ کر باپ کے قدموں میں جا بیٹھے اور بولے۔

"بس اس سے زیادہ ذلیل نہ کریں آپ مجھے ابو حضور اپنی نگاہوں میں شرمسار ہو چکا ہوں۔ ہاں مجھ سے جذباتی غلطی ہوئی تھی میں غلطی کا شکار ہو گیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں اس کے لیے آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

"سچ کہہ رہے ہو ناظم خاں' بالکل سچ کہہ رہے ہو یا پھر اب بھی اپنے آپ کو قائم رکھا ہے۔"

"نہیں ابو حضور اب اتنا سنگدل بھی نہیں ہوں جب میرے باپ نے اپنی انا کو میرے لیے قتل کر دیا تو میں تو بہرطور اس کے قدموں کی خاک ہوں ختم ہو گیا سب کچھ۔ اب کوئی غلط تصور ذہن میں نہیں ہے۔ اپنے آپ کو تبدیل بھی کرتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

"نبھاؤ گے۔"

"جی۔" ناظم خاں کاظم علی خاں کے ان الفاظ پر چونک پڑے۔

"نبھاؤ گے ان الفاظ کو؟"

"جی یقیناً جو کہہ دیا سو کہہ دیا آپ ہی کی اولاد ہوں۔"

"تو پھر منجو ماموں کو بھی معاف کر دو جو کچھ انہوں نے کیا بس وہ ایک جذباتی لغزش تھی اور اس کے لیے انہوں نے احساس کے بعد بڑے دھکے کھائے ہیں۔"

"آپ نے انہیں معاف کر دیا ابا حضور۔"

"ہاں' صدق دل کے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے اب میرے دل میں بھی ان کے لیے کوئی برائی نہیں ہے۔ میں سچا اور کھرا آدمی ہوں جو کہتا ہوں اس کا مطلب وہی ہوتا ہے۔"

"یہ تو ہمارا خاندانی ورثہ ہے آجایئے فاخر علی خاں تشریف لے آیئے۔" کاظم علی نے کہا اور فاخر علی گردن جھکائے اندر داخل ہو گئے۔ ناظم علی کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

فاخر علی کے پیچھے شاہ رخ' عامر علی اور ناصر علی بھی تھے۔ ناظم خاں نے حیرانی سے ان سب کو دیکھا۔ آگے بڑھے اور فاخر علی خاں کے لیے بازو کشادہ کر دیے۔ فاخر علی شرمندہ شرمندہ سے آگے بڑھ کر ناظم علی کے سینے سے لگ گئے تھے۔

"بھئی واہ' یہ تو بڑی عمدہ نوٹنکی ہوئی ارے ..... یہ ..... اب اچانک ناظم علی خاں نے شاہ رخ کے چہرے پر غور کیا تھا۔ وہ فاخر علی خاں کو چھوڑ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاہ رخ کو دیکھنے لگے۔ ان کا چہرہ بے اختیار سرخ ہو گیا تھا۔ ایک عجیب سا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ رخ بھی ناظم علی کو دیکھ رہے تھے۔ ناظم علی خاں کی سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"آپ ..... آپ شاہ رخ۔"

"جی خاں صاحب میں شاہ رخ ہوں۔"

"نف ..... فیروز ..... فیروز۔" ناظم علی کے منہ سے نکلا۔ آواز کی لرزش اور بھرابٹ صاف محسوس ہو رہی تھی اور اس سے فیروز کی بات کی تصدیق بھی ہوتی تھی۔ شاہ رخ نے گردن خم کر کے کہا۔

"جی ہاں' فیروز میرا ہی بیٹا ہے۔ میرا ہی جگر گوشہ ہے وہ۔ خاں صاحب بدنصیبی نے مجھے ایک عجیب سے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ داستان طویل ہے لیکن میرے بارے میں آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔"

"نف ..... فیروز کو اس بارے میں کچھ پتا ہے۔ خدا کی پناہ کتنا ملتا جلتا چہرہ ہے۔ مہ جبیں' شاہ رخ تمہیں سب کچھ یاد ہے یا بھول گئے۔"

"نہیں خاں صاحب ابھی تو مجھے سب کچھ یاد ہے۔ بھولا ہوا بیٹھا تھا۔" نواب فاخر علی خاں چونکہ جب دہلی آئے تھے تو انہوں نے ناظم علی خاں کو اپنا بچپنا سنائی تھی اور کہا تھا کہ تھوک انہوں نے آسمان کی جانب اچھالا تھا وہ انہی کے منہ پر آپڑا ہے۔ اس لیے ناظم علی کو پوری کہانی یاد تھی اور فیروز کے خال تو کبھی آنکھوں سے محو ہی نہیں ہو سکتے تھے وہ تو ایک صدمہ ایک یاس بن گیا تھا ناظم خاں کے لیے۔ شاہ رخ کو دیکھ کر بے اختیار سے ہو گئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"شاہ رخ کہانی واقعی بہت لمبی ہے لیکن فیروز نجانے کہاں گم ہو گیا۔ نجانے کہاں چلا گیا وہ؟"

"اگر اجازت ہو تو اس آمد کے سلسلے میں ایک تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔" شاہ رخ نے کہا۔

ناظم خاں نے مضمحل انداز میں عامر علی اور ناصر علی سے ہاتھ ملایا یا پھر بولے۔

"دیکھیے انسان ہوں بسرحال اور پے در پے جذباتی دھماکے مجھ پر ہو رہے ہیں انہوں نے نڈھال کر دیا ہے۔ پذیرائی میں کوئی کمی رہ جائے تو محسوس نہ کیا جائے۔" فاخر علی خاں بولے۔

"اصل میں جو ہم نے کیا صحیح معنوں میں اس کی سزا ہمیں نہیں ملی۔ ہم نے بہت برائیاں کی ہیں ناظم خاں۔ پتا نہیں اللہ ہمیں معاف کرے گا یا نہیں لیکن تمہارے نبھنے سے خوف خدا خدشات دل میں تھے اس لیے میر کارواں کاظم علی خاں کو بلا کیونکہ اتنا یقین تھا کہ اعلیٰ نسبی کبھی داغدار نہیں ہوتی۔ یہ سفارشات بھی لے کر آئے اور اب آخری سفارش رہ گئی ہے اس کا انکشاف کسی اور کے بجائے کاظم علی خاں ہی کریں تو خدا کے لیے اب میرے ذہن پر مزید ضربیں نہ لگائی جائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ان ضربوں سے نڈھال ہو گیا ہوں۔" ناظم علی خاں نے کہا۔

"فیروز میاں اندر آجاؤ۔" کاظم علی خاں بولے اور فیروز مسکراتا ہوا اندر آگیا۔ خاں صاحب پر ایک بار پھر تشنج کا دورہ پڑا تھا۔ فیروز کو دیکھنے لگے۔ فیروز آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور پھر بھاگ کر ناظم خاں سے جالپٹا۔

"ارے کہنے کہاں چلا گیا تھا تو۔ فیروز تو ہی ہے۔ فیروز کیا یہ تو ہی ہے۔ ارے یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پاگل کر دینے پر تل گئے ہیں آپ لوگ مجھے نف..... فیروز۔ میری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں۔ جو کچھ دیکھ رہا ہوں سچ ہے کیا فیروز۔" خاں صاحب نے بری طرح فیروز کو اپنے سینے سے بھینچ رکھا تھا وہ نجانے کس طرح اپنی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ فیروز بھی جذباتی ہو گیا تھا اس نے کہا۔

"ہاں خاں صاحب میں ہی ہوں۔"

"دلی آیا ناز ک جہاں سے ملا۔ مجھے نہیں تلاش کر سکا۔ میرے بارے میں نہیں معلوم ہوا تھا کیا تجھے؟"

"معلوم ہو گیا تھا خاں صاحب۔"

"پھر کہاں چلا گیا کیوں نہیں آیا میرے پاس۔ کیوں گم ہو گیا میری نگاہوں سے؟"

"آپ ہی کی تربیت تھی۔ آپ ہی کا حکم تھا کہ میں اپنے طور پر ایک زندگی حاصل کروں۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر جینا سیکھوں۔ یہاں بہت کچھ ختم ہو گیا تھا۔ بہت کچھ تباہ ہو گیا تھا۔ میں بس بددلی کے عالم میں یہاں سے چلا گیا۔"

"فیروز میں تجھے اس کے لیے معاف نہیں کروں گا۔" خاں صاحب بالکل بچے بن گئے تھے۔ تمام لوگ ان کی اس کیفیت کا جائزہ لے رہے تھے۔ فیروز نے کہا۔

"میں بالکل بے قصور ہوں آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں گا تو آپ خود حیران رہ جائیں گے۔" سب نے محسوس کر لیا تھا کہ فیروز کا کہنا درست ہی تھا۔ خاں صاحب اسے دیکھ کر جس طرح جذباتی ہوئے تھے اس سے پہلے ان کی یہ کیفیت نہیں دیکھی گئی تھی۔ بہرحال سب خوش تھے۔ فیروز بیٹھ گیا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حضرات میں نے تو کوئی تیر چلایا ہی نہیں حالانکہ میں بڑے دعوے سے آیا تھا کہ اگر بات نہ بن سکی تو میری سفارش کام آئے گی لیکن یہاں تو سارے مسئلے بن گئے۔"

"خدا کا شکر ہے فیروز میاں کہ سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔"

"بھئی ناظم میاں کچھ چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔ یہ ہماری رضوانہ بیگم تو ایسے غائب ہو گئی ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ بھئی آخر یہی کیوں باہر ہیں۔ ادھر بلاؤ۔" رضوانہ بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ مسکراتی ہوئی اندر آگئی اور کسی قدر

ناموس وطن اور عروس آزادی کی متوالی ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت

شائع ہو گیا ہے

دشمن

تحریر

ایم اے راحت

- جوانی کی امنگ حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
- دیوانوں کی کہانی آتش و آہن کی انوکھی داستان
- جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک سٹال پر ہم سے طلب کریں

قیمت 40 روپے
ڈاک خرچ 15 روپے

ناشر
گل قریش لائبریری 11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون: 7248599-7229752

مشہور زمانہ نروان کی تلاش کا پہلا دور — پہلے کے واقعات

نروان کی تلاش

(زیر طبع)

ایم اے راحت

جاسوسی ناول

گل قریش لائبریری
11- عمر روڈ اسلام پورہ لاہور۔
فون: 7248599
7229762

شوخی سے بولی۔

"میں سوچ رہی تھی کہ مہا بھارت میں جب میرا شمولیت ضروری ہوئی تو میں بھی حاضر ہو جاؤں گی۔" سب لوگوں نے قہقہہ لگایا۔ ناظم خاں بھی ہنسنے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"بخدا اتنے دھماکے ہوئے ہیں ہمارے دماغ پر کہ بیان سے باہر ہیں۔ ارے وہ ہمارے وفادار باہری موجود ہوں گے مگر ٹھیک ہے پہلے گھر کی باتیں ہو جائیں۔ رضوانہ' زبیدہ بیگم کہاں ہیں۔ ذرا ان سے چائے وغیرہ کے لیے کہہ دو انتظام کریں۔"

"جی میں کہہ کر آئی ہوں۔" رضوانہ بیگم نے کہا۔ خاں صاحب بولے۔

"اب اس نوٹنکی کے سارے بھید بھاؤ کھل جانے چاہئیں۔ ہمارے ابو حضور ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم یہ کہنے میں اب کوئی دقت نہیں محسوس کرتے کہ ہمارا دل سب کی طرف سے صاف ہو گیا ہے۔ صورت حال بتا چکے ہیں۔ ہم بے قصور تھے اور ہمارے بے قصور ہونے کا اعتراف کر لیا گیا ہے جو فیصلہ ہم نے کیا اس میں نادانیاں بے شک تھیں لیکن بہرحال ہماری آتش کچھ سرد ہوئی اب سب ٹھیک ٹھاک ہے اور یہ بدمعاش لڑکا یہ فیروز۔ اس نے تو ہمیں ادھ مرا ہی کر دیا تھا کہتا ہے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے گیا تھا۔ ارے ہم کیا مر گئے تھے کیا نہیں کیا ہم نے تیرے لیے۔ احمق چل تو پہلے اپنے بارے میں بتا۔ معاف کیجئے گا آپ لوگ بڑا جھٹکا ہے مجھے اس کے بارے میں جاننے کا۔ پتا نہیں آپ لوگوں کو تفصیل معلوم ہے یا نہیں۔ آپ اس کی شخصیت سے واقف ہیں یا نہیں۔ میں شاہ رخ کو دیکھ کر بھی شدید حیران ہوں اور اس بات پر مزید کہ شاہ رخ فیروز کو پہچانتے ہیں اور اپنا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ ہوں تو یہ بات تھی فیروز اپنوں میں جا بیٹھا تھا نا۔ میری ضرورت نہیں تھی مجھے کیوں یہ بات ہوئی تھی نا۔"

"نہیں خاں صاحب ان لوگوں تک پہنچنے کی کہانی بے حد طویل ہے۔ ان سے میری ملاقات تو بہت کم وقت پہلے ہوئی ہے۔ ریل کا حادثہ آپ کو یاد ہو گا۔ میں دماغی توازن کھو بیٹھا تھا اور نجانے کہاں کہاں بھٹکتا رہا تھا پھر کچھ نیک لوگ مل گئے میرا آپریشن کیا گیا۔ آپریشن کامیاب ہوا تو مجھے سب کچھ یاد آیا لیکن شاید ذہن میں کوئی گرہ باقی رہ گئی تھی۔ دلی آیا نہ یہ لوگ ملے نہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ عجیب سے احساسات لے واپس چلا گیا۔ جن لوگوں نے مجھ پر کرم فرمائی کی تھی ان میں سے ایک کا نام ڈاکٹر فیاض ہے جنہوں نے میرا علاج کیا۔ دوسرے حاجی عبداللہ ہیں جن کا کاروبار مراد آباد میں ہے۔ بس اپنی تقدیر بنانے کے لیے مراد آباد ہی میں قیام پذیر تھا کہ آہستہ آہستہ تمام لوگوں سے ملاقات ہو گئی اور یہ تمام صورت حال ہے۔"

"ہوں دیکھو تقدیر کے کھیل بھی کیا ہوتے ہیں۔ کیا اس کھیل

میں کوئی انسانی ہاتھ ہے۔ میاں شاہ رخ آپ سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔ اصل میں یہ فیصلے کے لمحات ہیں۔ اگر بعد کے لیے کچھ اٹھا رکھا گیا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہو گی اور یہ ناانصافی ہم نہیں برداشت کرنا چاہتے۔ شاہ رخ میاں مہ جبیں یاد ہے۔"

"جی یاد ہے۔ اس کی یاد میں تو دماغی توازن گم ہو گیا تھا اور شاید اسی کے تصور نے اتنا حوصلہ بخش دیا ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف چاہتا ہوں۔ جان بوجھ کر نئی چاند ڑی نہیں گیا تھا۔ زندگی میں یہاں پہلی بار کچھ دوست بھٹکا کر لے گئے تھے۔ وہاں مہ جبیں کو دیکھا اس کے ساتھ قربت رہی اور اس کے بعد سے آج تک اسی کی یاد میں زندگی گزار رہا ہوں۔ فیروز کے بارے میں یہ معلوم کر کے یہ اس یاد کا تحفہ ہے۔ مجھے خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔ فیروز نے آج تک مجھے باپ نہیں کہا ہے کیونکہ وہ جو کچھ سمجھتا ہے بخدا مذہب کے احکامات سے منکر ہو کر کفر کے راستے نہیں اختیار کرنا چاہتا لیکن مہ جبیں کی قربت اس سارے خلوص اور سچائی کے ساتھ تھی جس کا مجھے اس وقت علم نہیں تھا۔ ہاں آج میں ہر کفارہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں جس کے لیے مجھے خوشی مل سکیں۔ مہ جبیں میرے لیے وہی مقام رکھتی ہے جو ایک باعزت اور باوقار بیوی کا مقام ہوتا ہے۔ بس کیا کروں بدنصیبی یا کسی ایسے گناہ نے یہ داغ میرے دل و دماغ پر لگا دیا ہے لیکن اگر مہ جبیں مل گئی تو آپ سب لوگوں کے سامنے اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ بس احکامات خداوندی ادا نہیں ہو سکے۔ ورنہ دل کے ہر گوشے میں اس کی حیثیت ایک نیک اور پاکباز بیوی کی مانند ہے مجھے علم ہوا ہے کہ اس کی ایک بچی اور بھی ہے بے شک وہ میری اولاد نہیں ہے لیکن میرا جذبہ ایثار یہ اعلان کرتا ہے کہ مہ جبیں کی اس بچی کو بھی میں اپنی اولاد ہی کی طرح اپنے سینے سے لگاؤں گا اور اگر کبھی میرے پاؤں میں لغزش ہو جائے تو مجھے سنبھال کر دبا جائے۔ یہ بات میں پورے خلوص اور دل کے ساتھ کہہ رہا ہوں کیونکہ مہ جبیں کو مجبور سمجھتا ہوں۔ وہ جس ماحول میں جی رہی تھی وہاں اس کے ساتھ جو بھی زیادتی نہ ہو جاتی کم تھی۔ میں اس سے نکاح کروں گا کاش وہ مجھے مل جائے جو کچھ میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔ اس سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ ناظم خاں صاحب آپ بہت عظیم ہیں۔ دیکھئے جو صورت حال آپ کے ساتھ پیش آئی وہی میرے ساتھ بھی درپیش ہے۔ خدارا مہ جبیں کی تلاش میں میری مدد کیجئے گا۔ خدارا مجھے ایک بار اس کی صورت دکھا دیجئے۔ میں فیروز کو اور مہ رخ کو باعزت اور جائز مقام دینا چاہتا ہوں۔ یہ میری دلی آرزو ہے۔ ہر چند کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو مذہب کے منافی ہے لیکن آج بھی میں اس سے نکاح کر کے اسے ایک باعزت مقام دینا چاہتا ہوں چاہے اس کے لیے مجھے دنیا سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنارہ کشی کیوں نہ اختیار کرنی پڑ جائے۔"

خاں صاحب کی آنکھوں میں مسرت کے آثار نمودار ہوئے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا قدرت خداوندی ہے کیا کیا ہو رہا ہے اس وقت یوں سمجھا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ ایک طویل عرصے کی کشمکش ختم ہونے جا رہی ہے۔ کاش وہ آخری مرحلہ بھی طے ہو جائے۔ آپ لوگوں پر یہ انکشاف کروں میں کہ مہ جبیں کا سراغ مل گیا ہے لیکن بد قسمتی نے ہمیں کچھ ایسے لمحات مہیا کر دیے ہیں جو بے شک عارضی ہیں لیکن اپنے اندر پریشان کن تصور رکھتے ہیں۔"

"کیا مہ جبیں کا سراغ مل گیا ہے؟"

"ہاں مہ جبیں یہاں کے ماحول سے اکتا کر آخر کار گھر چھوڑ کر نکل گئی اور نجانے کیسی کیسی مشکلات سے گزرتی ہوئی وہ شمس آباد پہنچی جہاں نواب ابراہیم خاں نامی ایک نیک انسان نے مہ جبیں کو اپنے گھر پناہ دی اور اسے بیٹیوں جیسی عزت بخشی اس کی شخصیت سے واقف ہونے کے باوجود انہوں نے اسے اپنے ہاں وہی مقام دیا جو اس گھر کی دوسری بہو بیٹیوں کو تھا۔ نواب توقیر علی نامی ایک صاحب جن کا تعلق بارہ بنکی سے تھا وہ بھی نواب ابراہیم کے اس مقصد میں ان کے ہم رکاب تھے۔ بہرحال مہ جبیں وہاں ایک باعزت زندگی گزارتی رہی۔ اظہار حسین جو نواب ابراہیم خاں کے بیٹے کے سالے ہیں وہیں رہا کرتے تھے۔ انہوں نے مہ جبیں کو اپنی منہ بولی بہن بنا لیا اور اس طرح اس کے اور اس کی بچی کے سر پر ہاتھ رکھا کہ بس کچھ کہا نہیں جا سکتا سوائے اس کے کہ دنیا نیک انسانوں سے خالی نہیں ہے۔ مہ جبیں وہاں باعزت زندگی گزارتی رہی اس بار وہ سترھویں شریف منانے کے لیے یہاں آئے۔ مہ جبیں کی تلاش میں ہم نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ سترھویں شریف میں مہ جبیں مجھے نظر آئی اور میرے ساتھیوں نے میرے اشارے پر اس کا تعاقب کیا اور اس گھر کا پتا لگا لیا۔ جہاں وہ قیام پذیر تھے۔ میں منصوبہ بندی کر کے جب وہاں پہنچا تو مجھے ایک المناک اطلاع سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ یہ تھی کہ مہ جبیں کو اغوا کر لیا گیا۔ شکور نامی شخص جو اس کوٹھی کا ملازم ہے۔ جمال شمس آباد سے آنے والے قیام پذیر تھے۔ ایک بدکار شخص راؤ برکت علی کا آلہ کار بن گیا اور اس کی مدد سے مہ جبیں کو راؤ برکت علی نے اغوا کر لیا۔ وہ اسے کانگے لے جا رہا تھا کہ راستے میں اس کی موٹر خراب ہو گئی اور اس ایک ڈاک بنگلے میں قیام کرنا پڑا۔ جہاں ایک تانگے والا موجود تھا۔ راؤ برکت علی اس تانگے میں مہ جبیں کو لے کر چلا تو کسی طرح تانگے والے کو علم ہو گیا کہ مہ جبیں کو اصل میں اغوا کیا جا رہا ہے۔ تانگے والے نے راؤ برکت علی کو بری طرح مارا پیٹا اور اس کے بعد مہ جبیں کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ راؤ برکت علی کو میں کانگے سے اٹھا لایا اور نواب توقیر وغیرہ کے مشورے سے میں نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ میں اسی سلسلے میں علی گڑھ وغیرہ گیا ہوا تھا اور وہاں سے واپس آ کر ان کارروائیوں میں مصروف تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہاں سے میرا مطلب ہے نواب ابراہیم خاں کی قیام گاہ سے واپس آ رہا ہوں خیال یہ تھا کہ رضوانہ بیگم کو اپنی مصروفیت کی اطلاع دینے کے بعد دوبارہ مہ جبیں کی تلاش میں نکلوں گا کہ یہاں آپ تمام لوگ مل گئے۔" ناظم خاں کے انکشاف پر سب سناٹے میں رہ گئے تھے۔ شاہ رخ نے اٹھ کر پرجوش لہجے میں کہا۔

"خاں صاحب بہرحال یہ اطلاع بڑی امید افزا ہے اللہ نے چاہا تو ہم مہ جبیں کو تلاش کر لیں گے۔"

فیروز کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اس کے چہرے پر شدید جذباتی کیفیت طاری تھی۔ نواب توقیر حسین کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس گھرانے سے تو اس کی زندگی کے ایسے تار وابستہ تھے کہ وہ کبھی اس گھرانہ کو فراموش نہیں کر سکتا تھا وہ تو ایک آرزوئے کمک کی حیثیت سے اس کے دل میں بستا تھا لیکن اس وقت اس نے اس کا اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے اپنے بڑوں کی صورتیں دیکھتا رہا۔ ناظم خاں نے کہا۔

"ابو حضور آپ تشریف لائے ہیں لیکن میں کیا کروں۔ میری زندگی کے ساتھ ایسے مسائل شامل ہو گئے ہیں جو بے شک وقت کی دین ہیں لیکن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ میری زندگی کا بہت بڑا حصہ ہیں اور میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں جس طرح رام پور میں ہمارا گھر ہے۔ یہ گھر بھی اب اس سے مختلف نہیں ہے آپ کے اگر اپنے کچھ مشاغل ہیں اور آپ رام پور تشریف لے جانا چاہتے ہیں تو آپ لے جائیے میرے لیے احکامات صادر فرما دیجئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اب بس یہ تھوڑی سی مصروفیت رہ گئی ہے جسے میں پلکوں کی سوئیاں کہہ سکتا ہوں یقیناً وہ تانگے والا نیک بخت ہو گا جس نے مہ جبیں کو اس کے چنگل سے چھڑایا اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو مہ جبیں خود اس تانگے والے کی مدد سے واپس پہنچنے کی کوشش کریں گی۔ ابو حضور بس اتنی سی مہلت عطا کر دیجئے مجھے اس کے بعد آپ جو حکم دیں گے اس کی تعمیل کروں گا۔"

"نہیں ناظم میاں ہمیں بھی اپنے آپ سے الگ مت سمجھو بلکہ ہم سب کو تھوڑی تھوڑی ذمے داریاں تقسیم کرو۔ اب تو کچھ کر کے ہی جائیں گے۔ یہاں سے ایسے واپس نہیں جائیں گے اور بے شک یہ گھر میرا اپنا گھر ہے بھلا مجھے یہاں کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔"

"یہ بہت دل خوش کن بات ہے تو میرا خیال ہے اب ہم اس مسئلے سے نمٹ چکے ہیں۔ لیجئے چائے بھی آ گئی۔" ناظم خاں نے کہا اور سب لوگ ادھر دیکھنے لگے سب سے زیادہ پرجوش فیروز اور شاہ رخ تھے۔ فیروز نے بے قراری سے کہا۔

"خاں صاحب جلدی سے چائے ختم کر کے ہمیں وہاں لے چلئے اور اس کے بعد ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ تانگے والے کی تلاش کے لیے ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ ہم ان اطراف کو چھان ماریں گے ہر طرح سے پولیس وغیرہ کی مدد بھی حاصل کریں گے۔ تانگے والوں میں سے ایک ایک کو تلاش کریں گے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہو گا کہ ان علاقوں میں تانگے کہاں کہاں سے چلتے ہیں اور کہاں تک جاتے ہیں۔ یہ کام مشکل نہیں ہو گا۔ پولیس سے رابطہ کر کے ہمیں کافی آسانی ہو جائے گی۔ خدا کے لیے اس مسئلے میں دیر نہ کی جائے۔"

"ہاں ہاں بالکل" بس تو پھر چائے کا یہ دور ختم کرنے کے بعد میں شاہ رخ اور فیروز نکلتے ہیں اور اس سلسلے میں کام کرتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ ویسے ہم بھی اپنا فرض پورا کرنے کے لیے تیار ہیں۔" ناصر علی اور عامر علی نے کہا۔

"ضرورت پیش آئی تو یہ پورا خاندان ہے کون الگ ہے۔ آپ لوگ یہاں پورے پورے انتظامات سنبھالے رکھئے جس کی ضرورت وہاں پیش آئی۔ وہاں اسے ضرور زحمت دی جائے گی۔" ناظم خاں صاحب نے کہا اور اس کے بعد چائے کا دور شروع ہو گیا۔

ہمسوں وطن اور عوامی آزادی کی متوالی ایک فلسطینی مجاہدہ کی سرگزشت

شائع ہو گیا ہے

دشمن

تحریر

ایم اے راحت

- جوانی کی الجھنے حسن کی نزاکتوں کو بھول کر آزادی وطن کے جذبے سے سرشار
- دو بہنوں کی کہانی آنسو اور آہوں کی انوکھی داستان
- جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کرتے تھے

آج ہی اپنے بکسٹال یا قریبی بک سٹال یا ہم سے طلب کریں

قیمت 40 روپے

ڈاک خرچ 5 روپے

ملنے کا پتہ: کل قریش لائبریری ۱۱۔ عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762-7248599

اس سلسلے کی اگلی داستان منتظر ہے جس کے

کندن

۲۲ جی۔ علی روڈ لاہور

دو جیسے شان ہر گئے ہیں

حسب

ایم اے راجہ

زندگی کے فریب کے شکار ایک نوجوان کی داستان الم جس کے چاروں طرف موت رقصاں تھی۔ ہر طرف خون رنگ آنکھیں اسے نفرت سے دیکھ رہی تھیں۔ زمین اس پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ہر طرف سے بڑھنے والی ٹھوکروں نے اسے فولاد بنا دیا۔ پھر اس فولاد کی کاٹ نے دنیا کی نیند حرام کر دی۔

جس کا قارئین بے چینی سے انتظار کر رہے تھے

مکمل کہانی دو جلدوں پر مشتمل کتابی صورت میں دستیاب ہے

ناشر: کل قریش لائبریری ۱۱۔ عمر روڈ اسلام پورہ لاہور فون: 7229762-7248599

محسن علی دہلی پہنچ گئے۔ پورے اہتمام کے ساتھ آئے تھے۔ دو موٹریں تھیں جن میں کنور طاہر علی اور محسن علی کے اہل خاندان بھرے ہوئے تھے۔ مہ جبیں کو پورا پورا تعاون دینا چاہتے تھے۔ دہلی میں داخل ہونے کے بعد مہ جبیں ہی نے اس کوٹھی کی نشاندہی کی تھی جہاں نواب ابراہیم اور نواب توقیر قیام پذیر تھے۔ کوٹھی میں وہی وحشت خیزی نظر آ رہی تھی۔ دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔ کنور محسن علی نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا اور دونوں موٹریں اندر داخل ہو گئیں۔ موٹروں کی آواز سن کر نواب ابراہیم اور نواب توقیر ہی باہر نکل آئے تھے۔ ویسے بھی طبیعت اڑی اڑی سی ہوتی تھی۔ مہ جبیں کے اغوا کے بعد بڑی مشکلات کا شکار تھے یہ لوگ۔ حیرانی سے موٹروں کو دیکھنے لگے کیونکہ اجنبی محسوس ہوئی تھیں لیکن جب محسن علی باہر نکلے تو نواب ابراہیم چونک پڑے۔

"ارے کنور محسن علی کیسے آ گئے؟" محسن علی کے پیچھے دوسرے افراد بھی اترنے لگے اور پھر سب سے پہلے نواب ابراہیم ہی نے مہ جبیں کو دیکھا تھا۔ ان کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی۔

"مہ جبیں آ گئی۔" اور اس کے بعد تو وہ ہنگامہ مچا کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ ہر فرد ہر قسم کے اخلاق و آداب سے بے نیاز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو کر مہ جبیں کی جانب دوڑ پڑا تھا۔ یاسمین بیگم نے مہ جبیں کو سینے سے لگا لیا۔ اظہار حسین کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ مہ جبیں نے مہتاب جہاں کو قریب بلا لیا جس کے پاس مہ رخ اس وقت بھی موجود تھی۔ ایک عجیب سا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ محسن علی سے یہ پوچھنا بھول گئے کہ یہ گوہر بے بہا انہیں کہاں سے دستیاب ہوا۔ سب مہ جبیں کی دلجوئی کر رہے تھے۔ بڑے اہتمام سے اسے اندر لے جایا گیا۔ مہ جبین کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور کوشش کے باوجود اس کی سسکیاں نہ رک رہی تھیں۔ یاسمین بیگم اسے سینے سے لگائے لگائے اندر پہنچ گئیں۔ مہ رخ حیران سی ماں کے پاس تھی اب اتنی ناسمجھ بھی نہیں تھی کہ ماں کے آنسوؤں کو نہ محسوس کر سکتی۔ خود بھی بسورنے لگی۔ خرخشہ

ایک عجیب سا سماں بندھ گیا تھا۔ بہت دیر کے بعد سب لوگوں کو خیال آیا کہ کنور محسن علی کا شکریہ ادا کیا جائے اور ان سے پوچھا جائے کہ آخر یہ سب کیسے ہو گیا۔ وہ مسئلہ جو بڑی مشکل کا شکار تھا کیسے حل ہو گیا۔ نواب ابراہیم نے اس سلسلے میں پہل کی۔

"میاں محسن علی ذرا تفصیل تو بتاؤ یہ مہ جبیں کہاں سے مل گئی۔"

جواب میں محسن علی ساری تفصیل بتانے لگے۔ پتا پھپھا نے جو کارنامہ سرانجام دیا تھا وہ بیش بہا تھا۔ سب دلچسپی سے اس داستان کو سن رہے تھے۔ نواب توقیر حسین نے بتایا۔

"اور یہاں ناظم خاں صاحب اس لعین کو پکڑ کر لے آئے جس نے مہ جبیں کو اغوا کیا تھا۔ راؤ برکت علی ہے اس کا نام۔ کا سنگ کا رہنے والا ہے۔ ہم نے اس لعین کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے اور اب ایک طویل سزا سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں ہو گا۔ ناظم علی صاحب باقاعدہ اس کیس کی پیروی کریں گے۔"

کنور محسن علی وغیرہ مبارک باد دینے لگے تھے۔ اظہار حسین نے کہا۔

"میں فوراً ناظم علی کے پاس چلا جاتا ہوں تاکہ انہیں اس بارے میں اطلاع دوں کہیں ایسا نہ ہو وہ اپنے آئندہ منصوبے کے تحت گھر سے نکل پڑیں۔ مارے مارے پھرتے رہیں اور بیچارے ہمارے ہاتھ نہ لگیں۔"

"ٹھیک ہے اظہار میاں ناظم علی کو اس بارے میں اطلاع دے دو تاکہ پریشان نہ ہوں بلکہ انہیں بلا ہی لو تو اچھا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں یہ کارروائی کرتا ہوں۔"

ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اظہار حسین فوراً ہی تیار ہو گئے ابھی باہر نکلنے ہی والے تھے کہ دروازے سے خاں صاحب کی موٹر اندر داخل ہوتی نظر آئی اور اظہار حسین نے ٹھنڈی سانس لے کر شکر ادا کیا۔ خاں صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ ناظم خاں کے ساتھ دو افراد کو اترتے دیکھ کر اظہار حسین چونک سے پڑے تھے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ یہ دونوں افراد عسکری تھے۔ ان کی صرف اتنا تھا کہ ایک نوجوان تھا اور دوسرا جوانی کی عمر سے دوسرے مرحلے میں تاہم انہوں نے خوش دلی سے استقبال کیا اور آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

"ناظم خاں صاحب خوش خبری۔"

"کیا خوش خبری؟" ناظم خاں نے چونک کر اظہار حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ چہرے کی مسکراہٹ کچھ اور ہی بتاتی تھی۔

"مہ جبیں واپس آ گئیں۔"

"کیا؟" ناظم خاں کے منہ سے حیرت سے نکلا۔ فیروز اور شاہ رخ کا چہرہ اترا سا گیا تھا۔ خاں صاحب نے پوچھا۔

"تمی کنور محسن علی بارہ پوری سے مہ جبیں کو لے کر آئے ہیں۔"

"بارہ پوری سے ۔۔۔؟"

"جی ہاں۔ وہ ملعون مہ جبیں کو لے کر ڈاک بنگلے سے نکلا تو اور بارہ پوری ہی کے ایک تانگے والے کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ پھپھا کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہ اور بڑے مست مولا ہیں۔ راؤ برکت علی کی ٹھکائی کرنے کے بعد مہ جبیں کو بارہ پوری لے گئے اور وہاں کنور محسن علی کے پاس پہنچا دی۔ کنور محسن علی اپنے

عاصب یوپوں سے ہر محاذ پر برسرپیکار سرفروشوں کی لہو رنگ داستان

اپنے وقت کا مقبول ترین سلسلہ

جانباز

(۳ حصے)

تحریر: ایم۔ اے راحت

○ سازشوں اور اسلام دشمن کارروائیوں کے انکشاف سے پر ایک انوکھی داستان

○ قابل اعتبار سے ترتیب یافتہ موسلے کے بھیانک روپ

قیمت: 40 روپے ڈاک خرچ: 15 روپے

ملنے کا پتہ: ناشر

گل قریش لائبریری، 11- عمر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

فون: 7229762 - 7248599

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے خاندان کے ساتھ بس چند لمحات قبل یہاں آئے ہیں۔ مہ جبیں ساتھ ہیں۔ آیئے آپ لوگ اندر آیئے۔"

"وہ میاں اظہار حسین اگر کوئی تکلف ہو تو ہم ذرا برابر ان معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں خاں صاحب ـــــ میں آپ ہی کے گھر جا رہا تھا۔ مہ جبیں کو آئے ہوئے ابھی چند لمحات ہی گزرے ہیں کہ سب نے کہا کہ فوراً" خاں صاحب کے پاس جا کر انہیں اطلاع دی جائے کہیں وہ زحمتوں میں نہ پڑ جائیں۔ آپ تشریف لایئے اب آپ سے کوئی غیریت تو نہیں ہے اور معافی چاہتا ہوں ان دونوں حضرات سے تعارف نہیں ہو سکا۔"

خاں صاحب نے مسکراتی نگاہوں سے شاہ رخ اور فیروز کو دیکھا پھر بولے۔

"اگر ایسا ہی ہے تو آیئے اندر چلیں خود بخود تعارف ہو جائے گا۔"

"تشریف لایئے۔" اظہار حسین نے بے تکلفی سے کہا۔

ان سے پہلے بھی خواتین خانہ ناظم خاں کے سامنے آ چکی تھیں۔ ناظم خاں کو غیر نہیں تصور کیا گیا تھا کیونکہ مہ جبیں کے مسئلے میں ملوث ہو گئے تھے اور پھر اس وقت صورت حال بھی کچھ ایسی تھی کہ پردے وغیرہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خاں صاحب اظہار حسین کے ساتھ اس وسیع و عریض ہال میں داخل ہو گئے جہاں چاروں طرف افراد کا ہجوم تھا۔ درمیان میں مہ جبیں، مہ رخ کو گود میں لیے بیٹھی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اظہار حسین اندر داخل ہوئے ان کے پیچھے ناظم علی خاں، شاہ رخ اور فیروز ذرا پیچھے ہی تھے اور دروازے سے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔

مہ جبیں نے خاں صاحب کو دیکھا تو عقیدت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سلام کیا۔ سر جھکائے آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ خاں صاحب کا دل میں بے حد احترام کرتی تھی۔ قریب پہنچ کر اس طرح کھڑی ہو گئی جیسے چاہتی ہو کہ خاں صاحب سر پر ہاتھ رکھیں۔ خاں صاحب کا لرزتا ہوا ہاتھ مہ جبیں کے سر پر پہنچ گیا اور انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خوش رہو زندگی کی ہر خوشی حاصل کرو۔" اندر موجود خواتین تعجب بھری نگاہوں سے ناظم خاں کو دیکھ رہی تھیں۔ بس ایک ہلکی سی جھجک پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت ماحول کی ہیجان خیزی کسی کو یہ موقع نہیں دے رہی تھی کہ کسی کے بارے میں سوچے لیکن اظہار حسین نے پلٹ کر کہا۔

"ارے آپ لوگ باہر کیوں رہ گئے تشریف لایئے۔ اب یہ ساری تکلف بازیاں بے مقصد ہیں۔"

شاہ رخ اور فیروز اندر داخل ہوئے۔ مہ جبیں کی تو آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور وہ خاں صاحب کے نزدیک کھڑی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ں لیکن نواب توقیر حسین شدت حیرت سے اچھل کر کھڑے گئے

"فنف ـــــ فیروز' ارے فیروز میرا فیروز۔" وہ بے اختیار ں ہاتھ پھیلا کر فیروز کی جانب دوڑے۔ اس محبت میں کوئی ع نہیں تھا۔ شاید فیروز کے لیے ان کے دل میں اتنا ہی بڑا م تھا۔ اسی کے لیے تو گھر چھوڑا تھا۔ توقیر حسین کی آواز پر ری نگاہیں ان دونوں کی جانب اٹھ گئیں۔ مہتاب جہاں نے ز کو دیکھا اور پتھرا گئی۔ اپنی جگہ ساکت کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ز کے نام پر مہ جبیں کا سر بھی اٹھا۔ ایک جھٹکے سے ان نے دن اٹھا کر سامنے دیکھا لیکن دھندلائی ہوئی آنکھوں نے فیروز بجائے شاہ رخ کو دیکھا۔ ہاں شاہ رخ فیروز اس کا عکس تو ۔ فیروز اور شاہ رخ میں تمیز اس حالت میں بھی کر سکتی تھی ھیں پھاڑ پھاڑ کر شاہ رخ کو دیکھنے لگی۔ تصور تو فیروز کی ہے ن یہ فیروز نہیں یہ ـــ یہ اس کے دل کی دھڑکنیں ایک دم ت ہو گئیں۔ کھڑے کھڑے بدن ڈولنے لگا۔ لڑکھڑائی کرنے کو ی کہ فیروز نے لپک کر اسے تھام لیا۔

"باجی ـــــ میں ـــ" فیروز کے منہ سے اس سے زیادہ واز نہیں نکلی۔ شاہ رخ بھی خاموش کھڑا ہوا تھا اور سب یہ ران کن منظر دیکھ رہے تھے۔ مہ جبیں کو ہلکا سا چکر آیا تھا۔ وز کے بازوؤں میں سنبھل گئی۔ آہستہ آہستہ آنکھیں جھپکیں ر جھکا اور پھر نظریں اٹھا کر فیروز کو دیکھا اب اس نے فیروز کو پہچان لیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے دل میں خیال گزرا کہ جو تصویر بھی تھی کہیں وہ عالم تصور ہی میں نہ ہو۔ فیروز کو شاہ رخ کے روپ میں نہ دیکھا ہو۔ فیروز کو سینے سے بھینچ لیا اور چیخ چیخ کر لانے لگی۔

فیروز خاموشی سے اسے سنبھالے ہوئے تھا پھر کچھ خیال آیا اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا تو وہ تصور کھا حقیقت تھی۔ وہ تصور نہیں حقیقت ہی تھی۔ شاہ رخ اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا ہوا مہ جبیں اور فیروز کو دیکھ رہا تھا۔ مہ نگی ایک بار پھر چکرا سی گئی۔ اس نے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا اور آنکھوں کو رگڑنے لگی۔ فیروز نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں باجی وہ شاہ رخ ہیں۔ وہ شاہ رخ ہیں۔ شاید میرے لیے"

مہ جبیں کی ذہنی کیفیت عجیب سی ہو گئی تھی ایک ایسا ماحول یدا ہو گیا تھا کہ سب کے چہرے بری طرح سنجیدہ ہو گئے۔

"مہ جبیں بیگم شاہ رخ آ گئے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے فیروز بھی مل گیا ہے۔ آپ اپنے آپ کو سنبھالیے مہ جبیں بیگم نواب صاحب آپ کا تعارف شاید شاہ رخ میاں سے نہ ہو لیکن میرا خیال ہے یہ تعارف کا موقع بھی نہیں ہے بعد میں تفصیلی تعارف ہو جائے گا۔"

"میاں سب سے بڑا تعارف یہ ہے کہ سب اپنے جمع ہو گئے ہیں۔ ماشاء اللہ کتنا بڑا خاندان ہے یہ۔ بھلا بتاؤ تو کون کس خاندان سے الگ ہے۔ ناظم علی کیا تم ہمیں اپنے خاندان میں قبول کرو گے۔" نواب ابراہیم بھی جذباتی ہو گئے تھے۔ خاں صاحب نے نواب ابراہیم کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے۔

"یہ تو میری خوش نصیبی ہو گی نواب صاحب۔" توقیر حسین نے کہا۔

"میاں ہم بھی پانچویں درویش ہیں۔ ہمیں بھی قبول کیا جائے۔"

"قبول۔" نواب ابراہیم نے فضا کو بدلنے کی کوشش کی۔ سب کے سب بری طرح جذباتی ہو رہے تھے۔ بے حد خوش تھے۔ مہ جبیں کی واپسی ہی کیا کم تھی کہ یہ اور مسائل سامنے آ گئے تھے۔ کنور طاہر علی' کنور محسن علی اور دوسرے تمام افراد بھی مسکرا رہے تھے۔ اس وقت ماحول کی اس بے تکلفی پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ انسان تو انسان ہی ہوتا ہے محبتوں کے جذبوں پہ بھی اگر تالے لگا دیے جائیں تو ذرا کچھ غیر حقیقی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان خوشیوں میں جو بھی شریک تھا وہ اپنا ہی تھا۔ نواب ابراہیم خاں نے کہا۔

"سمجھتی یہ جذباتی ہیجان اس قدر شدت اختیار کر چکا ہے کہ اگر اس پر صندل کا شربت نہ ڈالا گیا تو حالات بے حد خراب ہو جائیں گے۔ خواتین آپ لوگ انتظام کیجئے گا۔ ذرا جلدی سے بھاگ کر جایئے اور کچھ بندوبست کیجئے۔ ارے یہ ہماری مہتاب جہاں بیٹا کیسے پتھرائی ہوئی کھڑی ہے؟"

مہتاب جہاں کا نام سن کر فیروز کی گردن اٹھی۔ ابھی تک ان ہنگاموں میں مہتاب جہاں کے چہرے پر نظر نہیں پڑی تھی۔ اب جو مہتاب جہاں کو دیکھا تو اس کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ مہتاب جہاں کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے جذبات پر بمشکل تمام قابو پائے ہے۔ فیروز نے اس وقت بھی جرات رندانہ سے کام لیا۔ اپنی جگہ سے اٹھا آہستہ آہستہ چلتا ہوا مہتاب جہاں کے قریب پہنچ گیا۔ نواب توقیر' زاہد علی اور رضیہ بیگم کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ یہ بہت سنگین مرحلہ تھا۔ فیروز نے آہستہ سے کہا۔

"کیسی ہیں مہتاب جہاں؟"

"ٹھیک ہوں۔ نماز پڑھتے ہو؟" مہتاب جہاں نے ایک ایسا سوال کیا کہ بے شمار ہونٹوں پر مسکراہٹیں آ گئیں۔ بڑا شکستہ انداز تھا اس کا۔

"ہاں لیکن صرف صبح کی نماز' باقی وقت ملنے پر پڑھ لیتا ہوں۔" یہ انوکھا اظہار تھا محبت کا جس پر خود نواب توقیر حسین مسکرائے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ زاہد حسین اور رضیہ بیگم خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ فیروز کو مہتاب جہاں کے سامنے کھڑے، کھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر ایک عجیب سا حبس بھرا انداز ان کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ غرضیکہ یہ انوکھا ماحول بہت دیر تک جاری رہا اور اس کے بعد صندل کا شربت آگیا۔ درحقیقت صندل کے مفرح شربت نے اس وقت جلتی پر ٹھنڈک ڈالی تھی اور پھر یہ نشست طویل ہو گئی۔ بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد ناظم علی نے کہا۔

"خواتین و حضرات بہت سے دلچسپ اور دلکش مرحلے سامنے آئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ذہنی ہیجان عروج پر ہوں گے اس عروج کو میں تسلیم نہیں کرتا نیا نیا خاندان تشکیل پایا ہے تو اس نئے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے میں آپ لوگوں کو ایک دعوت دیتا ہوں۔ میری کوٹھی میں کچھ اور افراد بھی تشریف فرما ہیں۔ یقیناً ان سے مل کر آپ کو بے حد خوشی ہو گی۔ آج رات کا کھانا میری کوٹھی میں ہو گا اور اس کے لیے میرے ملازمین آپ کی رہنمائی کو حاضر ہوں گے۔ انکار کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ایک ایک فرد کو آنا ہو گا اور ہمیں اجازت۔"

نواب توقیر حسین اور ابراہیم خاں نے مسکرا کر کہا۔ "بھئی یہ وحشیانہ دعوت ہمیں دل و جان سے قبول ہے۔"

"بے حد شکریہ اور آداب۔" ناظم خاں نے کہا اور اس کے بعد شاہ رخ اور فیروز سے بولے۔

"آپ حضرات اگر چاہیں تو یہاں رک سکتے ہیں۔"

"میں چل رہا ہوں فیروز میاں کو مہ جبیں کے پاس رہنے دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے آیئے۔" ناظم خاں نے شاہ رخ کو اپنے ساتھ لیا۔ باقی تمام لوگ باہر تک انہیں چھوڑنے آئے تھے۔ مہ جبیں فیروز کو یہ آسانی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ مہ رخ اس وقت فیروز کی آغوش میں تھی اور وہ اسے سینے سے لگائے ہوئے ناظم خاں اور شاہ رخ کو چھوڑنے باہر آیا تھا۔

☆

مہ جبیں سحر زدہ تھی۔ اجڑی ہوئی دنیا اس طرح آباد ہو جائے گی کبھی خوابوں میں بھی نہ سوچا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ لگا ہو۔ وہی نظر آیا تھا جس کی آرزو زندگی بھر کرتی رہی تھی۔ فیروز مل گیا تھا۔ ہر مشکل حل ہو گئی تھی۔ نجانے کیا کیا احساسات دل میں تھے۔ بڑی مشکل سے فیروز کے ساتھ تنہائی کے کچھ لمحات مل سکتے تھے ورنہ کوئی چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ بے اختیار ہو کر فیروز سے شاہ رخ کے بارے میں پوچھا۔ تو فیروز نے ایک ایک لفظ بتا دیا۔ ماں کو خوشیوں سے محروم نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ شاہ رخ کے الفاظ اس کا والہانہ انداز فیروز سے اس کی محبت' ہچکچاتے ہوئے مہ جبیں کو بتا دی اور مہ جبیں خوابوں میں ڈوب گئی۔ شام کو دعوت پر جانا تھا۔ گھر بھر میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ نواب توقیر پھولے پھولے پھر رہے

شوخ و شنگ چنچے ہنسانے والا ناممکن کو ممکن بنانے والا
مشہور زمانہ طلسماتی کارنامہ اور — بعد کے واقعات
ہالو
ابن صفی
(دوسرا حصہ)
اگلے دولت مند
جاسوسی ناول
کل قریشی لائبریری
11- گمرود' اسلام پورہ' لاہور۔
فون: 7248599
7229762

تھے۔ نواب ابراہیم بھی خوش تھے کنور محسن علی کا خاندان بھی آباد ہوا تھا۔ محسن علی نے کہا کہ وہ خوش نصیب ہیں جو اتفاقیہ طور پر ہی ان خوشیوں میں شریک ہو گئے۔ نواب توقیر نے کہا۔

"میاں محسن علی' بس یوں سمجھو لیے پھتی گئے۔ اب یہ معاملہ ایسے ہی نہیں ختم ہونے کا۔ ابھی تو اسے نجانے کتنی دور تک چلنا ہے۔ فیروز نے کچھ دیر کے لیے مہ جبیں سے اجازت مانگی اور موٹر میں بیٹھ کر رئیس خاں کے گھر کی جانب چل پڑا۔ ممتاز اور دلشاد کو بھلا کیسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ امتیاز اور رئیس خاں نے اپنی فطری شرافت کے تحت فیروز کا استقبال کیا۔ ممتاز اور دلشاد بھی اسے دیکھ کر خوش ہو گئی تھیں۔ فیروز نے ساری داستان ان لوگوں کو سنائی اور رئیس خاں نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہر مشکل کا حل اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے اور جب بھی چاہتا ہے اپنے بندوں کو اپنی محبتوں سے نوازتا ہے۔"

"میں آپ کو تکلیف دینے حاضر ہوا ہوں۔ آج شام کو نواب ناظم علی خاں کے ہاں سب کی دعوت ہے۔ آپ کو اس دعوت میں شریک ہونا ہے۔"

"صبر و چشم آخر کار وہ ہمارا خاندان ہے۔ لاکھ الٹ پھیر سہی لیکن ہمیں اس بات سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ وہ سب ہمارے اہل خاندان ہیں۔"

شام کو سب لوگ تیار ہو کر ناظم خاں کی کوٹھی کی جانب چل پڑے اور شادی' رحمانی اور زبیدہ بیگم نے ایسا زبردست انتظام کیا تھا کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ پوری بارات جمع ہو گئی تھی۔ شاہ

حسین شخصیت سب کی توجہ کا مرکز تھی۔ فیروز تو خیر لگتا ہی تھا۔

یہ شاندار دعوت جاری رہی اور اسی رات ناظم خاں نے آخری مرحلے کا اعلان کیا۔

"ہر چند کہ یہ سب کچھ کہنا اس وقت مناسب نہیں ہے لیکن ں کو سینے میں دبائے رکھنا بھی تو ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت گھر کے تمام افراد ہیں۔ رئیس خاں صاحب' نواب فاخر علی خاں' توقیر حسین' ابراہیم اور میرے والد محترم۔ میری خواہش ہے کہ شاہ رخ مہ جبیں کا نکاح جلد از جلد کر دیا جائے۔ آپ سب بزرگ ہیں۔ میں اس تجویز کی تائید چاہتا ہوں۔"

"مکمل اتفاق ہے ہمیں تمہاری بات سے۔ طریق کار متعین کا" ناظم علی نے کہا۔

"مجھے پہلے بولنے کی اجازت دی جائے۔" اظہار حسین نے

"ضرور۔"

"نکاح شمس آباد میں ہو گا۔ میں اپنی بہن کو شمس آباد سے کروں گا۔ یہ میری آرزو ہے۔"

"ہم دونوں اظہار میاں کے ہم آواز ہیں۔" توقیر حسین اور ابراہیم نے کہا۔

"ہمیں اعتراض نہیں ہے۔ ہم مرلو آباد سے شمس آباد پہنچ گے۔" فاخر حسین نے کہا۔

"بس یہ اب طے ہے۔ اب دلی سے بوریا بستر باندھا ے۔" ناظم خاں بولے۔

"کنور صاحب۔ آپ شمس آباد میں لڑکی کی طرف سے ہوں گے۔" نواب ابراہیم نے کہا۔

"بسر و چشم حکم ہو گی۔"

"انشاء اللہ۔" رئیس خاں نے کہا۔

دعوت تمام ہوئی۔ مہمانوں نے رخصت چاہی۔ زبردست ت کرنے تھے۔ باہر کے لوگوں کو بلانے کی ضرورت نہیں ں بارات گھر کے گھر میں تیار ہو گئی تھی۔ محسن علی اپنے ان کے ساتھ رخصت ہوئے۔ انہیں تیاریاں کر کے پہنچنا تھا۔ فیروز نے رئیس خاں سے اجازت لے لی ، فاخر علی خاں کے ہمراہ خاں صاحب سے اجازت رئیس خاں کی کفالت میں ممتاز و دلشاد اور مہ جبیں کو لے ہاد روانہ ہو گیا۔ جہاں رونق آرا ہر بات سے بے خبر ۔ فاخر علی خاں تو اپنے گھر چلے گئے۔

ں اور خالاؤں کو لے کر گھر پہنچا تو رونق آرا شادی کیفیت کا شکار ہو گئیں۔ رقت آمیز سانحہ ابھرے اور اس کیفیت پر غالب آگئیں۔ فیروز نانی اور خالاؤں کو لے کر کانپور پہنچا وہاں حاجی عبداللہ اور ڈاکٹر فیاض کے ہاں مہمان ہوا۔ پھر یہاں سے وہ لوگ شمس آباد چل پڑے۔ جہاں اظہار حسین نے تمام انتظامات شروع کر رکھے تھے۔ ناظم خان کاظم علی کے ساتھ رامپور آگئے تھے۔ رضوانہ بیگم ساتھ تھیں۔ کوثر جہاں نے دلہن کے آنے کی تمام رسمیں پوری کی تھیں۔ حکیم سرفراز حسین کو آگرہ جانے کی اجازت دہلی میں ہی دے دی گئی تھی تاکہ وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ شمس آباد پہنچ جائیں۔ وقت مقررہ پر دہلی کے رئیس خاں اپنی اہلیہ کے ساتھ بارہ پوری سے کنور محسن علی اور طاہر علی نہ صرف اپنے اہل خاندان کے ساتھ بلکہ اختر حسین اور ان کی بہن کے سسرال والوں کے ساتھ' شریف نگر سے اپنے سسرال والوں کے ساتھ شمس آباد پہنچے تھے اور آگرے سے حکیم سرفراز حسین۔ ناظم خاں اور رام پور والے مراد آباد سے شریک ہوئے تھے۔ شمس آباد میں آنے سامنے کی دونوں کوٹھیاں بھر گئی تھیں۔

پھر بارات آگئی۔ سادگی کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ ایمرجنسی تار دے کر ظاہر حسین کو بھی بلا لیا گیا تھا۔ شاہ رخ نے سہرا وغیرہ باندھنے سے معذرت کر لی تھی۔ کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوا تھا۔

نکاح ہو گیا۔ مہ جبیں رخصت ہو کر توقیر حسین کی کوٹھی پہنچ گئی۔ خوشبو کے طوفان امڈ آئے تھے۔ اسی رات حاجی عبداللہ نے فاخر علی سے کہا۔

"آپ کو ایک اور فریضہ انجام دینا ہے فاخر علی صاحب۔"

"حکم فرمایئے۔"

"کچھ دن کے بعد آپ فیروز کا رشتہ توقیر حسین کی پوتی مہتاب جہاں کے لیے لایئے میں ان لوگوں کو تیار کر لوں گا۔ دونوں بچے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"سبحان اللہ۔ اس نشاندہی کے لیے شکریہ۔ آپ کی سرپرستی میں یہ ہو گا۔"

ایک ماہ ہنگامے ہوئے پھر سب اپنے گھروں کو چل پڑے۔ رام پور میں رؤف خان نے ایک دن ناظم خاں سے کہا۔

"خان صاحب عطن خاں کہہ رہے تھے کہ ہم بھی بالغ ہو گئے ہیں۔ ہماری طرف بھی نظر ہو جائے۔" ناظم خاں کا کھن گرج قہقہہ ابھرا اور انہوں نے رؤف خاں کی پیٹھ ٹھوکتے ہوئے کہا۔

"اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے رؤف خاں؟"

"میں تو بوڑھا ہونے لگا ہوں یہ دیکھئے چنبرا میں سفید بال نکلنے لگے ہیں۔"

ناظم خاں قہقہے لگانے لگے۔

ختم شد